حیرت انگیزی میں اپنی مثال دل ودماغ پر
لرزہ طاری کرتی انوکھی اور اچھوتی کہانی
اوتار
مکمل ناول
ایم الیاس

پیش لفظ

ایک مقولہ ہے کہ نا کامی کامیابی حاصل کرنے کی جانب ایک قدم ہے۔مشہور مصنفین کا کہنا ہے کہ اپنی ابتدائی زندگیوں میں پبلشرز کی طرف سے مسترد کر دیئے جانے کے بعد انہیں متعدد مرتبہ نا کامیوں اور مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ پھر بڑی جدو جہد کے بعد ان کی کتابوں کی اشاعت شروع ہوئی اور انہوں نے نام کمایا۔روم ایک دن میں تو تعمیر نہیں ہو گیا تھا؟

تاہم مقابلہ کے اس دور میں ہم ''نا کامی'' کو تسلیم کرتے ہوئے شرماتے ہیں بلکہ اس لفظ کا ذکر تک سننا نہیں چاہتے۔ یہاں بھی ہمیں اپنے خیالات میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے تا کہ ہم یہ قبول کر سکیں کہ کامیابی اور نا کامی زندگی کے ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔

جناب ایم الیاس کے ہم اس سے پہلے بھی کئی ناول کتابی صورت میں شائع کر چکے ہیں۔ حال ہی میں ہم نے ان کا ڈر ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا طویل سلسلہ ''جادوگر'' کتابی شکل میں شائع کیا ہے جو اپنی ضخامت کے اعتبار سے کافی مقبول و مشہور ہوا۔

اب ایسا ہی ایک اور ناول ''اوتار'' آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جو ایک ایسے شخص کی داستان ہے جو ٹیلی پیتھی کا ماہر ہے اور پرائیوٹ سراغرساں ہے۔اس نے اپنی ذہانت اور قابلیت کی بنا پر ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جو کے بارے میں ہمارا ذہن تصور بھی نہیں کر سکتا۔جبکہ ایسے ایسے دہشت ناک اور خطرناک حادثات کا اس نے سامنا کیا جن کو سن کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔حسینوں کی عشوہ طرازیوں اور مستیوں میں ڈوبی ایک انتہائی دلچسپ اور پر تحیر تحریر ہے جس کو پڑھ کر آپ بے اختیار داد دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔

ناول پڑھئے اور ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کیجئے کہ آپ کو یہ ناول کیسا لگا۔اب اجازت دیجئے آئندہ نئے ناول کے ساتھ پر آپ سے ملاقات کریں گے۔ خدا حافظ

ادارہ

میں نے جس شخص کا پرس اڑایا تھا اس کا نام گوپال تھا۔ وہ ایک رشوت خور افسر تھا۔ وہ جس محکمے میں تھا اس میں یہ کالی بھیڑ تھا۔ اس کے محکمے میں جو لوگ جس کام سے آتے تھے وہ بڑے پریشان حال اور مجبور قسم کے ہوتے تھے اگر ان سے رشوت لئے بغیر ان کا کام کر دیا جائے تو ان پر کسی قسم کا کوئی بوجھ نہ پڑے اور پھر وہ کوئی غلط کام کرانے نہیں آتے تھے۔ لیکن ہمارے ملک میں ایسے محکمے جن سے لوگوں کا واسطہ پڑتا تھا جب وہ اپنے کسی بھی جائز کام کے لئے جاتے تھے تو انہیں متعلقہ افراد کی مٹھی گرم کرنا پڑتی تھی۔ وہ مجبور تھے کیوں کہ ان کا کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ پھر انہیں بار بار چکر لگوا کر تنگ اور پریشان کیا جاتا تھا۔ لہٰذا وہ مٹھی گرم کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا۔ ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی تھی۔ بڑے افسران اول تو ملتے نہیں تھے، ملتے تھے تو الٹا ان کی ڈانٹ سننا پڑتی تھی۔ متعلقہ شخص پھر اس کے شکایت کرنے کے جرم میں رشوت کی رقم دگنی کر دیتا تھا۔ دراصل نیچے سے اوپر تک آوا ں ہی آوا بگڑا ہوا تھا۔ کسی ناجائز کام کو جائز کروانا ہو تو مٹھی گرم کر دیں۔

گوپال نے جس شخص سے پچیس ہزار روپے رشوت لی تھی ان کا نام شنکر دیال تھا۔ ان کا ایک اسّی گز کا مکان تھا جو انہوں نے اس محکمے سے قرض لے کر بنایا تھا۔ اس کی تمام اقساط ادا کر دی تھیں۔ اس کے باوجود وہ گھر کے کاغذات نہیں دے رہا تھا۔ پچیس ہزار روپے رشوت مانگی تھی۔ اصولی طور پر پچیس روپے دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان پر کوئی بقایا جات نہیں تھے۔ شنکر دیال نے ایک سے قرض لے کر اسے دیئے اور فائل لے کر گھر چلے گئے۔ انہوں نے جس سے قرض لیا تھا اس سے کہا تھا کہ وہ اپنا مکان بیچ کر قرض ادا کر دیں گے۔ اس رشوت خور کی جیب میں جو بٹوا تھا اس میں شنکر دیال کی رقم پچیس ہزار پانچ پانچ ہزار کی نوٹوں کی شکل میں تھے۔ اس کے

علاوہ پندرہ ہزار سات سو کی رقم اور تھی اور دس ہزار ڈالر......

گوپال گولڈن اسٹریٹ میں اس لئے آیا تھا کہ ایک نیکلس خریدے جس کی مالیت دس ہزار کی تھی۔ یہ نیکلس کل ہی اس کی محبوبہ نے پسند کیا تھا۔ اس کی محبوبہ ایک ماڈل گرل اور ٹی وی کی اداکارہ بھی تھی۔ اس نے ایک فلیٹ میں اسے رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنی راتیں اس کے ساتھ کالی کرتا تھا۔ آج بھی اس کا ارادہ رات جشن منانے اور شراب نوشی کا تھا۔ اس نے بہت ہی اونچا ہاتھ مارا تھا۔ ایک تو اس نے شنکر دیال سے پچیس ہزار، ایک اور سرمایہ دار سے اس کا کام کروانے کے لئے دس ہزار ڈالر لئے تھے وہ سرمایہ دار بھی حرام دولت کماتا تھا۔ گوپال کی ماہانہ بالائی آمدنی تیس سے چالیس ہزار روپے تھی......

میں گوپال کے تعاقب میں روانہ ہوگیا تاکہ اس کی خریداری کا منظر دیکھوں۔ اس نے جہاں گاڑی پارک کی تھی وہاں سے دکان چند قدم پر تھی۔ جب وہ گاڑی مقفل کر کے اس کی چابیاں اپنی جیب میں رکھ رہا تھا تب میں نے اپنے اس شکار کو دیکھا۔ پھر اس کی جیب پر ہاتھ صاف کر دیا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ گوپال دکان میں داخل ہوا تو ایک سیلز مین نے اس کا کاروباری مسکراہٹ سے استقبال کیا۔ کیوں کہ وہ اکثر اس دکان پر اپنی محبوبہ کے ساتھ جاتا رہتا تھا۔ سیلز مین نے اس کے کہنے پر وہ نیکلس نکالا۔ بل بنایا اور اس کے سامنے رکھا۔ گوپال نے اپنی اسی جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں بٹوا رکھتا تھا۔ جب اس نے بٹوا نہیں پایا تو اس کی حالت خراب ہوگئی۔ اس نے تمام جیبیں دیکھ ڈالیں......اس حرام زادے کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔ میں وہاں سے ہٹ کر آگے بڑھ گیا۔ کیوں کہ اب رک کر کرنا کیا تھا۔ اس وقت رات کے نو بج رہے تھے۔ گولڈن اسٹریٹ پر ابھی بھی بڑی رونق، چہل پہل اور گہما گہمی تھی۔ جوتوں، کپڑوں، زنانہ ملبوسات، جیولری کی دکان میں مرد عورتوں کا ایسا رش تھا جیسے وہ سبزی ترکاری خرید رہی ہوں، جن کے پاس پیسہ ہوتا ہے ان کے لئے یہ چیزیں سودا سلف لانے کی قیمت رکھتی ہیں۔ میں نے ایک دکان میں حسین عورتوں کا جھرمٹ دیکھا اور میرا سارا دھیان اور نظریں اس طرف تھیں کہ ایک شخص سے ٹکرا گیا۔ ٹکرانے میں میری کوئی غلطی نہیں تھی۔ غلطی اس شخص کی تھی جو گاڑی فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی کر کے بڑھا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی۔ گاڑی مرسڈیز تھی۔ وہ ایک دم سے چراغ پا ہوگیا۔

''اندھے ہو گیا......دیکھ کر نہیں چل سکتے......؟''

میں نے اسے دیکھا اس کے چہرے پر خوشونت تھی۔ وہ مجھے اس طرح سے دیکھ رہا تھا جیسے میں کوئی حقیر سی شے ہوں۔ اس لمحے مجھے بہت غصہ آیا لیکن ضبط کر گیا۔ یہ ڈاکٹر سرجن مکیش تھا۔ اس شہر کے ممتاز ڈاکٹروں میں اس کا شمار ہوتا تھا، اس کا بڑا نام تھا، یہ ڈاکٹر کم، قصاب زیادہ تھا۔ اس شہر

میں جتنے مرد ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر تھیں وہ سب قصاب تھیں۔ ان لوگوں نے مقدس پیشے کو بدنام کیا ہوا تھا اور اس کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ تھے۔ ان کے کلینک مذبح خانے تھے۔ اچھے، نیک اور انسان دوست اور اس پیشے کا تقدس والے ڈاکٹر آٹے میں نمک کے برابر تھے، یہ لٹیرے تھے، انہیں حکومت نے، وزارت صحت نے، کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔ لوٹنے کا لائسنس دے رکھا تھا۔ یہ لٹیروں سے بھی کہیں ظالم، سفاک اور بے رحم تھے۔ ان کے دل کے کسی کونے میں مریضوں کے لئے ہمدردی کی رمق نہ تھی۔

ڈاکٹر مکیش ماہر قلب اور سرجن تھا۔ مشورے کی فیس سات سو سے ہزار روپے تک لیتا تھا۔ چاہے وہ مشورہ دو منٹ کا ہو، وہ فیس کے معاملے میں کسی سے رعایت نہیں کرتا تھا۔ آپریشن کے دو لاکھ روپے......اس کے پاس کیا کچھ نہیں تھا۔ وہ اپنے کلینک سے اٹھ کر آیا تھا۔ اس کے پرس میں آج کے مشورے کی فیس کی آمدنی بارہ ہزار روپے تھی اور اس کے علاوہ تیس ہزار کی رقم اور بھی تھی۔ یوں بھی وہ بڑا بخیل تھا، روپے روپے پر جان دیتا تھا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خریداری اور ڈنر لینے آیا تھا۔

''اوہ ڈاکٹر مکیش صاحب! معاف کیجئے......میں نے آپ کو دیکھا نہیں......سر! آپ سے ملنے کی بڑی تمنا تھی۔ میں کئی بار آپ کے کلینک آیا لیکن آپ آپریشن اور مریضوں کو دیکھنے میں اس قدر مصروف تھے کہ آپ سے ملنا تو درکنار آپ کے دیدار تک نہ ہو سکے۔''

''تم مجھ سے ملنا کیوں چاہتے تھے......؟'' وہ غرا کر بولے۔ ''اگر مشورہ لینا تھا تو میری سیکریٹری سے وقت لے لیتے۔ وہ وقت دے دیتی۔''

''اس لئے کہ آپ نے میرے چچا کا بائی پاس آپریشن جو کیا تھا اس کی مبارک باد دینا چاہتا تھا۔ اس کامیاب ترین آپریشن پر......''

''تمہارے چچا......؟'' وہ الجھ کر بولے۔ ''میں نے اب تک سینکڑوں آپریشن کئے ہیں۔ ان کا نام کیا ہے؟ میں نے تمہیں پہچانا نہیں......''

''ٹھاکر وکرال!'' میں نے جواب دیا۔ ''گزشتہ ماہ کی دس تاریخ کو آپ نے ان کا آپریشن اسپتال میں کرنے کے بجائے اپنے کلینک میں کیا تھا۔ ان سے تین لاکھ آپریشن فیس لی تھی۔ انہوں نے وی آئی پی روم لیا ہوا تھا۔ دس دن ٹھہرے تھے۔ دس لاکھ کا بل بنا تھا۔''

''اچھا تو تم ان کے بھتیجے ہو......یاد آ گیا۔'' پھر انہوں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا تو میں نے ان سے بغل گیر ہو کر مبارک باد دی۔ ''میری ان سے کل ہی ملاقات ہوئی تھی......میں نے انہیں دس دن بعد بلایا ہے۔ اچھا اب اجازت دو۔ پھر تم سے ملاقات ہوگی۔''

وہ اپنی بیوی کو لے کر ملبوسات کی ایک دکان میں داخل ہوئے۔ میں ہجوم میں گم ہوگیا۔ پھر

میں نے سوچا کہ اب مجھے شنکر دیال کے ہاں جانا چاہئے۔ مجھے اس وقت بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ پہلے شنکر دیال سے تو مل لوں۔ کھانا تو پھر ہوتا رہے گا۔ میں نے ایک رکشہ لیا۔ شنکر دیال صاحب کا پتا بتایا۔ شنکر دیال نیو ٹاؤن میں رہتے تھے۔ شنکر دیال کے ہاں جاتے ہوئے میں اس کمینہ خصلت ڈاکٹر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے ٹھاکر وکرال کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا تھا۔ آج میں نے اسے لوٹ لیا تھا۔ ٹھاکر وکرال نہ تو میرے چچا تھے اور نہ ہی رشتہ دار...... نہ وہ مجھے جانتے تھے اور نہ میں انہیں...... ڈاکٹر کے طفیل انہیں جان لیا تھا۔ میں نے سوچا اور میرے ہونٹوں پر ایک پر معنی تبسم ابھر آیا۔ جس وقت وہ بل ادا کرنے کے لئے اپنا پرس نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالے گا اس پر کوئی بجلی سی آ گرے گی۔ اس شخص کے لئے چالیس پچاس ہزار روپے کی کوئی حیثیت نہیں...... اس کا کل اثاثہ پچاس ساٹھ کروڑ سے زیادہ تھا اور اس کی یومیہ آمدنی تین لاکھ سے سات لاکھ تھی۔ سات روپے پر اس کی جان جاتی تھی۔ دوسرے دن اخبار میں خبر چھپی تھی کہ...... "کل رات ڈاکٹر مکیش پر دل کا دورہ پڑا۔ انہیں نیو اسپتال کے آئی سی یو میں داخل کر دیا گیا ہے۔" ان کی حالت خطرے سے باہر نہیں...... ڈاکٹر کا پینل ان کی جان بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔" یہ خبر پڑھ کر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے شنکر دیال کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ دروازے پر شنکر دیال تھے۔ میں نے انہیں نمستے کہا۔ انہوں نے نمستے کا جواب دے کر مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ پھر حیرت ان کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ وہ نرم لہجے میں بولے۔

"فرمایئے...... میں نے آپ کو پہچانا نہیں......؟ آپ کو کس سے ملنا ہے......؟ آپ کون ہیں؟"

"آپ سے ہی ملنے آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے آپ کو پہچان لیا......؟ آپ کا نام شنکر دیال ہے نا......؟"

"آپ مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں......؟" ان کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ "کیا آپ کو میرے کسی دوست نے بھیجا ہے؟"

"میں کیوں آیا ہوں......؟ کس لئے آیا ہوں......؟ یہ میں اندر آ کر بتاؤں گا۔"

میں نے کہا۔ "میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا...... میں جس کام سے بھی آیا ہوں آپ کے کام سے...... آپ کے فائدے ہی کے لئے...... آپ پریشان نہ ہوں...... مجھ سے مت گھبرائیں؟"

جس وقت شنکر دیال نے دروازہ کھولا تھا ان کا چہرہ حسرت و یاس کی تصویر بنا ہوا تھا۔ ان کی آنکھوں سے گہری اداسی جھانک رہی تھی۔ ان کا دکھ میں جانتا تھا سمجھتا تھا۔ ایک نیک اور شریف

آدمی کے پچیس ہزار کی رقم کا قرض لینا ایسا ہی تھا جیسے وہ پچیس لاکھ روپے ہوں۔ ایک ملازم شخص جس کی تنخواہ چھ ہزار روپے ہو۔ پانچ افراد کا کنبہ ہو وہ اتنی بڑی رقم کیسے ادا کرے گا؟

"میرے فائدے کے لئے...... اچھا......؟" انہوں نے لمحے بھر کے لئے سوچا۔ "آپ تھوڑی دیر زحمت کریں، میں بٹھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

شنکر دیال اندر چلے گئے...... میں نے دوسرے دن ڈاکٹر مکیش کی خبر پڑھ کر سوچا تھا کہ چالیس پچاس ہزار کی رقم نے اسے آئی سی یو پہنچا دیا...... جب نیو اسپتال والے تین چار لاکھ روپے کا بل پیش کریں گے تو وہ شاید اوپر ہی چلا جائے۔

تھوڑی دیر بعد شنکر دیال نے آ کر دروازہ کھولا اور وہ مجھے اندر لے گئے۔ نشست گاہ میں بٹھایا۔ ان کی بیوی، دو نوجوان لڑکیاں اور دو چھوٹے لڑکے تھے۔ وہ دوسرے کمرے کے دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ ایک حیرت اور تجسس سا تھا کہ میں کیوں اور کس لئے آیا ہوں۔ میری ذات سے انہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ وہ اس وقت کھانے کے لئے بیٹھ چکے تھے کہ میں نے دروازے پر دستک دی تھی۔

میں نے راستے ہی میں گوپال اور ڈاکٹر مکیش کے بٹوؤں میں سے رقم نکال کر رکھ لئے تھے بلکہ تمام چیزیں بھی...... اس میں ان کے کریڈٹ کارڈ، شناختی کارڈ اور کچھ ضروری کاغذات بھی تھے، میں نے گوپال اور ڈاکٹر کی رقم الگ الگ جیب میں رکھ لی تھی۔ میں گوپال کی رقم میں سے پانچ پانچ ہزار کے وہ نوٹ جو انہوں نے گوپال کو دیئے تھے نکال کر ان کی طرف بڑھائے۔

"یہ کیا ہے......؟" شنکر دیال نے چونک کر پہلے حیرت سے نوٹوں کو دیکھا اور پھر میرے چہرے پر اپنی نگاہیں مرتکز کر دیں اور رقم نہیں لی۔ "یہ وہ پچیس ہزار کی رقم ہے جو گوپال نے آپ سے گھر کے کاغذات کے عوض وصول کی تھی۔" میں نے کہا۔ "یہ آپ کی امانت ہے۔"

"ایں......" وہ اچھل سے پڑے۔ انہوں نے رقم کو بے یقینی سے دیکھا۔ انہیں یقین نہیں آیا۔ "کیا اس نے یہ رقم واپس کر دی......؟"

"کیا آپ کو یقین نہیں آیا......؟" میں نے کہا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو میں نے پوچھا۔ "آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا ہے!"

"اس لئے کہ میں نے اپنی زندگی میں ایسا ذلیل اور خبیث شخص نہیں دیکھا۔" وہ ہذیانی لہجے میں کہنے لگے۔ "میں نے کوئی چھ ماہ چکر کاٹے۔ بہت تنگ اور پریشان کیا۔ یہ کہہ کر ٹالتا رہا کہ فائل نہیں مل رہی ہے۔ پھر کہا کہ پچیس ہزار کی رقم دینا ہوگی۔ کل پانچ آدمی ہیں۔ فی کس کو پانچ ہزار روپے دینے ہوں گے۔ اس نے میرے سفید بالوں، میرے بڑھاپے اور غریبی کا بھی کوئی

خیال نہیں کیا...... ایسا شخص اتنی بڑی رقم واپس کیسے دے سکتا ہے۔ میری بیوی کے زیورات گروی رکھ کر میں نے یہ رقم قرض لی۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔"

"میں نے اس سے یہ رقم وصول کر لی ہے۔" میں نے کہا۔ "کس طرح............؟ کیسے......؟ آپ اس جھن جھٹ میں نہ پڑیں۔ اب آپ کو کس بات کا ڈر اور خوف...... اب تمام کاغذات آپ کے پاس موجود ہیں۔ وہ آپ کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا...... بے فکر رہیں۔"

میں نے وہ رقم ان کی جیب میں ٹھونس دی۔ بھگوان کا شکر کریں۔ اس نے آپ کی بہت بڑی مصیبت ٹال دی۔ آپ کی نیکیاں کام آ گئیں۔"

ویرانے میں جیسے چپکے سے بہار آ گئی تھی۔ پہلے تو ان کی بیوی کمرے میں داخل ہوئیں۔ پھر ان کی لڑکیاں اور لڑکے...... کمرے میں آ گئے۔ میں نے انہیں خوش دیکھا تو مجھے ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوئی۔ ایسی مسرت اور روح کو سرشاری کوئی پچیس لاکھ روپے دیتا تو بھی ایسی خوشی نہ ہوتی...... خوشی دولت نہیں دیتی ہے۔ آدمی کسی کو خوش کر کے، خوش دیکھ کر جتنا خوش ہوتا ہے اتنا دولت پا کر نہیں...... کچھ دیر بعد جب میں نے رخصت چاہی تو شنکر دیال نے بڑی محبت سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر وہ بولے۔

"بیٹے!...... تم بہت دور سے آئے ہو...... تم نے کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ ہم نے بھی نہیں کھایا، جو دال روٹی ہے وہ حاضر ہے...... تم نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھایا تو اتنی خوشی ہوگی میں بتا نہیں سکتا...... تم اسے اپنا گھر سمجھو...... تم نے ہمیں بن مول خرید لیا......"

"ہاں بیٹے......" شنکر دیال کی بیوی نے ممتا بھرے لہجے میں کہا۔ "تم نے جو عزت اور محبت دی اور احسان کیا ہے، ہم اسے کبھی بھلا نہیں سکتے۔" بھگوان سارے جہاں کی خوشیاں تمہاری جھولی میں ڈال دے۔ تم انسان نہیں بھگوان کے اوتار ہو، تمہاری خوشی کے لئے ہم گھر والے ہر لمحہ بھگوان سے پرارتھنا کرتے رہیں گے۔"

ان کی بڑی بیٹی اور چھوٹی بیٹی دونوں ہی باورچی خانے میں گھس گئیں۔ جس کمرے میں مجھے لے جایا گیا تھا فرش پر دری بچھی ہوئی اور اس پر دستر خوان موجود تھا۔ دستر خوان پر کھانا چنا ہوا تھا۔ لوکی کی ترکاری، چنا دال، پودینا کی چٹنی اور چپاتیاں تھیں۔ لڑکیاں دس منٹ بعد آئیں تو انڈوں کا آملیٹ اور پکوڑے تل کر لے آئیں، گھر بہت ستھرا تھا۔ آئینے کی مانند چمک رہا تھا۔ سلیقہ، سگھڑ پن اور نفاست گھر سے ٹپک رہی تھی، ماں سلیقہ مند ہو تو بیٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ آج کل مائیں لڑکیوں کو سگھڑ پن اور سلیقہ کہاں سکھاتی ہیں اور لڑکیوں کو گھریلو امور سے زیادہ کمپیوٹر، چیٹنگ اور فیشن سے فرصت نہیں۔ انہیں چائے تک ڈھنگ سے بنانا نہیں آتی۔ کھانا اس قدر خوش ذائقہ اور مزے دار

اور نفیس تھا کہ میں نے انگلیاں چاٹ لیں۔ لڑکیاں بڑی تمیز دار تھیں جس گھر میں جائیں گی اس گھر کو سورگ کا نمونہ بنا دیں گی۔ میں جتنی دیر تک اس گھر میں ان کے درمیان رہا محبت، خلوص اور اپنائیت سے میرا وجود مہکتا رہا۔

ایک دلچسپ بات یہ تھی کہ انہوں نے نہ تو میرا نام پوچھا اور نہ ہی پوچھا کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ دراصل انہیں اس بات کا خیال ہی نہیں رہا۔ میں نے چلتے وقت مزید دس ہزار کی رقم انہیں یہ کہہ کر دے دی کہ بڑی لڑکی کی جو شادی ہونے والی ہے اس کے لئے ہے۔ وہ حیران تھے۔ پہلے تو انہیں رقم لینے پر اعتراض تھا۔ میرے اصرار پر لے لی۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ مجھے اس بات کی خبر کیسے ہوئی؟ میں نے ان سے کہا کہ...... یہ جو تھوڑا بہت جہیز کا سامان نظر آ رہا ہے۔ میں بس اسٹاپ پر آیا تو شنکر دیال بھی ساتھ تھے۔ جب میں ٹیکسی میں سوار ہوا تو وہ اس وقت تک وہاں کھڑے رہے تھے جب تک ٹیکسی ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

☆......☆......☆

صبح دس بجے میں کرشنا چیمبر پہنچا۔ اس کی چار منزلوں پر مختلف دفاتر تھے۔ تیسری منزل پر صرف وکلاء کے دفتر تھے۔ صرف دو ایک دفاتر کھلے ہوئے تھے۔ کیوں کہ اس وقت تمام وکلاء عدالتوں میں حاضری دیتے ہیں اور دوپہر کے بعد آتے ہیں۔ اس وقت جو دفتر کھلے ہوئے تھے اس سے ایسا لگتا تھا کہ آج کے دن ان کے پاس کوئی کیس نہیں ہے۔ یہ کل کی تیاری کر رہے ہیں۔

کمرہ نمبر نو بالکل سامنے تھا۔ میں یہاں پہلی بار آیا تھا۔ اس کمرے کے دروازے پر رام لال کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اس کمرے کا دروازہ قدرے بھڑا ہوا تھا لیکن اندر سے تیز تیز باتیں کرنے کی آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ میں قریب گیا تھا کوئی کرخت لہجے میں کہہ رہا تھا......

"تم وکیل ہو گے اپنے گھر کے...... تم نے سات مہینے سے چودہ ہزار روپے نہیں دیئے ہیں۔ یہ اس کا کرایہ ہے۔ ایک برس سے بجلی کا بل چھ ہزار تین سو روپے کا ہے، تمہارا دوست جو بجلی میں کام کرتا ہے آخر وہ کب تک اس کی بجلی کٹنے سے بچائے گا...... تم نے بیس ہزار روپے سہ پہر تک ادا نہیں کئے تو پھر کچھ نہ کہنا...... وکرم آ کر نہ صرف تمہیں بلکہ تمہارا سامان نکال کر پھینک دے گا۔ تم عدالت میں جاؤ یا جہنم میں...... میں نے ایک وکیل سے بات کر لی ہے۔ اسے چار ہزار ماہانہ کرائے پر یہ دفتر دے رہا ہوں۔ وہ پچاس ہزار ڈپازٹ دے رہا ہے...... سمجھے۔ وکیل کا نام دھنی رام ہے۔"

"اس مرتبہ صرف آخری بار ایک ہفتہ کی مہلت دے دو۔" رام لال نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "پھر جو تمہاری مرضی...... میں خود......"

"تمہارے پاس ایک کیس بھی نہیں ہے اتنی بڑی رقم کہاں سے دو گے......؟" وہ استہزائیہ

لہجے میں بولا۔ ”کیا ڈاکہ مارو گے؟“

”میں دوستوں سے قرض لے کر تمہاری پائی پائی ادا کر دوں گا۔“ رام لال نے کہا۔ ”یہ دفتر گیا تو پھر کوئی کیس آنے سے رہا......“

”دوست...... تم کن دوستوں کی بات کر رہے ہو...... تمہارے دوست تمہاری صورت دیکھتے ہی کنی کترا جاتے ہیں۔ تمہیں کوئی دس روپے تک دینے کا روادار نہیں...... تمہارے رشتہ دار بھی تم سے دور بھاگتے ہیں۔ تمہاری صورت تک پسند نہیں......“

”مصیبت کی گھڑی میں کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا ہے۔“ وہ بڑی افسردگی سے بولا۔ ”وقت کی بات ہے۔ تین برس پہلے میری وکالت کتنی اچھی چل رہی تھی۔ اب میرے پاس آخری صورت رہ جاتی ہے کہ مکان بیچ کر سر سے قرض کا بوجھ اتار دوں۔“

”مکان......“ دفتر کے مالک نے کہا۔ ”کہو تو میں اس کا سودا ابھی کر لوں...... اس کے چار لاکھ دے دوں...... آج ہی......“

”یہ مکان کوڑیوں کے مول بیچ دوں......؟“ رام لال نے کہا۔ ”اس وقت ایسے مکان کے سات لاکھ روپے ہیں اور تین دن پہلے ایک مکان جو کارنر کا تھا وہ آٹھ لاکھ روپے میں فروخت ہوا ہے، تم آٹھ لاکھ روپے دو تو سودا ابھی اور اسی وقت کرنے کو تیار ہوں۔“

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اندر سے اس قدر کائیاں اور کمینہ خصلت ہو۔“ مالک دفتر بھڑک کر بولا۔ ”میں سہ پہر کے وقت پولیس اور غنڈوں کو لے کر آ رہا ہوں، بچو!...... میں دیکھتا ہوں۔ تمہیں کون بچاتا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ اب تم سے کوئی بات نہ ہوگی۔“

میں اسی وقت دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ دفتر کا مالک جو نکل رہا تھا اسے میں نے روک لیا۔ رام لال مجھے دیکھتے ہی بولا۔

”یار! تم اس وقت...... ایک برس بعد شکل دکھا رہے ہو...... آؤ...... آؤ...... بیٹھو۔ یہ میرے دفتر کے مالک ہیں۔“

”آپ نہ صرف تمام کرایہ لے لیں بلکہ دو برس کا پیشگی بھی...... ابھی اور اسی وقت...... رسید دیں اور رقم لیں۔“ میں نے کہا۔

دفتر کے مالک نے حیرت اور خوشی سے میری طرف دیکھا اسے کیا رام لال کو بھی جیسے یقین نہیں آیا۔ وہ خواب کی سی حالت میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے جیب سے رقم نکالی اور رسید کے مطابق ادا کر دی۔ بجلی کا بھی حساب کر لیا۔ اب میرے دوست پر بقایا جات نہیں رہے تھے۔ اسی وقت ہوٹل کا ملازم آیا تو رام لال نے اس سے کہا۔ ”راجا! یار جلدی سے انڈا پراٹھا میرے اور

میرے دوست کے لئے بھی لے آؤ...... میں نے ناشتا نہیں کیا ہے......؟ بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔“ ”دو پراٹھے اور دو ہاف فرائی لے کر آنا......“

”ارے رام بابو! کیا میرا باپ کا ہوٹل ہے جو تم تین مہینے سے ناشتا اور دوپہر کا کھانا اور چائے اڑا رہے ہو؟“ راجا نے جیب سے ایک پرچہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ”یہ تیرہ سو تیس روپے کا ادھار ہے۔ مالک نے کہا ہے۔ ابھی رقم وصول کر کے لاؤ۔“

میں نے راجا سے پرچہ لے کر جیب میں رکھ لیا اور پانچ پانچ سو کے تین نوٹ نکال کر اسے دیئے۔ ”یہ لو...... اب ہمارا حساب صاف...... اور ہاں یہ پرچہ بھی لے جاؤ۔ اس پر لکھوا کر لاؤ۔ وصول پائے اور ہاں انڈا پراٹھا بھی لیتے آنا......“

رام لال مجھے بڑی حیرت اور محبت سے دیکھ رہا تھا۔ میں اسے حیرت اور صدمے سے دیکھ رہا تھا۔ آٹھ نو ماہ بعد اس سے میری ملاقات ہوئی تھی اس کی بڑی خستہ حالت ہو رہی تھی۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ قمیص اور اس کا کالر بہت میلا...... کوٹ بھی پھٹا ہوا تھا...... اس کے علاوہ اس کے دفتر کی حالت اس کی زبوں حالی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس کے رخسار پچک گئے تھے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ جوتے بھی بہت بری طرح گھس چکے تھے۔ وہ وکیل کم ایک غربت و افلاس کی تصویر دکھائی دے رہا تھا۔

”تم میرے پاس کیوں نہیں آئے......؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی آنکھیں میری مدد سے بھر آئی تھیں۔ ”کیا میں مر گیا تھا؟“

”تم نے پہلے میری بہت مدد کی...... مکان خرید کر دیا اور میری شادی کے تمام اخراجات برداشت کئے۔“ اس کی آواز بھرا سی گئی۔ اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے۔ ”میں کیا منہ لے کر تمہارے پاس آتا۔ میں پہلے ہی تمہارے احسانات......“

”میں تمہارے چھ ہاتھ ایسے ماروں گا کہ سارے دانت نکل آئیں گے......“ میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ”کیا میں تمہارا دوست نہیں ہوں......؟“

”تم بھی بہت یاد آتے رہے...... لیکن شرمندگی اور خجالت نے تم سے ملنے نہیں دیا۔ اس نے نگاہیں نیچی کر کے کہا۔“

”اچھا...... یہ بتاؤ۔ بھابھی اور بچے کیسے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔ ”کیا بچے اسکول جا رہے ہیں؟ گھر کس طرح چل رہا ہے؟“

”گنگا اور بچے دو ماہ سے نانی کے ہاں ہیں......“ اس نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ”فیس نہ بھرنے سے ان کے نام اسکول سے کٹ چکے ہیں۔ دودھ والے، پرچون کی دکان، سبزی

فروش اور دیگر کے پندرہ سولہ ہزار روپے چڑھ چکے ہیں، میں ایک مہینہ سے بیوی بچوں سے ملنے نہیں گیا...... گھر...... ادھار پر چلتا رہا تھا۔ آخر کب تک چلتا...... گھر اور دفتر کا فون بھی کٹ چکا ہے۔''

ناشتے سے فراغت پانے کے بعد میں اسے نائی کی دکان پر لے گیا۔ پھر اس کے لانڈری سے دھلے ہوئے کپڑے لئے۔ پھر ایک دکان سے اس کے لئے جوتے خریدے۔ اس کے محلے میں جا کر ہر ایک کا ادھار ادا کیا۔ اس نے نہا کر کپڑے بدلے۔ اسکول محلے میں تھا۔ ایک سال کی فیس بھر دی۔ پھر بازار سے مٹھائی اور پھل خریدے۔ ٹیکسی کی، راستے میں اس کے ہاتھ پر دس ہزار روپے رکھے اور کہا۔

''بھابی سے کہنا کہ میری بدولت ایک بہت بڑا کیس ملا ہے۔ چالیس ہزار فیس ملی ہے۔ اب کسی کا کوئی ادھار نہیں رہا۔ میں نے ایک ایک دکان دار کا ادھار ادا کر دیا ہے۔ بچوں کے اسکول کی پیشگی ایک سال کی فیس بھی جمع کرا دی ہے۔ دفتر کا کرایہ بھی دے دیا ہے۔ مجھے جو کیس ملا ہے اس کے دو لاکھ روپے ملیں گے۔ چالیس ہزار کی جو رقم ملی ہے وہ فیس کی پہلی قسط ہے۔ ایک اور کیس ملا ہے۔ اس نے پچاس ہزار روپے دیئے۔ میں نے تمام قرض، دفتر کا کرایہ اور اسکول کی فیس ادا کر کے اپنے آپ کو ہلکا کر لیا ہے۔ یہ دس ہزار روپے رکھو...... محلے میں کسی سے تم نے قرض لیا ہے تو اس میں سے ادا کر دینا۔ اب گھر چلو۔ بھگوان کی کرپا سے اب دن پھر جائیں گے۔ ایسے دن نہیں آئیں گے۔ مجھے معاف کر دو۔ تمہیں میری طرف سے بہت تکلیف پہنچی ہے۔''

ٹیکسی اس کے سسرال کے دروازے پر رکوائی۔ میں نے دستک دی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ گنگا کا اداس چہرہ نظر آیا۔ وہ دو ماہ کے عرصے میں بجھ کر رہ گئی تھی۔ وہ نہ صرف بہت خوب صورت تھی بلکہ بہت اچھی عورت تھی مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ ''بھائی جان!''

''ہاں......'' میں نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ ''میں تمہاری جان کو لے کر آیا ہوں تاکہ تمہیں اور بچوں کو گھر لے جائے۔ تم تھوڑی دیر بعد گھر چلی جانا۔''

''لیکن بھائی جان!'' وہ تذبذب سے بولی۔ ''میں نے کبھی آپ کی کسی بات سے انکار نہیں کیا۔ میں چلی جاؤں گی۔ لیکن گھر کیسے چلے گا؟''

گنگا کی اب تک رام لال پر نگاہ نہیں پڑی تھی جو ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے پھل اور مٹھائی کے ڈبے نکال رہا تھا۔ میرے اشارے پر جب اس نے ٹیکسی کی طرف دیکھا تو اسے یقین نہیں آیا اسے بڑی حیرت ہوئی اور چہرہ دمک گیا۔ ''بھائی جان! یہ سب کیا ہے؟''

''یہ تمہیں بتائے گا کہ یہ سب کچھ کیا ہے؟ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ پھر تم سے گھر آ کر ملوں گا۔'' میں نے اس کا رخسار تھپ تھپایا۔ میں نے رام لال سے اس کے دفتر کی چابی یہ کہہ کر

لی کہ مجھے کچھ خط لکھنے ہیں۔ پھر میں نے اس ٹیکسی میں بیٹھ کر اس سے کہا۔ ''تم سہ پہر کے وقت اپنے دفتر آنا۔ مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے۔ تم بیوی بچوں کو گھر لے جا کر آرام کر کے چلے آنا۔''

سہ پہر کے وقت وہ اپنے دفتر آیا تو میں اس وقت اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جب اس نے دفتر میں قدم رکھا تو اسے جیسے یقین نہیں آیا۔ اس نے کہا۔ ''تم دفتر میں نہ ہوتے تو میں یہ سمجھتا کہ میں غلطی سے کسی اور دفتر میں آ گیا ہوں۔ چند گھنٹوں میں تم نے فرنیچر اور کارپٹ تک بدل دیئے۔''

''پیسہ ہو تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا......'' میں نے کہا۔ ''اب تم آرام سے اپنی میز پر بیٹھو۔'' جب وہ بیٹھ گیا تو میں نے اس کے سامنے اخبار رکھ دیا۔ پہلے صفحے پر ایک قتل کی واردات کی خبر شہ سرخیوں میں چھپی تھی۔ ایک جوان لڑکے کی تصویر جو بیس بائیس برس کی عمر کا تھا۔ اس پر قتل کا الزام عائد کیا ہوا تھا۔ یہ نوجوان قاتل چہرے مہرے سے بہت معصوم دکھائی دیتا تھا۔ ''تمہارا اس نوجوان کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''کیا تمہارے خیال میں پولیس نے اس نوجوان کو بے قصور گرفتار کر لیا ہے......؟'' رام لال نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جی ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''یہ معصوم نوجوان بالکل بے قصور ہے۔ یہ کسی متوسط گھرانے کا فرد ہے۔ اس لئے دھر لیا گیا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' رام لال کہنے لگا۔ ''ہمارے ملک میں آئے دن ایسے گھرانوں کے لوگوں کے ساتھ ایسے واقعات کا اعادہ ہوتا رہتا ہے۔ پولیس بے گناہوں کو گرفتار کرنے میں ماہر ہے۔ یہ واقعہ پہلی بار نہیں ہوا ہے اور نہ ہی نیا ہے۔ لوگ ان حالات کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھتے ہیں۔ یہاں کی پولیس تو اس موقع کی تلاش میں رہتی ہے کہ کوئی جرم سرزد ہو وہ کسی بے گناہ اور کمزور کو شک و شبہ کی بنیاد پر قانون کے نام پر دھر لے۔ انہیں ان کے اس غیر قانونی ظلم و ستم سے کون روک سکتا ہے، پولیس تو بادشاہ اور سیاہ سفید کی مالک ہوتی ہے۔''

''لیکن یہ تو سراسر زیادتی اور سنگین جرم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جو لوگ اقتدار میں ہیں وہ اور آئی جی تک یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ملک مہذب اور انصاف پسند ہے، اب ہم ساری دنیا میں اس کے لئے مشہور ہیں اور پھر ڈی آئی جی اور آئی جی کے بیانات میں پولیس کی تعریف و توصیف ہوتے رہتے ہیں کہ...... ہماری پولیس کو خواہ مخواہ بدنام کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں برتتی ہے۔''

''پولیس کے اعلیٰ حکام جو کہتے ہیں وہ سو فیصد سچ......'' رام لال نے دو دن کے اخبار اٹھا کر میرے سامنے رکھے۔ ''اس اخبار میں ایک خبر ہے کہ جیل میں ایک قیدی پر تشدد کر کے اسے موت

کے منہ میں پہنچا دیا...... یہ قیدیوں کے لواحقین کا کہنا ہے، اس پر اس لئے تشدد کیا گیا کہ پولیس کی مٹھی گرم نہ کی جا سکی۔ پولیس کا کہنا ہے کہ اس الزام میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ ملزم دل کا مریض تھا۔ دورہ پڑنے سے چل بسا۔“

پولیس جو کچھ کرتی ہے اور کہتی ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔ ”پولیس راج ہے، حکومت اس کی طرف کچھ سوچتی نہیں ہے۔“

”آج تک کسی حکومت نے عوام اور ان کے مسائل کے بارے میں نہیں سوچا وہ پولیس کے نظام کے بارے میں کیا سوچے گی؟“ رام لال نے کہا۔ ”ہم سب اس نظام کے آگے بے بس ہیں۔ غریبوں کا تو کوئی پرسان حال ہی نہیں ہے۔ انہیں حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ دولت مندوں کے لئے الگ قانون ہے۔ جب کوئی غریب کسی قانون کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو پھر پولیس اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہے جیسے وہ کوئی حقیری شے ہو۔“

”قانون میں کوئی خامی ہے نہ خرابی۔“ میں نے کہا۔ ”قانون، قانون ہے، وہ سب کے لئے برابر ہے، سارا قصور پولیس والوں کا ہے جو قانون کا غلط استعمال کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس محکمے میں کالی بھیڑیں بہت بھری ہوئی ہیں۔ ظلم بہرحال ظلم ہے۔“

”میری خواہش ہے کہ تم اس لڑکے کی مدد کرو۔“ رام لال نے کہا۔ ”تم چاہو تو اس لڑکے کی مدد کر سکتے ہو اور اسے بے قصور بھی ثابت کر سکتے ہو۔“

”میں اس لڑکے کی ہر قیمت پر مدد کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”میں تمہارے پاس اس لئے آیا تھا اور تم سے کچھ باتیں بھی کرنی تھیں۔“

”میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔“ رام لال نے کہا۔ ”اس کا اجر تو تمہیں بھگوان ہی دے گا کیا تم اس لڑکے سے ملے ہو؟“

”میں کل اپنے دوست سے ملنے گیا تھا تو وہ گھر پر موجود نہیں تھا۔ گھر والوں نے بتایا کہ وہ آدھے گھنٹے میں واپس آئے گا۔ میں نے سوچا کہ گھر میں بیٹھ کر کیا کروں میں چہل قدمی کرنے نکلا۔ ایک عمارت کے پاس ہجوم دیکھ کر میں اس طرف بڑھا۔ وہاں پولیس کی گاڑی تھی۔ پولیس والے ایک نوجوان لڑکے کو گرفتار کر کے گاڑی میں بٹھا رہے تھے۔ اسے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ بے قصور ہے۔ میں نے تہیہ کر لیا اسے قتل کے الزام سے بری کرا کے رہوں گا۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو ایک بے گناہ ناانصافی کے ہتھے چڑھ جائے گا...... بھگوان نے شاید مجھے اس کام کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔ تم اس کیس کی مفت میں پیروی کرو گے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کی نوبت آئے گی یا نہیں۔“

”بھگوان نے تمہیں جس صلاحیت سے نوازا ہے تم نے اسے اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا ہے۔“ رام لال نے کہا۔ ”شاید مجھے دوستوں میں یہ شرف حاصل ہے کہ تم نے مجھے اعتماد میں لیا ہوا ہے۔ اپنی ٹیلی پیتھی کی صلاحیت کے بارے میں بتایا ہوا ہے۔ بھگوان تمہیں اس صلاحیت سے نواز کر تمہارا امتحان لے رہا ہے۔ اب تک تم ثابت قدمی سے چل رہے ہو۔ میری دعائیں ساتھ رہیں گی۔“

آج کے تمام اخبارات نے قتل کی اس واردات کو پہلے صفحے پر نمایاں طور پر شائع کیا ہوا تھا۔ قاتل لڑکے کے علاوہ مقتولہ کی تصویریں بھی تھیں۔ اس لڑکے کی تصویر کے نیچے اس کا نام گوتم لکھا ہوا تھا۔ مقتولہ کی تین چار تصویریں چھپی تھیں جس میں وہ ایسے لباس میں تھی جس سے اس کی جسمانی کشش ظاہر ہو رہی تھی۔ اخبارات کو ایسی ہی تصویروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس اخبار میں پڑوسی عورت مسز رجنی کے الفاظ میں قتل کی روداد چھاپی گئی تھی۔ میں اسے دوبارہ پڑھنے لگا۔ پہلے بھی اسے پڑھ چکا تھا۔

”رات کے نو بجے کا عمل تھا۔ میں نے اپنے شوہر کو خط لکھنے کے بعد اپنا لباس تبدیل کیا۔ شب خوابی کا لباس پہن کر میں سونے کے لئے بستر پر جا رہی تھی کہ میں نے محسوس کیا کہ شانتی کے دروازے پر کوئی دستک دے رہا ہے میں حیران تھی کہ اس وقت کون آیا ہوگا کیوں کہ شانتی کسی سے ملتی جلتی نہیں تھی۔ وہ اپنے فلیٹ میں اکیلی رہتی تھی۔ اس کا حلقہ بھی بڑا محدود تھا وہ اور تو اور پڑوسیوں اور فلیٹ کے لوگوں سے بھی ملنا جلنا پسند نہیں کرتی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ بڑی مغرور ہے۔ اس میں پندار حسن بہت ہے اور زعم اور تکبر...... اس کے متعلق باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ وہ اس فلیٹ میں کوئی سال دو سال کے عرصے سے مجرد زندگی گزار رہی تھی۔ اس نے دو شادیاں کی تھیں جو صرف چار برسوں تک ازدواجی حیثیت سے قائم تھیں۔ اس کی دوسری اور آخری شادی کو کوئی سات سال کا عرصہ ہوا تھا۔ بلاشبہ وہ اتنی حسین اور پرکشش تھی کہ شادی کر کے گھر بسا سکتی تھی۔ دوسری شادی کے طلاق کے بعد پانچ برس کے بعد اس فلیٹ میں آ کر مقیم ہو گئی تھی۔ وہ ایک مقامی فرم میں اس فرم کے ایم ڈی کی پرائیویٹ سیکریٹری تھی۔ اس کی زندگی بڑی پراسرار تھی۔ وہ دفتر سے واپس آنے کے بعد اپنا وقت گھر پر گزارتی تھی۔ باہر نہیں جاتی تھی۔ چھٹی والے دن بھی وہ اپنے گھر گزارتی تھی۔ اس کے ہاں کوئی ماسی بھی کام نہیں کرتی تھی۔ وہ خود ہی صاف صفائی کر لیتی تھی۔

یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ شانتی کے بارے میں جاننے کے لئے تجسس جنون کی حد تک بڑھا ہوا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں کوئی عورت زیادہ جان نہ سکی۔ میں بھی ان عورتوں میں سے ایک تھی۔ شانتی کے بارے میں جاننے کے لئے خواہش مند تھی۔ شانتی کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا اس کی ایک سہیلی سے جو صرف ایک مرتبہ اس سے ملنے آئی۔ پھر وہ کبھی نظر

نہیں آئی تھی۔ میں نے اسے نیچے کے زینے پر جالیا تھا اور باتوں باتوں میں اس سے معلوم کرلیا تھا۔ پھر بھی اس نے کچھ زیادہ نہیں بتایا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ شانتی بڑی خشک عورت ہے۔

جب اس کے دروازے پر دستک ہوئی تھی میں نےپ سے جھانک کر دیکھا۔ دروازے پر ایک خوب صورت، نوجوان اور دراز قد لڑکا اپنی جیب میں ہاتھ ڈالے کس قدر مضطرب اور پریشانی کے عالم میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ چوروں کی طرح گھبرا کر راہ روی کا جائزہ لیتا۔ کبھی زینے کی طرف کبھی میرے فلیٹ کی طرف دیکھتا۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ دروازے پر شانتی تھی۔ وہ شب خوابی کے ایسے لباس میں تھی کہ جس میں سے اس کا بدن چھلکا پڑتا تھا۔ شانتی کو اس بات کی کوئی فکر اور پروا نہیں تھی کہ وہ کس حالت میں ہے اور اس کے سامنے ایک نوجوان لڑکا کھڑا ہوا ہے اس نے اس لڑکے کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چونک سی گئی اور اس کے چہرے پر خوف سمٹ آیا۔ وہ ہراساں ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ میری نظر لڑکے کے ہاتھ پر پڑی تو میرے سارے بدن پر جھرجھری سی آ گئی۔ رگوں میں لہو منجمد ہوگیا۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں پستول تھا جو اس نے شانتی کے سینے پر رکھ دیا۔ پھر اس نے پستول کے زور پر شانتی کو اندر کی طرف دھکیلا۔ لمحوں تک میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ جب باہر کسی کو نہیں دیکھا تو میں دروازے کی طرف بڑھی میں نے چابی کے سوراخ میں سے جھانکا۔ نشست گاہ سامنے تھی اور وہ لڑکا شانتی کی طرف وحشیانہ انداز سے جھپٹ پڑا تھا اور اس کا لباس تار تار کرنے لگا۔ شانتی نے بھاگنا چاہا تو اسے دبوچ لیا۔ شانتی کی جدوجہد اور مزاحمت اس لڑکے کے سامنے دم توڑ گئی۔ جب وہ اس کے قابو میں آ کر بے بس ہوگئی تب مجھے ہوش آیا۔ پھر میں نے پولیس کو فون پر اطلاع دی۔ جب پولیس نے اس عمارت کا محاصرہ کیا اور وہاں پر آ رہی تھی اس وقت یہ لڑکا عمارت سے باہر جا رہا تھا۔ لڑکے نے شاید بدحواسی اور عجلت میں دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اپنےپ سے جھانک کر دیکھا۔ نشست گاہ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ شانتی کی لاش خون میں فرش پر لت پت پڑی تھی۔ قاتل نے جانے کس طرح اس بدنصیب عورت کو قتل کیا تھا۔ کیونکہ میں نے شانتی کی چیخ یا گولی چلنے کی آواز نہیں سنی تھی۔''

رجنی کے بیان کے اختتام کے نیچے ایک سطر میں لکھا ہوا تھا۔

''پولیس ملزم کا ریمانڈ حاصل کرنے کے لئے کل اسے عدالت میں پیش کرے گی۔''

عینی شاہد کا یہ بیان میں نے اور رام لال نے ایک ساتھ پڑھا تھا۔ ہم دونوں آپس میں بڑی دیر تک اس عورت کے بیان پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔ رام لال کا کہنا یہ تھا کہ اس پڑوسی عورت نے اپنے بیان میں جو کچھ کہا ہے وہ جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ اس عورت کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ قاتل سے اس کی کیا دشمنی ہوسکتی ہے؟ اور پھر وہ ایک شادی شدہ عورت ہے۔ ویسے یہ لڑکا

اپنے چہرے مہرے اور وضع قطع سے متوسط طبقے کا معلوم اور سیدھا سادا سا نظر آتا ہے۔ ایسا لڑکا کسی عورت سے زیادتی کرنے سے رہا۔ جب کہ شانتی اس لڑکے سے بیس برس بڑی ہوگی۔ لیکن چوں کہ وہ گداز اور شاداب بدن کی حسین عورت تھی اس لئے مرد بہک بھی سکتا ہے۔'' رام لال کو گھر جانا تھا۔ کیوں کہ آج اس نے بیوی بچوں کو سیر وتفریح اور کسی ہوٹل میں رات کا کھانا کھلانے لے جانا تھا۔ اس کی بیوی بے حد خوش تھی۔ ان کے گھر میں پھر سے بہار آ گئی تھی۔ اور خزاں چلی گئی تھی۔ زندگی نے ایک نئی کروٹ لی تھی۔

صبح سات بجے میں نے ناشتا کیا۔ رینٹ اے کار سے ایک گاڑی لی اور ہلٹن پہنچا۔ مجھے گوتم کا گھر تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس قتل کی واردات کے بعد کون ایسا شخص تھا جو اسے نہیں جانتا تھا۔ اس کی رہائش ریکھا ٹاورز کے ایک فلیٹ میں تھی مجھے گوتم یاد آ گیا۔ وہ میرے ذہن میں تھا۔ دو برس پہلے کی بات ہے میں نے اسے ریکھا ٹاورز کے نیچے جو دکانیں تھیں وہاں دیکھا تھا۔ دو بدمعاش لڑکوں نے ایک لڑکی کا پرس چھینا اور موٹر سائیکل پر فرار ہونے والے تھے کہ گوتم نے اس لڑکے کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا جس کے ہاتھ میں پرس تھا۔ پھر اسے کھینچا تو موٹر سائیکل گر گئی۔ دوسرے لڑکے نے ٹی ٹی نکالا تو گوتم نے اس کے ہاتھ سے ٹی ٹی چھین کر ایک دکان کی طرف پھینک دی۔ پھر ان دونوں کی ایسی درگت بنائی کہ وہ بے ہوش ہوگئے۔ پولیس آئی اور ان دونوں کو لے گئی۔ دکان والوں نے پولیس کے آنے سے قبل لڑکی سے کہا کہ وہ چلی جائے۔ پولیس کارروائی کے بہانے تنگ کرے گی۔ لڑکی اپنی ماں کے ساتھ فریج کی خریداری کے لئے آئی تھی۔ پرس میں تیس ہزار کی رقم تھی۔ پولیس ان لڑکوں کو تھانے لے گئی اور پھر انہیں رہا کردیا۔ اس لئے کہ وہ بڑے گھرانوں کے تھے۔ انہوں نے دس ہزار خرچ کر کے پولیس سے نجات حاصل کی تھی۔

میں نے گوتم کے فلیٹ کی اطلاع گھنٹی بجائی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ میری نظروں کے سامنے سانولی سانولی رنگت کی ایک لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی ہوگی۔ جب جوانی کا خمار چڑھتا ہے تو وہ رنگت اور حسن کو نکھار دیتی ہے۔ اس کی گندمی رنگت بڑی نکھری نکھری سی تھی اور اس کے رخساروں پر بڑی تر و تازگی تھی۔ اگر وہ اداس اور پریشان نہ ہوتی اور اس کی آنکھوں میں دکھ، درد اور احساس کا گہرا سمندر نہ ہوتا تو وہ اور حسین دکھائی دیتی۔ وہ بڑی دل گرفتہ سی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور آنسو جھلک رہے تھے۔ اس کے بھائی پر جو الزام آیا تھا۔ اس کی جو بدنامی اور رسوائی ہوئی تھی اس احساس نے اس کی ہنسی، خوشی چھین لی تھی۔ ملزم اس کا سگا بھائی تھا۔ بہنوں کو یوں بھی بھائیوں سے بہت پیار ہوتا ہے۔ وہ بھائیوں پر بہت جان دیتی ہیں۔

''آپ کو کس سے ملنا ہے.....؟'' اس نے پوچھا۔ اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا سا تھا۔ پھر وہ کچھ اور کہنا

چاہتی تھی کہہ نہ سکی۔

''گوتم کا یہی گھر ہے......؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا میں صحیح جگہ پہنچا ہوں......؟ غلط تو نہیں آیا؟''

''جی ہاں......'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''کیا بھائی کے بارے میں آپ کو علم نہیں ہے کہ وہ......''

اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ کیوں کہ اس کی آواز گلے میں پھنس رہی تھی۔ ''کیا آپ ان کی بہن ہیں؟''

''کیا آپ پولیس اسٹیشن سے آئے ہیں؟'' اس نے غم ناک لہجے میں جواب دیا۔ ''ہاں...... میں ان کی بہن ہوں۔''

''جی نہیں...... میں پولیس اسٹیشن سے نہیں آیا ہوں؟'' میں نے کہا۔ ''آپ نے کیسے اندازہ لگایا کہ میں پولیس کا آدمی ہوں۔''

''کل سے رات دو بجے تک کوئی نہ کوئی آتا اور سوالات کر کے پریشان کرتا رہا۔'' وہ دل گرفتہ لہجے میں بولی۔ ''انہوں نے ایسے ایسے بے ہودہ سوال کئے کہ کیا بتاؤں......؟ انہیں اس بات کا کوئی احساس اور خیال نہیں کہ عورتوں سے کس قسم کی باتیں کی جاتی ہیں۔''

''یہ ایک المیہ ہے کہ ہمارے ہاں پولیس کو اخلاق، شرافت اور تہذیب کی تربیت نہیں دی جاتی......شاید ان کی ماں اور بہنیں نہیں ہوتی ہیں جو وہ عورتوں کو اپنے شرم ناک سوالوں سے تنگ کرتے ہیں۔ میں ان کی اور کیا تعریف کروں۔''

میں گوتم کی بہن سے باتیں کر رہا تھا کہ دو پولیس کے افسران آدھمکے۔ ''ہم تھانے کی طرف سے خانہ تلاشی لینے آئے ہیں؟''

''آپ کس خوشی میں خانہ قلاشی لینا چاہتے ہیں......؟'' میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''کل آپ لوگ کیا کرتے رہے تھے؟''

''آلہ قتل تلاش کرنے آئے ہیں۔'' ایک نے جواب دیا۔ ''آج عدالت میں پیش کرنا ہے۔ آج ملزم کا ریمانڈ لیا جائے گا۔''

''شوق سے......لیکن کیا سرچ وارنٹ لائے ہو......؟'' میں نے کہا۔ ''وہ دکھاؤ...... پھر تمہیں خانہ تلاشی لینے دیا جائے گا۔''

''اوئے......تو کون ہے......؟'' دوسرے نے بڑی بدتمیزی سے کہا اور مجھے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں اس کی کیا ضرورت؟''

''میں ان کا وکیل ہوں......'' میں نے کہا۔ ''ملزم کی بہن اور والدہ کو عدالت لے جانے آیا ہوں۔ تمیز سے بات کر۔''

ان دونوں نے جیسے ہی سنا کہ میں وکیل ہوں وہ فوراً ہی وہاں سے چل دیئے۔ وہ آلہ قتل کے بہانے اس لئے آئے تھے کہ الماری سے رقم اور زیورات پار کرلیں۔ ان کے حرام منہ ایسا لگا ہوا تھا کہ وہ اپنی کمینگی اور ذلالتوں سے باز نہیں آتے تھے۔

''کیا آپ واقعی وکیل ہیں......؟'' لڑکی نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ ''آپ نہ آتے تو یہ کمینے بہت تنگ کرتے؟''

''میں وکیل نہیں بلکہ گوتم کا دوست ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اخبار میں قتل کی خبر پڑھ کر آیا ہوں۔ آپ کا نام کیا ہے؟''

''میرا نام کامنی ہے۔'' وہ افسردگی سے بولی۔ ''آپ کس لئے آئے ہیں......؟ یہ خبر پڑھ کر گوتم کے دوست تو کیا سگے چچا اور ماموں اور رشتہ دار تک نہیں آئے۔ پڑوسیوں نے خبر نہیں لی۔ ہمیں جو بھی دیکھتا ہے اس کی نگاہوں میں تحقیر ہوتی ہے۔''

''جب مصیبت آتی ہے ایسا ہی ہوتا ہے سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں آپ کی ماتا سے ملنے آیا ہوں۔ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟''

''بڑی خوشی ہوئی کہ رشتہ داروں میں نہ سہی بھائی کے دوستوں میں سے ایک ایسا دوست بھی ہے جو ہماری خبر گیری کرنے آیا۔'' کامنی کی آواز بھرا سی گئی۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر مجھے اندر آنے کا راستہ دیا۔ بھگوان آپ کو خوش رکھے۔ آپ نے ہمیں بن مول خرید لیا۔''

میں نے اندر داخل ہو کر اس کے گھر کا اندرونی جائزہ لیا۔ وہ دروازہ بند کر کے پلٹی تو اپنی رہنمائی میں لے کر مجھے ایک بڑے کمرے میں آئی۔ جو نشست گاہ اور ٹی وی لاؤنج بھی تھا۔ درمیان میں پردے ڈال کر پارٹیشن کیا ہوا تھا۔ دو بیڈ روم کا یہ فلیٹ تھا۔ اس نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب میں صوفے پر بیٹھ گیا تو وہ میرے سامنے بیٹھ کر بولی۔

''آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا...... ماں غسل خانے میں ہیں۔ وہ نہا کر کپڑے بدل کر آتی ہیں۔ وہ بہت پریشان اور غم زدہ ہیں۔''

''کیوں نہ ہوں گی......ان کا بیٹا قتل کے الزام میں دھر لیا گیا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ماں سے زیادہ اولاد کو کون چاہ سکتا ہے؟''

''اچھا...... آپ کیا پینا پسند کریں گے......؟'' اس نے پوچھا۔ ''چائے یا کافی...... یا آپ کے لئے شربت بن کر لاؤں۔''

''یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ کچھ پیا جائے......؟'' میں نے جواب دیا۔ ''آپ تکلیف نہ کریں۔ میں آپ کی امی سے ملنے حاضر ہوا تھا۔''

''پولیس والوں نے نہ صرف چائے پی...... شربت کی دو بوتلیں پی گئے اور اس کے علاوہ ہوٹل سے جو چار سو روپے کی چیزیں منگوائی اس کے پیسے بھی ماں کو دینے پڑے [illegible] جیسے ان کے باپ کا مال ہو۔ آپ میرے بھائی کے دوست ہیں۔''

''آپ نے پولیس کی جو تعریف کی ہے وہ بہت کم ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے سنا ہے کہ آپ کافی بہت اچھی بناتی ہیں [illegible] زبردست''

''کامنی کا چہرہ لمحے بھر کے لئے حیا آلود ہو گیا تو وہ اور حسین دکھائی دی۔ حیا عورت کا اصل حسن ہے۔ یہ ناقص العقل عورتیں بیوٹی پارلرز جا کر حسن خریدتی ہیں۔ پھر وہ حسن نالوں اور گٹر میں بہہ جاتا ہے۔ ایسا حسن کسی بیوٹی پارلر کے پاس کہاں۔''

اس نے میری طرف متعجب نظروں سے دیکھا اور قدرے شگفتہ لہجے میں بولی۔ ''کیا آپ کو گوتم بھائی جان نے بتایا تھا......؟''

''جی ہاں......'' میں نے سر ہلایا۔ ''اور کون بتا سکتا ہے۔ اس نے کئی بار کہا کہ اچھی کافی پینا ہے تو میرے گھر چلو...... کامنی ایک نمبر کی کافی بناتی ہے۔''

''لیکن بھائی جان کو کبھی میرے ہاتھ کی بنی ہوئی کافی پسند نہیں آئی؟'' وہ شکایتی لہجے میں بولی۔ ''ہمیشہ مذاق اڑایا......''

''وہ آپ کو ستانے کے لئے کہتا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے مجھ سے کئی بار کہا صرف میری ایک بہن ہے۔ میں اسے بہت چھیڑتا ہوں۔''

''لیکن میرے معصوم بھائی کو اس واقعہ میں ملوث کیا گیا ہے۔'' وہ بڑے دکھ بھرے لہجے میں بولی۔ ''بھائی ایسے نہیں ہیں۔''

''میں بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہوں وہ بے گناہ ہے۔'' میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ''آپ اطمینان رکھیں، وہ باعزت طور پر رہا ہو جائیں گے۔ آپ پولیس والوں کے سوالات اور ان کے بے ہودہ فضول سوالات سے دلبرداشتہ نہ ہوں۔''

''سچ......!'' کامنی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس کے چہرے پر خوشی ٹپک پڑی۔ ''آپ سچ کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں......'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر کہا۔ ''مجھے جھوٹ کہنے کی ضرورت کیا ہے؟ بے گناہ آدمی کبھی سزا نہیں پاتا ہے۔''

''لیکن ہم غریبوں کے ساتھ انصاف کہاں ہوتا ہے اور ہماری سنتا کون ہے؟'' اس کا چہرہ غم ناک ہو گیا۔ آواز بجھ سی گئی۔ ''میرے پتا کے ساتھ کیا ہوا......؟ دفتر میں کسی بات پر ان کا باس سے جھگڑا ہو گیا۔ شام کے وقت باس کے کسی کاروباری حریف نے اسے قتل کر دیا تو سارا الزام میرے پتا پر آ گیا۔ وہ اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا پا کر جیل میں پولیس کے تشدد سے چل بسے...... قاتل کا بال تک بیکا نہیں ہوا۔''

''مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔'' میں نے کہا۔ ''جس نے بھی یہ قتل کیا وہ قانون کے ہاتھوں سے اور بھگوان کے غضب سے بچا نہیں ہوگا۔ کتے سے بھی بدتر موت مرا ہوگا۔ اس کے ہاں دیر ہے۔ اندھیر نہیں...... آپ بھگوان کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔ وہ بڑا انصاف کرنے والا ہے۔''

''مجھے ذرا برابر بھی امید نہیں ہے کہ میرے بھائی کی بے گناہی کو تسلیم کر لیا جائے گا۔'' وہ نا امیدی کے لہجے میں بولی۔ ''مجھے ایسے لگتا ہے کہ میرے بھائی کا حشر بھی شاید ویسا ہی ہو جیسے میرے پتا کا ہوا۔ اگر ایسا ہوا تو ہماری دنیا اندھیر ہو جائے گی۔''

''بھگوان کی کرپا سے اب ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''وہ محض ایک اتفاق تھا۔ نا امیدی اور مایوسی ٹھیک نہیں ہے، مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ آپ میری بات پر یقین کیجئے۔ میں آپ کے بھائی کی بے گناہی ثابت کر کے رہوں گا۔''

''بھگوان کرے ایسا ہی ہو...... میں آپ کی بات پر یقین کئے لیتی ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔''

وہ کافی بنانے کی غرض سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ میں اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اس کے دلکش جسم کی مہک اور تناسب مجھے اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ اس نے میرے دل کو گرما دیا تھا۔ اس کے رسیلے بدن میں بے پناہ کشش تھی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو تپائی پر رکھا ہوا اخبار میں نے اٹھایا۔ آج کے اخبار میں اس قتل کی واردات کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں پڑھنے لگا۔ میں حیران تھا کہ اس واردات کو کس لئے اخبار والے اتنا اچھال رہے ہیں۔ شہر میں قتل کی وارداتیں روز کا معمول تھیں۔ شاید اس لئے بھی تفصیلات دی جا رہی تھیں کہ آبروریزی اور قتل کی واردات تھی۔ شانتی کے فلیٹ سے اس کی تصویریں جو برآمد ہوئی تھیں وہ بڑی ہیجان خیز تھیں انہیں شائع کیا جا رہا تھا تاکہ اخبار دھڑا دھڑ فروخت ہوں اور اس طرح مقتولہ کے بارے میں بڑی تفصیلات دی ہوئی تھیں۔

دس بارہ منٹ بعد کامنی باورچی خانے سے نکلی تو اس نے ایک بڑی ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ اس میں کافی کے تین کپ، انڈوں کے آملیٹ، تین رکابیوں میں تھے۔ اس کے علاوہ سینڈوچز جانے کس کے تھے وہ ایک بڑی پلیٹ میں تھے چھ سات ہوں گے۔

اسی اثنا میں گوتم کی ماں کمرے سے نکل کر نشست گاہ میں آئیں تو لمحے کے لئے ٹھٹک کر رک گئیں۔ مجھے حیرت سے دیکھا اور قدرے تیز لہجے میں بولیں...... ”کیا آپ پولیس کے آدمی ہیں جو سادے لباس میں آئے ہیں؟“

”نہیں ماں!“ کامنی فوراً ہی بولی۔ ”آپ بھائی کے دوست ہیں، آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔“

میں نے اٹھ کر انہیں پرنام کیا تو انہوں نے جواب دیا اور کہا۔ ”بیٹا! تم کیوں آئے ہو؟ جبکہ ساری دنیا ہمیں نفرت سے دیکھ رہی ہے۔ ذلیل کر رہی ہے۔ ان کی آنکھوں میں ہمارے لئے حقارت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وہ ہم پر تھوک رہے ہیں کہ ہمارا بیٹا درندہ اور قاتل نکلا۔“

”پلیز! آنٹی......“ میں نے ان سے کہا۔ ”ایسی باتیں نہ کریں۔ یہ مصیبت کی گھڑی ٹل جائے گی اور آپ کا بیٹا جلد باعزت رہا ہو کر آجائے گا۔ آپ حوصلہ رکھیں۔ مجھے کبھی آپ کے ہاں آنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ کامنی نے اپنا نام بتادیا آپ کا نام......“

”میرا نام جمنا ہے۔“ وہ بولیں۔ ”تم مجھے آنٹی کہہ کر بلاؤ تو خوشی ہوگی۔ ویسے میں آنٹی جمنا کے نام سے پکاری جاتی ہوں۔“

”چلیں ناشتا کریں......“ کامنی بولی۔ ”ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور کافی بھی...... باتیں بھی میز پر کرلیں۔“

ہم نے میز پر اپنی اپنی نشستیں بنالیں۔ آنٹی نے آملیٹ اور سلائس میری طرف بڑھایا۔ ”گوتم نے کبھی تمہارا ذکر نہیں کیا...... تمہارا نام کیا ہے...... تم نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔“

”میرا نام دیوا ہے۔“ میں نے کہا۔

”دیوا......!“ وہ حیرت سے بولیں۔ ”تمہارا نام بڑا زبردست ہے۔“

”میرے ماتا پتا نے میرا یہ نام اس لئے رکھا کہ میں غیر معمولی ذہانت کا مالک ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”میں ذہانت کا بادشاہ ہوں...... میری جیسی ذہانت شاید ہی کسی کی ہو۔ میں یہ بات غرور وتکبر سے نہیں کہہ رہا ہوں، یہ ایک حقیقت ہے۔ جس کا اندازہ جلد ہی آپ کو ہو جائے گا...... آپ مجھے ذہانت کا بادشاہ تسلیم کرلیں گی۔ دنیا میں اس سے بڑی صلاحیت اور طاقت اور ہتھیار کوئی نہیں ہے۔ میں ان خصوصیات کا بادشاہ ہوں۔ میں اپنی تینوں چیزوں سے ابھی تک فتح یاب ہوتا آیا ہوں اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔“

”جبکہ تم ان غیر معمولی خصوصیات کے مالک ہو تو گوتم نے تمہارا تذکرہ کیوں اور کس لئے نہیں کیا......؟“ وہ تحیر زدہ لہجے میں بولیں۔ ”کیا اس میں کوئی راز کی بات تھی......؟ بہرحال تمہاری باتوں

نے مجھے بری طرح الجھادیا...... شاید اس لئے میں کچھ سمجھ نہیں پارہی ہوں۔ میں اپنے بیٹے کی وجہ سے سخت پریشان ہوں۔ ذہن ماؤف ہے اور کل پولیس والوں نے سات گھنٹوں تک جس طرح تنگ اور ہراساں کیا...... شرمناک سوالات ہم ماں بیٹی سے کئے اس نے مجھے بہت نروس کیا۔ میرا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے رہ گیا۔“

”اس میں راز کی کوئی بات نہیں۔“ میں نے کسی قدر سنجیدگی سے کہا۔ ”میں آپ کو ساری حقیقت صاف صاف طور پر بتادینا چاہتا ہوں۔ میں نہ تو گوتم کا دوست ہوں اور نہ ہی ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے ملے نہیں ہیں۔ لیکن میں گوتم کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ دو برس کی بات ہے جب اسے صرف ایک مرتبہ دیکھا تھا۔“

”لیکن تم گوتم کو کس مناسبت سے جانتے ہو......؟“ آنٹی نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ”کیا تم بتانا پسند کرو گے؟“

”میں نے انہیں دو برس پہلے کا واقعہ سنایا کہ گوتم نے کس طرح اپنی جان پر کھیل کر ایک لڑکی کا پرس دو مسلح بدمعاشوں سے مقابلہ کر کے واپس لیا تھا۔ اس نے تن تنہا مقابلہ کیا تھا۔ میں اس کی جرأت اور بہادری پر اش اش کر اٹھا تھا۔ اور یہ واقعہ بھولا نہیں ہوں۔ جب میں نے اسے گرفتار کر کے پولیس کو لے جاتے ہوئے دیکھا تو میں نے دل میں تہیہ کرلیا کہ میں اس بہادر لڑکے کو ہر قیمت پر بچاؤں گا۔“

”لیکن آپ نے کس طرح سے قیاس کرلیا کہ میرا بھائی بے قصور ہے۔“ کامنی نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا۔ ”اخبارات میں گوتم کے خلاف بہت کچھ چھپا ہے۔ شواہد ان کے خلاف ہیں۔ ایک عورت جو عینی گواہ ہے پولیس نے بنیاد بنایا ہوا ہے۔ اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ گوتم کے پاس ایسا کوئی عینی شاہد اور ثبوت نہیں ہے جو جائے واردات سے اس کی غیر موجودگی ثابت کرے۔ اس عینی شاہد عورت نے گوتم کا حلیہ بتایا اس پر اسے گرفتار کرلیا گیا...... ایک ایسا لڑکا جو کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا ہو۔ وہ ایک عورت کی آبروریزی اسلحہ کے زور سے کیسے کرسکتا ہے......؟ تم نہیں جانتے ہو میری کیا حالت ہو رہی ہے......؟ میں اندر سے بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی ہوں۔ یہی حالت میری بیٹی کی بھی۔ میں کہاں جاؤں......؟ کیا کروں......؟ ہر طرف گھپ اندھیرا ہے جس میں کچھ سجھائی نہیں دیتا ہے۔“ آنٹی نے کہا۔

”دراصل میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔“ میں نے بات بنائی۔ ”میں کوئی دس برس سے سراغ رسانی کر رہا ہوں۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ ان دس برسوں میں میں نے قتل کے ایسے ایسے پیچیدہ کیس حل کئے جس کی مثال نہیں ملتی...... میں بے گناہ مجرموں کو جنہیں پھانسی کی سزا دی گئی تھی

تختہ دار سے نکال لایا ہوں۔اس لئے میں کہہ رہا ہوں کہ گوتم بے گناہ ہے۔میں اس کی بے گناہی ثابت کرسکتا ہوں۔''

''اچھا......تو یہ بات ہے۔'' وہ چونک کر بولیں۔''میں اپنے شوہر کے انتقال کے بعد سے گھر چلا رہی ہوں۔میں ایک اسکول میں ٹیچر ہوں۔میری بیٹی کامنی کوئی ایک برس سے اسکول میں پڑھا رہی ہے۔گوتم ابھی پڑھ رہا ہے۔ہم نے یہ فلیٹ قسطوں پر لیا ہے۔میں نے اپنے تمام زیورات بیچ دیئے۔ماں بیٹی کی آمدنی سے نہ صرف گھر چل رہا ہے بلکہ اقساط بھی ادا کی جارہی ہیں اور گوتم کے تعلیم کے اخراجات بھی پورے کررہی ہوں......معاف کرنا بیٹے! ہم تمہاری فیس ادا کرنے سے قاصر ہیں۔'' انہوں نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔''مگر میں نے تو آپ سے اپنی خدمات کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔'' میں مسکرایا۔''میں محض انسانیت کے ناتے آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا......؟'' ماں بیٹی کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔وہ دونوں حیرت سے مجھے دیکھنے لگیں۔

''یہ تمہارا ذریعہ معاش ہے تو تم اعزازی طور پر کس لئے کام کرنا چاہتے ہو......؟ گھوڑا گھاس سے یاری کرے گا تو کھائے گا کیا......؟ یہ سوچا تم نے......''

''میرے پاس روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں ہے اس لئے میں آپ کی بے غرض مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔''آپ یہ میرا ہاتھ دیکھ رہی ہیں......'' میں نے ان کے سامنے اپنا دایاں ہاتھ لہرادیا۔''دولت میرے لئے اس ہاتھ کا میل ہے۔یہ میری فنکار انگلیاں ہیں جو......''

''میں تمہارے اس جذبے کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں۔'' وہ ممنونیت سے بولیں۔وہ میرے علامتی جملوں کو سمجھی نہیں تھیں۔وہ سادگی کا نمونہ تھیں۔''تم ہمارے لئے بھگوان بن کر آئے ہو......شاید یہ بھگوان کی غیبی امداد ہے۔'' ان کی آواز بھرا سی گئی۔

''جب ہم اس دنیا میں آئے ہیں تو ایک دوسرے کو اپنی اپنی بساط کے مطابق کام آنا چاہئے۔'' میں نے کہا۔پھر ان دونوں کی طرف باری باری دیکھا۔''چوں کہ میری بساط میں ہے اس لئے میں آپ لوگوں کے کام آنا چاہتا ہوں۔لہٰذا میں بھگوان کی کرپا سے آپ کے لڑکے کو بے گناہ ثابت کردوں گا۔''

''غریبوں کی کوئی مصیبت میں مدد کرتا ہے اور نہ اس کے کام آتا ہے۔'' وہ دل گرفتہ لہجے میں بولیں۔''میرے سگے اور خون کے رشتہ داروں نے آکر خبر نہیں لی۔جب سے میرا بیٹا قتل اور عورت کی بے حرمتی کے الزام میں گرفتار ہوا ہے تب سے ہم ماں بیٹی کا برا حال ہے۔کل میں نے اس سے ملاقات کی تھی۔اس نے بتایا کہ وہ بالکل بے قصور ہے۔اسے ناکردہ گناہوں کی سزا دی جارہی ہے۔وہ چاہتا ہے کہ میں کسی ایسے وکیل کی خدمات حاصل کروں جو کم سے کم فیس میں میرا

کیس لڑے۔لیکن میرے پاس مقدمے کے اخراجات اور وکیل کی فیس کہاں......وہ کسی سرکاری وکیل کی خدمات حاصل کرنا نہیں چاہتا......کیوں کہ یہ اسی انداز سے کیس لڑتے ہیں اور غیر قانونی طور پر فیس بھی طلب کرتے ہیں۔''

''اس شہر میں بہت سارے مخلص وکیل ہیں۔'' میں نے کہا۔''آپ نے ان میں سے کسی سے رابطہ کیا؟ شاید کوئی آگے بڑھے!''

''ہاں......اس کا امکان تو ہے۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔''لیکن ہم ماں بیٹی پرامید نہیں ہیں۔شاید ہی کوئی رعایت سے کام لے۔''

''لیکن ایک وکیل صاحب ایسے ہیں جو اپنی خدمات پیش کردیں۔'' کامنی نے کہا۔''ہم ان سے رابطہ کرنے کی سوچ رہے ہیں۔''

''یہ وکیل ہیں کون......'' میں مسکرایا۔''کیا آپ ذاتی طور پر ان سے واقف ہیں یا کسی نے سفارش کی ہے؟''

''ان کا نام رام لال ہے......'' کامنی نے کہا۔''ہم پہلے کبھی ان کے پڑوسی ہوا کرتے تھے۔امید ہے وہ تیار ہوجائیں۔''

''لیکن میں اس وکیل کے پاس جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔'' آنٹی کہنے لگیں۔''وہ ایک ناکام وکیل ہے۔اس نے جتنے بھی مقدمے لئے اس میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔میں نہیں چاہتی کہ وہ میرے بیٹے کا مقدمہ اپنے ہاتھ میں لے لے۔اس کی ناکامی کا اثر میرے بیٹے پر پڑے وہ اسے بچا نہ سکے۔میں ایک ادارے سے رجوع کروں گی جو مفت خدمات فراہم کرتا ہے۔''

''اب رام لال کے دن پھر گئے ہیں وہ ناکام وکیل نہیں رہے۔'' میں نے کہا۔''آپ ان سے دفتر جاکر ملیں۔وہ آپ کے کیس کی مفت پیروی کریں گے۔آپ ان سے میرا نام لیں اور کہیں کہ میں نے بھیجا ہے۔وہ انکار نہیں کریں گے۔وہ میرے بچپن کا دوست ہے۔''

ماں نے اپنی بیٹی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔''کامنی بیٹی! تم کیا کہتی ہو؟ ان کے کہنے پر رام لال سے مل لیں......؟''

''ہاں ماں......ان کی بات ماننے کے سوا چارہ نہیں۔'' کامنی نے مشورہ دیا۔''کیوں کہ ان کے دوست بھی ہیں اور پھر مفت پیروی کریں گے اور پھر آپ کہہ رہے ہیں کہ اب رام لال ناکام وکیل نہیں رہے۔ان سے مل کر دیکھ لیتے ہیں۔''

میں نے رام لال کے نام ایک رقعہ لکھ کر آنٹی کے حوالے کیا۔انہوں نے اسے پڑھ کر پرس میں رکھ لیا۔''آپ کا بہت بہت شکریہ......''

میں نے ان دونوں کو اپنی گاڑی میں حوالات میں چھوڑ دیا۔ وہ گوتم سے ملنے گئی تھیں۔ وہ حوالات میں تھا۔ آج اسے ریمانڈ کے لئے عدالت میں پیش کیا جانے والا تھا۔ پھر میں وہاں سے اپنے فلیٹ میں آ گیا۔ اب مجھے اپنی کارروائی رات آٹھ بجے کرنی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں ٹیلی پیتھی کے علم اور صلاحیت کا مالک نہ ہوتا تو کسی کے کام نہ آ سکتا تھا...... اس کے علاوہ میں ہرفن مولا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو ضرورت مندوں، غریبوں اور مظلوموں کی مدد کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ میرے جیسے آدمی کے لئے بہت برا تھا۔ اچھے آدمیوں کے لئے اچھا آدمی...... صرف دو ایک دوستوں کو میرے اس علم اور صلاحیت کے بارے میں معلوم تا۔ وہ مجھے بھگوان کا اوتار کہتے تھے۔

رات آٹھ بجے میں نے رجنی، یعنی شاہد کے دروازے پر دستک دی اور ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا تا کہ وہ مجھے ہپ سے نہ دیکھ سکے۔ دستک دینے پر دروازہ نہ کھلا۔ کیوں کہ وہ واش روم میں تھی۔ پھر میں نے اطلاع گھنٹی کا بٹن دبایا۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا اور بھینی بھینی خوشبو کا معطر جھونکا آیا اس نے مجھے جیسے معطر کر دیا۔ رجنی کا مسکراتا چہرہ اور پر شکوہ سراپا دروازے میں ابھرا۔ دوسرے لمحے اس کے چہرے پر حیرت چھا گئی۔ اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر وہ برہم ہو کر بولی۔ ''کون ہو تم......؟''

یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی تو میں نے دروازے پر ایک لات ماری۔ دروازہ اس بری طرح رجنی کے لگا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی وہ فرش پر گر کر بے ترتیب اور آڑھی ترچھی ہو گئی۔ وہ اس وقت شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھی جو بے ترتیب ہو کر اس کے منہ پر آ گیا۔ میں نے بجلی کی سی سرعت سے دروازہ بند کیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ تیزی سے سنبھل کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے اپنی نائٹی درست کی۔ بکھرے ہوئے بال درست کئے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس نے مجھے خوف زدہ نظروں سے دیکھا اور پیچھے اس طرح ہٹنے لگی کہ میں اسے نائٹی میں دیکھ کر بے قابو ہو کر دبوچ نہ لوں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اسے نائٹی میں دیکھ کر اپنے اوپر اختیار نہ رکھتا۔

''تم...... تم کون ہو......؟'' اس نے خود پر فوراً قابو پا لیا تھا سنبھل کر ہذیانی لہجے میں چیخی۔ ''یہ کیا بدمعاشی ہے......؟''

''تمہیں گلا پھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''تم لگژری اپارٹمنٹ میں رہتی ہو جو کہ پوش علاقہ ہے۔''

اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی جا رہی تھیں۔ میری کرخت آواز نے اسے اور بھی بری طرح سہا دیا تھا۔ وہ مجھے گھورے جا رہی تھی۔

''تم کون ہو......؟'' اس نے اپنی پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پا کر دھیمے لہجے میں پوچھا۔ اس نے خود پر خاصا قابو پا لیا تھا۔

''اگر تم پہلے ہی یہ سوال اس لہجے اور پیار بھرے انداز میں پوچھ لیتیں تو اس کی نوبت نہ آتی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ ''تمہیں تین دفعہ دریافت کرنا پڑا کہ...... تم کون ہو......؟ تم کون ہو...... تم کون ہو......؟ میں بھی تمہارے جیسا مہذب انسان ہوں۔ مہذب نظر آتا ہوں اور پھر تمیز سے بات کرنا آتا ہے۔ لیکن جو لوگ تمیز اور شرافت سے بات کرنا نہیں جانتے ہیں انہیں سلیقہ بھی سکھا سکتا ہوں۔''

''تم کیا چاہتے ہو......؟'' وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی جیسے اس نے میری آنکھوں میں جانے کیا دیکھ لیا تھا۔ حالاں کہ میری آنکھوں اور دل میں کوئی بات نہ تھی۔

''میں بہت کچھ چاہتا ہوں۔'' میں نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ ''یہ تو بتاؤ کہ تمہارا شوہر منوہر کہاں ہے آج کل......؟''

وہ اپنے شوہر کا نام میری زبان سے سن کر چونکی۔ پھر وہ خوف زدہ سی ہو گئی اور پوچھا۔ ''کیا تم اس کے دوست ہو؟''

''میں تم سے تمہارے شوہر کے بارے میں دریافت کر رہا ہوں۔'' میں نے سپاٹ سے لہجے میں جواب دیا۔ ''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔''

''وہ دبئی گیا ہوا ہے......'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن میں نے کبھی تمہیں اس کے ساتھ نہیں دیکھا اور نہ اس کے ساتھ تم یہاں آئے؟'' وہ کس لئے میں نے کہا۔ ''یہ ضروری تو نہیں کہ ہر دوست گھر آئے اور تمہارا حسین مکھڑا دیکھے۔ دوست تو بہت ہوتے ہیں جو باہر بھی مل لیتے ہیں۔''

اسے جواب دینے اور بتانے میں تامل سا ہو رہا تھا جیسے اس کا شوہر کوئی جرم کر کے فرار ہو گیا ہو۔ اس کے چہرے پر ایک سایہ سا دوڑ گیا۔

''تمہارا شوہر دبئی کس لئے گیا ہوا ہے......؟'' میں نے اپنا سوال دہرایا۔ ''تمہیں بتانے میں اس قدر تذبذب کیوں ہو رہا ہے؟''

''وہ اپنے کسی ذاتی کام سے گیا ہوا ہے۔'' اس کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ ''کس کام سے گیا یہ وہ بتا کر نہیں گیا۔''

''حیرت کی بات ہے کہ تم اپنے شوہر کو تم سے مخاطب کر رہی ہو...... خیر کوئی بات نہیں تمہاری سوسائٹی میں شوہر کو ایسے ہی مخاطب کیا جاتا ہے۔ احترام نہیں ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی عزت ہوتی ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں...... اچھا یہ بتاؤ کہ اس کی واپسی کب ہو گی؟''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتی کہ اس کی واپسی کب تک ہوگی۔'' وہ بولی۔ ''جس طرح یہ بتا کر نہیں گیا کہ وہ کس کام سے جا رہا ہے اسی طرح اس نے اپنی واپسی کے بارے میں بھی نہیں بتایا۔ میں نے پوچھا بھی نہیں۔ کیوں کہ ہم ایک دوسرے کے معاملات میں دخل نہیں دیتے ہیں۔ شاید دو ایک ماہ کا عرصہ لگ جائے۔''

''شاید ..... وہ واپس ہی نہ آئے کیوں .....؟'' میں نے اس کی بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟''

وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ ''یہ بات تم کس بنا پر کہہ رہے ہو.....؟'' ''میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں ..... اس بنا پر کہ..... تمہاری باتوں سے ایسے لگ رہا ہے کہ میاں بیوی میں کبھی ذہنی ہم آہنگی نہیں رہی۔ لیکن جسمانی ہم آہنگی ضرور رہی ہوگی کیوں کہ تم کسی قیامت سے کم نہیں ہو۔ شعلہ مجسم ہو۔ اس نائٹی میں تمہارا جسم شعلے کی طرح آنچ دے رہا ہے..... ہمارے ہاں اکثر شادیاں بے جوڑ ہوتی ہیں۔ شادی ہونے کے برسوں بعد غریب شوہر کہتا ہے کہ بیوی سے ہر وقت ناچاقی اور چپقلش ہوتی رہتی ہے۔ گھر دس برسوں سے جہنم بنا ہوا ہے۔ ذہنی ہم آہنگی بالکل نہیں ہے لیکن جسمانی ہم آہنگی ہے۔ دس برسوں میں سات بچے پیدا کر دیئے..... تمہارے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے..... ہے نا..... خیر یہ تمہارے ذاتی معاملات ہیں..... کیا تم مجھے بتانا پسند نہیں کروگی.....؟''

''ہاں ..... آؤ..... آؤ..... مجھے یاد نہیں رہا تھا.....'' اس کے حلق سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔ وہ بوکھلا سی گئی اور دہشت زدہ سی نظر آ رہی تھی۔ اس کی حالت بڑی غیر ہو رہی تھی جیسے وہ ابھی غش کھا کر فرش پر گر پڑے گی۔ وہ نشست گاہ کی طرف بڑھی۔ مجھ سے ایک قدم آگے تھی۔ یکایک وہ چکرائی۔ میں آگے بڑھ کر اسے سہارا نہ دیتا تو وہ فرش پر گر چکی ہوتی۔ اس نے خود کو سنبھال لیا۔ اس کا کیا کومل بدن تھا۔ کیسا گداز تھا۔ تپش دے رہا تھا۔ ایک پل میں میں جیسے کسی آتش فشاں سے جھلس کر رہ گیا تھا۔

پھر میں اس کے ساتھ چلتا ہوا نشست گاہ کی طرف بڑھا۔ میں نے سوچا۔ کیا اچھا ہو کہ پھر وہ ایک بار چکرا کر گرنے لگے۔

نشست گاہ میں پہنچ کر اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ لیکن وہ بیٹھی نہیں کھڑی رہی۔ کسی مجرم کی طرح..... میں نے کہا۔

''تم بیٹھ جاؤ..... اچھا نہیں لگ رہا ہے کہ میں بیٹھا رہوں۔ تم کھڑی رہو۔ یوں بھی یہ نامناسب سی بات ہے ایک عورت کھڑی رہے۔''

''تم میری فکر نہ کرو..... میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''میرے بیٹھنے اور کھڑے رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ بے جان لہجے میں بولی۔

''فرق کیوں نہیں پڑتا.....؟'' میں نے تکرار کے انداز میں کہا۔ ''کھڑے کھڑے تمہارے خوبصورت نازک سڈول پیروں میں درد ہونے لگے گا۔''

''تم کیا پینا پسند کروگے.....؟'' اس نے اپنے اضطراب پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ ''میرے ہاں ہر قسم کا شراب ہے۔''

''آخر اتنی جلدی کیا ہے.....'' میں نے ہنستے ہوئے اسے شوخ نظروں سے دیکھا۔ ''ابھی ہم دونوں کے درمیان رسمی تعارف بھی نہیں ہوا۔''

وہ خاموش رہی۔ اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ ''تم میری ذات اور شخصیت سے بڑی حد تک بے خبر ہو..... تمہارا مجھ سے ناواقف ہونا ایک طرح کی اخلاقی بدتمیزی ہے۔ جو ہم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتی ہے۔ کیا تم مجھے اپنی طرح بدتمیز سمجھتی ہو..... کیوں؟''

''میرا نام رجنی منوہر ہے۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ''لوگ مجھے رجنی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ میرے شوہر کو تم جانتے ہو؟''

''میرا نام دیوا ہے..... میں ذہانت کا بادشاہ ہوں۔ اس لئے لوگ مجھے دیوا، یا پھر اوتار کے نام سے جانتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے بڑی بے دلی سے اپنا ہاتھ بڑھایا تو اس میں رعشہ سا تھا۔ اس کے دل میں ایک خوف سا دامن گیر ہوا تھا کہ کہیں میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی آغوش میں نہ لے لوں۔ جب میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ بے حد سرد ہو رہا تھا۔ وہ مجھے غلط سمجھ رہی تھی کہ میں اس تنہائی اور ہاتھ ملانے کے بہانے سے فائدہ اٹھاؤں گا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....؟'' میں نے پوچھا۔ اس کا ہاتھ چھوڑا نہیں اسے تھامے ہی رہا۔

''ہاں.....'' اس نے مردہ لہجے میں جواب دیا۔ جانے کیوں یک لخت اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم ہچکولے کھانے لگا۔

میں نے اسے سامنے والی کرسی پر بٹھا دیا۔ اس کی آنکھوں میں سے ابھی بھی خوف جھانک رہا تھا۔ وہ نروس سی ہو رہی تھی۔

''میں نے تم سے دریافت کیا تھا کہ..... کیا تمہارا شوہر دبئی سے واپس آ سکے گا۔'' میں نے

اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''منوہر نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ دبئی میں مستقل رہائش رکھنا چاہتا ہے۔ اسے دبئی بہت پسند ہے۔ کیوں کہ وہ رنگین اور اور بارونق شہر ہے۔ ہر قسم کی تفریحات موجود ہیں......''

''اسے گئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے۔ سچ سچ بتاؤ یاد کر کے......''

''چھ ماہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔ ''وہ وہاں کی رنگینیوں میں کھو گیا ہے۔ وہاں کیا کچھ نہیں ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں عورت، شراب اور کلب ہیں، وہاں کی زندگی میں جو حسن ہے وہ یہاں نہیں ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو......'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''وہاں جو بھی جاتا ہے وہاں کے سحر میں کھو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔''

''کیا میں تمہارے پینے کے لئے کچھ لے آؤں......؟'' اس نے کہا۔ ''مجھے بڑی طلب سی محسوس ہو رہی ہے۔''

''نہیں......'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''آخر تم میری خاطر پر تلی ہوئی کیوں ہو؟ میں نے کبھی کسی میزبان کو اس قدر بے چین نہیں پایا۔''

''اس لئے کہ میں نے سہ پہر سے کچھ نہیں پیا ہے۔'' وہ بے صبری سے بولی۔ ''اس لئے پینا چاہتی ہوں۔ اکیلی پینے سے رہی۔''

''جھوٹ مت بولو۔'' میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی بانہہ پکڑ لی۔

''اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے......'' اس نے میری طرف دیکھا۔ ''تم میرے شوہر کے دوست ہو۔ کیا میں تمہاری خاطر نہیں کروں؟''

''کیا تم اس بہانے پستول نکالنے کے لئے بے چین نہیں ہو......؟'' میں نے کہا۔ ''کیا تم نے دیوا کو بے وقوف سمجھا ہوا ہے؟''

وہ اس لمحہ اس طرح چونکی جیسے اسے کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔ وہ دھلی چادر کی طرح ہو رہا تھا۔ وہ خوف و ہراس سے میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی حالت بڑی غیر ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی بانہہ چھوڑ دی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر دیوار میں لگے کیبنٹ کی طرف گیا۔ اسے کھول کر اس میں سے وہسکی کی بوتل اور گلاس نکالی۔ اس عورت کی زندگی، رہن سہن اور معاشرت مغربیت کا اثر لئے ہوئے تھی۔ میں نے گلاس میں ایک پیگ ڈال کر اس میں سوڈا ملایا۔ پھر اس کے پاس جا کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس

نے ایک ہی سانس میں چڑھا لیا۔ پھر مجھے خالی گلاس واپس کر دیا۔ میں گلاس میز پر رکھ کر آیا تو اس کی حالت قدرے بہتر نظر آ رہی تھی۔ اس کے اوسان کسی حد تک بحال ہو گئے تھے۔ وہ پُرسکون سی لگی۔

''میں تم سے اس قتل کے بارے میں چند سوالات کرنے آیا ہوں۔'' میں اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ''تم میرا مطلب سمجھ گئی ہو گی؟''

''شانتی کے قتل کے بارے میں......؟'' اس کی آواز کپکپائی۔ پھر وہ مجھے ساکت پلکوں سے دیکھنے لگی۔

''ہاں......'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''شاباش......تم بڑی حد تک ذہین اور سمجھ دار ہو۔ مجھے اندازہ نہ تھا۔ سنا ہے کہ حسین عورت میں ذہانت نہیں ہوتی......تم نے یہ بات غلط ثابت کر دی۔ میں گوتم کی جانب سے انکوائری کر رہا ہوں۔ تم اسے تحقیقات کا نام دے سکتی ہو۔''

''کیا تم خفیہ پولیس کے آدمی ہو جو تحقیقات کرنے آئے ہو؟'' اس نے پلکیں جھپکا کر پوچھا۔ ''انسپکٹر تو تحقیقات کر گیا؟''

''میں خفیہ پولیس کا آدمی نہیں ہوں بلکہ پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''پولیس نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور اب میں......''

اس کے اندر ایک نمایاں سی تبدیلی ہوئی۔ اس کے چہرے پر کسی قدر طمانیت سی چھا گئی۔ اس نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ جس طرح آئے ہو اسی طرح واپس چلے جاؤ۔ میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔''

''تم کیا......تمہارے بڑے بھی ان سوالوں کا جواب دیں گے جو میں پوچھوں گا۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

اس نے طیش کے عالم میں کرسی سے اٹھنا چاہا۔ میں نے اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''سنو......مسز رجنی......! تمہیں میرے ایک ایک سوال کا جواب دینا ہو گا۔'' میں نے قدرے کرخت لہجے میں کہا۔ ''تم ایک معصوم اور بے گناہ لڑکے کو قانون کے حوالے کر کے اسے سزا نہیں دلوا سکتی ہو......وہ اپنی ماں اور بہن کا واحد سہارا ہے۔''

''میرا بیان......تم کل کے اخبارات میں پڑھ لینا۔'' اس نے مزاحمت کر کے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ ''میں ایک ہی بات بار بار دہرانا نہیں چاہتی ہوں۔ کل میرا سارا دن پولیس، اخبار والوں اور فوٹو گرافروں کی نذر ہوتا رہا ہے۔''

"لیکن تمہیں گوتم کی بوڑھی ماں اور اس کی جوان بہن کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔ "ان کا چین وسکون غارت ہو کر رہ گیا ہے۔ ان پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ ان پر لمحہ بھاری اور اذیت ناک ہو رہا ہے۔"

"وہ جہنم میں جائیں......" وہ بپھر کر بولی۔ "مجھے ایک قاتل کی ماں اور بہن سے کوئی دلچسپی نہیں...... تم اچھی طرح سن لو۔"

"جہنم میں کون جاتا ہے یہ تمہیں ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔" میں نے برہمی سے کہا۔ "تم نے گوتم کو خوامخواہ کیوں پھنسوایا؟"

"وہ قاتل ہے...... ایک معصوم عورت کا قاتل۔" وہ ہذیانی لہجے میں چیخ کر بولی۔ "کیا تم چاہتے ہو کہ قاتل کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو......؟" میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہارا لہجہ اور آنکھیں جھوٹ کی چغلی کھا رہی ہیں۔ ذرا آئینہ دیکھ لو۔"

"تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" وہ ایک دم سے بھڑک اٹھی۔ اس نے اپنی دستی گھڑی میں وقت دیکھا تو وہ بے چین سی ہو گئی۔ میں نے اپنی دستی گھڑی میں وقت دیکھا۔ پھر اس کی طرف۔ "تم ابھی سے اس قدر بے چین کیوں ہو رہی ہو؟ شیام کے آنے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے۔"

"کون شیام......؟" وہ اس طرح سے اچھل پڑی جیسے کرنٹ لگا ہو؟ اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ "کیا وہ تمہارا دوست ہے؟"

"تمہارا نیا شکار......" میں مسکرا دیا۔ "جس کے انتظار میں تم صبح سے گھڑیاں گن رہی ہو اور اس کے تصور میں دن بھر سے ڈوبی ہوئی ہو۔ لیکن رات شیام کے ساتھ نہیں بلکہ میرے ساتھ گزرے گی۔ محبت بھری اور عہد و پیمان کی دلکش باتوں میں......"

"کیا......؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "میں کسی شیام کو نہیں جانتی اور نہ ہی تمہیں...... تم نے آئینہ دیکھا ہے۔ میں تمہیں دس منٹ بھی رکنے نہیں دوں گی۔ کیا تم نے مجھے مال مفت سمجھ رکھا ہے؟"

"ہاں......" میں نے سر ہلاتے ہوئے اپنی ٹانگیں صوفے پر پھیلا دیں۔ اس کی طرف دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔ "شیام کو بہت اچھی طرح جانتی ہو اور اتنی دیر میں مجھ سے بھی...... کیا میں خوبصورت اور وجیہہ مرد نہیں ہوں اور پھر دراز قد بھی تو ہوں......"

"میں...... نہ تمہیں جانتی ہوں اور نہ ہی کسی شیام کو......" اس کی زبان لڑکھڑائی۔ اس نے یہ

بات دوبارہ کہی تھی۔ "تم جانتے ہو کہ نہیں......" وہ ہیجانی لہجے میں چیخی۔ "نہیں...... نہیں تو......" اس نے آخری فقرہ دھمکی آمیز جو کہا تھا اسے ادھورا چھوڑ دیا۔

"نہیں تو کیا......" میں نے ہنس کر کہا۔ "کیا تم پولیس کو بلاؤ گی......؟ اگر ایسی کوئی حسرت ہے تو بلا لو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔"

"ہاں......" اس نے پیر فرش پر پٹخ کر کہا۔ "میں چیخ چیخ کر پڑوسیوں اور پوری بلڈنگ والوں کو اکٹھا کر لوں گی۔"

"تم جانتی ہو کہ ان لگژری فلیٹ والوں تک تمہاری آواز نہیں پہنچے گی۔" میں نے کہا۔ "کیوں کہ ان میں سے اکثر باہر گئے ہوں گے۔ جو ہوں گے وہ رنگین فلمیں دیکھ رہے ہوں گے۔ چلو ایسا ہی سہی...... تم ایک کوشش کر کے دیکھ لو۔"

میں نے کھڑے ہو کر بڑے اطمینان سے قمیض اور پتلون اتار کر صوفہ پر ڈال دیا۔ ایک انڈر ویئر اور بنیان میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ چند لمحہ تک میری حرکات کو حیرت اور غصے سے دیکھتی رہی۔ پھر بل کھا کر وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھی۔ اس نے ریسیور اٹھایا تھا کہ میں نے اسے بڑے پیار بھرے لہجے میں مخاطب کر کے کہا۔ "تم دیوا سے لڑ نہیں سکتی ہو۔ تم عقل سے کام لو۔ ورنہ پچھتاؤ گی۔"

"تمہاری ذہانت کی ایسی کی تیسی......" وہ بگڑ گئی۔ "پولیس آئے گی تو تمہاری کھال ادھیڑ کر رکھ دے گی۔ تمہارا تیا پانچہ کر دے گی۔"

"سنو ڈارلنگ!...... دانش مندوں اور بزرگوں نے کہا ہے کہ غصے میں جو کام بھی کیا جاتا ہے۔ وہ پشیمان پر ختم ہوتا ہے...... اچھی طرح سوچ لو...... جب پولیس قدم رنجہ فرمائے گی وہ ہم دونوں کو اس حالت میں نہ دیکھ کر نہ صرف حیران ہو گی بلکہ لطف اندوز بھی...... کیوں کہ تم نے جو یہ نائٹی پہن رکھی ہے اس نے تمہارے جسم کو بے حجاب کیا ہوا ہے بلکہ اس مہین لباس میں دہکتا ہوا آتش فشاں بنا ہوا ہے۔ تمہیں تو چاہئے تھا کہ سب سے پہلے لباس تبدیل کرتیں۔ اس نامناسب لباس میں ایک غیر مرد اور شوہر کے دوست کے سامنے آنا ایک عورت اور بیوی کے لئے کیا شرم ناک نہیں ہے۔ خیر کوئی بات نہیں...... تم اس لئے قابل معافی ہو کہ تم ایک ماڈرن عورت ہو تمہیں نمائش اچھی لگتی ہے کہ لوگ دیکھ کر تعریف کریں گے...... اور وہ مجھے بغیر کسی حجاب کے دیکھ کر کیا خیال کریں گے؟ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم پڑوسیوں اور عمارت والوں کو بلا کر ان سے میرا تعارف کرا دو۔ چوکی دار کو انٹرکوم پر کہہ دو۔ وہ سب سے کہہ دے گا۔"

اس نے میری بات بڑے تحمل اور غور سے سنی تھی۔ پھر اس نے بڑا افروختہ ہو کر فرش پر پیر پٹخا۔ پھر ریسیور بھی کریڈل پر دے مارا۔ پھر وہ میز کی دراز کی طرف کوندا بن کر لپکی۔ دراز سے پستول

نکال کر میرا نشانہ لے لیا اور میری طرف بڑھنے لگی۔

"یہ کیا ہے جانی!......" میں نے بے خوفی سے پوچھا۔ "محبت میں ایسے زمانے بھی آئے ہیں کبھی رو دیئے ہم اور کبھی مسکرائے......"

"یہ تمہاری موت ہے۔" وہ دہاڑی۔ "اب تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمہارے دن پورے ہو چکے۔"

"میں جب بھی گھر سے نکلتا ہوں جان ہتھیلی پر لے کر...... کیوں کہ زندگی اور موت کا کوئی بھروسہ نہیں اور موت کا وقت مقرر...... یو نو ڈارلنگ!" میں نے شوخ لہجے میں کہا۔ "ایسے مناظر ہماری فلموں میں بہت اچھے لگتے ہیں......تم میری طرف دیکھو......سوچو......ذرا غور کرو۔ میں ہر لحاظ سے شیام سے بہت بہتر ہوں۔ معلوم نہیں وہ نوجوان سالڑکا جس میں نسوانیت بھری ہوئی ہے تم جیسی عورت کے قابل نہیں ہے۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ حیرت ہے تم نے اسے کیسے پھانس لیا۔ تم سے زیادہ حیرت تو اس پر ہے جس نے تمہاری عمر کا خیال نہیں کیا...... گو کہ تم لاکھ حسین، پرکشش اور بھرپور عورت سہی اور پھر ہر لڑکا گوتم نہیں ہوتا ہے۔ تم شیام کو بھول جاؤ چندا!......"

اس کے ہاتھ میں پستول کانپنے لگا۔ وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک کر غیض وغضب کے عالم میں گھورنے لگی۔ پھر پھنکاری۔

"میں تمہیں بڑی آسانی سے قتل کر سکتی ہوں۔ اس وقت تم میرے رحم و کرم پر ہو۔ تمہیں بچانے کے لئے کوئی نہیں ہے اور نہ ہی تم اب بچ سکتے ہو؟"

"سنو......جان من!......کیا تم نے سنا نہیں کہ مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔ "قتل کرنا بہت آسان ہے۔ تم دو ایک گولیاں چلاؤ میں مر جاؤں گا۔ اصل کام لاش کو ٹھکانے لگانا ہوتا ہے۔ تم نے یہ بھی سوچا کہ میری لاش کو کیسے ٹھکانے لگاؤ گی؟"

"یہ بھی بہت آسان ہے۔" وہ خشونت سے بولی۔ "یہ میری دردسری ہے۔ میرا مسئلہ ہے۔ تھوڑی سی دیر میں تمہیں جہنم رسید کر دوں گی۔

"وہ کیسے......؟" میں نے تجسس اور اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہاری لاش کو فلیٹ کی بالکنی سے نیچے پھینک دوں گی۔" اس نے نخوت سے جواب دیا۔ "تمہاری لاش کو گھسیٹ کر بالکنی تک لے جاؤں گی رات کا وقت ہے اپنے فلیٹ میں اندھیرا کر لوں گی۔ پھر لاش اٹھا کر نیچے پھینک دوں گی۔ یہ کوئی جان نہیں سکے گا کہ یہ لاش کس منزل سے نیچے پھینکی گئی ہے اور پھر کسی کو بھی نہیں معلوم ہوگا کہ تم کون تھے اور کس سے ملنے آئے تھے۔ مجھ پر آنچ نہیں آئے گی۔"

"بہت خوب......" میں نے خوش ہو کر تالیاں بجائیں۔ "تمہاری ذہانت کی داد نہ دینا بدذوقی ہوگی......لیکن میری جان!......میں موت کے منہ میں جانے سے پہلے ایک بات تو بتا دوں......میں جب یہاں آیا۔ نیچے والے زینے پر مسٹر نند کمار مل گئے۔ وہ تیسری منزل پر رہتے ہیں۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ......مسز رجنی منوہر کون سی منزل اور فلیٹ میں رہتی ہیں وہ بڑے شریف آدمی ہیں۔ ان کا اخلاق دیکھو۔ وہ مجھے تمہارے فلیٹ پر تک چھوڑ گئے۔ تم اس گواہ کا کیا کرو گی......؟"

وہ بری طرح جھنجھلا گئی۔ "اوہ...... یہ تو میں نے سوچا نہیں تھا۔ بہتر ہے تم جتنا جلد ہو سکے چلتے بنو......" وہ غرائی۔

"میں اب یہاں سے جا نہیں سکتا......" میں نے بڑے سکون اور اطمینان سے کہا۔ "کیوں کہ اب تو بہت سارے معاملات نمٹانے ہیں۔ سلجھانے ہیں گوتم کے بارے میں......تم سے بہت کچھ دریافت کرنا ہے......اس قتل کے بارے میں تمہارا ایک سچ مچ کا بیان لینا ہے تم گوتم کو بلیک میل کر رہی ہو۔ اس پر بھی اب تبادلہ خیال ضروری ہو گیا ہے۔ اس لئے بھی ساری رات تمہارے ساتھ ٹھہروں گا......اور پھر ہمیں منوہر کی موت کے اسباب پر گفتگو کرنا ہے۔ پھر رات آسانی سے کٹ جائے گی۔"

"منوہر کی موت کے اسباب......؟" رجنی کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ "تم سے کس نے کہہ دیا کہ منوہر مر گیا ہے......وہ کہاں ہے میں تمہیں بتا چکی ہوں......وہ زندہ ہے۔ وہ دبئی میں ہے۔ وہ شراب اور شباب سے دل بہلا رہا ہوگا۔"

اس کی آواز خوف و دہشت سے کانپ رہی تھی۔ اس کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی جیسے میں فرشتۂ اجل ہوں۔

"اگر وہ زندہ ہے تو پھر تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو رہی ہو؟" میں زیر لب مسکرا دیا۔ "تم یہاں آ کر بیٹھ جاؤ اور کودکو قابو میں رکھو۔" میں نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "کھڑی رہو گی تو پھر تھک جاؤ گی اور پھر آرام بھی نہیں ملے گا۔"

"کیا تم مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو......؟" وہ روہانسی ہو کر بولی۔ کرسی پر بیٹھی نہیں۔ کھڑی ہی رہی۔ "منوہر زندہ ہے۔ سنا تم نے......"

"نہیں جان من!......" میں نے کہا۔ "میں تمہیں کیسے بلیک میل کر سکتا ہوں۔" میں بے حد سنجیدہ ہو گیا۔ "تم ساری دنیا کو بلیک میل کرنے کے چکر میں ہو......رہتی ہو۔ تم آج اور اب بھی کتنے مردوں لڑکوں اور عورتوں کو بلیک میل کر رہی ہو، دنیا والے جانتے ہیں کہ منوہر دبئی میں پرتعیش زندگی گزار رہا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے......اس کی دردناک موت کے بارے میں صرف تم اور میں

جانتے ہیں۔مائی ڈارلنگ......کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

وہ دیوار کے سہارے برف کے تودے کی طرح کھڑی میری طرف دیکھتی رہی۔اس کے سینے میں سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے پاس گیا۔وہ یہ سمجھی کہ میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔اس نے اپنی مرمریں، سڈول اور عریاں بانہیں میرے گلے میں حمائل کرنا چاہیں۔اس کی آنکھوں میں خود سپردگی ابھر آئی۔میں نے اس کی بانہوں کے حلقے کو توڑ دیا۔پھر اس کی مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے سہارا دے کر چلاتا ہوا صوفہ پر لے کر بیٹھ گیا۔اس میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ وہ دو قدم بھی چل سکے۔

''منوہر تمہاری بدچلنی اور آوارگیوں سے سخت نالاں اور پریشان تھا۔''میں نے کہنا شروع کیا۔''واقعی وہ بہت شریف تھا۔کیوں کہ اس نے تمہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی تھی۔اس لئے کہ وہ تم سے محبت کرتا تھا لیکن تم نے اس کی محبت کی قدر نہیں کی۔میں اب اصل کہانی کی طرف آتا ہوں......وہ مارچ کا مہینہ تھا۔تم نے سوئٹزرلینڈ جا کر ایک فرضی نام سے پاسپورٹ بنایا اور وہاں سے کینیڈا پہنچیں۔تم نے منوہر کو خط لکھا کہ وہ فرضی نام سے ہوٹل ہلٹن میں ٹھہرے۔تم نے اسے جو خط لکھا اس کی محبوبہ مدھو کے نام سے۔وہ مدھو کی تحریر نہیں پہچانتا تھا۔کیوں کہ اسے کبھی مدھو کی تحریر دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔وہ غریب یہ سمجھا کہ مدھو واقعی کینیڈا آ رہی ہے۔مدھو کو وہ بے انتہا چاہتا تھا۔اس نے ہلٹن میں ایک کمرہ لیا اور اس کے انتظار کی گھڑیاں گننے لگا۔جب تم اس کے کمرے میں گئیں تو وہ تمہیں دیکھ کر بھونچکا سا ہو گیا۔تم اسے کسی بہانے سے بالکنی تک لے گئیں۔تم نے اسے خوب شراب پلا دی تھی اور اس میں بے ہوشی کی گولی بھی گھول دی تھی۔لہٰذا تمہیں اس کو دھکا دے کر گرانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔تم نے اسے گرانے کے بعد وہاں سے تمام نشانات مٹا دیئے جہاں جہاں تم نے ہاتھ لگایا تھا۔وہ دسویں منزل سے گرایا گیا تھا۔اس کا چہرہ مسخ ہو گیا۔اس کی شناخت نہ ہو سکی۔تم اس کے کمرے سے نکلتے وقت اس کا پاسپورٹ اور شناختی کارڈ اور کاغذات لے کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔منوہر نے ہوٹل میں اپنا نام پتا لندن کا لکھوایا تھا۔اس کے پاس برٹش پاسپورٹ تھا۔پھر تم وہاں سے سوئٹزرلینڈ آئیں اور تم نے اپنا فرضی پاسپورٹ جلا دیا۔پھر شکاگو آ گئیں۔تم وہاں لڑکوں سے دل بہلانے لگیں اور یہاں آ کر دوستوں اور ملنے والوں کو یہ تاثر دیا کہ تمہارا شوہر دبئی میں ہے۔تم جانتی ہو کہ وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔''

''کیوں......؟''میں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس کا جھکا ہوا چہرہ اوپر اٹھا کر اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں جھانکا۔''کیا میری آنکھیں تراشیدہ افسانہ ہیں......میں نے جو کچھ کہا......

کیا وہ من گھڑت ہے۔میری جان! خاموش کیوں ہو۔جواب تو دو......''

رجنی کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔اس کا چہرہ مردے کی طرح سفید پڑ گیا تھا اور آنکھیں خوف سے پتھرا گئی تھیں۔دوسرے لمحے وہ غش کھا کر میری گود میں گر گئی۔میں سمجھا کہ شاید وہ اداکاری کر رہی ہے لیکن یہ اداکاری نہ تھی۔

جب میں نے اس کے جسم کو ہاتھ لگایا تو وہ بے حد سرد ہو رہا تھا۔اس کا سارا بدن پسینے میں بھیگ گیا تھا۔میں نے اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھایا اور خواب گاہ میں لا کر بستر پر آہستہ سے لٹا دیا۔وہ غم اور صدمے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔میں خواب گاہ سے نکل کر باہر آیا۔میں نے اس کے لئے وہسکی کا گلاس تیار کیا۔پانی کی جگہ وہسکی ہی پیتی تھی۔

اسی اثنا میں اطلاعی گھنٹی بجی۔میں نے گلاس کو میز پر رکھا اور باہر کے دروازے کی طرف تیزی سے لپکا۔جب میں نے دروازہ کھولا تو میرے سامنے شیام کھڑا ہوا تھا۔وہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر چونکا۔اس کی آنکھوں میں شکوک کے سائے لہرائے اور وہ قدرے پریشان سا ہوا۔اس کے چہرے پر رجنی کے لئے جو بشاشت تھی وہ مجھے دیکھ کر یک لخت مٹ گئی تھی۔

''مسز رجنی موجود ہیں......؟''شیام کا نسوانی بدن لہرایا۔''آپ ان سے کہیں کہ......''اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہیں تو سہی......''میں نے جواب دیا۔''اندر پولیس ان کا بیان لے رہی ہے......کیا تم ان سے ملنا پسند کرو گے؟''

''پولیس......؟''اس کا چہرہ فق ہو گیا۔اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔وہ تھوک نگلنے لگا۔

''ہاں......''میں اپنا چہرہ اور لب ولہجہ کسی قدر پراسرار بنا کر بولا۔وہ مسز رجنی کے ملاقاتیوں کو نہ صرف روک رہے ہیں بلکہ ان کی جامہ تلاشی بھی لے رہے ہیں۔اب تم میری حالت دیکھو......شاید ان کے ساتھ پولیس اسٹیشن بھی جانا پڑے۔اندر آنا چاہو اندر آ جاؤ......شاید پولیس کو تمہاری ضرورت پڑ جائے۔تم ان کے کسی کام آ سکو۔''

وہ بوکھلا کر بھاگ کھڑا ہوا۔اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔میں نے مسکرا کر دروازہ بند کر دیا۔پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

میں نے رجنی کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔بڑی جدوجہد کرنے پر وہ ہوش میں آئی۔مجھے دیکھتے ہی اس کی حالت بڑی غیر ہونے لگی۔میں نے اسے سہارا دے کر اٹھا کر بٹھایا۔جب میں نے وہسکی کا پیگ پلایا تو اس کی حالت کچھ سنبھل گئی۔پھر وہ بستر پر دراز ہو گئی۔پھر وہ میری طرف خوف زدہ منجمد نظروں سے دیکھتی رہی اور اس کے چہرے پر لہو کی ایک بوند تک نہ تھی۔

"تم......"اس نے بڑی دیر کے بعد گہرے سکوت کو توڑا۔"تم کون ہو......؟ تم......منوہر کی موت کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟ تم کیا بلا ہو؟"

"میں تمہارے بارے میں بھی تو بہت کچھ جانتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔"پھر منوہر اور اس کی موت کے بارے میں کیسے نہیں جان سکتا؟"

میں نے سر ہلا کر اقرار کیا......زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ پھر اس نے اپنی آنکھوں پر پلکوں کی چلمن گرالی۔

"تم گوتم کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گی......؟" میں نے کہا۔"آخر تمہیں پس و پیش کیوں ہو رہا ہے۔ اس میں ایسی کیا قباحت ہے؟"

"تم پہلے مجھے منوہر کے بارے میں بتاؤ......؟" اس نے اپنی آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا اور تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

"میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ منوہر کے بارے میں کیسے جانتا ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔"کیوں کہ یہ ایک ایسا راز ہے جس پر سے میں پردہ نہیں اٹھا سکتا......اس راز کو راز ہی رہنے دو۔ لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں اس ضمن میں پولیس کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ تم قانون کے ہاتھوں سے کبھی بچ نہیں سکتی ہو۔ قانون کے ہاتھ بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ کوئی مجرم ان سے بچ نہیں سکا۔ یہ اور بات ہے کہ اس میں دیر سویر ہو جائے......تم نے بڑی چالاکی سے منصوبہ بندی کی اور تم نے منوہر کو اس لئے ختم کر دیا کہ وہ تمہارا راز پولیس کو بتانے والا تھا۔ وہ تمہارے بلیک میل کرنے سے عاجز آ گیا تھا۔ تم نے اس پر رحم نہیں کیا۔ قانون جلد یا بدیر تمہیں اپنے شکنجے میں جکڑ لے گا۔ امریکہ اور یورپ کی پولیس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہاں کی پولیس نے اپنا دائرہ تحقیقات وسیع کر لیا ہوگا......بہر حال مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں۔ میں مجرموں سے کوئی رعایت اور ہمدردی نہیں برتتا ہوں۔ میں گوتم کے بارے میں تمہاری زبان سے کچھ سننا چاہتا ہوں۔ لہٰذا جو کچھ بھی جانتی ہو صاف صاف اور سچ سچ بتا دو۔"

"میں گوتم کو بالکل بھی نہیں جانتی......" وہ اپنی ہٹ دھرمی پر جمی ہوئی تھی۔"آخر تم اس کیس میں کس لئے اتنی دلچسپی لے رہے ہو؟"

"تم پھر جھوٹ بول رہی ہو۔" میں نے اسے ٹوکا۔"میں اس کیس میں دلچسپی لینے کی وجہ تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں......" اس نے اپنے بے جان ہاتھوں کو بستر پر پٹخا۔"آخر تمہیں میری بات پر یقین کیوں نہیں آ رہا ہے؟"

"تمہارا چہرہ اور آنکھیں تمہاری باتوں کی نفی کر رہا ہے۔" مجھے غصہ آ گیا۔"اس ہٹ دھرمی سے کچھ حاصل نہیں۔ تم خواہ مخواہ ضد پر اتر آئی ہو......میں چاہوں تو تمہیں منوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کرا سکتا ہوں۔ کینیڈا سفارت خانہ میں صرف ایک فون کی ضرورت ہے۔"

"تمہارے خلاف میرے پاس ایک نہیں کئی ایک ثبوت موجود ہیں۔" میں نے جواب دیا۔"اس لئے بھی میں اس قدر اعتماد سے بات کر رہا ہوں۔"

"مثلاً......؟" اس کی آنکھیں سوالیہ نشان بن گئیں اور اس کے لہجے میں طنز چھپا ہوا تھا۔ وہ میری بات کو مذاق اور خالی خولی دھمکی سمجھ رہی تھی۔ وہ بڑی خوش فہمی میں تھی۔ اس لئے بھی کہ اسے میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا کہ میں کیا چیز ہوں۔ کیا بیچتا ہوں۔

"تمہارے جعلی پاسپورٹ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی میرے پاس موجود ہے۔" میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔"کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے؟"

وہ جز بز ہو کر اضطراب سے بولی تو اس کی آواز میں لرزش سی تھی۔"تمہارے پاس اور کیا ثبوت موجود ہیں؟ جعلی پاسپورٹ کوئی ثبوت نہیں ہوا۔"

"میرے پاس تمہاری چند نادر تصویریں موجود ہیں۔" میں نے کہا۔"یہ کیوں بھولتی ہو کہ جعلی پاسپورٹ پر تمہاری تصویر چسپاں ہے۔"

"تصویریں......؟" اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا اور اس نے بے یقینی سے دیکھا۔"کون سی تصویریں......؟"

"تصویریں......؟" میں نے اثبات میں سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔"لیکن تم اپنی ان تصویروں میں بڑی حد تک بے خبر ہو......ایک تصویر میں تم ہوٹل ہلٹن کے کمرہ نمبر 217 کے دروازے پر دستک دے رہی ہو جس میں منوہر بھی فرضی نام سے مقیم تھا......دو تصویریں اور ہیں......ایک تصویر میں تاس ہوٹل سے باہر آ رہی ہو اور دوسری تصویر میں ایئر پورٹ کی عمارت میں داخل ہو رہی ہو۔" میں نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔ رجنی کی خوف زدہ آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کا سینہ بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ بڑی ہراساں ہو رہی تھی۔

"اور سنو......" میں نے اپنی بات جاری رکھی۔"ہوٹل ہلٹن میں شارجہ کا ایک عرب تاجر بھی ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے جو تمہیں دیکھا وہ تم پر ریشہ خطمی ہو گیا۔ عربوں کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ انہوں نے کون سی محنت سے کمائی۔ وہ عورت پر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ عیش پر جتنا خرچ کرتے ہیں کسی اور پر نہیں......انہیں کبھی ہندوستان کے لوگوں کی حالت زار پر ترس نہیں آیا اور نہ ہی ان کا خیال اور کبھی سوچا۔ عورت ان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ وہ تمہارا شاداب

گداز بدن دیکھ کر تڑپ اٹھا۔ تم نے اس عرب شیخ کے ساتھ جو رات گزاری وہ بڑی رنگین اور سرور لئے ہوئی تھی۔ اس نے تمہیں ایک رات کے پانچ ہزار امریکی ڈالر دیئے۔'' رجنی کا بدن خوف سے تھرتھرایا۔ اس کا چہرہ تاریک ہوگیا۔ وہ گنگ سی ہو کر حیرت اور دہشت سے میری طرف کئی لمحوں تک دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ایک گہرا سانس لے کر مجھے مخاطب کر کے زہرناک لہجے میں کہا۔

''کیا تم شیطان ہو یا پھر کوئی بدروح......؟''

میں اس کی بات سن کر بے اختیار مسکرا دیا۔ ''میرا تمہارے خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی میں بدروح ہوں...... کیا تم حسین چڑیل نہیں ہو؟''

یقیناً......تم کوئی بدروح ہو جو انسانی روپ میں آ گئی ہے۔ اس کی آواز ویران تھی۔ گلے میں پھنس رہی تھی۔ اتنی ساری باتیں فرشتے بھی نہیں بتا سکتے...... جب میں نے پاسپورٹ بنایا تھا...... جب منوہر کی شراب میں بے ہوشی کی دوا ملائی اور اسے بالکنی سے نیچے گرایا تو کسی نے نہیں دیکھا تھا......اور کمرہ نمبر 217......اور پھر میری تصویریں......اف میرے بھگوان...... وہاں تم تھے اور نہ تمہارا سایہ......یہ بتاؤ......تم کون ہو......ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

''تم اطمینان رکھو میں کوئی بدروح نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''بھوت تصویریں نہیں اتارتے ہیں۔ یہ راز کی باتیں ہیں راز ہی رہنے دو۔''

''تم وہ تینوں تصویریں میرے ہاتھ فروخت کر دو۔'' رجنی نے بے چینی سے کہا۔ ''میں تمہیں منہ مانگی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔''

''یہ سودا تو بعد میں ہوگا......'' میں نے کہا۔ ''میں آیا گوتم کے سلسلے میں تھا اور پہلے اس معاملے کو نمٹانا چاہتا ہوں۔''

''میں تم سے کہہ چکی ہوں اور اب بھی تم سے کہہ رہی ہوں کہ میں کسی گوتم کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہو۔'' وہ ہیجانی لہجے میں بولی۔

''تم اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز آ جاؤ۔'' میں نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔ ''تم ایک شاطر عورت ہو۔ تم مجھ سے کوئی بات چھپا کر نہیں رکھ سکتی ہو۔ لو سنو......'' میں تمہیں بتاتا ہوں کہ گوتم تمہارے شکنجے میں کیسے آیا......؟ ایک نوجوان لڑکی جس کا نام روپا ہے وہ ایک ٹی وی اداکارہ ہے۔ نئی نئی......لیکن اس نے ٹی وی ڈراموں میں چھوٹے چھوٹے رول کر کے جلد ہی شہرت حاصل کر لی۔ اس نے فلموں میں بھی رقص پیش کئے ہیں۔ وہ ایک رقاصہ ہے۔ تم نے اسے ایک رات اپنے کھانے پر مدعو کیا اور اپنے ایک کیمرہ مین دوست کی مدد سے اس کی نامناسب فلم بنالی اور اسے بلیک میل کرنا شروع کیا......وہ غریب تمہیں ایک بڑی رقم دیتے ہوئے عاجز آ گئی۔ وہ کوئی دولت

مند نہیں تھی جو تمہارے جائز اور ناجائز مطالبات پورے کرتی۔ گوتم اس کا دوست تھا۔ محلے میں رہتا تھا۔ روپا اس کی بہن کامنی کی سہیلی بھی تھی۔ ایک روز اس نے گوتم کو اعتماد میں لے کر بتایا وہ کس مصیبت میں گرفتار ہے۔ ایک شاطر عورت جس کا نام رجنی ہے اس نے کس طرح دھوکے، فریب اور اس کی چائے میں بے ہوشی کی دوا ملا کر فائدہ اٹھایا۔ اپنے کیمرہ مین دوست کی مدد سے اس کی ممنوعہ قسم کی فلم بنا ڈالی۔ ہر ماہ اسے ایک بڑی رقم دینا پڑتی ہے۔ میں تمہیں دس ہزار روپے دوں گی۔ تم اس حرافہ سے دوستی کر کے اس ویڈیو فلم کیسٹ کو نکال لاؤ۔ وہ کیسٹ تمہیں اس کے ہاں سے چوری کرنا ہوگی۔ گوتم اس کے لئے تیار نہیں ہوا۔ روپا نے اسے یہ بھی بتایا کہ تم ایک عیاش عورت ہو اور تمہاری کمزوری نوجوان لڑکے ہیں۔ وہ تم سے دوستی کر لے گی۔ گوتم چوری چکاری سے بہت ڈرتا تھا۔ روپا شوبز کی دنیا سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے پاس عزت نام کی چیز کہاں تھی۔ ایک روز وہ گوتم پر مہربان ہوئی تو گوتم اس کے لئے تیار ہوگیا۔ روپا پہلی لڑکی تھی جس نے اسے ایک نئی دنیا سے آشنا کیا تھا۔ گوتم روپا نے ایک منصوبہ بنایا۔ ایک روز جب تم کسی کام سے گئی ہوئی تھیں تب گوتم نے ایک قفل ساز کو بلا کر کہا اس کی جیب کٹ گئی ہے۔ قفل ساز نے چابی اسے دکان پر بنا کر دی جب وہ چابی لے کر آیا تو اس نے تمہیں اپنی گاڑی سے اتر کر لفٹ کی طرف جاتے دیکھا۔ تب وہ واپس ہوگیا۔ پھر رات کے بارہ بجے گوتم نے اس چابی کی مدد سے تمہارے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ گوتم کی چاپوں سے تمہاری آنکھ کھل گئی تھی۔ تم نے اپنا پستول بستر کی دراز سے نکال کر کمرے میں جھانکا۔ گوتم اس وقت ایک الماری کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب تم نے ایک خوبصورت، وجیہہ اور دراز قد لڑکے کو دیکھا تو تمہارا خوف کم ہوا۔ تم نے فوراً اپنے کیمرے سے اس کی تصویر اتار لی۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں مختصر طور پر بتائے دیتا ہوں کہ گوتم نے تمہیں ساری بات بتادی۔ پھر تم نے اس تصویر کی مدد سے گوتم کو اپنا اسیر بنالیا۔ اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ وہ غریب غلاظت کے دلدل میں گر چکا تھا۔ اس میں روپا کا اور تمہارا قصور تھا۔ اتفاق سے ان دنوں وہ شانتی کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ ایک اچھی عورت نہیں تھی۔ اس کے شکار لڑکے اس کے فلیٹ پر اس طرح آتے تھے۔ عمارت کے کسی آدمی کو خبر نہیں ہوتی تھی اور نہ تمہارے فرشتوں کو خبر تھی۔ وہ بھی ایک امیر کبیر عورت تھی۔ جب تم نے ایک رات گوتم کو شانتی کے فلیٹ سے نکلتے دیکھا تو تمہارا سینہ حسد و رقابت کی آگ سے جل اٹھا۔ تم نے ایک دن گوتم کو سخت تنبیہ کی اور اسے بری طرح جھاڑا۔ گوتم کو تمہاری دھمکی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ شانتی کے پاس برابر آنے لگا۔ وہ تم سے اکتا چکا تھا۔ تم موقع کی تلاش میں تھیں کہ کسی طرح شانتی کو ٹھکانے لگا دیا جائے اور پھر حالات نے تمہاری مشکل آسان کر دی اس رات شانتی کو کسی نے قتل کر دیا۔ تمہیں

کچھ پتا نہیں چلا کہ قاتل کون ہے، اتفاق سے تم نے بالکنی سے جھانک کر گوتم کو دیکھ لیا تھا جو زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر تم باہر کے دروازے پر آکر پپ سے جھانکنے لگیں، اس دن تمہارا منصوبہ یہ تھا کہ شانتی کو بلڈنگ والوں کے سامنے ذلیل کیا جائے اور تم پولیس کو بھی یہ اطلاع دینا چاہتی تھیں کہ وہ عورت اپنے فلیٹ میں ایک غیر مرد کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہے۔ گوتم نے شانتی کے دروازے پر کئی مرتبہ دستک دی۔ دروازہ نہیں کھلا۔ اس نے گھبرا کر ہینڈل گھمایا۔ جب دروازہ کھلا تو تمہاری نظریں شانتی کی خون میں لت پت لاش پر پڑیں۔ جو کمرے کے وسط میں پڑی تھی۔ تم نے فوراً ہی اس لمحے سے فائدہ اٹھا کر پولیس کو اطلاع دی۔ اس نے شانتی کو مردہ حالت میں پایا تو دہشت زدہ ہو گیا۔ جب وہ واپس ہونے لگا تو اتفاق سے اس کے پیروں میں وہ پستول آ گیا جس سے شانتی کو قتل کیا گیا تھا۔ اس بے وقوف نے وہ پستول اٹھا کر لاش کے پاس پھینک دیا۔ وہ عمارت سے نیچے آیا تھا کہ زینے پر اسے پولیس نے دھر لیا۔ تم نے ایک اور ہوشیاری کی۔ تم نے پولیس کو اطلاع دینے کے بعد اپنی عمارت کے چند ایک فلیٹس میں فون کر کے اس قتل کی واردات کے بارے میں بتا دیا۔ کیوں...... مائی ڈارلنگ......! کیا یہ درست نہیں ہے؟"

اس نے پلکیں جھپکا کر مجھے دیکھا۔ "تم نے جو کہانی گھڑی ہے وہ بے سروپا ہے۔ گوتم قاتل ہے۔ تم اسے قانون کے پھندے سے بچا نہیں سکتے۔"

"تم تو قانون کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتی ہو۔ یہ کیوں بھولتی ہو۔" میں بولا۔ "پولیس کو بلا کر تمہیں قتل میں ملوث کر سکتا ہوں۔"

"پولیس میرے کہنے پر تمہارے گھر کی تلاشی لے گی تو اسے بلیک میلنگ کی بہت ساری غلاظت مل جائے گی جو تمہارے کمرے کی الماری میں موجود ہے۔" میں اسے بتانے لگا۔ "اس میں انہیں گوتم کی وہ تصویر بھی مل جائے گی جس میں وہ الماری کھولتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اس طرح سے گومت سے تمہارا تعلق ظاہر ہو جائے گا۔ گوتم عدالت میں بیان دے گا کہ اس نے مسز رجنی منوہر کے کہنے پر شانتی کو قتل کیا تھا۔ کیوں کہ رجنی منوہر کو پسند نہیں تھا کہ میں شانتی کے ہاں آمد و رفت رکھوں۔ کیا تم اس صورت میں اپنا دامن اور تعلق گوتم سے بچا سکو گی؟"

"میں یہ کہوں گی کہ...... یہ قتل گوتم نے نہیں کیا ہے؟" وہ بوکھلا کر بولی۔

"میں تمہارے منہ سے یہی سننا چاہ رہا تھا۔" میں نے کہا۔ "اب تم عدالت میں سمجھ داری کا مظاہرہ کرنا، ورنہ بری طرح پھنس جاؤ گی۔"

وہ بری طرح سٹ پٹا گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے گوتم کے بارے میں بے ساختہ اور بوکھلا کر جو اقرار کیا تھا اب اسے خوف ہو رہا تھا۔ وہ اپنے ہی جال میں

پھنس چکی تھی۔ وہ زخمی پرندے کی طرح پنجرے میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔

"تم کیا چاہتے ہو......؟" اس نے شکست خوردہ لہجے میں پوچھا۔ "اب بھی کیا کوئی کسر وغیرہ رہ گئی ہے؟"

"تمہاری الماری میں جو غلاظت ہے وہ ساری کی ساری نکال کر مجھے دے دو۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہیں صرف گوتم کی تصویر دے سکتی ہوں۔" اس نے بپھر کر کہا۔ "اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ غلاظت میرا اثاثہ ہے۔"

"میں ساری غلاظت اپنے ساتھ لے جا کر رہوں گا۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "جب میں کسی بات کا تہیہ کر لیتا ہوں تو اس پر عمل کرتا ہوں۔"

"اگر میں تمہیں دینے سے انکار کر دوں تو تم کیسے لے جا سکو گے......؟" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔ "میں دھونس دھمکی میں آنے والی نہیں۔"

"میں پولیس کو طلب کروں گا۔" میں نے اپنے کندھے اچکائے۔ "میں اپنے دوست منوہر کا بدلہ لینے کے لئے تمہیں کھڑکی سے باہر اٹھا کر پھینک دوں گا...... تمہارے نزدیک کون سی صورت بہتر ہے، پولیس یا مقتولہ بننا...... لمحے میں سوچ کر بتاؤ۔"

"میں تمہیں سب کچھ دے دوں۔" وہ سہم کر میری طرف دیکھنے لگی۔ "سچ پوچھیں تو میں بہت تنگ آ گئی ہوں اس زندگی سے...... اب میں اس کی تلافی کرنا چاہتی ہوں۔ اب میں کسی کو بلیک میل نہیں کروں گی اور نہ ہی اپنا وجود میلا کرتی رہوں گی۔"

"تمہارے اس فیصلے سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔" میں نے کہا۔ "ویسے ایک بات یاد رکھنا میں ایک بلا ہوں، چڑیل سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔"

"میں تمہیں الماری سے تمام چیزیں نکال دوں......" اس نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کے شانے تھام کر اسے لٹا دیا۔

"میں صبح جاتے وقت لیتا جاؤں گا۔" میں نے اپنی دستی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے ہیں۔ اس وقت کسی نے مجھے تمہارے فلیٹ سے نکلتے دیکھ لیا تو تمہاری پوزیشن خراب ہو جائے گی۔ میں رات یہیں گزاروں گا۔ تمہاری خواب گاہ کا ماحول بڑا خوابناک ہے اور پھر یہ ایئر کنڈیشنڈ بھی ہے اور پھر تم کتنی حسین اور پرشباب ہو۔"

جب میں بیدار ہوا تو صبح کے چھ بج رہے تھے۔ وہ گہری نیند میں غرق تھی۔ وہ سو رہی تھی لیکن اس کا حسین، بدن اور حشر سامانیاں واضح تھیں۔ میں نے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ وہ واقعی

بہت حسین تھی۔اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت بھی تھی۔ایسی حسین عورت نے اپنی زندگی کا جو راستہ چنا تھا اسے زیب نہیں دیتا تھا۔میں نے اس کا ذہن پڑھا۔اس کی ساری زندگی......اس کی پیدائش سے لے کر آج تک کی میری نظروں کے سامنے غیر مرئی مناظر کی طرح گھومنے لگی۔جب اس کی ماں کا انتقال ہوا تھا اس کی عمر سولہ برس کی تھی۔اس کے باپ نے دوسری شادی جس عورت سے کی وہ دو مردوں کی مطلقہ تھی۔اچھی عورت نہ تھی۔تھی بہت خوب صورت اور اس کی عمر تیس برس سے دو ایک برس زیادہ ہوگی۔رجنی کا باپ دولت مند شخص تھا۔وہ اپنی دوسری بیوی اور بیٹی کو امریکہ لے گیا۔چھ برس وہاں رہے پھر وہ اسے شارجہ لے آیا۔شارجہ پہنچ کر اس کا باپ مر گیا۔اس کی ماں نے اسے غلط راستے میں ڈال دیا۔اس کے حسن وشباب کو خوب کیش کیا۔ماحول نے رجنی کو خراب کیا۔پھر وہ ہندوستان آ گئے۔اس کی ماں جو کثرت شراب نوشی کی عادی تھی۔وہ بھی موت کے منہ میں چلی گئی۔پھر اس نے منوہر سے شادی کر لی۔وہ اچھی بیوی ثابت نہ ہو سکی۔دبئی اور ہندوستان میں غلط راستوں پر چل پڑی۔اس کے باپ نے اسے ورثہ میں اتنا چھوڑا کہ ساری زندگی گھر بیٹھے کھا سکتی تھی۔اس کی زندگی گھناؤنی ہو کر رہ گئی۔

اگر وہ کسی شریف آدمی سے شادی کر لیتی یا منوہر سے ہی نباہ کر لیتی تو ایک اچھی بیوی،عورت اور ماں بن سکتی تھی۔اسے اس کی سوتیلی ماں نے خراب کیا۔ورنہ وہ اچھی گرہستن ثابت ہوتی۔

میں نے کپڑے پہنے اور اس کے پرس سے الماری کی چابیاں نکالیں۔اسے کھولا۔وہ سارے پیکٹ جس میں تصویریں،نگیٹو اور خطوط اور ویڈیو کیسٹ نکالے جن کے ذریعے سے وہ مردوں اور عورتوں کو بلیک میل کر رہی تھی۔میرے ہاتھ لگ گئے رات اس نے کہا بھی تھا کہ اب وہ کسی کو بلیک میل نہیں کرے گی۔اس کی ثابت قدمی اس وقت ممکن تھی جب یہ چیزیں اس کے پاس نہ ہوں۔میں نے الماری مقفل کر کے اس کے نام ایک پرچہ لکھا جس میں اس کی میزبانی کا شکریہ ادا کیا۔نیچے دیوا لکھا۔

جب میں اپنے فلیٹ کی طرف جا رہا تھا تب میں نے سوچا کہ...... جب وہ اپنی الماری کو غلاظت سے پاک دیکھے گی تو سخت غصہ آئے گا۔پھر وہ میرے بارے میں سوچے بغیر نہ رہ سکے گی کہ میں واقعی ایک انوکھا آدمی تھا میں نے رات کی تنہائی اور آزادی کے باوجود اس کے حسن وشباب سے فیض یاب نہیں ہوا۔ہم دونوں باتیں کرتے رہے تھے۔اس نے مجھے رات کھانا بھی کھلایا تھا۔

میں نے نہانے اور شیو کرنے کے بعد ناشتہ کیا۔ناشتہ کرنے کے لئے بیٹھا تھا کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔کامنی دروازے پر کھڑی تھی،بظاہر میں نے تعجب کا اظہار کیا۔اس کے ذہن نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ کیوں اور کس لئے آئی ہے۔میں نے اس سے پوچھا ناشتہ کرو گی۔اس نے کہا کہ کر کے آئی

ہوں۔پھر میں نے انجان بن کر پوچھا۔"کل عدالتی کارروائی کا کیا رہا۔کیا رام لال سے ملاقات ہوئی؟"

"ماں کو ان کی ایک سہیلی نے مشورہ دیا کہ وہ وکیل دھنی رام سے رابطہ کریں اور اسے کیس دے دیں۔وہ کریمنل کیس لیتا ہے۔میری سفارش پر تم سے ٹوکن منی نہیں لے گا۔کیوں کہ آنٹی مالنی کے اس پر بڑے احسانات ہیں اور وہ ان کا کرایہ دار بھی ہے۔" کامنی بولی۔

آنٹی مالنی نے خود چل کر اس سے ملا بھی دیا تھا۔"اس کا کہنا ہے کہ گوتم بہت بری طرح پھنس گیا ہے۔"

"وہ کس بنا پر ایسا کہہ رہا ہے۔" میں نے کہا۔"وہ وکیل ہے اسے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔وکیل کا کام کیا ہوتا ہے۔"

"اس کا کہنا ہے کہ قاتل کے خلاف ایسی ٹھوس شہادتیں ہیں کہ اسے عدالت نہیں جھٹلا سکتی۔" کامنی نے کہا۔"اب کیا ہوگا؟"

یہ بات رام لال نہیں کہتا...... خیر کوئی مضائقہ نہیں۔اب جب تمہاری ماں نے اس سے بات کر لی ہے ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا آپ دھنی رام سے واقف ہیں..... ؟" کامنی نے دریافت کیا۔"وہ شخص کیا وکیل ہے۔کیا قابل ہے؟"

ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔" میں نے کہا۔"میں اس سے مل کر بات کر لوں گا۔" تم پریشان نہ ہو۔"

"میں شام آپ کے فلیٹ پر آئی تھی اور میرے ساتھ میری ایک سہیلی بھی تھی۔فون بھی کیا تھا۔آپ ساری رات گھر پر نہیں تھے۔" وہ بولی۔

"ہاں میں رات نہیں تھا ایک دوست کے ہاں مدعو تھا۔صبح آیا ہوں۔" میں نے کہا۔"تم کس لئے آئی تھیں...... خیریت تو تھی......؟"

"میں یہ بتانے آئی تھی اور رات میں دو تین مرتبہ ٹیلی فون کیا تھا کہ یہ کیس ماں نے دھنی رام کو دے دیا ہے۔" کامنی بولی۔

"تم سویرے سویرے اتنی دور سے صرف یہی بتانے آئی ہو......؟" میں نے کہا۔"تم فون پر بھی بتا سکتی تھیں۔اتنی زحمت کیوں کی؟"

"بھائی جان کی وجہ سے میں کسی پی سی او سے فون کرنے سے قاصر ہوں۔" وہ بولی۔"اس لے میں ماں کے کہنے پر آ گئی ہوں۔"

لیکن میں جانتا تھا کہ اصل بات کیا ہے وہ میرے اخلاص سے اس قدر متاثر ہوئی تھی کہ اس نے مجھے اپنے من میں بسالیا تھا۔ یہ لڑکیاں بھی کیسی پاگل اور نادان ہوتی ہیں۔ ذرا ذراسی بات پر خواب دیکھنے لگتی ہیں۔ وہ مجھے بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھے جارہی تھی۔ میں نے سوسو کے پانچ نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تم بس میں نہیں ٹیکسی میں گھر جانا۔ منی بس اور رکشا میں کہیں آنے جانے میں احتیاط برتو...... تم اپنی ماں سے کہنا کہ وہ فلیٹ کچھ دنوں کے لئے چھوڑ کر کسی اور کے ہاں منتقل ہو جائیں ورنہ پولیس تنگ کرے گی۔ اور اسکول سے بھی آپ دونوں دس دنوں کی چھٹی کرلیں۔ میری کوشش ہے کہ چھ سات دن میں گوتم رہا ہو جائے گا۔''

کامنی کی آنکھیں ممنونیت سے بھر آئیں۔ ''کیا یہ احسان کم ہے کہ آپ میرے بھائی کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ بغیر کسی فیس کے...... اور پھر پانچ سو کی رقم بھی دے رہے ہیں۔ آپ نے بہت شرمندہ کردیا۔''

''اب تم گھر جاؤ...... اگر کوئی نئی بات علم میں آئے تو دھنی رام کو بتا دینا۔ میں اس سے معلوم کرلوں گا۔'' میں نے کہا۔

''وہ میرے قریب آئی تا کہ میرا بوسہ لے۔ مجھے حیرت سی ہوئی۔ میں نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر کہا۔

''کامنی اس قدر جذباتی نہ بنو...... میری زندگی بڑی سپاٹ سی ہے۔ میں نے اب تک کسی عورت کو دل میں جگہ دی اور نہ تمہیں دے سکتا ہوں۔''

میں گیارہ بجے اپنے فلیٹ سے نکل کر شانتی کے دفتر پہنچا۔ میں اس کے باس سے ملنا چاہتا تھا۔ اس کی نئی سیکریٹری ریکھا بے حد حسین اور پرکشش تھی۔ باس لوگوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ سیکریٹری بہت حسین ہو۔ معلوم نہیں کیوں؟ جب میں نے ایک ٹک دیکھا تو اس نے پوچھا۔ ''آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں......؟''

''یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ چاند کسی فلم یا ڈرامے میں کام کرنے کے بجائے غلامی کیوں کررہا ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

☆......☆......☆

میں نے کامنی کو حد سے تجاوز کرنے نہیں دیا۔ وہ دراصل مجھے خوش کرنے آئی تھی۔ اس کی ماں نے اس لئے بھی اسے میرے پاس بھیجا تھا کہ چوں کہ گوتم کے خلاف بڑے ٹھوس ثبوت ہیں گو کہ میں نے ماں بیٹی کو یقین دلایا تھا کہ ان کا بیٹا بے گناہ ہے اور میں اسے ثابت کرکے رہوں گا۔ گوتم کی ماں جمنا نے یہ سوچا تھا کہ کہیں میں اس کیس سے ہاتھ نہ اٹھالوں۔ بیٹی کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا

کہ مجھے اپنی مٹھی میں رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ مجھے کامنی خوش کردے۔ یہ ایک طرح سے فیس ہوگی۔ اس کی ماں اپنے بیٹے کو پھانسی سے بچانے کیلئے بہت کچھ کرسکتی تھی۔ اس لئے اس نے کامنی کو کہا تھا کہ گوتم ایک سہارا ہے۔ اسے بچانے کے لئے تم جتنی دور جاسکتی ہو چلی جاؤ۔ جب تک کوئی قربانی نہ دی جائے کچھ کھویا نہ جائے ہم گوتم کو پا نہیں سکتے...... کامنی بہت حسین تھی۔ ہر نوجوان لڑکی میں بہرحال ایسی کشش ہوتی ہے کہ وہ مرد کو متوجہ کرسکے۔ میں نے سوچا تھا کہ کاش! اسے اتنی جلدی جانے نہیں دیتا۔ میں نے سوچا۔ چلو۔ پھر کبھی سہی۔

اب میرے پاس خاصا وقت تھا۔ میں جو غلاظت سے بھرا لفافہ رجنی کے ہاں سے لایا تھا اسے کھولا۔ سب سے پہلے میں نے خطوط پڑھے، خطوط بڑے شرمناک تھے۔ ان فحش کہانیوں سے کہیں بڑھ کر جو رسائل میں چھپتی ہیں۔ مردوں نے جو خط اپنی محبوباؤں اور دوستوں کی بیویوں کو لکھ کر آشنائی پیدا کی اس میں اتنی حیرت کی بات نہ تھی۔ اصل بات عورتوں اور لڑکیوں کے خطوط کی تھی......؟ کیا یہ لڑکیاں ایسے بے ہودہ اور لغو خط بھی لکھ سکتی ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق شریف گھرانوں سے تھا۔ پھر میں نے تصویریں دیکھیں۔ یہ بات مجھے تسلیم کرنا پڑی اور اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنا پڑا۔ رجنی بہت بڑی فوٹو گرافر تھی۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ دو برس تک فلمستان اسٹوڈیو میں اسسٹنٹ کیمرہ مین اور فوٹو گرافر رہی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے کچھ تصویریں دو ایک بلیک میلروں سے شاید خریدی تھیں۔ وہ ایسی غلاظت سے بھری تھیں کہ ایک آدمی تصور بھی نہیں کرسکتا کہ انسان اتنی دور جاسکتا ہے اور اس کے اندر اتنی حیوانیت ہوتی ہے۔ مرد ہی نہیں لڑکیاں اور عورتیں بھی مردوں سے دو ہاتھ آگے نکلی ہوئی تھیں۔ وہ عورت کے تقدس پر کلنک کا ٹیکہ تھیں۔

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں بے حیائی، بدکاری اور ہر قسم کی برائیاں تیزی سے پھیلتی جارہی تھیں۔ خصوصاً نئی نسل تو کچھ زیادہ ہی تھی۔ یہ تصویریں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی تھیں۔ اس کے علاوہ نئے جوان شادی شدہ جوڑوں کی بھی تھیں۔ انہوں نے آشنا پال رکھے تھے۔ سارا چکر معاشی تھا۔ انہیں دولت چاہئے تھی۔ کسی لڑکی نے شادی شدہ دولت مند مرد کو پھانس رکھا تھا۔ مردوں نے کسی لڑکی کو...... یہ تالاب اتنا گندا تھا کہ اس میں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ رجنی انہیں بلیک میل کررہی تھی تو غلط نہیں کررہی تھی۔

میں نے ان تصویروں میں سے کامنی کی اس سہیلی کی تصویر نکالی جو شو بزنس سے تعلق رکھتی تھی۔ کامنی کے کہنے پر گوتم اس کی سہیلی سروجنی سے ملا سروجنی کو اپنی آمدنی کا نصف حصہ رجنی کو ہر ماہ دینا پڑتا تھا۔ میں نے سروجنی کی تصویریں الگ نکال کر ایک لفافے میں رکھیں اور نیگیٹوز بھی...... میں نے سروجنی کی تصویریں دیکھیں۔ ظالم جتنی حسین تھی اس کا جسم اس سے کہیں خوب صورت

تھا۔ لیکن جانے کتنے ہاتھوں نے اسے میلا کیا اور اس پھول کو روندا ہوا تھا اور پھر یہ حسین اور جوان لڑکیاں جانے کیوں شوبزنس کی دنیا میں آ کر اپنے آپ کو آلودہ کرلیتی ہیں۔

گوتم جب رجنی کے ہاں سے سروجنی کی تصویریں لانے کو تیار نہیں تھا تو سروجنی نے اسے ایک شام اپنے فلیٹ پر بلایا۔ گوتم کو اس نے صبح تک روک لیا اور ساری رات وہ اس پر مہربان ہوتی رہی تھی۔ گوتم کیسے تیار نہ ہوتا۔ سروجنی نے اسے دو مرتبہ اور بھی بلایا تھا۔ سروجنی نے اسے پاگل کردیا تھا۔ وہ اس کا اسیر ایسا بنا کہ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ ہر قیمت پر سروجنی کی تصویریں رجنی کے ہاں سے نکال لائے گا۔ کیوں کہ سروجنی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اس کی تصویریں لاکر دے دیتا ہے تو پھر ان کی دوستی اور تعلقات سدا قائم رہیں گے..... گوتم کے لئے اس سے بڑی خوش قسمتی کی بات کیا ہوسکتی تھی۔ گوتم نے شاید یہ بھی سوچا ہوگا کہ.....عورت کا کیا بھروسا.....سروجنی کی سات تصویریں تھیں۔ وہ ان میں سے چھ دے کر ایک اپنے پاس رکھ لے گا تا کہ سروجنی سے اس کی دوستی اور تعلقات برقرار رہیں۔ ورنہ ان تصویریں کو پانے کے بعد سروجنی اسے ٹھینگا دکھا دے گی۔ اسے اب حسن و شباب اور اس کے قرب کی ضرورت تھی۔ طلب اور پیاس تھی۔ کیوں کہ بلیک میلر اور مقتولہ شانتی اور سروجنی نے اسے غلط راستے پر ڈال دیا تھا۔ یہ راستہ ایسا تھا کہ جو ایک مرتبہ چل پڑے وہ اتنی دور چلا جاتا تھا کہ اس کی واپسی ناممکن ہو جاتی تھی۔

اس لفافے میں سروجنی کا پتا بھی تھا۔ میں بیس منٹ کے بعد اس کے فلیٹ کی اطلاعی گھنٹی بجا رہا تھا۔ مجھے تھوڑی دیر انتظار اور دو مرتبہ بٹن دبانا پڑا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ مجھے حیرت اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ اس وقت شب خوابی کے لباس میں تھی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار بھرا ہوا تھا۔ وہ رات ایک بجے شوٹنگ سے واپس آئی تھی۔ اس کے ساتھ کیمرہ مین بھی آیا تھا۔ وہ ایک گھنٹہ تک رک کر گیا تھا۔ کیمرہ مین کو بھی ایک اداکارہ نے خوش کرنا ہوتا ہے۔ ورنہ کیمرہ مین اس کے چہرے کا حلیہ بگاڑ سکتا ہے۔ ٹی وی اور فلم لائن ایسی ہے کہ اوپر سے نیچے تک جانے کس کس کو خوش کرنا پڑتا رہتا ہے۔ ورنہ وہ اس لائن میں ٹک نہیں سکتی۔

''کون ہیں آپ.....؟'' اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ اس کی خوب صورت بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں حیرانی بھر گئی۔

''آپ یوں سمجھیں کہ میں آپ کا دوست اور ہمدرد ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''

''میں نہیں جانتی آپ کون ہیں؟ کیا ہیں؟'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''میں نے اس سے پہلے آپ کو دیکھا اور نہ آپ سے ملی ہوں۔''

''میں نے بھی آپ سے کبھی ملاقات نہیں کی۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''آج اب پہلی ملاقات ہے۔''

''کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ کسی وقت کسی ہوٹل میں مجھ سے مل لیں۔'' وہ بولی۔ ''یہ زیادہ مناسب رہے گا۔''

''کیوں اس وقت ملنے میں کیا حرج ہے؟'' میں نے کہا۔ ''گھر سے اچھی جگہ ملاقات اور بات کرنے کے لئے کوئی اور نہیں ہوسکتی۔''

''اس لئے کہ میں گھر پر اکیلی ہوں اور آپ کو شاید اس بات کا علم ہوگا کہ میں اپنے فلیٹ میں اکیلی رہتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''آپ نے یہ کہہ کر میں گھر پر اکیلی ہوں سارے جسم پر سنسنی دوڑا دی.....'' میں نے خوش دلی سے کہا۔ ''میں اس لئے بھی آپ سے آپ کے دولت خانے پر ملنے آیا ہوں کہ آپ اکیلی رہتی ہیں۔ کوئی اور رہتا ہوتا تو نہ آتا۔ ویسے یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ یہ بات صاف ظاہر ہوگئی ہے کہ آپ گھر پر اکیلی ہیں۔ یہ بات کہنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔''

''یہ آپ نے کیسے اور کس طرح سے اندازہ کرلیا کہ میں گھر پر اکیلی ہوں؟'' سروجنی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''میں اس بات پر.....''

''وہ ایسے کہ آپ شب خوابی کے لباس میں دروازے پر کھڑی ہیں جس میں آپ کا بدن بے حجاب سا ہو رہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر آپ کے فلیٹ میں کوئی اور ہوتا تو آپ یہ نائٹی نہیں پہنتیں کیوں کہ اس حالت میں کوئی لڑکی شوہر کے سوا کسی کے سامنے نہیں جاسکتی.....''

''میں سو رہی تھی.....'' اس نے دروازے کو ڈھال بناتے ہوئے کہا۔ ''گھنٹی بجتے ہی میں بستر سے نکل کر دروازے پر آئی تو اس کا خیال ہی نہیں رہا۔''

''جی نہیں.....آپ مبالغے سے کام لے رہی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''آپ بستر پر بغیر نائٹی کے سو رہی تھیں۔ گھنٹی بجی تو آپ نائٹی پہن کر آئی ہیں۔''

''کیا کہا.....آپ نے.....؟'' اس کے چہرے پر حیرت سی چھا گئی۔ ''کیا آپ نے مجھے بستر میں سوتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن کیسے اور کہاں سے.....؟ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں سے میرے بیڈروم میں جھانکا جائے۔ یہ آپ اندازے سے کہہ رہے ہیں؟''

''اصل بات یہ ہے کہ آپ کا جب مہمان گیا تو آپ گہری نیند سو رہی تھیں۔ آپ کو خبر نہیں کہ وہ کب گیا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''کون مہمان.....؟'' وہ بری طرح چونکی۔ ''کیسا مہمان.....؟ کوئی مہمان نہیں تھا۔ میں

اسٹوڈیو سے رات اکیلی آئی ہوں؟"

"شونا تھ...... کیمرہ مین......" میں نے کہا۔" وہ رات آپ کو چھوڑنے آیا تھا اور صبح چار بجے تک جاگتا رہا۔ آپ پانچ بجے سوگئیں...... میرا خیال ہے کہ اب مجھے اندر آجانا چاہئے۔ میں ایک ضروری بات کرنے آیا تھا۔ یہاں کب تک کھڑا رہوں۔"

وہ اس سے پہلے کچھ کہتی میں نے دروازے کو آہستہ سے کھولا اور غڑاپ سے اندر آگیا۔ پھر دروازہ بند کردیا اور اس کی طرف دیکھا۔

"آپ...... آپ بغیر اجازت میرے فلیٹ میں گھس آئے ہیں۔" وہ تلملا کر بولی۔" یہ شریفانہ حرکت نہیں ہے۔ آپ باہر جائیں۔"

"جی ہاں...... مجبوری تھی۔" میں نے کہا۔" میں جو باتیں آپ سے کرنے آیا ہوں باہر کھڑے ہوکر نہیں کی جاسکتی تھیں۔ آئی ایم ساری......"

"آخر آپ ہیں کون......؟ اور کیا باتیں کرنے آئے ہیں؟" وہ بھنا کر بولی۔ اس کے چہرے پر تمتماہٹ سی دوڑ گئی۔

"میں ایک نیا بلیک میلر ہوں......" میں نے جواب دیا۔" میں ان تصویروں کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں جو رجنی کے پاس تھیں۔"

"نیا بلیک میلر......؟" وہ بہت طرح چونکی اور چہرہ زرد پڑ گیا۔" کیا آپ نے میری تصویریں رجنی سے خرید لی ہیں......؟"

"بس آپ یہی سمجھیں......" میں نے کہا۔" ہراساں اور پریشان نہ ہوں۔ آرام سے بیٹھ جائیں تاکہ آپ سے پیاری پیاری باتیں ہوسکیں۔"

"ایک منٹ......" وہ بولی۔" آپ تشریف رکھیں۔ میں ابھی کپڑے بدل کر آتی ہوں۔ پانچ سات منٹ لگیں گے۔ زیادہ نہیں......"

"اس کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ پڑے صوفے پر بٹھالیا۔" تم اب تک نجانے کتنے مردوں کے سامنے نائٹی اور بغیر نائٹی آچکی ہو۔ میرے سامنے آنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جب کہ اب میں تمہارا بلیک میلر ہوں۔"

"رجنی نے میری تصویریں تمہارے ہاتھ کیوں اور کس لئے فروخت کی ہیں۔" وہ تنک کر بولی۔" اس نے اچھا نہیں کیا۔ میں اس سے سمجھ لوں گی۔"

"دراصل بلیک میلنگ اب ایک بزنس بن چکا ہے۔" میں نے کہا۔" اس میں جو منافع اور مزے ہیں وہ کسی کاروبار میں نہیں......"

"اب تم مجھ سے ماہانہ ایک بڑی رقم وصول کرو گے......؟" اس کی آواز ایک دم سے پست ہوگئی۔ پھر وہ آگے ایک لفظ نہ بول سکی۔

"یقیناً......" میں نے اس کی مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اور قریب کرلیا۔" ایک ٹکٹ میں دو مزے...... کیوں ہے نا......؟"

"میں تمہاری بات سمجھی نہیں......" وہ آپ سے تم کہہ کر مخاطب کرنے لگی۔

"بات صاف اور واضح ہے۔ تم اتنی بھولی نہ بنو۔" وہ میرے بازو کے حلقے سے کسمسائی۔

"میں تمہیں جب چاہے اور جہاں چاہے بلاسکتا ہوں اور تمہارے فلیٹ میں تمہارے ساتھ جب تک چاہے رہ سکتا ہوں...... دوسرا مزا یہ کہ تم سے بڑی رقم وصول کیا کروں گا۔"

"اگر تم زیادتی کرو گے تو میں زہر کھا کر یا پھر بالکنی سے کود کر خودکشی کرلوں گی۔" سروجنی روہانسی ہوگئی۔" تم بلیک میلر کتنے ظالم ہوتے ہو۔"

"میں جانتا ہوں تم خودکشی نہیں کرو گی۔" میں بولا۔" تمہیں خودکشی کرنا ہوتی تو تم کب کی کرچکی ہوتیں۔ تمہاری کہاں کہاں آبروریزی نہیں ہوئی ہے۔ جب تم ایک پرائیویٹ پروڈکشن میں گئی تھیں...... ایک چینل کے اسٹوڈیو میں...... لیکن تم نے خودکشی نہیں کی...... اس لئے اسکرین پر آسکو...... تم نے اسکرین پر آنے کے جنون میں اپنا سب کچھ سونپ دیا۔ کھودیا...... تم نے کیا پایا......؟ یہ کبھی سوچا۔"

"تم سچ کہتے ہو...... میں نہ تو مرنا چاہتی ہوں اور نہ خودکشی کرنا۔ اس لئے کہ میں جوان ہوں۔" وہ یاسیت بھرے لہجے میں کہنے لگی۔

"وہ لڑکیاں مرجاتی ہیں اور خودکشی کرلیتی ہیں جن کی آبرو لٹ جاتی ہے۔ وہ باعزت اور غیرت مند ہوتی ہیں۔ ان کے نزدیک آبرو سے قیمتی شے کوئی نہیں ہوتی ہے لیکن جن کے پاس آبرو نام کی کوئی چیز نہ ہو وہ کیا کرے...... میں نے اخبارات میں فلم سازوں، اداکاروں اور اداکاراؤں کے بیانات پڑھے تھے کہ اب فلمی دنیا، ٹی وی کا ماحول بدل گیا ہے، پڑھی لکھی اور اچھے گھرانوں کی لڑکیاں آگئی ہیں۔ اب کسی اداکارہ کو یا لڑکی کو فلم یا ڈراموں میں کام کرنے کے لئے اپنی عزت لٹانا نہیں پڑتی ہے۔ اس لئے میں نے شوبزنس کی دنیا کا رخ کیا۔ جب میں نے ایک فلم ساز سے رابطہ کیا تو اس نے صاف صاف الفاظ میں کہا کہ تمہیں اس صورت میں چانس مل سکتا ہے کہ تم میرے ساتھ راتیں کالی کرو...... پھر ایسا ہی ایک ٹی وی پروڈیوسر نے بھی کہا...... پھر میں قدم قدم پر لٹتی رہی۔ پھر میں نے دیکھا کہ شوبزنس کی دنیا ایک گندا تالاب ہے۔ ساری مچھلیاں گندی ہیں کوئی نامور اور معروف اداکارہ ایسی نہیں ہے جس نے اپنی آبرو کو بھینٹ نہ چڑھایا ہو...... اب

شوبزنس اور معاشرے میں آبرو کی کوئی حیثیت نہیں رہی ہے...... میں یہ چاہتی ہوں کہ سکون سے زندگی گزاروں۔ رجنی نے میری کتنی تصویریں تمہیں دی ہیں۔"

"کل سات عدد ہیں۔" میں نے کہا۔ "تم سات مختلف مردوں کے ساتھ ہو۔ اس میں ایک معروف فلمی ہیرو بھی ہے۔"

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم مجھ سے ہر ماہ لگی بندھی رقم وصول کرو یہ ساری تصویریں اور نیگیٹوز مجھے دے دو۔" وہ بولی۔ "تم نے رجنی سے جس قیمت پر خریدی ہیں میں اس سے دگنی قیمت دینے کو تیار ہوں۔ کیا یہ سودا کرو گے؟"

"لیکن تمہارے ہاتھ تصویریں فروخت کرنے کے بعد ایک ٹکٹ میں دو مزے کہاں سے ہوسکیں گے؟" میں نے کاروباری لہجے میں کہا۔

"میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ...... تصویریں خریدنے کے بعد بھی میں تمہارا دل بہلاتی رہوں گی۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔

"لیکن ایسا نہیں ہوگا...... تم مجھے ٹھینگا دکھا دو گی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "تم اس گندگی کی کیا قیمت دے سکتی ہو؟"

"تم نے جو قیمت رجنی کو دی ہے اس سے دگنی قیمت مجھ سے لے لو۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "بتاؤ رجنی کو تم نے کیا قیمت دی؟"

"تم سنو گی تو حیران رہ جاؤ گی اور تمہیں یقین نہیں آئے گا۔" میں اس سے کہیں سنجیدہ ہوگیا۔ "شاید تم بے ہوش بھی ہو جاؤ......"

"کیا تم نے اس کی قیمت لاکھوں میں دی ہے؟" سروجنی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ "مگر میں تو لاکھوں نہیں دے سکتی۔"

"سنو...... یہ کاروباری باتیں تو بعد میں ہوتی رہیں گی۔" میں نے کہا۔ "کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم چائے بنا کر پلاؤ۔"

"اس کمینی نے تم سے غلط بیانی کی ہوگی کہ...... میں ہر ماہ اسے بڑی رقم دیتی ہوں اور میرے پاس بہت دولت ہے۔" وہ بولی۔

"ہاں...... اس نے یہ بات تو کہی تھی۔" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ چائے بناؤ۔ لیکن تم نے ان سنی کر دی۔"

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ ان تصویروں کی کیا قیمت چاہتے ہو۔" وہ بولی۔ "تاکہ میں چائے بناتے ہوئے سوچتی رہوں۔ کوئی فیصلہ کروں۔"

"میں جو قیمت چاہتا ہوں وہ شاید تم دے نہ سکو...... تاہم میں بڑا دل پھینک قسم کا بلیک میلر ہوں۔ جلدی سے چائے بنا لاؤ...... اگر تمہارے بس میں ان تصویروں کی ادائیگی نہ ہوئی تو پھر ہم چائے پیتے وقت کوئی راہ نکالیں گے۔" میں نے کہا۔

وہ میرے بازو کے حلقے سے نکلی اور خواب گاہ کی طرف بڑھی تو میں نے کہا۔ "کیا تم نے خواب گاہ میں کچن بنا رکھی ہے؟"

"جی نہیں......" اس نے رک کر گھوم کر میری طرف دیکھا اور بولی۔ "میں نائٹی اتارنے جا رہی ہوں۔"

"اگر نائٹی اتارنا ہے تو یہاں بھی اتار سکتی ہو......" میں نے شوخی سے کہا۔ "میرا دل خوش کرنا ہے۔ خوشنودی حاصل کرنی ہے۔"

"میں نائٹی اتار کر گون پہن کر آتی ہوں......" سروجنی بولی۔ "پھر میں کچن میں جا کر چائے اور ناشتا بناؤں گی۔"

"میرا حکم نہیں بلکہ میری درخواست ہے کہ تم نائٹی میں ہی رہو۔" میں نے کہا۔ "اس لئے کہ ان شعلوں کو دیکھتا رہوں جو دل خوش کر رہے ہیں۔"

پھر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔ تپائی پر کچھ فلمی رسالے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے وہ رسالہ اٹھا لیا جس پر اس کی رنگین تصویر سرورق پر چھپی ہوئی تھی۔ اندر ایک گوشہ اس کے متعلق چھپا تھا۔ اس میں اس کی دس بارہ رنگین تصویریں ہر زاویے سے چھپی ہوئی تھیں۔ ان تصویروں میں بڑی بے حجابی تھی۔ اس کی یہ تصویریں اس طرح چھاپی گئی تھیں کہ اس کا جسم بڑا سنسنی خیز تھا۔ وہ بے حد سیکسی بھی تھی۔ وہ فلموں اور ٹی وی ڈراموں میں سائیڈ رول میں آتی تھی۔ لیکن اس میں بے حجابی تھی۔ اس کی ایسی ایسی تصویریں تھیں کہ جوان مردوں اور لڑکوں کو بھی رسالہ خریدنے پر مجبور کریں۔

میں کوئی بیس منٹ تک ان تصویروں میں غرق رہا۔ اس پر جو مضمون لکھا گیا تھا میں نے اسے بھی پڑھا۔ بیس منٹ میں وہ چائے اور ناشتا بنا کر لے آئی تھی۔ میں نے اس سے صرف چائے کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن وہ میرے لئے ناشتا بنا کر لے آئی تھی۔ میرے اور اپنے لئے اس نے دو دو انڈوں کا ہاف فرائی...... ٹوسٹ...... مکھن...... جام جیلی اور ملائی بھی تھی، چائے بھی تھی، وہ ٹرے میں لائی تھی اور اس نے ٹرے تپائی پر رکھ دی۔ تپائی کے نیچے اخبار بھی تھے جس میں شانتی کے قتل کی خبر بھی چھپی ہوئی تھی۔

میں نے ناشتا کرتے وقت دانستہ قتل کے موضوع کو نہیں چھیڑا۔ البتہ چائے پیتے وقت میں نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کر کے کہا۔

''کیا تم بتا سکتی ہو کہ گوتم نے شانتی کو قتل کیوں اور کس لئے کیا.....؟ جبکہ شانتی اور اس میں گہرے تعلقات تھے؟''

''نہیں.....'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔''مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہے جو کہ اخبار میں چھپا اور چھپ چکا ہے۔''

''کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ گوتم نے یہ قتل تمہاری خاطر کیا.....؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔''تم اس سے انکار نہیں کر سکتی ہو۔''

''میری خاطر.....وہ کس لئے.....؟'' اس کے ہاتھ سے پیالی چھوٹتے چھوٹتے بچی۔''میرا اس واردات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''لیکن تعلق ہے ضرور.....'' میں نے کہا۔''واردات سے نہیں بلکہ قاتل سے ہے۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ قاتل نے تمہارے لئے یہ قتل کیا؟''

''کیا تعلق.....؟'' سروجنی کا چہرہ زرد پڑتا گیا۔''میں تو قاتل کو جانتی تک نہیں ہوں۔تم مجھے کیوں ملوث کر رہے ہو.....؟''

''قتل کی واردات سے کچھ دن پہلے تک تم قاتل کو نہیں جانتی تھی لیکن بعد میں قتل سے دو ایک دن پہلے ملاقات ہو گئی۔'' میں نے کہا۔''وہ تمہاری سہیلی کامنی کا بھائی ہے۔تم نے ایک دن کامنی کو اعتماد میں لے کر بتایا کہ.....تمہاری جان کس اذیت میں مبتلا ہے۔تم نے کامنی سے کہا تم اپنے بھائی سے کہو کہ مجھے اس عذاب سے نجات دلائے۔گوتم نہیں مانا۔کیوں کہ یہ کام آسان نہیں تھا۔پھر تم نے ایک شام اسے بلایا اور اپنے جسم کا نذرانہ پیش کیا۔دو راتوں تک تم اس پر اس قدر گرم جوشی، وارفتگی اور والہانہ پن سے مہربان ہوتی رہیں کہ گوتم تمہاری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہو گیا۔اتفاق کی بات تھی کہ رجنی، شانتی کی پڑوسن تھی۔مقتولہ شانتی سے گوتم کے تعلقات تھے۔شانتی بظاہر ملازمت کرتی تھی اور اس عمارت کے لوگ جانتے تھے کہ وہ اکیلی رہتی ہے۔اس کے ہاں کسی کی آمد ورفت نہیں ہے۔درحقیقت ایسا نہیں تھا۔وہ بہت ہوشیار اور محتاط عورت تھی۔وہ اٹھارہ سے بیس بائیس برس کے خوب صورت، صحت مند اور دراز قد لڑکوں کا شکار کرتی تھی۔ایک مرتبہ جو لڑکا اس کے جال میں پھنس جاتا تھا اس کا نکلنا ناممکن ہوتا۔لیکن وہ جی بھرنے کے بعد دوسرا شکار تلاش کرتی۔گوتم بھی اس کا نیا شکار تھا۔کسی کو بھی اس کے ہاں آمد و رفت کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔جب تم نے گوتم کو اپنا دیوانہ بنانے کے بعد اس سے درخواست کی کہ وہ تمہیں اس اذیت ناک عذاب سے نجات دلا دے تو گوتم تیار ہو گیا۔تم نے رجنی کو دیکھا ہوا تھا۔پھر گوتم نے اس کے بارے میں کسی نہ کسی طرح معلومات حاصل کر لی تھیں کہ رجنی گھر سے کب اور کتنی دیر تک غائب رہتی ہے۔پھر اس

نے ایک قفل ساز کو رجنی کے گھر لے جا کر یہ کہہ کر ڈپلی کیٹ چابی بنائی کہ اس کی چابی کھو گئی ہے۔ دوسرے دن رات کو وہ شانتی کے ہاں گیا۔جب شانتی سرفراز ہونے کے بعد گہری نیند سو گئی تب وہ شانتی کے فلیٹ سے نکلا۔تب رات کے دو بج چکے تھے۔وہ رجنی کے ہاں داخل ہوا۔جس وقت وہ الماری کھول رہا تھا رجنی کی آنکھ کھل گئی۔رجنی نے اس کی دو تین تصویریں چوری کرتے ہوئے اتار لیں۔رجنی، گوتم کو شانتی کے فلیٹ میں آتے جاتے دیکھتی آ رہی تھی۔وہ اسے شکار کرنے کا سوچ رہی تھی کہ اتفاق نے اسے پھنسا دیا۔رجنی نے اسے کھلونا بنا لیا۔گوتم، شانتی کا دیوانہ تھا۔رجنی کو یہ بات پسند نہیں تھی۔اس نے اس لئے گوتم کو قتل کے کیس میں پھنسا دیا۔''

''اوہ بھگوان.....؟'' سروجنی بھونچکی ہو گئی۔چند لمحوں تک اس پر سناٹا سا طاری رہا۔جب بولی تو اس کی آواز ویران سی تھی۔''تمہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا.....؟تم تو بہت کچھ جانتے ہو۔میں تو بہت ساری باتیں نہیں جانتی ہو۔گوتم نے شانتی کو کس لئے قتل کیا؟''

''یہ ایک معمہ ہے.....'' میں نے کہا۔''ویسے گوتم نے رجنی کو قتل نہیں کیا ہے۔اس کے ہاتھ صاف ہیں۔اس کا قاتل کوئی اور ہے۔''

''لیکن میں نے اخبار میں جو قتل کی واردات کی روداد پڑھی ہے اس میں سارے شواہد گوتم کے خلاف ہیں۔'' سروجنی نے کہا۔''رجنی عینی گواہ ہے اور پھر اس کے ہاتھ کے نشانات بھی ٹھوس ثبوت ہیں۔وہ ان شواہد کو کیسے جھٹلا سکتا ہے۔وہ بچ نہ سکے گا۔''

''لیکن وہ قاتل نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔''قاتل کوئی اور ہے رجنی نے اسے رقابت میں پھنسا دیا۔مجھے امید ہے کہ وہ بچ جائے گا۔''

''پتا نہیں کیسے بچ جائے گا؟'' وہ افسردگی سے بولی۔''وہ میری سہیلی کا بھائی ہے۔مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اس بری طرح پھنس جائے گا۔''

''وہ کیسے بچ جائے گا یہ تمہیں بعد میں معلوم ہو گا'' میں نے کہا۔''اب ذرا تصویروں کو موضوع بنائیں۔سودے کی بات کریں۔''

''ہاں.....'' سروجنی نے سر ہلا دیا۔''تم نے رجنی کو کیا قیمت ادا کی اور تم مجھ سے کیا قیمت چاہتے ہو؟ جلدی سے بتاؤ۔''

''میں نے اس کی قیمت.....؟'' میں زیر لب مسکرا دیا۔پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔''اگر تم ایک اندازے سے اس کی قیمت بتا دو تو میں شاید تمہیں مفت میں تصویریں دے دوں.....تصویریں حاصل کرنے کا یہ ایک سنہرا موقع ہے.....''

''دو لاکھ روپے.....؟'' اس نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد میری طرف دیکھا۔''وہ اس سے

ایک پیسہ بھی کم لینے سے رہی۔ وہ بہت کمینی ہے۔''

''دولاکھ روپے......؟'' میں نے اس کا چہرہ نظروں کی گرفت میں لے کر کہا۔ ''یہ تم نے کیوں کر اور کیسے اندازہ کیا؟ اتنی زیادہ قیمت......؟''

''وہ اس سے کم قیمت اس لئے نہیں لے سکتی کہ میں اس کے لئے سونے کے انڈے دینے والی مرغی تھی......اگر اس نے دولاکھ میں بھی سے سودا کیا ہے تو گھاٹے کا سودا ہے...... جانے کیوں مجھے اب تک یقین نہیں آیا کہ اس نے میری تصویریں تمہارے ہاتھ فروخت کر دیں۔'' وہ بولی۔

''یہ گھاٹے کا سودا کہاں ہوا......؟'' میں نے کہا۔ ''اگر اس نے تصویروں کے عوض لاکھوں روپے لئے تو پھر وہ فائدے میں رہی۔''

''اس لئے کہ اس نے میری ذات سے لاکھوں کمائے اور مزید کما سکتی تھی۔'' سروجنی نے کہا۔

''اس میں اس کے فائدے کی بات کیا ہوئی۔ وہ مجھے استعمال کرتی تھی۔ کئی بار کسی عیاش طبع سرمایہ دار کے پاس بھیج دیتی تھی، وہ ان سے ہزاروں ایک رات کے وصول کرتی تھی اور مجھے صرف دو ایک ہزار روپے دے دیتی تھی......وہ میری طلب مردوں میں بڑھانے کے لئے یہ کرتی تھی کہ اس نے میری درجنوں نیم عریاں اور نامناسب تصویریں اتار کے رکھی ہوئی تھیں۔ انہیں شوبزنس میگزین میں چھپواتی تھی۔ جب کسی ماڈل یا اداکارہ کی تصویریں اخبارات اور شوبزنس کے میگزین میں چھپتی ہیں تو اس کی مارکیٹ ویلیو بڑھ جاتی ہے۔ دراصل رنگین تصویریں ہر کسی کو بہت متاثر کرتی ہیں۔ پھر ہوس پرست رابطہ کرتے ہیں۔ اس رسالے میں میری تصویریں گزشتہ ماہ چھپی تھیں۔ تب سے میری مانگ میں اضافہ ہوا ہے۔ دو ایک ٹی وی کمرشل کے علاوہ دس ہوس پرستوں نے مجھ سے رابطہ کر کے تاریخیں لی ہوئی ہیں......ایسی صورت میں کیا اس کمینی اور ذلیل نے دولاکھ روپے میں سودا کیا ہے تو کیا گھاٹے کا سودا نہیں کیا ہے......اور پھر تم بھی میری ذات سے لاکھوں روپے کماؤ گے......لیکن میں پھر بھی یہ کہوں گی اس نے میری تصویریں فروخت نہیں کی ہیں۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

میں نے اوپر والی جیب میں صرف ایک تصویر رکھ لی تھی۔ باقی چھ تصویریں اور سات تصویروں کے نیگیٹوز لفافے میں اور جیب میں تھے۔ میں نے ایک تصویر دکھانے کا سوچا۔ جیب سے وہی ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ جس میں وہ ایک مرد کے ساتھ موجود تھی۔ وہ تصویر دیکھ کر اچھل پڑی۔ اس نے تصویر میرے ہاتھ سے جھپٹ لی۔ پھر وہ تصویر دیکھ کر بولی۔ ''تم اس بڈھے کو پہچانتے ہو؟''

''ہاں......'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''یہ ایک لیڈر ہے۔ جو بڑا پاسدار اور عوام کا ہمدرد ہے۔ جنتا اس کی پوجا کرتی ہے۔''

''یہ بڈھا میرے ساتھ کیسی حیوانی حرکتیں کر رہا ہے۔'' وہ بولی۔ ''یہ ہے سیاسی لیڈروں کا اصل اور گھناؤنا چہرہ۔'' اس کا لہجہ نفرت انگیز ہو گیا۔ ''میں کیا بتاؤں......کیسے کیسے پوتر لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ ان میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

''اچھا......یہ تصویر تم مجھ سے کتنے میں خریدو گی؟'' میں نے کاروباری لہجے میں کہا۔ ''یہ بڑی نایاب اور بے حد قیمتی تصویر ہے۔''

''تم ایک نہیں پوری سات تصویروں کی بات کر رہے تھے......'' اس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ ''اب ایک تصویر کی بات کر رہے ہو۔''

''میں نے تم سے کب کہا کہ سات تصویریں یکمشت فروخت کر دوں گا۔'' میں بولا۔ ''یہ ایک تصویر دس لاکھ روپے میں خریدو گی......''

''دس لاکھ روپے......'' وہ اس طرح سے اچھل پڑی جیسے اسے برقی جھٹکا لگا ہو۔ ''تمہاری عقل ٹھکانے ہے۔ میں ساری تصویروں کے دولاکھ روپے سے زیادہ نہیں دے سکتی اور تم ہو کہ صرف ایک تصویر کے دس لاکھ مانگ رہے ہو۔''

''میری بنو!......'' میں نے یک لخت اسے بازوؤں میں بھر لیا اور خاصی دیر تک اس کے چہرے پر جھکا اس کے ہونٹوں کی مٹھاس اپنے ہونٹوں میں جذب کرتا رہا۔ پھر اس سے کہا۔ ''اس تصویر سے تم ہر ماہ ایک سے دولاکھ روپے کما سکتی ہو۔ کہو تو میں کما کر دکھاؤں۔''

''وہ کیسے......؟'' اس نے حیرت سے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ ''میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا یہ بہت آسان ہے۔ نہیں......نہیں۔''

''جب یہ تصویر تم اس لیڈر کو دکھاؤ گی اس کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی۔'' میں نے کہا۔ ''اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں اس حالت میں اس کی تصویر کھینچی گئی ہے اور پھر رجنی کو بھی اس بات کا خیال نہیں آیا۔ ورنہ وہ یہ تصویریں دس لاکھ میں بھی نہ دیتی اور اس لیڈر سے لاکھوں روپے وصول کر چکی ہوتی۔ اس کا سارا دھیان صرف تمہاری طرف رہا۔ تمہارے ہاتھ یہ سونے کی کان لگی ہے۔''

''وہ ہر ماہ ایک سے دولاکھ روپے کیسے دے سکتا ہے۔'' سروجنی نے کہا۔ ''یہ کوئی معمولی رقم تو ہے نہیں جو آسانی سے دے دے۔''

''کیوں نہیں دے سکتا......اس کا باپ بھی دے گا۔'' میں نے کہا۔ ''یہ جو رتن سنگھ ہے کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ اس وقت وہ وزیر بھی ہے اور دو مہینے بعد جو الیکشن ہونے والا ہے اس میں کھڑا ہو رہا ہے۔ وہ بڑا معزز اور باعزت سمجھا جاتا ہے اور پھر ارب پتی ہے۔ اس کی فیکٹریاں اور

کارخانے بھی ہیں۔اس کے دو داماد ہیں۔ایک داماد فوجی افسر ہے۔دوسرا داماد بہت بڑا بزنس مین ہے۔اس کی بہو سابق صدر کی بیٹی ہے۔بیٹا اس کی سیاسی پارٹی کا لیڈر ہے۔وہ بھی الیکشن میں کھڑا ہو رہا ہے۔تم اس کا ایک پرنٹ اسے بیچ دینا...... اس کا پرنٹ میں بنوا کر لا دوں گا۔ورنہ دوسرا فائدہ اٹھالے گا۔وہ تم دونوں کو بلیک میل کرے گا...... یہ عزت دار لوگ بدنامی سے بہت ڈرتے ہیں۔ کیوں کہ نیک نامی صرف ایک بار ملتی ہے۔وہ تمہارا ہر مطالبہ مان لے گا۔کیوں کہ نہ ماننے سے اس کی اور اس کے گھرانے کی عزت خاک میں مل جائے گی۔وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔اب تم بتاؤ۔کیا یہ تصویر سونے کی کان نہیں ہے؟''

''ہے تو سہی......'' وہ پست آواز میں بولی۔''تم اس تصویر کے دس لاکھ روپے مانگ رہے ہو یہ بہت بڑی رقم ہے۔یہ زیادتی کی بات ہے۔ایسا تو نہ کرو۔''

''اگر تم یہ تصویر مجھ سے دس لاکھ میں خرید لو تو میں تمہارے وارے نیارے کر دوں۔'' میں نے کہا۔''اس کے بدلے ایک کروڑ کی رقم دلا دوں...... تمہیں یہ تصویر اس لیڈر کے ہاتھ فروخت کر دینا ہوگی۔ایک کروڑ ملیں گے تو تم مجھے کیا کمیشن دو گی......؟ تم یکمشت بڑی رقم وصول کر لوگی تو یہ زیادہ مناسب ہوگا اس کے مقابلے میں کہ ہر ماہ دو لاکھ وصول کرنے کے جھن جھٹ میں پڑ جاؤ۔''

''اگر ایسی بات ہے تو تم کیوں نہیں اس لیڈر سے اتنی بڑی رقم وصول کر لیتے ہو؟'' اس نے کہا۔''ایک کروڑ کی رقم کم نہیں ہوتی ہے؟''

''بات میری اور ہے اور تمہاری اور......'' میں نے کہا۔''یوں بھی میں تمہیں فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں۔مجھے کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔''

''میرے پاس دس لاکھ کی رقم نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔''میں تین لاکھ روپے سے زیادہ نہیں دے سکتی۔یہ میرا بینک بیلنس ہے۔''

''تم بھی کیا یاد کرو گی......؟'' میں نے اس کے رخسار کا بوسہ لے کر کہا۔''میں تمہیں ساری تصویریں بالکل مفت میں دے رہا ہوں۔''

''کیا......؟'' وہ تحیر زدہ لہجے میں بولی تو فرط خوشی سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔سچ کہہ رہے ہو؟''

میں نے جیب سے لفافہ نکالا۔اس میں سے ساری تصویریں ایک ایک کر کے نکالیں اور تپائی پر رکھ دیں...... اور نیگیٹوز بھی...... وہ تصویریں دیکھ کر خوشی سے اتنی بے قابو ہوئی کہ اس نے میری گردن میں اپنی بانہیں حمائل کر دیں۔پھر بات اتنی بڑھی کہ ہم دونوں بیڈ روم میں کب اور کس طرح پہنچے کچھ خبر نہیں رہی۔ہوش آیا تو نشاط انگیز لمحات سے نکل کر حقیقی دنیا میں آ گئے۔

جب ہم دونوں بیڈ روم سے نشست گاہ میں آئے تو اس نے کہا۔''اگر تم نے رجنی سے دو ایک لاکھ میں تصویریں خریدی ہیں تو رقم مجھ سے لے لو۔''

''تم جتنی خوب صورت ہو تمہارا دل بھی اتنا ہی خوب صورت ہے۔'' میں نے کہا۔''کوئی اور ہوتی تو رقم دینے کی بات نہ کرتی۔میں نے یہ تصویریں خریدی نہیں ہیں۔مفت میں ملی ہیں۔صرف تمہاری نہیں بلکہ اور بھی بہت ساری تصویریں...... میں نے پنچھی کے پر کاٹ دیئے ہیں...... اب وہ اڑ نہیں سکتا...... اور ہاں میری بات سنو...... میں شاید کبھی آؤں یا نہیں...... اس لئے کہ میں بہت مصروف ترین آدمی ہوں۔ان میں تین تصویریں کروڑ پتی، باعزت اور معروف لوگوں کی ہیں۔تم خود ان سے معاملات طے کرو اور یکمشت رقم لے لو...... پھر تم فلم انڈسٹری اور ٹی وی چھوڑ دو...... کسی شریف آدمی سے شادی کر لو۔ساری زندگی ذلیل ہونے سے بہتر ہے کہ اپنے پتی کی سیوا کرو۔اسے کبھی اپنے ماضی کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔وہ تمہاری دولت کے بارے میں پوچھے تو کہہ دینا کہ ورثہ میں ملی ہے اور ہاں تم سچے دل سے اپنے پتی کی سیوا کرو گی تو بھگوان شاید تمہارے سارے پاپ معاف کر دے۔''

''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ یہ تمام تصویریں رجنی جیسی عورت سے مفت مل گئیں۔'' وہ بڑی ششدر ہو رہی تھی۔''کیا یہ ناممکن بات نہیں ہے؟''

''ہاں...... ناممکن بات تو ہے لیکن کیا تم نے سنا نہیں کہ دنیا میں کوئی بات ناممکن ہے۔مثال کے طور پر تمہاری ان تصویروں کا مل جانا...... مفت میں...... ناممکن بات تھی۔لیکن ممکن ہو گئی۔یہ ایک لمبی کہانی ہے۔جب کبھی تم سے ملاقات ہوگی۔سناؤں گا۔''

سروجنی نے دروازے تک آ کر مجھے بڑی محبت اور ایک طویل گرم جوش بوسے سے رخصت کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔یہ آنسو تشکر کے تھے۔اسے خوش دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ دس لاکھ کی رقم دیتی تو بھی میری آتما کو سکون نہ ملتا۔

میں سروجنی کے ہاں سے نکل کر شانتی کے دفتر پہنچا۔اس وقت لنچ ٹائم ہو گیا تھا۔میں شانتی کے ڈائریکٹر سہگل سے ملنا چاہتا تھا۔اس ڈائریکٹر نے جونئی سیکریٹری رکھی تھی ریکھا بیس برس کی جوان حسین وجمیل اور پرشباب لڑکی تھی۔اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ ساڑی تھی۔کالی ساڑی تھی۔بلاؤز جس کی آستین نہیں تھیں وہ بھی کالا تھا۔آگے اور پیچھے سے اس قدر کھلا ہوا تھا کہ دعوت نظارہ تھا۔ایسا نظارہ کہ نگاہ کسی ضدی بچے کی طرح ہٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس کے باس سے شانتی کے قتل کی واردات کے سلسلے میں ملنے آیا ہوں تو اس نے اپنی نوٹ بک میں دیکھ کر بتایا کہ باس بہت مصروف ہیں۔مجھے ایک گھنٹہ انتظار کرنا ہوگا۔میں اسی وقت

چلا آیا تھا۔ میں اس کے انتظار میں خوار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت ملنا ایسا اشد ضروری بھی نہ تھا اور پھر میں رات بھر کا جاگا ہوا بھی تھا۔ آج پہنچا تو میرا خیال تھا کہ وہ آج بھی اسی کالی ساڑی اور بلاؤز میں ہوگی۔ وہ گوری تھی۔ اس سیاہ لباس نے اس کی ہیئت قیامت بنا دی تھی۔ وہ شعلہ مجسم بنی ہوئی تھی۔ وہ آتش فشاں بنی ہوئی دہک رہی تھی۔ لیکن آج وہ مجھے دکھائی نہیں دی۔ میں اس کے اسی روپ کے تصور میں پہنچا تھا۔

چپراسی نے بتایا کہ ڈائریکٹر اسسٹنٹ تیج ناتھ صاحب اور سیکریٹری لنچ کر رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ بات چیت کے لئے یہ وقت زیادہ موزوں ہے۔ یہ اس وقت فرصت میں ہے۔ لنچ کے دوران گفتگو ہو جائے گی۔ چوں کہ اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا میں باس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازے کا لٹو بے آواز گھما کر دروازہ تھوڑا سا کھولا۔ بڑا پر تکلف لنچ ہو رہا تھا۔ سیکریٹری کا لباس بڑے صوفے پر نفاست سے تہہ کیا ہوا تھا۔ اس کے باس کا سوٹ دوسرے صوفے پر تھا۔ وہ دونوں بہت دور نکل کر جوانی کے جنگل میں بھٹک رہے تھے۔

میں نے دروازہ بند کر دیا۔ لنچ کا وقفہ ایک گھنٹے کا ہوتا تھا۔ مجھے ایک گھنٹہ انتظار کرنا تھا۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ باس کو کس بات کی کمی تھی جو اس نے دفتر میں ہی وقت گزاری کی۔ وہ اسے ہوٹل لے جا سکتا تھا۔ ممبئی میں ایسے ہوٹلوں کی کوئی کمی نہیں تھی جہاں کمرے چند گھنٹوں کے لئے کرائے پر نہ ملتے ہوں۔ یہ وہ ہوٹل تھے جن میں ایسے خاص کمرے تھے جو صرف دادِ عیش کے لئے مخصوص تھے۔ یہاں ایسے مرد آتے تھے جن کے پہلو میں دوست کی بیویاں، محبوبائیں اور دفتر کی لڑکیاں ہوتی تھیں۔ بیویاں اپنے آشناؤں کے ساتھ آتی تھیں۔ ہوٹل کے مالکان بڑی پردہ داری کرتے تھے۔ دفتر کے کمرے میں یہ مناسب نہ تھا۔ یہ شاید آج کی بات نہ تھی۔ لیکن آج یہ اندر سے دروازہ مقفل کرنا بھول گئے تھے۔ شاید اس لئے کہ یہ ملاپ کچھ دنوں بعد ہوا تھا۔

میں ایک گھنٹہ انتظار کروں یہ ناقابل برداشت تھا۔ آدھے گھنٹے بعد میں نے دروازے پر دستک دی۔ جواب کا انتظار کئے بغیر دروازہ کھولا۔ پھر کمرے میں گھس گیا۔ اس کی سیکریٹری اس وقت اپنا لباس اور حلیہ درست کر رہی تھی۔ اس کے باس نے مجھے قدرے ناگواری سے دیکھا۔ اس نے بڑے مہذب لہجے میں اپنے باس سے کہا۔ ”آپ مسٹر دیوا ہیں۔ اس روز باس سے شانتی کے کیس کے سلسلے میں ملنے آئے تھے۔ وہ چوں کہ بے حد مصروف تھے اور آپ نہیں تھے اس لئے ملاقات نہ کر سکے۔ آج پھر اس لئے آئے ہیں۔“

تیج ناتھ اپنی ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے اٹھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ پچاس ساٹھ برس کا ہوگا۔ لیکن ایسا نہ تھا۔ وہ ایک خوبرو جوان شخص تھا۔ اس میں ایسی جاذبیت اور وجاہت تھی کہ لڑکیوں

اور عورتوں کے سینے اسے دیکھ کر دھک سے ہو کر رہ جائیں۔ اس کی عمر بہ مشکل تئیس برس کی ہوگی۔ اس نے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ ”آیئے...... مسٹر دیوا......!“

ہم دونوں نے ایک دوسرے سے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ تعارفی رسم تو سیکریٹری کرا چکی تھی۔ اس نے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اپنی ریوالونگ چیئر پر اس نے بیٹھ کر اپنی سیکریٹری کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”ہم دونوں کے لئے کافی لے آؤ...... میں ان سے باتیں کر لوں۔ پھر ہم باہر چل کر لنچ کرتے ہیں...... مسٹر دیوا! کیا آپ ہمارے ساتھ چل کر لنچ کرنا پسند کریں گے؟“

”نہیں شکریہ......“ میں مسکرا دیا۔ میں نے سوچا اس سے کہوں کہ آپ نے جو پر تکلف لنچ کیا ہے اس سے کہیں زوردار لنچ کر کے آ رہا ہوں۔ میرے چشم تصور میں سروجنی کا چہرہ ابھر آیا تھا۔ ”میں آپ کا زیادہ وقت نہ لوں گا۔“

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے آپ کا نام کسی کی زبانی سنا تھا؟“ تیج ناتھ اپنے ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ ”کس سے یاد نہیں آ رہا ہے۔“

”مسز جمنا دیوی نے بتایا ہوگا۔“ میں نے کہا۔ ”آپ کیا اس سے واقف ہیں؟ کیا اس نے بتایا تھا؟“

”جی ہاں...... مسز جمنا دیوی نے ہی بتایا تھا“ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ پرائیویٹ سراغ رساں ہیں۔ گوتم کے کیس میں بغیر کسی غرض کے دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس لئے کہ انصاف کا بول بالا ہو۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔“

”ظاہر ہے...... کسی کو انصاف ملے تو اس کا بول بالا ہو جاتا ہے۔ انصاف کے لئے کام کرنا ہر شخص کی ذمہ داری ہے۔“

”آپ کے خیال میں گوتم ایک بے گناہ مجرم ہے۔“ وہ بولا۔ ”لیکن پریس میڈیا اور پولیس اس کی بے گناہی کو نہیں مان رہی ہے۔“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے...... کیوں کہ بعض اوقات آنکھ جو دیکھتی ہے وہ غلط ہوتا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ساری کارروائی یکطرفہ ہے۔ مجھے پولیس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں آپ سے ایک بات عرض کروں تو برا تو نہیں مانیں گے؟“

”وہ کیا......؟“ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ”بالکل بھی نہیں...... آپ کو جو کچھ کہنا ہے برملا کہہ دیں مسٹر دیوا......!“

”آپ کے بائیں گال اور نچلے ہونٹ کے نیچے لپ اسٹک لگی ہوئی ہے۔“ میں نے ہاتھ کے

اشارے سے اسے بتایا۔ ''اسے صاف کرلیں۔''

وہ جھینپ سا گیا۔ اس نے ڈبے سے ٹشو پیپر نکال کر لپ اسٹک کے نشان کو صاف کیا۔

''شکریہ......'' وہ دھیمے سے بولا۔

''ایک اور نشان ہونٹوں کے کنارے پر بھی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بہتر ہے آپ واش روم میں جا کر چہرہ صاف کرلیں۔''

وہ کھسیانا سا ہوگیا۔ اس کے کمرے میں ملحقہ واش روم تھا۔ وہ اس میں چلا گیا۔ اس کی سیکریٹری کافی لے کر آئی اور پوچھا۔ ''باس کہاں ہیں؟''

''ان کے چہرے اور ہونٹوں پر لپ اسٹک کے نشان تھے وہ صاف کرنے گئے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے انہیں بتایا تھا۔ کیوں ٹھیک کیا نا؟''

اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ کافی میز پر رکھ کر جانے لگی تو میں نے اس کا مرمریں سڈول ہاتھ پکڑ کر روک لیا تو اس نے حیرت سے دیکھا۔

''آپ بھی ہونٹوں کی لپ اسٹک ٹھیک کرلیں...... کیوں کہ نچلے ہونٹ کی لپ اسٹک ساری باس کے ہونٹوں پر ثبت ہوگئی ہے۔''

اس کے کمرے سے نکلتے ہی تیج ناتھ آ گیا۔ وہ چہرہ دھو اور صاف کر کے آیا تھا۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہی کہا۔

''آپ گوتم کو بے گناہ سمجھتے ہیں......؟ آپ کی یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ آپ کے اسے بے گناہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ عدالت میں اس کی بے گناہی ثابت کرنی ہوگی۔ ٹھوس ثبوت کے ساتھ...... لیکن آپ کس طرح اس کی بے گناہی ثابت کرسکو گے؟''

''کیا آپ کے خیال میں اس کی بے گناہی ثابت کرنا بہت زیادہ مشکل ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔ ''کیا یہ ناممکن سی بات ہے؟''

''ہاں......'' اس نے میز کی دراز سے اخبار نکال کر میری طرف بڑھایا۔ ''آپ نے شاید قتل کی روداد توجہ سے نہیں پڑھی۔ اس کے خلاف ایسی ٹھوس شہادتیں موجود ہیں جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ مثلاً......'' وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔

''مثلاً کیا......؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''آپ بتا دیں۔ جھجک کیوں رہے ہیں؟''

''عینی شاہد کا بیان......'' اس نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ ''اس کے بیان کا ایک ایک لفظ......'' تیج ناتھ کا منہ بن گیا۔ ''وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ شانتی کا قاتل گوتم ہے صرف...... گوتم...... اس سے

آپ کو اتفاق نہیں ہے؟''

''آپ نے عینی شاہد کے بیان پر اعتبار کرلیا؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''وہ جھوٹ پر مبنی بھی تو ہوسکتا ہے؟''

''یقین نہ کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔'' تیج ناتھ نے اکھڑے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''آج کے اخبارات میں یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ پستول اور دروازے پر گوتم کے ہاتھ کے نشانات موجود ہیں۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق شانتی پر تشدد کیا گیا اور اس کی آبرو ریزی بھی کی گئی...... کیا اس حقیقت کو جھٹلایا جاسکتا ہے۔ مسٹر دیوا......؟''

''تو آپ کے خیال میں گوتم کے کیس میں کوئی جان نہیں ہے؟'' میں نے کہا۔ ''لہٰذا اس کیس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے؟؟''

''نہیں...... کوئی جان نہیں۔'' تیج ناتھ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ اس کیس پر جو محنت کر رہے ہیں وہ وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے...... آپ نے ایک لا حاصل کیس میں ہاتھ ڈالا ہے۔ آپ اس سے اتفاق کریں یا نہ کریں آپ کی مرضی......''

''آپ بہت جلدی مایوس ہوگئے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں اس کے برعکس بہت پر امید ہوں۔ ناکامی کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔''

''بہت خوب......'' اس نے کڑوا سا منہ بنایا اور اس کے چہرے پر اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔

''کیس بالکل صاف ہے۔ آپ نے اس کیس کو ہاتھ میں لے کر اپنی ناکامی میں اضافہ کیا ہے۔ وقت بھی برباد کر رہے ہو۔ اس سے بہتر ہے کوئی شبھ کام کرلو۔''

''آپ ایک جوان شخص ہیں اور ایک بہت بڑی فرم چلا رہے ہیں۔ اس کے باوجود آپ مایوسی کی بات کر رہے ہیں؟''

''میں حقیقت پسند آدمی ہوں۔'' وہ تلخی سے بولا۔ ''میں ہر کیس کی ایک ایک خبر پر اس کی جزئیات پر توجہ دیتا ہوں۔ میں آنکھیں دوسروں کی طرح نہیں دوڑاتا ہوں۔ میں ایک سچا آدمی ہوں۔ میں اتنی بڑی فرم سوجھ بوجھ سے چلا رہا ہوں۔''

''یہ کیس مجھے کامیابی سے ہمکنار کرائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ نہیں جانتے کامیابی کی منزل زیادہ دور نہیں ہے۔''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں۔'' وہ استہزائیہ انداز سے قہقہہ لگا کر بولا۔ ''میں اس کیس پر جتنی توجہ دے رہا ہوں آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''ہاں مسٹر تیج ناتھ......'' میں نے کہا۔ ''آپ نے شاید کبھی کسی معاملے میں اتنی توجہ نہیں دی

جتنی سیکریٹری اور لڑکیوں پر دیتے ہیں......!"

"یہ...... کیا کہا......؟" تیج ناتھ اپنی کرسی سے اچھل پڑا۔ وہ میری طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ "یہ آپ نے بات کیسے کہی؟"

"کیا یہ بات میں نے غلط کہی ہے؟" میں نے پوچھا۔ "آپ اس بات سے انکار نہیں کرسکتے۔ آپ اپنی امارت اور وجاہت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"آپ میری ذاتیات پر حملہ کررہے ہیں۔" تیج ناتھ جزبز ہوکر بولا۔ "آپ اپنا قیاس اور اندازہ رہنے دیں۔ میں ایک......"

"مجھے آپ کی ذاتیات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے درمیان میں تیزی سے کہا۔ "کچھ دیر پہلے میں نے دروازہ کھولا تو آپ اور آپ کی سیکریٹری ایسی حالت میں تھے کہ کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ کباب میں ہڈی بنوں۔ میں دروازہ بند کرکے بیٹھ گیا۔ آپ کے چہرے پر جب لپ اسٹک لگی تھی وہ سارا فسانہ کہے دے رہی تھی۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ اپنی سیکریٹری سے دل بہلائیں یا سادھنا کے ساتھ...... سادھنا بھی آج کل آپ کی کمزوری بنی ہوئی ہے۔"

"سادھنا......؟" تیج ناتھ نے اچھل کر میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ "آپ کو سادھنا کے بارے میں کس نے بتایا؟"

"پھر آپ یہ بھی پوچھیں گے کہ جولی کے بارے میں کیسے جانتے ہیں؟ کس نے بتایا وہ ایک سولہ برس کی لڑکی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ بھگوان......" تیج ناتھ کا چہرہ سفید پڑتا گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔ "جولی...... آپ جولی کے بارے میں بھی جانتے ہیں۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "آپ اسے گزشتہ سنیچر کے روز ہوٹل ڈی سوزا لے گئے تھے۔ کمرہ نمبر بیس میں اتوار کی شام تک رہے۔ سہاگ رات منائی تھی۔ اسے سبز باغ دکھا کر لے گئے تھے۔" پھر میں توقف کرکے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "آپ صرف دو لڑکیوں کے ذکر پر حواس باختہ ہو رہے ہیں۔ میں تو اور بھی نام لے سکتا ہوں۔ کیا آپ اب بھی اس بات کا اعتراف نہیں کریں گے اس کیس سے زیادہ لڑکیوں میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ جوانی میں بہتی گنگا میں ہر شخص ہاتھ دھوتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"مجھے اس بات کا اعتراف ہے۔" اس نے میری طرف بے چارگی سے دیکھا۔ پھر وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ "کیا آپ ایک بات بتانا پسند کریں گے؟"

"کیا......؟" میں نے پوچھا۔ "آپ ایک نہیں دس باتیں دریافت کرسکتے ہیں؟"

"آپ کو سادھنا اور جولی کے بارے میں کیوں اور کیسے اور کہاں سے معلوم ہوا؟" اس کا انداز سرگوشی کا سا تھا۔ "جولی کے ساتھ جو ہوٹل میں رات گزاری......؟"

"میں آپ کو کسی اور وقت بتاؤں گا......" میں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "میں گوتم کے کیس کے سلسلے میں بات کرنے آیا تھا لیکن آپ نے لڑکیوں اور عورتوں کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ جبکہ مجھے حصہ لینا پڑا۔ سادھنا کی عمر بھی سترہ برس کی ہے نا......؟"

"آپ نے بات ہی ایسی کی تھی۔" تیج ناتھ نے ناگواری سے کہا۔ "آپ ان دونوں کی عمروں سے بھی واقف ہو۔ حیرت کی بات ہے۔"

"یہ نورس کلیاں ہیں۔" میں نے کہا۔ "ممبئی شہر میں ایسی کم سن اور نوخیز لڑکیاں سبز باغ دکھانے والوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس میں ان کی احساس محرومیوں کا دخل ہوتا ہے۔ اچھا اب قتل کے کیس کی طرف آتے ہیں۔ کیا یہ بات ممکن نہیں کہ شانتی کی قاتل عینی شاہد ہو۔"

"نہیں......" تیج ناتھ نے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ نے پھر سابقہ سوال دہرا دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ رجنی قاتل نہیں ہے۔"

"آپ دو دن کے اخبارات غور سے پڑھیں تو گوتم کی بے گناہی ثابت ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔ "آپ ایک مرتبہ اور پڑھیں اور دیکھیں۔"

"میں دو دن کے اخبارات دن میں کئی مرتبہ پڑھ چکا ہوں۔" تیج ناتھ نے کہا۔ "لیکن میری کھوپڑی میں کچھ بھی نہیں آسکا۔ سمجھے......"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "آپ اپنی اس سیکریٹری سے کشمیر میں غیر قانونی ہنی مون کا پروگرام بنا رہے ہیں...... آپ نے دو دن کے اخبارات صرف رکھے ہوئے ہیں انہیں صرف سرسری نظر دیکھا ہے۔"

"آں......" تیج ناتھ کا منہ کھلا رہ گیا۔ کمرہ ایئر کنڈیشنڈ ہونے کے باوجود اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ "کیا آپ کو سیکریٹری نے بتایا؟"

"جی نہیں...... اس غریب نے تو میری شکل ٹھیک سے بھی نہیں دیکھی ہے۔" میں نے کہا۔ "ایسی رازدانہ باتیں وہ مجھے کیوں بتائے گی۔ اچھا اب میری بات غور سے سنیں...... کمرے میں جو پستول پایا گیا وہ گوتم کا نہیں ہے جس سے شانتی کو قتل کیا گیا بلکہ مقتولہ شانتی کا ہے...... آپ نے اس نکتہ پر غور کیا جو بہت اہم ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔"

"یہ نکتہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔" اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔ "اس نے شاید

مقتولہ کا پستول چرایا ہوگا۔''

''یہ نکتہ بڑا اہم ہے اور عینی شاہد کے بیان کو جھٹلاتا ہے۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔''عینی شاہد کا کہنا ہے کہ اس نے گوتم کے ہاتھ میں پستول دیکھا تھا۔ جب شانتی نے دروازہ کھولا تو اس نے وہ پستول شانتی کے سینے پر رکھ کر اسے اندر کی طرف دھکیلا تھا...... اگر وہ پستول شانتی کا تھا تو گوتم کے ہاتھ میں کس طرح سے آیا...... کیا آپ کے نزدیک یہ نکتہ اہم نہیں ہے؟''

''ممکن ہے اس نے اندر داخل ہو کر شانتی کے پستول پر قبضہ کر لیا ہو۔'' تیج ناتھ نے سوچتے ہوئے کہا۔''کیوں کہ شانتی کو قتل کرنے میں بہر حال کچھ وقت لگا ہے۔ اس نے قتل کرنے سے پہلے شانتی کی آبروریزی بھی کی تھی۔ اس پر آپ نے غور کیا۔''

''اگر ایسی بات ہے تو پھر گوتم کا پستول کہاں گیا......؟'' میں نے سوال کیا۔''رپورٹ میں صرف ایک پستول کا ذکر ہے جو مقتولہ کا تھا۔''

''شاید اس نے کہیں پھینک دیا ہوگا......؟'' تیج ناتھ نے جواب دیا۔''اس لئے کہ اس کا پستول اسے پھنسا سکتا تھا۔''

''لیکن وہ پستول کہاں پھینک سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔''پولیس نے نہ صرف پورے گھر کی بلکہ عقبی گلی کی بھی تلاشی لی تھی۔ شانتی کا جو پستول ملا اس میں سائی لینسر لگا ہوا تھا۔ اس کے چیمبر میں صرف تین گولیاں نکلی ہیں۔ یہ گولیاں شانتی کے پستول کی تھیں۔''

تیج ناتھ چونک پڑا۔''آپ کا نکتہ میری سمجھ میں آ رہا ہے...... حیرت کی بات ہے کہ پولیس اس نکتے پر غور کیوں نہیں کر رہی ہے؟''

''پولیس کو فون پر نو بج کر بیس منٹ پر یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ایک نوجوان لڑکا شانتی کے کمرے میں گھس کر اس پر تشدد کر رہا ہے۔ اس کا لباس تار تار کر رہا ہے۔ اس کی نیت شاید مجرمانہ حملے کی ہوگئی ہے...... لیکن عینی شاہد نے کہا کہ میں نو بجے شب خوابی کا لباس پہن کر سونے کے لئے بستر پر جا رہی تھی کہ شانتی کے فلیٹ پر دستک کی آواز سن کر میں نے چابی کے سوراخ میں سے باہر جھانکا۔ پولیس چھ سات منٹ میں پہنچ گئی تھی۔ گویا اس پانچ منٹ کے عرصے میں اس لڑکے نے شانتی کی آبروریزی کی اور اسے قتل بھی کر دیا...... یہ منطق آپ کی سمجھ میں آئی...... کیا یہ پانچ منٹ میں ممکن ہے؟''

''نہیں......'' وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔''میں نے اس پہلو پر سوچا ہی نہیں تھا۔ معلوم نہیں کیوں؟''

''تو پھر آپ یہ سوچ کر بتائیں کہ اس نے کس لئے شانتی کو قتل کیا ہوگا......؟ کیا آپ کی سمجھ

میں اس کی کوئی وجہ آتی ہے؟''

''شاید چوری کی نیت سے داخل ہوا ہوگا۔'' تیج ناتھ نے خیال ظاہر کیا۔''شانتی چوں کہ بہت حسین و جمیل تھی اور وہ اس وقت ایسی نائٹی میں تھی کہ قاتل اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا۔ گن پوائنٹ پر اس کی عزت لوٹی۔ مزاحمت پر اسے قتل کیا تو اس کی جیب سے دس روپے کا ایک نوٹ برآمد ہوا تھا۔ پولیس کے بیان کے مطابق شانتی کا پرس پلنگ کے سرہانے والی میز پر رکھا ہوا تھا۔ اس میں پانچ ہزار کی رقم موجود تھی...... اس کے علاوہ میز پر اس کا قیمتی نیکلس بھی رکھا تھا۔ جس کی مالیت دس ہزار روپے تھی۔''

''اوہ...... اس کیس کا یہ بھی ایک پہلو ہے۔ میں نے اس پر غور نہیں کیا۔ حیرت ہے کیوں نہیں کیا۔'' وہ بغلیں جھانکنے لگا۔

''جب ہی تو میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کو لڑکیوں سے فرصت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔''اس لئے آپ کی نظر اس پہلو پر نہیں گئی۔''

اس وقت اس کی سیکریٹری کافی کے برتن لینے کمرے میں آئی۔ اس نے تیج ناتھ سے پوچھا۔

''کس لڑکی کا ذکر کر رہے ہیں یہ صاحب!''

''میں گوتم کے کیس کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے اسے جواب دیا۔''اس کیس میں کچھ حسیناؤں کا ذکر بھی آ رہا ہے۔''

''گوتم کا کیس......؟'' سیکریٹری نے ایسا منہ بنایا جیسے اس کے منہ میں کڑوا بادام آ گیا ہو۔

''یہ کیس نہ ہوا عذاب ہو گیا۔''

''ایسا مت کہو۔'' تیج ناتھ نے بڑے پرجوش لہجے میں کہا۔''مسٹر دیوانے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ انہوں نے ایسے ایسے نکتے بتائے ہیں کہ قاتل کو بے گناہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ شانتی کا اصل قاتل جلد ہی گرفتار ہو جائے گا۔ اسے پھانسی ہو جائے گی۔''

''لیکن آپ نے اپنی آنکھیں بند کیوں رکھی تھیں......؟'' سیکریٹری نے شوخ لہجے میں کہا۔''ہر وقت آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں۔''

''یہ آنکھیں تو صرف اس کیس کے سلسلے میں بند تھیں۔'' تیج ناتھ نے بھی شوخی سے کہا۔''میں نے کبھی یہ آنکھیں اس لئے بند نہیں کیں کہ تمہیں دیکھ سکوں۔''

''کیا کیس میں کوئی جان ہے؟'' سیکریٹری نے پوچھا۔''لیکن مجھے تو ایسی کوئی بات نظر نہیں آ رہی ہے۔ لیکن مجھے اس سے کیا، میری بلا سے۔''

''بالکل نئی جان پڑ گئی ہے۔'' تیج ناتھ نے کہا۔''اس خوشی میں ہم آج رات کا کھانا کسی بہت

ہی اچھے ہوٹل میں کھائیں گے۔''

''بہت بہت شکریہ......'' میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔''میں آج کی رات بہت مصروف ہوں۔میں نے کسی کو وقت دیا ہوا ہے۔''

''اچھا آپ جانے سے قبل ایک بات بتاتے جائیں۔'' تیج ناتھ نے مجھ سے کہا۔''کیا شانتی کا قاتل عینی شاہد نہیں ہے......؟''

''جی ہاں...... وہ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔''قاتل کوئی اور ہے...... کیوں کہ گوتم صرف بے حرمتی کی غرض سے اتنا بڑا جرم نہیں کرسکتا۔عینی شاہد یوں بھی قاتل نہیں ہوسکتا کہ وہ عورت ہے، قاتل نے شانتی کی عزت پر بھی ہاتھ ڈالا۔قاتل نے جو شانتی کو قتل کیا ہے وہ محض انتقام لینے کے لئے...... یا پھر ایسی کوئی بات ہوسکتی ہے کہ وہ قاتل کے بارے میں کوئی انکشاف کرنا چاہتی ہو جس سے قاتل کی عزت خاک میں مل سکتی ہو یا وہ قانون کی گرفت میں آسکتا ہو۔''

''اگر ایسی بات ہے تو عینی شاہد نے قاتل کے خلاف جھوٹے واقعات کیوں تراشے......؟'' تیج ناتھ نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ایک راز ہے جس پر سے شاید عدالت میں پردہ اٹھ جائے۔'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔''گوتم یا عینی شاہد کی زبان سے راز اگل جائے...... اس بات کا امکان ہے کہ اس وقت تک شاید کوئی اور بات منظر عام پر آجائے۔''

''میں ساری رات اس کیس پر تیاری کروں گا۔'' تیج ناتھ نے کہا۔''آپ نے میری بڑی رہنمائی کی ہے۔میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔آپ نے یہاں آنے کی جو زحمت کی ہے میں کوشش کروں گا کہ کبھی میں آپ کے کام آؤں۔''

سیکریٹری جو ہماری باتیں سن رہی تھی استقبالیہ کمرے میں فون کی گھنٹی سن کر باہر چلی گئی تھی تاکہ فون ریسیو کرسکے۔

''کیا آپ واقعی اس کیس پر رات بھر تیاری کریں گے......؟'' میں نے متعجب لہجے میں پوچھا۔''اس کی وجہ کیا ہے؟ کیوں اور کس لئے؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔''اس لئے کہ شانتی میری بڑی اچھی سیکریٹری تھی۔گو یہ میرا کام نہیں ہے۔لیکن میں پولیس سے تعاون کروں گا تاکہ قاتل کیفر کردار کو پہنچے۔اس طرح میری فرم کی پورے ملک میں بڑی شہرت ہوجائے گی۔''

''لیکن آج کی ساری رات کا آپ نے جو پروگرام بنایا ہوا ہے۔'' میں نے کہا۔''کیا آپ کو تیاری کے لئے اتنا وقت مل جائے گا؟''

''اوہ...... مسٹر دیوا......!'' تیج ناتھ بھونچکا ہوگیا۔اس پر سکتہ سا چھا گیا۔''یہ بات کیسے جانتے ہیں آپ؟ آپ مجھے......''

''جب میں نے کمرے کا دروازہ کھولا تھا تب آپ دونوں مدہوش تھے اور اس حالت میں جو رات کا پروگرام بنا رہے تھے۔وہ میں نے سن لیا تھا۔''

''آپ واقعی سراغ رساں اعظم ہیں۔'' وہ مرعوب سا ہو کر بولا۔''آپ کے کان بڑے تیز ہیں۔آپ نے سرگوشیاں بھی سن لیں۔لیکن آپ نے جولی اور سادھنا کے بارے میں نہیں بتایا۔آپ بتادیں۔ورنہ میں پاگل ہوجاؤں گا۔'' وہ منت کرنے لگا۔

میں اسے بتادیتا کہ میں کس پوشیدہ صلاحیت کا مالک ہوں تو وہ بے ہوش ہوجاتا۔میں نے بات بنائی۔اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔''دنیا میں آدمی کے ساتھ ایسے اتفاقات پیش آتے ہیں جن کے بارے میں وہ خواب وخیال میں بھی نہیں سوچتا ہے۔'' میں کہنے لگا۔''میں ایک روز ہوٹل ڈی سوزا گیا تو آپ کو جولی کے ساتھ دیکھا تھا۔آپ نے کاؤنٹر پر جولی کو اپنی پتنی بتایا۔اس کا نام سروجا لکھوایا۔پھر آپ دونوں کو کمرہ نمبر بیس دیا گیا...... میں پھر اتوار کے دن سہ پہر میں گیا تو آپ اور جولی باہر آرہے تھے۔اس سولہ برس کی جوان لڑکی میں جو حسن، جوانی اور رعنائی تھی وہ بتا رہی تھی کہ اب وہ کلی سے پھول بن چکی ہے...... پھر میں نے ایک دن سادھنا کو آپ کے ساتھ دیکھا۔آپ دونوں ایک سنیما ہاؤس سے فلم دیکھ کر آرہے تھے۔میں اتفاق سے آپ دونوں کے عقب میں تھا۔آپ اس سے سرگوشی میں کہہ رہے تھے۔میں تمہیں پانچ سو روپے اس شرط پر دوں گا کہ تم ہوٹل میں ساری رات میرے ساتھ رہوگی...... میں نے جولی کو بھی پانچ سو روپے ہی دیئے تھے۔تم اس سے پوچھ لینا۔پھر آپ اسے ہوٹل لے گئے...... میرا خیال ہے کہ میں نے غلط بیانی نہیں کی ہے۔آپ اس سے انکار نہیں کرسکتے......''

تیج ناتھ خاموشی سے سنتا رہا اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔وہ اس حقیقت کو جھٹلا بھی کیسے سکتا تھا۔میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو تیج ناتھ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔وہ مجھے دروازے تک رخصت کرنے آیا تھا۔اس کی سیکریٹری نے بھی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ رخصت کیا۔میں نے اس سے رخصت ہونے سے قبل کہا۔''تم واقعی بہت حسین ہو۔تمہیں فلم انڈسٹری کا رخ کرنا چاہئے۔''

رات نو بجے جب میں مقتولہ کے ڈائریکٹر سہگل کے شاندار بنگلے پر پہنچا تو وہ اتفاق سے برآمدے میں مل گیا۔وہ ابھی ابھی باہر سے لوٹا تھا۔میں دفتر میں اس سے ملنے گیا تو وہ نہیں تھا تو اس کے اسسٹنٹ تیج ناتھ سے ملا تھا۔جب میں نے اسے اپنا تعارف کرایا تو وہ مجھے اندر لے گیا۔

''مسٹر دیوا......!'' اس نے بڑے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔''میرا کل کا سارا دن

پولیس کی نذر ہو گیا۔ ان لوگوں نے شانتی کے قتل کے کیس میں مجھے بھی شامل تفتیش کر لیا ہے۔ مجھے عدالت میں طلب کیا جائے گا۔ سنا ہے گوتم نے اقبال جرم سے انکار کر دیا ہے؟''

''اسے یقیناً انکار کر دینا چاہئے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس نے بالکل صحیح کیا ہے۔''

''وہ کس لئے......؟'' سہگل نے حیرت سے سوال کیا۔ ''لیکن اس کے انکار کرنے سے کیا ہوتا ہے؟''

''اس لئے کہ وہ قاتل نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ بے گناہ ہے۔''

''لیکن......'' سہگل نے مضطرب ہو کر کہا۔ ''عینی شاہد کا بیان اور اس کی شہادت سے گوتم پر جرم ثابت ہو گیا ہے۔ وہ قتل کا اصل ملزم ہے۔ پولیس نے اسے عین وقت پر گرفتار کیا۔ فنگر پرنٹس کی رپورٹ کے مطابق پستول، دروازے اور چند ایک چیزوں پر اس کے ہاتھ کے نشان اور بوٹوں کے بھی نشانات پائے گئے ہیں۔ کیا یہ ٹھوس ثبوت نہیں ہیں؟ ٹھوس ثبوت اور کیا ہو سکتے ہیں؟''

''مجھے آپ کی بات سے انکار نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن بہت سی باتیں غور طلب ہیں۔ عدالت میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ گوتم کی بے گناہی کے بہت سارے ثبوت میرے پاس موجود ہیں۔ عینی شاہد کے بیان میں بڑا تضاد ہے۔''

''تضاد......؟'' اس نے بے چین ہو کر پوچھا۔ اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

''کیا آپ نے اخبارات میں قتل کی واردات کی روداد نہیں پڑھی۔''

''میں نے بڑی توجہ سے پڑھا ہے۔'' اس نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ ''یہ قتل کا کیس بالکل سیدھا سادا ہے۔ قاتل یا اس کا وکیل ان حقائق کو جھٹلا نہیں سکے گا جو وقوع پر پیش آئے ہیں۔ وہ لڑکا گوتم اس حسین عورت کا قاتل ہے۔''

''ہاں......اس پر پولیس کا الزام ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن پولیس نے اب تک شانتی کے قتل کی وجہ بیان نہیں کی ہے۔''

اس کے چہرے پر ایک سایہ لہرایا گیا۔ اس نے مضطربانہ انداز سے میری آنکھوں میں جھانکا۔ پھر رک رک کر کہنے لگا۔

''وہ چوری کی نیت سے گیا ہو گا......آج کل کے جوان لڑکوں کو حرام خوری کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ وہ اس تاک میں رہتے ہیں۔ پتا چلاتے ہیں کہ کون مرد اور عورت گھر میں تنہا رہتے ہیں۔ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر فلیٹ پر ہاتھ صاف کر لیتے ہیں۔''

''ایسی وارداتیں عموماً دن دیہاڑے ہوتی ہیں۔ میں نے جواب دیا۔ ''لیکن رات کے وقت وہ چوری سے احتراز کرتے ہیں۔ جبکہ رات کے نو بجے مکین اپنے اپنے گھروں میں ہوتے ہیں۔ ٹی وی

پروگرام دیکھ کر وقت گزاری کرتے ہیں۔ دن میں ان کی عدم موجودگی سے چور فائدہ اٹھاتے ہیں۔''

''چوروں کا کیا بھروسا......؟'' سہگل نے بے پروائی سے کہا۔ ''وہ دن رات کے چکر میں نہیں پڑتے ہیں۔ بس موقع محل دیکھتے ہیں۔''

''لیکن جب اسے گرفتار کیا گیا تو اس کی جیب سے دس کا ایک نوٹ برآمد ہوا......یہ پولیس کا بیان ہے۔ پولیس نے اس کی تلاشی حوالات میں لی تھی۔'' میں اسے بتانے لگا۔ ''میز پر شانتی کا ایک قیمتی نیکلس پڑا ہوا تھا اور اس کے پرس میں بیس ہزار کی رقم موجود تھی۔ جب وہ چوری کی نیت سے فلیٹ میں گھسا تھا تو اس نے نیکلس پر ہاتھ صاف کیوں نہیں کیا۔ اسے جیب میں رکھتے ہوئے کتنی دیر لگتی......وہ میز پر پڑا ہوا چمک رہا اور اپنی آب و تاب دکھا رہا تھا۔ اس نے پرس سے رقم کیوں نہیں نکالی؟''

وہ لاجواب ہو کر میری شکل دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چند لمحوں کے قدرے تذبذب اور دھیمے لہجے میں کہا۔ ''شاید اسے کسی وجہ سے موقع نہ ملا ہو......آہٹ سن کر بدحواس ہو کر فرار ہو گیا ہو گا۔''

''اس کے پاس وقت ہی وقت تھا......'' میں نے کہا۔ ''جو چور چوری کی نیت سے جاتے ہیں وہ خالی ہاتھ نہیں جاتے ہیں۔''

وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ چند لمحوں کے بعد اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ چہرہ دمک اٹھا تھا۔

''بہت ممکن ہے......سو فیصد میرا یقین ہے کہ وہ شانتی کے ہاں چوری کرنے گیا تھا......یہ نوجوان ہوس پرست، حسین اور ایسی عورتوں، لڑکیوں کو زیادتی کا نشانہ بناتے ہیں جن کی چمڑی سفید ہوتی ہے اور پھر اس وقت وہ سیاہ جالی دار نائٹی میں ملبوس تھی جس نے گوتم کے جذبات کو بھڑکا دیا۔ اس نے شانتی کو قابو میں کر کے بے بس کر دیا۔ کیا آپ نے کبھی شانتی کو دیکھا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں نے اخبار میں اس کی دو ایک تصویریں دیکھی ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بلاشبہ وہ خوب صورت ہی نہیں بڑی سنسنی بھی تھی۔''

''اس میں اس قدر کشش تھی کہ دلوں کو گرما دیتی تھی۔'' وہ کہنے لگا۔ ''ایسی حسین، بھرپور اور گداز بدن کی عورتیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ جب وہ راہ چلتی تھی مرد اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ گوتم نے بھی اسے دیکھا ہو گا اور اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔''

''وہ کس قماش کی عورت تھی......؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔ ''آپ اس سے اور وہ آپ سے بہت قریب رہے ہیں۔ آپ بہتر بتا سکتے ہیں۔''

"وہ ایک اچھی عورت تھی۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "میری اور تیج ناتھ کی بھی سیکریٹری تھی۔ میں بڑا بدنصیب ہوں کہ ایک بہت ہی قابل اور باصلاحیت سیکریٹری کی رفاقت سے محروم ہو گیا۔ تاہم گوتم کو پھانسی کی سزا ملنی چاہئے۔ کیوں کہ اس نے ایک شریف عورت کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا۔ اس سفاک نوجوان نے اچھا نہیں کیا۔"

"میرے پاس گوتم کی بے گناہی کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔" میں نے کہا۔ "شانتی کو کسی اور نے قتل کیا ہے۔ کیا آپ کو کسی اور شخص پر شک وشبہ ہے؟"

"نہیں۔" سہگل نے نفی کے انداز میں سر ہلا دیا۔ "اس حسین عورت کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔ البتہ اس کے بہت سارے عاشق ہوں گے۔"

"ایک حسین عورت کے نہ صرف بہت سارے عاشق ہوتے ہیں بلکہ رقیب روسیا بھی ہوتے ہیں۔" میں مسکرا دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ اسے کسی عاشق نے رقابت میں یا پھر اس کے گھاس نہ ڈالنے اور بے اعتنائی برتنے پر قتل کر دیا ہو۔ اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہاں...... اس بات کا امکان تو ہوگا۔" وہ بولا۔ "لیکن اس کا ایسا کوئی دشمن نظر نہیں آیا اور نہ ہی کبھی شانتی نے اس کا ذکر کیا۔"

"کل رات میں شانتی کے فلیٹ میں گیا تھا۔" میں نے اسے بڑے پراسرار انداز میں مخاطب کر کے کہا۔ "اس لئے کہ گوتم کی بے گناہی کے ثبوت تلاش کروں۔ میں نے اس کی خواب گاہ میں ایک چمکتی ہوئی شے دیکھی جو الماری کے پاس فرش پر پڑی ہوئی تھی۔"

"وہ کیا چیز تھی؟" سہگل بڑے زور سے چونکا۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"وہ ٹائی پن تھی......" میں نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ "بہت خوب صورت تھی۔"

"کہاں ہے وہ......؟" اس نے بڑے اضطراب سے دریافت کیا۔ "کیا آپ اسے وہاں سے لے آئے؟"

"میں نے اسے اٹھا کر جیب میں تو رکھ لیا لیکن وہ شاید وہیں کہیں گر گئی؟" میں نے کہا۔ "اس میں میری غیر ذمے داری شامل ہے۔ دراصل مجھ سے بڑی حماقت ہوئی جو میں نے اسے سنبھال کر نہیں رکھا۔ دراصل میں بڑا بے پروا شخص ہوں۔ پتا نہیں کس طرح وہ خواب گاہ میں گر گئی۔"

"کیوں نہ آپ دوبارہ شانتی کے فلیٹ پر جائیں اور ڈھونڈ کر لے آئیں۔" اس نے اپنی بے قراری چھپاتے ہوئے کہا۔

"لیکن اب میں وہاں دوبارہ جانے کا حوصلہ نہیں پاتا ہوں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "بہتر ہے مجھے معاف ہی رکھیں۔"

"ایسی کیا بات ہے۔" وہ بولا۔ "کیا وہاں شانتی کی بدروح دیکھ لی آپ نے جو فلیٹ میں جانے کا حوصلہ نہیں پا رہے ہیں؟"

"نہیں...... یہ بات نہیں۔" میں بولا۔ "میں کمزور دل واقع ہوا ہوں...... لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟"

"وہ کیا......؟" اس نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا تو اس کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ "کون سی بات......؟"

"پولیس کی اس ٹائی پن پر نظر کیوں نہیں پڑی جب کہ دو تین پولیس والے تفتیش کے لئے خواب گاہ میں گھسے ہوئے تھے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "وہ بڑی قیمتی ٹائی پن ہے۔ ایک تو سونے کی اور اس میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں...... اس ٹائی پن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ یقیناً کسی بڑے امیر کبیر آدمی کی ہے۔"

"اچھا......" اس نے تعجب کا اظہار کیا۔ "بڑے آدمی کے لئے ایسی پن کا کھو جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

"اور ہاں......" میں نے کہا۔ "مجھے یاد آیا، میں آپ سے کہنا بھول رہا تھا۔ ایک اور نئی بات کا اضافہ ہوا ہے۔ آپ ذرا غور سے سن لیں۔"

"وہ کیا نئی بات ہے......؟" اس نے میرے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں۔ "کیا کسی اخبار میں شائع ہوئی ہے؟"

"پولیس کا کہنا ہے کہ یہ نیکلس بالکل نیا ہے اور مقتولہ نے شاید اسے ایک ہی بار پہنا ہوگا۔" میں اسے بتانے لگا۔ "اسے خریدے ہوئے بہ مشکل دو ایک دن ہی ہوئے ہوں گے۔ پولیس حیران ہے کہ شانتی جیسی عورت ایسا نیکلس کیسے خرید سکتی ہے۔ جس میں سات ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ اس کی قیمت اندازاً ایک لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ پولیس تحقیقات کر رہی ہے کہ کس نے اور کس دکان سے کب خریدا......؟"

"کیا یہ بات کسی پولیس افسر نے آپ سے براہ راست کہی۔" اس نے دریافت کیا۔ "یہ کب کی بات ہے؟ کہیں آج کی تو نہیں ہے؟"

"آج شام کے اخبار ایوننگ نیوز میں اس پولیس انسپکٹر کا بیان تھا جو اس کیس کی تحقیقات کر رہا ہے۔" میں نے کہا۔ "پولیس نے بیس ہزار کے نوٹوں کے بارے میں بھی کہا ہے۔ یہ سو سو کے نوٹوں کی دو گڈیاں ہیں اور سیریل نمبر کے ہیں۔ پولیس نے تحقیقات کی تو اسے پتا چلا کہ شانتی کے بینک اکاؤنٹ میں پانچ ہزار کی رقم تین ماہ سے موجود ہے۔ اس نے اس درمیان کوئی رقم نہیں

جمع کی۔ پولیس اس بات کا پتا چلانے کے لئے بڑی سرگرمی دکھا رہی ہے کہ رقم اور نیکلس اسے کس نے دیئے یا اس نے چوری کیے ہیں؟''

''ایک اور بات بھی میرے علم میں آئی ہے۔'' میں نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''معلوم نہیں کیوں ایک ایک بات یاد آتی جا رہی ہے۔''

''وہ کون سی بات......؟'' اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے پریشان کن لہجے میں کہا۔ ''جو بھی بات ہے وہ بتا ہی دو۔''

''شام کے تمام اخبارات میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔'' میں نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''اس میں بتایا گیا ہے کہ شانتی کو رات آٹھ بجے قتل کیا گیا ہے۔ اس طرح عینی شاہد کا بیان جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوتا ہے۔ گوتم کی بے گناہی ثابت ہوتی ہے۔''

''شاید...... عینی شاہد شانتی کی قاتل ہو؟'' اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ بات ممکن نہیں آج کل......''

''اس کے امکانات تو ہیں کہ یہ قتل عینی شاہد نے کیا ہو......لیکن آبروریزی بھی تو ہوئی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ میرے ذہن میں شام کے اخبارات کی خبریں یاد نہیں آ رہی تھیں۔ میں بھول گیا تھا۔ اس وجہ سے آپ کو زحمت دینے آیا تھا۔''

''کوئی بات نہیں......؟'' اس نے میرے ساتھ بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ ''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ کسی دن دفتر آ کر مجھ سے مل سکتے ہیں۔''

''شکریہ......'' میں نے کہا۔ ''آپ دفتر میں بہت مصروف رہتے ہیں۔ سیکریٹری سے کہیں مجھے انتظار نہ کرائے۔ میں اس کا عادی نہیں ہوں۔''

میں سہگل سے رخصت ہو کر بنگلے سے باہر نکل آیا۔ میں سہگل کی نئی سیکریٹری ریکھا کی رہائش گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ گولڈن ایونیو کی پرشکوہ عمارت میں رہتی تھی۔ بڑے شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے......ایسی حسین عورت اور کہاں رہ سکتی ہے۔ اس عمارت میں تمام فلیٹ لگژری تھے اور صاحب حیثیت لوگ رہتے تھے۔ جب میں نے اس کے فلیٹ پر پہنچ کر اطلاعی گھنٹی بجائی تو چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی باہر سے لوٹی تھی۔ اس نے بڑا قیمتی اور شاندار بھڑکیلا لباس پہن رکھا تھا۔ اس لباس میں نہ صرف اس کا حسن نکھر آیا تھا بلکہ جسم اور اس کے تناسب کسی زہریلی ناگن کی طرح پھنکار رہے تھے۔

اس نے متعجب اور حیران ہو کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر ابھر آیا۔ وہ جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس نے مجھے کہاں دیکھا۔ کیوں کہ اس سے دفتر

میں میری ملاقات لمحاتی سی تھی۔ جانے دن میں کتنے لوگ اس کے باس سے ملنے آتے ہوں گے۔ وہ اس لئے بھی حیران تھی کہ ایک اجنبی اس کے دروازے پر کیوں اور کس لئے آیا؟ وہ اجنبیوں کو گھاس نہیں ڈالتی تھی۔

''تم مس ریکھا اجیت ہو نا......؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''تم مسٹر ایس کے سہگل کی نئی سیکریٹری ہو......؟''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''میں ریکھا اجیت ہوں۔ تم کس لئے آئے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟''

''ان سوالوں کا جواب میں اندر آ کر دے سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ آپ اندر آنے کا راستہ دے دیں۔''

''کیوں......؟'' اس کی چاندی سی پیشانی پر شکنوں کا جال پڑ گیا۔ اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔ ''تم کون ہو......؟''

''میں اندر آ کر اطمینان سے اپنا تعارف کراؤں گا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم مجھے اتنی جلدی بھول گئیں۔ کل میں تمہارے دفتر آیا تھا۔ تمہارے باس سے ملنے......''

''لیکن میرا پتا تمہیں کس نے دیا؟'' وہ غرائی۔ ''میں نے سوائے باس کے کسی کو اپنا پتا نہیں دیا۔ نہ باس میرا پتا دے سکتا ہے۔''

''میرے لئے کسی کا پتا معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''غرانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارے پچھلے گھر کا بھی پتا بتا سکتا ہوں۔ تم پونا میں رہتی تھیں اور......'' میں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ کیوں کہ اس کے حسین چہرے پر غصہ کی ایک لہر آئی اور وہ اور حسین دکھائی دی اور اس کی آنکھوں میں نفرت کی سرخی ابھری۔ وہ جھلا کر دروازہ بند کرنے لگی۔ میں اس کے ارادوں سے پوری طرح باخبر ہو چکا تھا۔ یہ حسین اور نوجوان عورتیں جب کسی بڑی فرم کے ایم ڈی، وغیرہ کی سیکریٹری بن جاتی تھیں۔ تو ان کے دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے تھے۔ آج کل یہ بہت بدتمیز اور بدمزاج بھی ہوتی جا رہی تھیں۔ یہ تو ہندوستان کی مہذب قوم کی فرد ہیں۔ نجانے کیا ہو گیا تھا کہ اخلاق اور شائستگی کا دامن بھی چھوڑتی جا رہی تھیں...... دراصل یہ نہ صرف پندار حسن تھا بلکہ اس بات کا غرور تھا کہ وہ بہت اچھی کمائی کر رہی ہیں۔

مجھے مجبوراً اس حربہ سے کام لینا پڑا جس کے لئے اس قسم کی عورتیں ملتی تھیں۔ میں نے بجلی کی سی سرعت سے دروازے پر ایک لات ماری اور دروازہ اندر کی طرف اس قدر زور سے دھکیلا کہ مس ریکھا کئی فٹ دور فرش پر جا گری اور جب میں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا تو وہ مقفل ہو گیا۔

اس کا تالا خود کار تھا۔ اندر سے چٹخنی لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ غصے میں پیچ و تاب کھاتی ہوئی اٹھی۔ اس کا لباس بے ترتیب سا ہو گیا تھا لیکن اس نے اس کی پروا نہیں کی۔ وہ سنبھل کر بپھری ہوئی میری طرف بڑھی۔ میرے سامنے پہنچ کر اس نے اپنا خوب صورت، مرمریں اور سڈول ہاتھ فضا میں لہرایا۔ جب اس کا ہاتھ میرے چہرے کی طرف بڑھا تو میں نے اس کی جھٹ سے بھری بھری کلائی پکڑ کر اسے دبوچ لیا۔ وہ میرے قابو میں تھی۔ پہلے تو اس کا بدن کسمسایا۔ پھر وہ میرے بازوؤں کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے اس کی کلائی مروڑی اور ہاتھ پشت کی جانب لے گیا۔ وہ شعلہ بار نگاہوں سے مجھے گھورنے لگی۔ اس نے پھر کسمسا کر اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ لیکن میرے ہاتھ کی گرفت اس کی کلائی پر اس قدر سخت تھی کہ وہ اپنی کلائی کو جنبش تک نہ دے سکی۔

''چھوڑ دو میرا ہاتھ......'' اس کے حسین چہرے پر تکلیف کے آثار ابھر آئے۔ اس نے اپنا سارا زور صرف کر دیا تھا۔ ''چھوڑ دو......'' میں دوسرے لمحے اسے اسی طرح اپنی گرفت میں لے کر ملاقاتی کمرے میں آیا اور اسے بڑے صوفے پر دھکا دے کر گرا دیا۔

وہ صوفے پر گرتے ہی یک بارگی گیند کی طرح اچھلی اور دوسرے ہاتھ سے اپنی کلائی پکڑ کر درد سے کراہنے اور تڑپنے لگی۔ اس نے چند لمحوں کے بعد غصے سے کہا۔ ''بدمعاش...... تم کون ہو...... یہاں کیوں آئے ہو...... کیا چاہتے ہو؟'' اس کی آواز تیز ہو گئی۔

''اس حسین صورت کا دیدار کرنے کے لئے......؟'' میں نے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اطمینان اور بدتمیزی سے اپنی ٹانگیں پھیلا لیں۔

''یہاں سے دفع ہو جاؤ......'' وہ ہذیانی لہجے میں چیخی۔ ''یہ تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے جو گھس آئے ہو، جاتے ہو کہ نہیں......''

''میں نے کب کہا کہ یہ میرے باپ کا گھر ہے۔'' میں مسکرا دیا۔ ''البتہ میں اسے اپنی سسرال سمجھ کر آیا ہوں۔ سسرال میں اسی طرح آیا جاتا ہے۔''

''میں تم سے پھر ایک مرتبہ کہہ رہی ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ۔'' وہ بھڑک اٹھی۔ ''تم نہیں گئے تو اچھا نہیں ہوگا۔ میں تمہارا......''

''اگر میں نہیں گیا تو تم میرا کیا بگاڑ لوگی......؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا شوٹ کر دوگی؟''

''اگر میرے پاس پستول ہوتا تو میں تمہیں اب تک شوٹ کر چکی ہوتی۔'' وہ بل کھا کر بولی۔ ''میں فون کر کے پولیس کو بلا لوں گی۔''

''تمہیں پولیس والوں پر بڑا ناز ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ تمہارے چچا ماموں

ہیں جو فون کرتے ہی سر کے بل چلے آئیں گے...... اور پھر میں تمہیں فون کرنے کی مہلت کہاں دے رہا ہوں اور پھر پولیس پر بھروسا مت کرو۔ ان سے بداخلاق کوئی نہیں ہے۔''

''تم کیا چاہتے ہو......؟'' اس نے خوف زدہ نظروں سے سہم کر میری طرف دیکھا۔ ''کیا میری عزت سے کھیلنے آئے ہو......؟''

میں نے اپنی گردن پر کلمہ کی انگلی پھیرتے ہوئے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ ''اب تم میرا مطلب صاف سمجھ گئی ہوگی......''

اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹ گئیں۔ وہ سراسیمہ ہو کر میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی زبان سے لرزیدہ سی آواز نکلی۔ ''کیا......؟''

''آج کی رات اس دھرتی سے تمہارا وجود ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا ہے۔ یعنی تمہیں بڑی محبت اور نرمی سے قتل کر دینا ہے۔''

اس کا چہرہ جو پیلا پڑ گیا تھا وہ سفید ہوتا چلا گیا۔ اس کے ہونٹ کپکپائے۔ ''وہ کس لئے...... میں نے کیا کیا......؟''

''تم نے شانتی کو قتل کرایا ہے۔'' میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''خون کا بدلہ خون ہوتا ہے۔ میں اس کے قتل کا بدلہ لینے آیا ہوں۔''

''میں نے...... نہیں...... نہیں۔'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ وہ حد درجہ خوف زدہ اور سراسیمہ ہو رہی تھی۔ ''میں نے اسے قتل نہیں کرایا۔''

''پھر اسے کس نے قتل کیا ہے؟'' میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''اپنی سلامتی چاہتی ہو تو مجھے سچ سچ بتا دو۔ ورنہ یاد رکھو میں تمہیں......''

''میں نہیں جانتی۔'' اس کا بدن دہشت سے لرز رہا تھا۔ اس نے بہ مشکل قابو پا کر کہا۔ ''میں نہیں جانتی...... مجھے نہیں معلوم...... کہ اسے کس نے قتل کیا ہے۔ میں نے تو اسے دیکھا تک نہیں تھا۔ میں اسے جانتی تک نہیں تھی۔ پھر اسے کیوں کر اور کس لئے قتل کرا سکتی ہوں۔ اس بدنصیب نے میرا کیا بگاڑا تھا جو میں اسے قتل کراتی۔ یقیناً کسی نے تمہیں میرے خلاف بھڑکایا ہے۔ تم اس کی بات کا یقین نہ کرو۔''

''تم نے شانتی کو اس لئے قتل کرایا کہ سہگل تک پہنچنے کے لئے راستہ صاف ہو جائے۔'' میں نے کہا۔ ''آخر راستہ صاف ہو گیا۔ تمہیں اپنی منزل مل گئی۔''

''سہگل......؟'' اس کے سرخ گداز ہونٹوں پر زہرخند مسکراہٹ ابھری۔ ''وہ ایک سراب ہے۔ منزل نہیں۔'' اس کا لہجہ نفرت سے بھر گیا اور اس کی خوب صورت بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے

حقارت جھانکنے لگی۔ ’’میں نے اس کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ میں نے اپنا سب کچھ اس کے حوا
کر دیا۔ سونپ دیا۔ عورت ایک مرد کو اپنا سب کچھ اس لئے سونپ دیتی ہے کہ وہ اسے چاہے گا
ہے۔ لیکن میں نے جلد بازی کر کے بڑی حماقت کی......‘‘

’’کیا تم نے یہ سب کچھ اس لئے نہیں کیا تھا کہ اس کی جیون ساتھی بن جاؤ۔‘‘ میں نے
’’عورت کتنی جلدی مرد کے پھندے میں پھنس جاتی ہے۔‘‘

’’ہاں۔‘‘ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ’’میں محبت کے نام پر فریب کھاتی رہی۔ وہ اب
فریب دیتا آ رہا ہے۔ لیکن اب وہ بات نہیں رہی۔‘‘

’’کون سی بات نہیں رہی......‘‘ میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔ وہ مجھے ا
ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

اس کے چہرے پر ایک کرب سا پھیل گیا۔ وہ چند لمحوں تک خاموش رہی جیسے بتانے
اسے تذبذب ہو رہا ہو۔ پھر وہ دل گرفتہ لہجے میں بولی۔

’’میں جس تقریب سے ابھی ابھی واپس آئی ہوں وہاں پہنچ کر مجھے پتہ چلا کہ وہ کسی اور
سے شادی کرے گا۔‘‘

’’تم سے کس نے کہا کہ وہ کسی اور لڑکی سے شادی کرنے والا ہے۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’یہ ای
افواہ بھی تو ہو سکتی ہے۔ اس کا یقین نہ کرو۔‘‘

’’اس لڑکی نے......‘‘ ریکھا نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ ’’اس نے اپنی انگلی کی انگو
دکھائی تھی جو سہگل نے اسے پہنائی ہے۔ یہ منگنی ان دونوں نے کوئی ایک ماہ پہلے چوری چھپے
ہے۔ میری اس لڑکی سے دوستی ہے اس لئے اس نے مجھے اعتماد میں لے کر بتا دیا۔‘‘

’’شاید یہ بات غلط ہو۔‘‘ میں نے اسے دلاسا دیا۔ ’’تم اس کی بات کا اعتبار نہ کرو۔ شاید ا
نے تمہیں جلانے کے لئے کہا ہوگا؟‘‘

’’اس لڑکی کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ میں اور سہگل ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔‘‘ ر
حسرت بھرے لہجے میں بولی۔ ’’اس نے مجھے تاکید کی تھی ہم اپنی محبت کو کچھ عرصہ تک کے لئے پو
رکھیں۔ کیوں کہ وہ چاہتا ہے کہ سرپرائز دوں۔ شادی کے اچانک اعلان کا......لیکن اس نے کسی
سے شادی کا عہد کر کے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ میرے دل کو کتنا صدمہ ہوا میں بتا نہیں سکتی۔‘‘

’’اس لئے تم سہگل سے انتقام لینے پر تل گئیں۔‘‘ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا
میری نگاہوں کی تاب نہ لا سکی۔ پلکیں جھکا لیں۔

’’ہاں......‘‘ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ دوسرے لمحے اسے اپنے اس اقرار

پچھتاوا سا ہوا۔ وہ پشیمان سی ہو گئی۔

’’تم اس سے کس قسم کا انتقام لو گی......؟‘‘ میں نے دریافت کیا۔ ’’کیا تم اسے دفتر میں شوٹ
کر کے جیل جاؤ گی یا کھانے میں زہر ملا دو گی؟‘‘

’’میں اسے قتل تو نہیں کر سکتی...... نہ کھانے میں نہ شراب میں زہر ملا سکتی ہوں۔‘‘ اس نے
کہا۔ ’’البتہ اسے ساری دنیا میں ذلیل و رسوا کر دوں گی۔‘‘

’’تم کس طرح اسے ذلیل و رسوا کرو گی......؟‘‘ میں نے کہا۔ ’’بڑے لوگوں کے عیب ان کی
دولت چھپا لیتی ہے۔ پردہ ڈال دیتی ہے۔‘‘

’’میں اسے تختہ دار پر لٹکا دوں گی۔‘‘ ریکھا نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ ’’میرا خیال ہے کہ اس
نے شانتی کو قتل کیا ہے۔ وہ اس کا قاتل ہے۔‘‘

’’خیال اور اندازے سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔‘‘ میں نے کہا۔ ’’اس کے لئے ٹھوس ثبوت
چاہئے۔ ثبوت کے بغیر اس پر پولیس ہاتھ نہیں ڈالے گی۔‘‘

’’کوئی ثبوت تو نہیں ہے اس کے خلاف میرے پاس۔‘‘ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
’’ایک مرتبہ میرے فلیٹ میں سہگل نے رات میرے ساتھ گزارتے ہوئے بڑی پریشانی کی
حالت میں کہا تھا...... جان! میں ایک الجھن میں بہت بری طرح پھنسا ہوا ہوں۔‘‘

میں نے اس کی پریشانی بھانپتے ہوئے پوچھا تھا۔ ’’آخر ایسی کیا الجھن ہے جس نے تمہیں
اس قدر پریشان کر دیا ہے اور تم......‘‘

’’اس نے جواب دیا تھا کہ......اس کی سیکریٹری شانتی نے اس کی فرم کی چند ایسی خامیاں
جان لی ہیں جس کے اظہار سے فرم کی ساکھ نہ صرف مٹی میں مل سکتی ہے بلکہ قانونی طور پر مجھے جیل
کی ہوا کھانا پڑے گی۔ وہ اس سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ اس نے بتایا کہ شانتی اسے بلیک میل
کر رہی ہے کہ میں اسے فرم میں پارٹنر بنا لوں...... ففٹی ففٹی کا۔ میں اس کمینی کو اتنی بڑی فرم کا حصہ
دار بنا لوں۔ ناممکن......‘‘

’’پھر تم کیا کرو گے سہگل......!‘‘ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔
’’کیا اس سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہیں ہے؟‘‘

’’صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ اس مکار لومڑی کو راستے سے ہٹا دوں۔‘‘ اس نے
جواب دیا تھا۔ ’’اسے ہر صورت میں اس دنیا سے جتنا جلد ہو سکے رخصت کر دینا ہوگا۔ کیوں کہ اس
نے مجھے ایک ماہ کی مہلت دی ہوئی ہے...... ممکن ہے اسی نے راستے سے ہٹایا ہو۔‘‘

’’تو میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی......‘‘ میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ ’’یہ غلطی مجھے یہاں

لے آئی۔ ورنہ میں تمہیں اس وقت آ کر زحمت نہیں دیتا۔''

''ہاں......'' اس نے اپنا خوشنما سر اثبات میں ہلایا۔ ''شکر ہے تمہاری غلط فہمی دور ہوگئی۔ لیکن تم ہو کون......؟ تم نے بتایا نہیں۔''

''میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''میں گوتم کی جانب سے شانتی کے قتل کے کیس پر کام کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں تمہارے دفتر آیا تھا کہ سہگل سے ملوں۔ تم نے یہ کہا تھا کہ وہ بہت مصروف ہیں۔ آج نہیں مل سکتے۔ میں واپس ہو گیا۔''

''ہاں...... اب مجھے یاد آیا۔'' وہ بولی۔ ''میں اس وقت بہت مصروف تھی۔ میں تم سے ٹھیک بات بھی نہ کر سکی تھی نا۔ تمہیں ناگوار لگا تھا شاید۔''

''ہاں۔'' میں نے اقرار کیا۔ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا ہے کہ نخرے سہوں۔ بار بار چکر لگاؤں۔''

''لیکن تم مجھے قتل کرنا کیوں چاہتے ہو؟'' اس نے مجھے خوف زدہ نظروں سے دیکھا۔ ''کس کی ایما پر...... کیا بتانا پسند کرو گے؟''

''اس لئے کہ جب میں دفتر آیا تھا تو تم نے مجھے قتل کر دیا تھا۔'' میں نے شوخ لہجے میں کہا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ سرد ہو رہا تھا۔

''میں نے قتل کر دیا تھا......؟'' اس کے چہرے پر استعجاب پھیل گیا۔ اس نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہنے دیا۔

''دفتر میں تم جس لباس میں تھی۔ جو حالت تھی۔ اس نے مجھے قتل کر دیا تھا۔ اس وقت بھی یہ لباس جس میں تم قاتلہ لگ رہی ہو۔''

''اوہ...... تم بڑے رنگین مزاج قاتل معلوم ہوتے ہو۔'' وہ قدرے پرسکون لہجے میں بولی۔ ''تم نے بتایا نہیں کہ تم مجھے کس لئے قتل کرنا چاہتے ہو۔''

''کون میں......؟'' میں نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ ''میں نے ایسا کب کہا تھا کہ میں تمہیں قتل کرنے آیا ہوں۔ قتل کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے جملہ بار بار دہرایا۔ ''میں مقتول ہوں۔ تمہارے حسن و شباب نے قتل کر دیا ہے۔ مقتول کہیں قتل کر سکتا...... اچھا اب میں سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں آج رات قتل کرنا ہے۔ میری اس سے یہ مراد تھی کہ تمہیں کوئی بھی قتل کر سکتا ہے۔''

''اس وقت تم یہاں موجود ہو......'' وہ خوف زدہ لہجے میں بولی۔ ''تم جس ارادے سے یہاں آئے کیا اسے پورا کرو گے......؟''

''نہیں......'' میں نے اس کے ریشمی بالوں کو جو اس کی گردن تک بڑی نفاست سے ترشے ہوئے تھے سہلاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے مجھے کیا پیشہ ور قاتل سمجھ لیا ہے......؟ میں کوئی بدذوق نہیں ہوں۔ رنگین مزاج ہوں۔ جب کوئی عورت حشر سامانیوں کے ساتھ میری نظروں کے سامنے آتی ہے تو پھر مجھے اپنے جذبات پر قابو نہیں رہتا ہے۔ اس وقت تم جس لباس میں ہو اس میں تمہارا پرشباب گداز بدن اسی طرح چھلک رہا ہے جیسے کانچ کی صراحی میں شراب...... اور تم شعلہ مجسم بنی ہوئی ہو۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ رات تمہارے فلیٹ میں تمہارے ساتھ گزاروں...... ہم دونوں کے سوا اس وقت یہاں کوئی نہیں ہے۔ تم ہو، میں ہوں، تنہائی ہے، رات ہے۔''

وہ حیرت اور خوف سے اچھل پڑی۔ ''تم...... رات میرے ساتھ گزارو گے؟'' اس کی آواز حلق میں پھنس گئی تھی۔

''تم اپنے گھر چلے جاؤ......'' اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''اس طرح تمہارے جذبات قابو میں رہیں گے۔''

''میں ایسا کسی قیمت پر نہیں کر سکتا۔'' میں نے اس کی عریاں مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر قریب کر لیا اور سرگوشی میں کہا۔ ''میں دراصل تمہاری حفاظت کرنے آیا ہوں۔''

''میری حفاظت......؟'' اس نے حیران ہو کر پلکیں جھپکائیں اور پھر غیر یقینی لہجے میں بولی۔ ''کیسی حفاظت......؟ کیا کوئی خطرہ درپیش ہے؟''

''ہاں......'' میں نے سر ہلا دیا۔ ''آج کی رات تمہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اس لئے میں یہاں تمہارے پاس رہنا چاہتا ہوں۔''

وہ اس طرح سے چونکی جیسے اس کی پشت میں چھرا گھونپ دیا گیا ہو اور اس کا حسین چہرہ سفید دھلی چادر کی طرح ہو گیا۔ ''لیکن مجھے کون قتل کرنا چاہتا ہے؟'' اس کی رسیلی آواز کانپنے لگی۔ اس کے سارے بدن میں جھرجھری سی آ گئی۔ ''میں نے کیا کیا؟''

''تمہیں بھی اسی طرح قتل کیا جائے گا جس طرح شانتی کو قتل کیا گیا......؟'' میں نے کہا۔ ''تم نے کیا کیا...... کیا نہیں کیا......؟ یہ اور بات ہے۔''

''لیکن مجھے کون اور کیوں قتل کرنا چاہتا ہے؟'' اس نے سراسیمہ ہو کر اپنا سوال دہرایا۔ ''تم مجھے بتا کیوں نہیں رہے ہو؟ کس لئے چھپا رہے ہو۔''

''تم وقت آنے پر قاتل کو دیکھ لینا۔ میں کسی وجہ سے تمہیں بتانا نہیں چاہتا......؟ اس لئے کہ تم میری بات کا یقین نہیں کرو گی؟'' میں نے کہا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہی میرے قاتل ہو......؟'' وہ دہشت زدہ لہجے میں بولی۔ ''تم مجھے قتل

کرنے آئے ہو۔فریب دے رہے ہو کہ......"

"اگر میں تمہیں قتل کرنے آیا ہوتا تو کس بات کا انتظار کرتا۔" میں کہنے لگا۔"میں سب سے پہلے تمہاری عزت سے کھیلتا۔ پھر تمہیں موت کی نیند سلا کر چلا جاتا...... قاتل ایسے کاموں میں دیر نہیں کرتے......" میں نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔ پھر اسے سمجھانے لگا۔"تم اپنی خواب گاہ میں جاؤ۔ اطمینان سے کپڑے تبدیل کرلو۔ لیکن ایسا لباس نہیں پہننا کہ مرد کے جذبات بے قابو ہو جائیں لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔"

"کس بات کا......؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔

"دروازے پر دستک ہو یا اطلاعی گھنٹی بجے......" میں نے اسے تاکید کرتے ہوئے کہا۔"تم غسل خانے میں جا کر چھپ جانا......ان لوگوں کے سامنے نہیں آنا......انہیں اور سارا معاملہ میں خود نمٹ لوں گا۔تم پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

"تم دروازہ نہ کھولنا......" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔"وہ اطلاعی گھنٹی بجا بجا کر واپس چلے جائیں گے۔کہیں گے کہ میں نہیں ہوں۔"

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ قاتل سے سامنا ہو۔" میں نے کہا۔"تمہیں میری بات کی سچائی کا اندازہ ہو۔ورنہ تم مجھے قاتل سمجھو گی۔"

جب وہ اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھی تو اس کے پیر کانپ رہے تھے۔اس کی حالت بڑی غیر ہو رہی تھی۔وہ ڈگمگاتے قدموں سے شرابیوں کی طرح چل رہی تھی۔جب وہ کپڑے بدل کر آئی تو میں نے کچن میں جا کر وہسکی کی بوتل نکالی۔اسے ایک پیگ پلایا تو اس کی حالت قدرے سنبھل گئی۔

رات کا ایک بج رہا تھا۔ہم دونوں ملاقاتی کمرے میں بیٹھے قاتل کا انتظار کر رہے تھے۔ریکھا خوف زدہ اور ہراساں تھی۔اس کے سینے کا مدوجزر بتا رہا تھا کہ اس کا دل بہت بری طرح دھڑک رہا ہے۔ اس کے قابو میں نہیں آرہا ہے۔ ہر آہٹ پر وہ چونک سی جاتی تھی۔وہ اپنا خوف کم کرنے کے لئے میرے بازوؤں میں سمائی ہوئی تھی۔ میں اس کے بالوں کو سہلا سہلا کر اس کا خوف کم کر رہا تھا۔

ٹھیک ایک بج کر دس منٹ پر باہر کے دروازے کا ہینڈل غیر محسوس انداز سے گھومنے لگا۔ہم نے نہ تو اندر سے چٹخنی لگائی تھی اور نہ ہی دروازہ مقفل کیا تھا۔قاتل کے لئے آسانی فراہم کر دی تھی۔ریکھا ایک دم سے اچھل پڑی۔میری آغوش سے نکل کر کھڑی ہوگئی اور اپنے بلاؤز کے گریبان میں سے پستول نکال لیا۔میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خواب گاہ کے غسل خانے میں لے جا کر چھپ جانے کا اشارہ کیا۔پھر وہ بڑی تیزی سے خواب گاہ میں چلی گئی۔

چند ثانیوں کے بعد دروازہ کھلا۔ایک مسلح نقاب پوش کمرے میں داخل ہوا۔وہ مجھے دیکھ کر

اس طرح چونکا۔جیسے سانپ دیکھ لیا ہو۔اس نے مجھے پستول کے نشانے میں لیتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اندر کی طرف جھانکا۔کچن کی طرف دیکھا اور تیز لہجے میں کہا۔

"ریکھا کہاں ہے......؟ کیا وہ بیڈ روم میں سو رہی ہے یا ابھی پارٹی سے نہیں لوٹی ہے؟ لیکن وہ پارٹی سے بہت پہلے چلی گئی تھی۔"

یہ مترنم نسوانی آواز تھی۔وہ کسی قدر چوکنا اور ہوشیار نظر آرہی تھی کہ کہیں میں اٹھ کر اسے دبوچ نہ لوں۔

"کون......؟ ریکھا......؟" میں نے کہا۔"وہ اپنے باس سہگل کے ساتھ کسی ہوٹل میں عیش کر رہی ہے۔دونوں اپنی رات رنگین کر رہے ہیں۔"

"کیا......؟" اس کے نازک اور مرمریں ہاتھ نے پستول پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔"یہ بات غلط ہے،ایسا نہیں ہوسکتا۔"

"میں بالکل سچ عرض کر رہا ہوں۔" میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔"وہ دو ارمان بھرے دل ہیں۔جوان ہیں اور پھر وہ......"

"مجھے بے وقوف مت بناؤ......" اس نے درمیان میں کہا۔اس کی نظریں متلاشی تھیں اور جیسے میری بات کا یقین نہیں آیا تھا۔وہ چند ثانیوں تک متذبذب سی رہی۔اس کی آنکھیں نقاب کے اندر چمک رہی تھیں اس کے ہاتھوں میں کالے دستانے نئے اور خوب صورت سے دکھائی دیتے تھے۔وہ بڑی مشکوک سی نظر آرہی تھی۔کچھ کہنے کا سوچ رہی تھی۔

"کیا تم نے یہ دستانے آج ہی خریدے ہیں؟" میں نے خوش کن لہجے میں پوچھا۔"بڑے خوب صورت اور قیمتی معلوم ہوتے ہیں۔"

وہ میری آواز سن کر چونکی۔"تم کون ہے......؟" اس نے تیز و تند لہجے میں پوچھا۔

"میں ایک انسان ہوں......" میں نے جواب دیا۔"میں کوئی بدروح نہیں ہوں۔گھبراؤ نہیں۔تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔"

"میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم ریکھا کے فلیٹ میں اس وقت کیا کر رہے ہو؟" س نے مجھے قہر آلود نظروں سے گھورا جیسے کچا چبا جائے گی۔

"میں ریکھا کے انتظار میں جاگ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔"وہ بہت حسین ہے، میں بھی سہگل کی طرح اس کے ساتھ وقت گزاری کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا تم گدھے ہو......؟" وہ جھلا کر بولی۔"یہ پستول نہیں دیکھ رہے ہو؟ اس میں چھ گولیاں بھی ہیں۔میں تم دونوں کو قتل کر دوں گی۔"

"قتل کرنے والا...... قتل کرنے سے پہلے نہ تو وارننگ دیتا ہے اور نہ ہی دھمکیاں۔ اس شبھ کام میں دیر کیوں کر رہی ہو۔ ایک......دو......"

"سچ سچ بتاؤ...... کمینی ریکھا کہاں ہے؟" اس نے بپھر کر پوچھا۔ "تم نے نہیں بتایا تو پھر میں تمہارا قصہ پاک کر کے چلی جاؤں گی۔"

"تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا ہے تو ایسا کرو کہ ہوٹل پام روز ٹیلی فون کرو۔" میں نے کہا۔ "وہ کمرہ 215 میں شام سے موجود ہیں۔"

"لیکن......" وہ چکرا سی گئی۔ وہ اندر ہی اندر جیسے الجھ سی گئی تھی۔ وہ گڑبڑا کر بولی۔ "یہ کیا چکر ہے۔ میری کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے؟"

"کامنی ڈیئر......!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "یہ معاملہ ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تم کیوں رات خراب کر رہی ہو۔"

"کون کامنی......؟" وہ سٹپٹا کر بولی۔ پھر حیرت سے اچھل پڑی۔ اس کے ہاتھ سے پستول چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ "میں کامنی نہیں ہوں۔"

"تم سو فیصد کامنی ہو......" میں نے کہا۔ "تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتی ہو؟ میں نے زندگی میں آج تک کسی سے دھوکا نہیں کھایا۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ پھنکاری۔ پھر میری طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "تم نے اپنے بارے میں نہیں بتایا...... آخر کون ہو تم......؟"

"میں تمہارا سگا ہوں......" میں نے شوخی سے کہا۔ "حیرت ہے کہ تمہارا خون سفید ہو گیا۔ اب تم اپنے سگوں کو بھی نہیں پہچانتی ہو۔"

"سگے ہو یا سوتیلے یہ تو بعد میں بتاؤں گی۔" وہ برافروختہ ہو گئی۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو کہ ریکھا...... سہگل کے ساتھ گئی ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" میں بولا۔ "آخر تمہیں میری بات کا یقین کس لئے نہیں آ رہا ہے؟ یقین کر لو نا جان من!"

"میں اس بات کا کیسے یقین کر سکتی ہوں کہ......" اس نے کچھ سوچتے ہوئے اپنا فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"سنو کامنی!......" میں نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "تم میری بات غور اور دھیان سے سنو...... تم ایک سمجھ دار لڑکی ہو۔ تم جس کے اشارے پر سنگین جرم کرنے جا رہی ہو۔ وہ تمہارے ساتھ دھوکا کر رہا ہے۔ اس چال باز کے فریب میں نہ آؤ۔"

"میں کامنی نہیں ہوں۔" اس نے فرش پر پیر پٹخ کر ہذیانی لہجے میں کہا۔ "پتا نہیں کیوں تم نے کامنی، کامنی کی رٹ لگا رکھی ہے۔"

"تمہاری آواز...... تمہارا بدن...... اور تمہاری حرکات و سکنات...... سب مل کر کہہ رہے ہیں کہ تم کامنی ہو۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "تم ایک شخص کے کہنے پر ریکھا کو قتل کرنے آئی ہو۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ کچھ دیر بلکہ چند لمحات میں پولیس یہاں پہنچنے والی ہے...... میں تمہیں ایک ایسے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں جس کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔"

"پولیس......؟" کامنی نے بجلی کی سی سرعت سے گھوم کر بیرونی دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر میری طرف گھوم گئی۔ "پولیس کیوں آئے گی؟"

"سہگل پولیس کو یہ اطلاع دے گا کہ تم ریکھا کو قتل کرنے کی غرض سے اس کے فلیٹ میں گئی ہو۔" میں اسے سمجھانے لگا۔ "تم ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہو رہی ہو......"

"تم مجھے دھوکا دے رہے ہو اور ریکھا کو بچانے کی کوشش کر رہے ہو...... مجھے ڈرا رہے ہو۔" اس کے لہجے میں خوف سمٹ آیا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس گیا۔ "تم تاخیر مت کرو۔ جلدی سے یہ لباس اتار کر کوئی اور لباس پہن لو...... تم ایک سیدھی سادی لڑکی ہو۔ بہت بھولی بھی ہو۔ سہگل تم جیسی لڑکیوں کو پھانستا پھرتا ہے۔" میں نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔

"میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔" وہ اپنا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور پستول گود میں رکھ لیا۔ "میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"ریکھا...... ریکھا...... ریکھا......!" میں نے ریکھا کو آواز دی تو وہ چند لمحوں بعد اندر سے نکل آئی۔ اس نے نقاب پوش کو دیکھ کر اس پر پستول تان لیا۔

"یہ تمہاری دوست کامنی ہے۔" میں نے ریکھا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تم اسے اندر لے جا کر جلدی سے کپڑے تبدیل کراؤ...... اس لئے کہ پولیس آتی ہی ہو گی۔ اسے کوئی سا بھی لباس دے دو۔ کچھ دیر بعد سارا معاملہ تم دونوں کی سمجھ میں آ جائے گا۔"

کامنی نے اپنے چہرے سے نقاب اتاری تو ریکھا متحیر ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ کامنی اس طرح آ سکتی ہے۔ "جلدی کرو......" میں زور سے چیخا۔ "یہ وقت سوچنے اور حیران ہونے کا نہیں ہے۔ ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔"

وہ دونوں تیزی سے اندر چلی گئیں۔ کامنی جب لباس تبدیل کر کے آئی اور صوفہ پر بیٹھی تو دروازے پر بڑے زور کی دستک ہوئی۔

"دیکھو پولیس آئی ہے۔" میں نے ریکھا سے کہا۔ "تم اٹھ کر دروازہ کھولو......اس لئے کہ تم اس فلیٹ کی مالکن ہو۔"

دروازہ کھلتے ہی انسپکٹر اور اس کے دو ساتھی جو مسلح تھے بجلی کی سی تیزی سے اندر گھس آئے۔ انسپکٹر نے ریکھا کو پہچان کر اطمینان کا سانس لیا۔ پھر اس نے مجھے اور کامنی کو دیکھ کر ریکھا سے پوچھا۔ "مس ریکھا......! یہ کون لوگ ہیں؟"

"یہ دونوں میرے دوست ہیں۔" ریکھا نے ہماری طرف پلٹ کر دیکھا اور جواب دیا۔

"لیکن اتنی رات گئے آپ لوگ کیا کر رہے ہیں......؟" انسپکٹر نے ہماری طرف مشکوک نظروں سے دیکھا۔ "خیریت تو ہے نا مس ریکھا......!"

"چوں کہ ہم تینوں بچپن کے دوست اور ہم جماعت رہے ہیں اور ایک عرصہ بعد ملے ہیں اس لئے پھر ان یادوں کو تازہ کر رہے ہیں۔" اس نے اتنا کہہ کر سکون کا سانس لیا۔ "ہم تینوں تھوڑی دیر پہلے ہی فلم اور ڈنر سے لوٹے ہیں۔"

"اوہ...... یہ بات ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ اس نے بھی جیسے سکون کا سانس لیا تھا کہ وہ اتنی رات چکروں سے بچ گیا۔

"انسپکٹر......" ریکھا نے اس کی طرف مصنوعی حیرت سے دیکھا۔ "خیریت تو ہے۔ آپ اتنی رات میرے فلیٹ پر کس لئے آئے ہیں؟"

"خیریت ہی نہیں تھی......" انسپکٹر نے ہنس کر جواب دیا۔ "دس منٹ قبل آپ کی بلڈنگ سے ایک فون آیا تھا۔ کسی گمنام شخص کا تھا۔ اس نے اطلاع دی تھی کہ آپ کے فلیٹ میں ایک مسلح نقاب پوش جو سیاہ رنگ کے لباس میں ملبوس ہے آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آپ کے فلیٹ میں گھسا ہے۔ میں آپ کا نام سن کر بہت پریشان ہوا تھا۔ پھر میں نے خاموشی سے محاصرہ کر لیا تا کہ ساری بلڈنگ جاگ نہ جائے اور قاتل ہماری بو پا کر بھاگ نہ جائے۔ شکر ہے کہ اطلاع غلط ثابت ہوئی اور آپ محفوظ بھی ہیں۔"

"کسی نے آپ کے ساتھ سنگین مذاق کیا ہے؟" ریکھا بولی۔ "نہ جانے لوگ اتنی رات گئے آپ لوگوں کو کیوں تنگ اور پریشان کرتے ہیں؟"

"کاش! وہ مردود ہاتھ لگ جائے۔" انسپکٹر نے زہر خند لہجے میں کہا۔ "ہم بھی کیا کریں۔ اطلاع پر کارروائی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"آپ کچھ پینا پسند کریں گے؟" ریکھا بولی۔ "میں آپ لوگوں کے لئے کولڈ ڈرنک لے آؤں۔ آج گرمی بھی بہت زیادہ ہے۔"

"نہیں شکریہ۔" انسپکٹر نے باہر کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ ڈیوٹی پر ہیں...... پھر کسی وقت زحمت دوں گا۔"

انسپکٹر اپنے ساتھیوں کو لے کر فلیٹ سے باہر نکل گیا تو ریکھا نے آگے بڑھ کر دروازہ مقفل کر دیا۔

کچھ دیر سناٹا رہا۔ پھر میں نے سکوت کو توڑتے ہوئے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سہگل تم دونوں کو پھنسوانا چاہتا ہے کیوں کہ تم دونوں سے جی بھر کے کھیل چکا ہے۔ بے زار اور عاجز آ گیا ہے۔ اب اسے تم دونوں میں کوئی کشش نظر نہیں آتی ہے۔"

"اس ذلیل اور کمینے نے مجھ سے اگلے ماہ شادی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔" کامنی غصے سے کانپ کر نفرت بھرے لہجے میں بولی۔ "حرامی......"

"تم ایک سیدھی سادی اور بھولی لڑکی ہو۔" میں نے کہا۔ "وہ تم دونوں سے جی بہلا کر اکتا چکا ہے۔ ایک بات یاد رکھو...... شادی سے پہلے جو عورت مرد کو اپنا سب کچھ سونپ دیتی ہے پھر وہ اس سے شادی نہیں کرتا۔ اس نے تمہیں بہلا پھسلا کر ریکھا کے قتل پر آمادہ کر لیا تھا۔"

"کامنی!...... کس قدر دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ تم مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئی تھیں۔" ریکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے شکایتی لہجے میں کہا۔

"مجھے معاف کر دو ریکھا!" کامنی نے اپنا سر جھکا لیا۔ اس کے چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی۔ "وہ بلیک میلر ہے۔ اس نے ایک طرح سے بلیک میل کیا۔ اس وجہ سے میں مجبور ہو گئی تھی۔ ورنہ میں تو تمہیں قتل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"اب ہم کیا کریں......" ریکھا نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا ہے۔ تم کیا کہتے......"

"انتظار کرو۔" میں نے جواب دیا۔ "جلد بازی کی کوئی ضرورت نہیں، صرف ایک دن اور ایک رات کی بات ہے۔ وہ قانون سے بچ نہیں سکتا۔"

"وہ تمہیں کس لئے بلیک میل کر رہا ہے۔" ریکھا نے کامنی سے حیرت سے پوچھا۔ "تم نے مجھے بھی نہیں بتایا۔ کیا میں تمہاری دوست نہیں ہوں؟"

"اسے میری ماضی کی ایک فلم ہاتھ لگ گئی ہے۔" کامنی نے جواب دیا۔ "سروجنی سے جب میری نئی نئی دوستی ہوئی تھی اور میں شو بزنس کی دنیا میں جانے کے لئے تڑپ رہی تھی۔ سروجنی نے مجھے اشارے کنایوں میں بتایا تھا کہ میں اس دنیا میں نہ جاؤں۔ یہ غلاظت کی دلدل ہے۔ جو اس میں ایک مرتبہ گر جاتا ہے۔ وہ نکل نہیں پاتا ہے۔ میں نے اس کی بات نہیں سنی۔ ان دنوں سہگل

نے ایک فلم کا اعلان کیا تھا۔اس کے ہدایت کار نے میری اداکاری کا امتحان لیا اور مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس صورت میں چانس دے سکتا ہوں کہ تم مجھے خوش کردو۔سروجنی نے مجھ سے کہا تھا کہ فلم اور ڈرامے میں تمہیں اس وقت تک چانس نہیں مل سکتا تاوقتیکہ تم فلم ساز اور ہدایت کار اور جانے کس کس کو خوش کرو۔میں نے ہدایت کار کی بات مان لی۔اس نے اس کمرے میں جہاں میں نے اس کے ساتھ رات گزاری وہاں خودکار خفیہ کیمرہ نصب کر رکھا تھا۔کچھ دنوں بعد وہ ہدایت کار کثرت مے نوشی سے مر گیا۔مجھے خبر نہیں تھی کہ میری ممنوعہ فلم بنی ہوئی ہے۔وہ فلم کسی طرح سہگل کے ہاتھ لگ گئی ہے۔اس نے فریب اور اس فلم سے مجھے کٹھ پتلی بنالیا اور تمہیں قتل کرنے پر آمادہ کیا۔"

"تم دونوں کسی بات کی چنتا نہ کرو......" میں نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔"تم دونوں میرا یہ منصوبہ غور اور دھیان سے سنو۔"

☆......☆......☆

دوسرے دن رات کے ایک بجے سہگل نے چوروں کی طرح شانتی کے فلیٹ کا دروازہ کھولا۔اس کے پاس اس فلیٹ کی ڈپلی کیٹ چابی تھی۔اس کی شانتی کے ہاں آمد و رفت تھی۔شانتی نے اسے ایک چابی دے رکھی تھی۔وہ اس کی مدد سے اندر داخل ہوا تھا۔اس نے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کیا۔پھر جیب سے ٹارچ نکال کر اسے جلا کر شانتی کی خواب گاہ کی طرف بڑھا۔اس نے خواب گاہ میں داخل ہو کر ٹارچ کی روشنی میں فرش پر کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ٹارچ کی روشنی میں اسے ایک چمکتی ہوئی شے نظر آئی تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا۔وہ جھک کر اسے دیکھنے لگا۔ یہ اس کا ٹائی پن تھا۔اس نے ٹائی پن فرش سے اٹھایا تھا کہ ایک دم روشنی کی چکاچوند ہوئی اور کمرے کی تمام روشنیاں جل اٹھیں۔وہ دو فوٹو گرافروں، انسپکٹر اور میرے محاصرہ میں گھرا کھڑا ہوا تھا۔اس نے جو ہم سب کو دیکھا تو اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔میں نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔"غریب لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

سہگل نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ایسا لگ رہا تھا کہ کسی بھی لمحے غش کھا کر گر سکتا ہے۔

انسپکٹر نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں سرکاری زیور پہنا دیا۔"اب آپ سرکار کے مہمان ہیں۔تشریف لے چلیں......"

صبح جب میں ریکھا کے فلیٹ پر پہنچا تو کامنی اور ریکھا ناشتے کی میز پر میری منتظر تھیں۔وہ دونوں سہگل کی گرفتاری پر بے حد مسرور دکھائی دے رہی تھیں۔

رات جس وقت سہگل شانتی کے فلیٹ میں ٹائی پن کی تلاش میں آیا تھا تب کامنی اور ریکھا اس کے بنگلے میں گھس گئی تھیں۔سرونٹ کوارٹر میں چوکیدار سو رہا تھا۔اسے کلوروفارم سونگھا کر اسے بے ہوش کر دیا تھا۔میں نے سہگل کے ذہن سے جہاں بہت کچھ معلوم کیا وہاں سیف کھولنے کا کوڈ نمبر بھی معلوم کر کے انہیں بتا دیا تھا۔وہ بڑی حیران تھیں لیکن میں نے ان کی حیرانی دور نہیں کی۔ان دونوں نے اس کے سیف سے جسے اس نے ایک بڑی پینٹنگز سے چھپا رکھا تھا وہ کاغذات اور فلمیں نکال لیں جس کے ذریعے سے وہ ان دونوں کو زندگی بھر بلیک میل کر کے ان پر حاوی رہتا اور وہ کٹھ پتلیاں بنی رہتیں۔اس سیف میں سات لاکھ کی رقم اور سونے کے زیورات بھی تھے۔اسے بھی نکال لیا۔

ریکھا نے ناشتے کے دوران مجھ سے متعجب لہجے میں دریافت کیا۔"تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ سہگل مجھے قتل کرنا چاہتا ہے؟ تمہیں اس کے منصوبے کا علم کیوں کر ہوا؟"

"کوئی بھی پرائیویٹ سراغ رساں ایسے سوالوں کا جواب نہیں دیتا ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔"یہ ان کی اپنی کاوش اور رسائی ہوتی ہے۔"

"میں بھی تم سے ایک انتہائی ضروری سوال کرنا چاہتی ہوں۔" کامنی نے میرے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔"تم جواب دو گے کیا......؟"

"کیسا سوال......؟" میں نے بے پروائی سے پوچھا۔میں نے جان لیا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے۔"جواب سوال پر منحصر ہے۔"

"تمہیں کس نے بتایا کہ سہگل مجھے ریکھا کو قتل کرنے کے لئے بھیج رہا ہے۔" کامنی نے سوال کیا۔"وہ پولیس کو اطلاع دے گا۔اس کا خیال تمہیں کیوں کر اور کیسے آیا......؟ کیا اس نے اپنے منصوبے میں کسی اور کو بھی شریک کیا تھا؟ کیا اس نے تمہیں اعتماد میں لیا تھا۔"

"آئی ایم سوری بے بی......!" میں نے اس سے معذرت کی۔"میں ان پراسرار باتوں کے بارے میں بتا نہیں سکتا۔کچھ خیال مت کرنا؟"

"کیا یہ تمام باتیں جو بڑی پراسرار اور انہونی سی ہیں کیا ہمیشہ راز ہی میں رہیں گی؟" کامنی بولی۔"تم بہت پراسرار سراغ رساں ہوں۔"

"بالکل۔" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔"ان تمام باتوں کو معلوم کر کے کرنا بھی کیا ہے۔ان کا راز میں رہنا تم دونوں کے لئے بھی بہتر ہے۔"

"کیا تم......شانتی کے قتل کا واقعہ ہمیں نہیں سناؤ گے کہ سہگل نے آخر کس لئے شانتی کو قتل کیا؟" ریکھا بے تابی سے بولی۔"کوئی حرج نہ ہو تو بتا دو۔"

"ہاں...... میں اس کے بارے میں تو بتا سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اس کے بارے میں بتانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

"چلو...... اس کے بارے میں ہی بتا دو۔" ریکھا نے کہا۔ وہ ہمہ تن گوش ہو کر میرے چہرے کو پڑھنے لگیں۔ میں مسکرایا۔ پھر کہنے لگا۔

"شانتی نہ صرف بہت حسین اور بلا کی پرکشش اور ایسی عورت تھی کہ جو مرد اسے دیکھتا اس پر ریشہ خطمی ہو جاتا۔ اس میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ اس کا دماغ اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک تھا۔ بہت کم عورتیں اس قدر تیز، ذہین، ہوشیار اور دور اندیش ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ کبھی بھی اپنے کسی کام اور مقصد میں ناکام نہیں رہی تھی۔ اس نے جو چاہا وہ پالیا۔ جو سوچا اسے حاصل کر لیا۔ وہ آسمان کی بلندیوں کو چھونا چاہتی تھی۔ اس کے دل میں دولت مند عورت بننے کی بڑی خواہش تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہندوستان کی امیر کبیر عورتوں میں اس کا بھی شمار ہو۔

اس نے دو مختلف بینکوں میں دو فرضی ناموں سے اکاؤنٹ کھول رکھے تھے۔ جہاں وہ ایسی رقم رکھتی جو ناجائز ذرائع سے راتیں کالی کر کے حاصل کرتی تھی۔ اس نے دولت کے حصول کے لالچ میں اپنے آپ کو اور اپنے ضمیر تک کو دبا دیا تھا۔ اس نے ایک کیمرا خریدا اور اپنے گھر میں ایک ایسی جگہ نصب کر دیا جہاں اس کے سوا کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس نے سہگل کو اپنے گھر پر مدعو کیا۔ اس کے ساتھ کی فلم بنالی پھر اس نے سہگل کو بلیک میل کر کے موٹی موٹی رقمیں وصول کیں اور اس نے کسی نہ کسی طرح سہگل کی پراسرار سرگرمیوں اور ناجائز کاروبار کا پتا چلا لیا۔ ہر ماہ اس سے ایک لاکھ کی رقم وصول کرنے لگی۔ پھر اس کی دولت کی ہوس بڑھتی گئی۔ اس نے سہگل سے کئی بار کہا کہ وہ اسے فرم کے کاروبار میں شریک کر لے۔ سہگل اسے کسی قیمت پر اتنے بڑے کاروبار میں حصہ دار بنانے کو تیار نہیں تھا۔ وہ جنسی کمزوری کا شکار تھی۔ وہ اکثر نوجوان لڑکوں کو چوری چھپے اپنے فلیٹ میں بلاتی تھی۔ اس کی پڑوسن رجنی وہ بھی اس کی طرح ایک شکاری عورت تھی اور نوجوان لڑکے اس کی کمزوری تھے۔

گوتم اس کے ہاں جاتا رہتا تھا۔ شانتی نے اسے دیکھا تو وہ اس پر ریجھ گئی۔ اسے اپنے فلیٹ میں بلانے لگی۔ اسے ایسا خوش کیا کہ وہ شانتی کا دیوانہ ہو کر رہ گیا۔ سہگل کبھی کبھار شانتی کے فلیٹ پر رات کے وقت چلا جاتا تھا۔ شانتی نے اسے ایک ڈپلی کیٹ چابی دے رکھی تھی۔ ایک رات سہگل اچانک اس کے فلیٹ میں گیا تو اس نے گوتم کو خواب گاہ میں دیکھا۔ تو وہ شانتی پر برس پڑا۔ دونوں میں بڑی تلخ کلامی ہوئی۔ وہ گوتم کو دیکھ کر اس طرح جل گیا جیسے وہ اچھوت ہو اور اس سے ازلی دشمنی اور نفرت ہو۔

وہ تیسرے دن شانتی کو سمجھانے گیا تو اپنے ساتھ بیس ہزار کی رقم اور جڑاؤ نیکلس لیتا گیا۔ اس وقت شانتی شب خوابی کے لباس میں گوتم کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ جب اس نے سہگل کو دیکھا تو اس کا پارہ چڑھ گیا۔ لیکن جب سہگل نے اسے بیس ہزار کی رقم اور نیکلس دیا تو وہ خوش ہو گئی۔ اس نے رقم اپنے پرس میں رکھ لی اور نیکلس میز پر رکھ دیا۔ جب اس نے شانتی سے کہا کہ وہ آئندہ گوتم کو اس کے ہاں نہیں دیکھے گا تو دونوں میں تلخ کلامی ہوئی۔ دونوں میں اتنی بات بڑھی کہ شانتی نے الماری سے اپنا پستول نکال لیا۔ لیکن سہگل نے چھین کر غصے میں اسے قتل کر دیا۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد گوتم آیا اور دروازے پر دستک دی۔ رجنی بھی اتفاق سے گوتم کے انتظار میں تھی۔ جب اس نے شانتی کے فلیٹ پر دستک کی آواز سن کر چابی کے سوراخ میں سے دیکھا تو اس کی نظریں اس وقت دروازے پر جم گئیں۔ گوتم نے ہلکا سا دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ کمرے کا اندرونی منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ شانتی کمرے کے وسط میں مردہ حالت میں پڑی تھی۔ جب ہی رجنی نے فوراً پولیس کو فون کر دیا۔ گوتم جب اندر داخل ہوا تو اس نے غلطی سے فرش پر پڑا پستول اٹھا لیا اور اسے دیکھا اور فرش پر پھینک دیا۔ پھر اس نے شانتی کے خون میں لت پت بدن کو ہاتھ لگا کر دیکھا اور فوراً ہی گھبرا کر باہر نکل گیا۔ وہ زینہ طے کر رہا تھا کہ اسے پولیس نے دھر لیا اور ہاں...... ایک اور بات بتانا چاہتا ہوں۔ جب سہگل فلیٹ میں آیا اور اس نے رقم اور نیکلس دیا تو وہ دونوں جذبات کی رو میں بہہ گئے۔ سہگل پر ایسے وحشیانہ جذبات پیدا ہوئے کہ اس نے نائٹی تار تار کر دی تھی۔"

"اب تو میرا بھائی گوتم رہا ہو جائے گا ناں......؟" کامنی نے پر امید لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں......" میں نے جواب دیا۔ "اچھا اب میں چلتا ہوں۔ رات بھر کا جاگا ہوا ہوں۔ اب مجھے اپنی نیند پوری کرنی ہے۔"

☆......☆......☆

میں سہ پہر کے وقت سندھی مارکیٹ آیا۔ اس کے قرب و جوار میں ایک مدراسی ہوٹل تھا جس کا مسالہ دوسا بہت مشہور تھا۔ میں اکثر سہ پہر کے وقت آ کر کھاتا تھا۔ یہ میرے شام کا ناشتا تھا۔ مسالہ دوسا چاول سے بنتا ہے اور آلو کی بھجیا کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ یہ مدراس کی بہت مشہور ڈش ہے۔ میں فٹ پاتھ پر چل رہا تھا کہ میرے پاس سے ایک راہ گیر لڑکی تیزی سے گزری اس کے ہاتھ میں جو پیکٹ تھے وہ میرے بازو سے ٹکرا کر فٹ پاتھ پر گر پڑے تھے۔

میں نے چونک اور سنبھل کر لڑکی کی طرف دیکھا کہ اس سے معذرت کر کے اس کا سامان فٹ پاتھ پر سے اٹھا کر دے دوں۔ اس وقت فٹ پاتھ پر بھیڑ بھی نہیں تھی۔ جب میں نے اس کی طرف لمحے بھر کے لئے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اس قدر حسین بھی نہیں تھی کہ میرے ہوش و

حواس اڑ گئے۔اس کی حالت اس قدر پر کشش انگیز تھی کہ ایک مرد اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو سکتا تھا اور کچھ مرد اسے پلٹ کر دیکھتے جا رہے تھے۔کیوں کہ اس نے جو قمیص، پہن رکھی تھی اس کا گریبان اس قدر کھلا ہوا تھا کہ نظریں بے اختیار جم جاتی تھیں۔اس فیشن کی قمیص لڑکیاں نہیں پہنتی تھیں۔کیوں کہ بہت ہی نا مناسب تھا۔اس کی عمر بیس برس سے کم ہی تھی۔اس میں حسن اور کشش بھی تھی۔دراز قد اور سبک نقوش نے چہرے اور جسم میں بڑی جاذبیت پیدا کر دی تھی۔اس میں دلکشی بھی تھی۔

میں نے دوسرے لمحے چونک کر اس سے معذرت کی اور اس کا سامان اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت پریشان اور سراسیمہ سی ہو رہی ہے۔اس نے میری طرف لمحہ بھر دیکھا اور خوف زدہ نظروں سے گردو پیش کا جائزہ لیا۔پھر وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

”کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں......؟“

”کیسی مدد......؟“میں نے حیرت سے پوچھا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا اور میرے قریب آ کر بولی۔”تین بدمعاش مجھے اغوا کرنے کے لئے میرے تعاقب میں ہیں۔کیا تم مجھے میرے فلیٹ تک پہنچا سکتے ہو......؟“

”کہاں ہے تمہارا فلیٹ......؟“ میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے پوچھا۔”کیا وہ یہاں سے بہت دور ہے؟“

”نہیں......وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔“اس نے جواب دیا۔اس کے سینے میں سانسوں کا زیرو بم ہچکولے کھا رہا تھا۔

”زیادہ دور نہیں ہے تو پھر تم اکیلی بھی جا سکتی ہو؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔”میری مدد کی کیا ضرورت ہے؟“

”اتنا قریب بھی نہیں ہے۔“اس نے خوف زدہ نظروں سے اس سمت دیکھا جس سمت سے وہ دوڑتی ہوئی آ رہی تھی۔کہ کہیں وہ غنڈے اس کے تعاقب میں تو نہیں آ رہے ہیں۔پھر وہ میری طرف دیکھتی ہوئی بولی۔”نصف فرلانگ پر ہے پلیز!......“

”نصف فرلانگ زیادہ دور نہیں ہوتا ہے۔“میں نے کہا۔”شام کا وقت ہے، فٹ پاتھ پر بہت سارے لوگ چل رہے ہیں۔راستہ ملنا مشکل ہے۔ایسی صورت میں کسی بدمعاش کی کیا مجال کہ وہ اغوا کر لے۔تم شانتی رکھو۔تمہارا بال تک بیکا نہیں ہوگا۔“

”لگتا ہے کہ تم اس شہر کے نہیں ہو، اجنبی ہو، پردیسی ہو اس لئے ایسی بات کہہ رہے ہو۔“وہ بولی۔”یہ ممبئی ہے۔اس شہر کے بدمعاش بہت خطرناک اور مسلح ہوتے ہیں......ان کے لئے دن

دہاڑے بھرے بازاروں سے کسی لڑکی کو اغوا کر لینا کچھ مشکل نہیں۔“

”میں مسلح نہیں ہوں اور نہ ہی کسی فلم کا ہیرو ہوں جو ان مسلح بدمعاشوں سے بھڑ جاؤں۔“میں نے کہا۔”تم ایسا کرو۔کسی سامنے والی دکان میں گھس جاؤ۔وہاں سے پولیس کو فون کر کے کہو کہ کچھ بدمعاش مجھے اغوا کرنا چاہتے ہیں۔پلیز! میری مدد کریں۔“

”دکاندار کسی کے لفڑوں میں نہیں پڑتے ہیں۔“ وہ بولی۔”میں ابھی ایک دکان میں گھسی تھی۔اسے بتایا کہ مجھے پولیس کو فون کرنا ہے کیوں کہ غنڈے مجھے اغوا کرنے کے لئے تعاقب کر رہے ہیں تو اس نے معذرت کر لی اور پھر مجھے دکان سے باہر نکال دیا۔“

”اس دکان دار نے کس قدر غیر اخلاقی حرکت کی ہے۔“میں نے تبصرہ کیا۔”آج کسی میں انسانیت نہیں رہی ہے۔سبھی بے حس ہو گئے ہیں۔وہ ایک ٹیلی فون کرنے دے دیتا تو اس کے باپ کا کیا جاتا۔اس کے نزدیک ایک لڑکی کی عزت و آبرو کوئی چیز نہیں۔“

”یہ موقع ان باتوں کا نہیں ہے۔“ وہ سراسیمگی سے بولی۔”پلیز! آپ جلدی کریں۔کہیں وہ غنڈے نہ پہنچ جائیں۔“

میں نے مخالف سمت چند لمحوں تک دیکھا اور کہا۔”مجھے دور دور تک غنڈہ، بدمعاش ٹائپ کوئی فرد نظر نہیں آ رہا ہے۔آپ گھبرائیں نہیں۔“

”میں انہیں چکمہ دے کر آ رہی ہوں۔“اس نے جواب دیا۔”وہ میری تلاش میں شکاری کتوں کی طرح لگے ہوئے ہیں۔جلدی کریں۔“

”اگر ایسی بات ہے تو پھر چلیں......“میں نے بادل نخواستہ کہا۔”تم ایک بات ذہن نشین کر لو۔اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔میں کوئی فلمی ہیرو نہیں ہوں۔ان بدمعاشوں نے راستے میں تمہیں آن لیا اور اغوا کرنے کے لئے دبوچ لیا تو میں ان سے مقابلہ نہیں کروں گا۔میں لڑنا بھڑنا نہیں جانتا ہوں۔ایک شریف آدمی ہوں۔میرے پاس چاقو پستول تو کیا قلم تراش تک نہیں ہے۔“

دوسرے ہی لمحے وہ بدحواسی کے عالم میں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چل پڑی۔میں اس سے دو ایک قدم پیچھے چلنے لگا تھا۔چند قدم چلنے کے بعد اس نے مجھے مڑ کر دیکھا اور پھر رک گئی۔جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ پلکیں جھپکا کر بولی۔

”آپ کیا چہل قدمی کر رہے ہیں......؟ تیز تیز چلئے نا......ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں دیکھ کر ادھر آ جائیں۔“

”تیز تیز چلنا خطرناک ہے۔“میں نے اسے سمجھایا۔”وہ اس لئے کہ ہم دور سے ہی ان کی نظروں میں آ جائیں گے۔قدم قدم پر نمایاں ہو جائیں گے۔آہستہ آہستہ چلیں تو ان کی نظروں

میں نہیں آئیں گے۔اس طرح ہم بھیڑ کا ایک حصہ لگیں گے۔"

اس کی سمجھ میں میری بات آ گئی۔ پھر وہ میرے آگے چلنے لگی۔ میں اس کے سراپا پر نظریں مرکوز کئے چلتا رہا۔اس کا جسم تراشیدہ تھا اور شاخ گل جیسا...... وہ لچک رہا تھا۔اس کی سبک خرامی سے اس کے انگ انگ سے مستی ابلی پڑتی تھی۔اس کے بدن کے تناسب دل کو برما رہے تھے۔ گداز بدن پر جو بل پڑ رہے تھے اس نے راہ گیروں کے دلوں پر جیسے بجلی گرا دی تھی۔یوں تو اور بھی حسین و نوجوان لڑکیاں اور عورتیں آ جا رہی تھیں لیکن وہ ان سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی ایسا سراپا بدن، ان آتی جاتی اور گزرتی عورتوں اور لڑکیوں کا نہیں تھا۔وہ بڑی سنسنی خیز بدن کی تھی۔ ہزاروں میں ایک......

ہر نوجوان لڑکی اور ہر جوان عورت میں کوئی نہ کوئی انفرادیت اور خوبی و جاذبیت ضرور ہوتی ہے اور پھر جوانی کا خمار اور شباب کی رنگینی اس میں بڑی دل کشی اور ہیجان پیدا کر دیتی ہے۔اس میں ایسی ہی رعنائیاں تھیں کہ مرد حصول کی تمنا کریں۔اس جیسی بستر کی زینت کے لئے بہترین ساتھی تھی۔رات اور تنہائی رنگین کرنا ہو تو ایسی لڑکی ہی کر سکتی تھی۔

نصف فرلانگ کا فاصلہ ہم دونوں نے طے کر لیا۔اس دوران اس نے دو مرتبہ اور میں نے ایک مرتبہ پلٹ کر دیکھا تھا کہ کہیں وہ غنڈے تو نہیں آ رہے ہیں۔وہ تھی بھی تو ایسی کہ ہر شخص اسے اغوا کرنے کے بارے میں اور حصول کے بارے میں سوچے تو پاپ نہیں۔ایک جگہ بغلی گلی آئی تو اس اس میں مڑ گئی اور مجھے بھی اشارہ کیا۔اس گلی میں نیم تاریکی تھی۔اسٹریٹ بلب کی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ادھر سناٹا سا تھا۔بائیں جانب ایک بلڈنگ تھی۔اس میں جو اوپر جانے والا زینہ تھا اس میں ہلکی سی روشنی تھی۔اس روشنی میں میں نے دیکھا۔دیکھا کیا غیر ارادی طور پر نظر چلی گئی تھی۔ وہاں ایک مرد ایک پندرہ برس کی پارسی لڑکی کو دبوچے اور اس کے چہرے پر بڑے جذباتی انداز سے جھکا ہوا من مانی کر رہا تھا۔لڑکی نے جیسے اپنے آپ کو اپنی مرضی سے اس کے حوالے کیا ہوا تھا۔

مرد چالیس برس کا ہو گا۔معلوم نہیں اس نے اس کمسن اور معصوم لڑکی کو کیا سبز باغ دکھایا تھا کہ وہ اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ میں نے رک کر کہا۔"یہ کیا ہو رہا ہے۔ دو سپاہی گشت کرتے ہوئے ادھر آ رہے ہیں۔او خبیث! کچھ تو لحاظ اور شرم کر......"

میری آواز سنتے ہی وہ دونوں ایک دوسرے سے تڑپ کر الگ ہوئے۔لڑکی تو زینے سے اوپر لپک گئی مرد باہر آ کر ایک سمت دوڑا۔ کچھ دور جا کر اندھیرے میں کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرا۔ شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔کیوں کہ وہ اٹھا نہیں تھا۔میں نے اپنی راہ لی۔ میں اس مرد کی کوئی مدد کرنے اور

اس سے بالکل بھی ہمدردی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔اسے اپنے کرتوت کی سزا ملی تھی۔

اس لڑکی نے بھی سب کچھ دیکھا تھا۔وہ مجھ سے بولی۔"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔رات کی تاریکی میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔" چند قدم چلنے کے بعد وہ دائیں جانب ایک گلی میں مڑی۔تیسری منزل پر اس عمارت میں اس کا فلیٹ تھا۔ہم لفٹ سے اوپر پہنچے۔میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ یہ نہایت شاندار قسم کا نہایت آراستہ و پیراستہ لگژری فلیٹ تھا۔اس میں تین بیڈ رومز تھے۔ڈرائنگ اور ڈائننگ روم بھی تھے۔ہر کمرے کے فرش پر قالین تھا۔تمام کمرے ایئر کنڈیشنڈ تھے۔اس فلیٹ کا ماحول بڑا خوابناک تھا۔

اس نے اندر پہنچ کر اپنا سامان میز پر رکھا۔میں اس کا چہرہ دیکھے جا رہا تھا۔اس کا ذہن پڑھ رہا تھا۔راستے میں بھی پڑھ چکا تھا۔اس کے گداز سرخ رسیلے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ جو معنی خیز تھی ابھر آئی تھی۔اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔جب میں واپس جا رہا تھا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھا تو اس نے لپک کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا تم مجھے احسان فراموش سمجھتے ہو جو میں تمہیں جانے دے دوں گی۔" وہ مجھے صوفے کے پاس لے آئی۔"پلیز! بیٹھ جاؤ۔"

"اس میں احسان فراموشی کی کیا بات ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھا۔"تم نے درخواست کی گھر پہنچا دو۔سو میں نے تمہیں پہنچا دیا۔اب میرا فرض ختم ہو گیا۔تم خیریت سے اپنے گھر پہنچ گئیں۔غنڈوں سے بچ کر نکل آئیں۔لہٰذا اب تم مجھے جانے دو۔"

"یہ احسان فراموشی نہیں ہے تو پھر کیا ہے۔" وہ رسیلی آواز میں بولی۔"تم نے میری خاطر اپنی جان کی پروا نہیں کی۔تم نے خطرہ مول لیا۔"

"لیکن کوئی خطرہ پیش آیا اور نہ ہی بدمعاشوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔" میں نے کہا۔"اب تم آرام کرو اور مجھے اجازت دو جانے کی۔"

وہ بالکل میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔اس نے جو میرا ہاتھ تھام رکھا تھا اسے چھوڑا نہیں۔ اس کا قرب اس کے ہاتھ کا لمس اور یہ تنہائی ایک فسوں پیدا کر رہے تھے۔اسے اس بات کا بالکل بھی احساس نہیں تھا کہ میں بہک سکتا ہوں۔

"میں تمہیں اس طرح جانے نہیں دوں گی۔" وہ بولی۔"میں تمہاری خاطر مدارت کرنا چاہتی ہوں۔کیا پینا پسند کرو گے؟ وہسکی یا کولڈ......"

"شکریہ......" میں نے غیر محسوس انداز سے ہاتھ چھڑا کر درمیان میں کہا۔"مجھے اس وقت کسی چیز کی کوئی خواہش نہیں ہو رہی ہے۔"

"اچھا تم ایک منٹ تو ٹھہرو...... بیٹھ تو جاؤ۔" اس نے مجھے بیڈروم میں لے جا کر کہا۔ "میں ابھی ایک منٹ میں آتی ہوں۔"

وہ اتنا کہہ کر واش روم میں چلی گئی۔ میں بیٹھا نہیں۔ سنگھار میز کے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا ناقدانہ نظروں سے جائزہ لینے لگا۔ میں خوب اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اب میرے ساتھ کون سا سنسنی خیز ڈرامہ پیش آنے والا ہے۔ میں اس دوران بیرونی دروازے کی اندر سے چٹخنی لگا کر آ چکا تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد واش روم سے باہر آئی تو اس کے بدن کے سارے کپڑے اس کے ہاتھ میں تھے۔

"بے بی......!" میں نے بڑی خوش دلی سے کہا۔ "اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ تم لباس میں بھی بے لباس ہی لگ رہی تھیں۔"

اس نے میرے قریب پہنچ کر اپنے کپڑے سارے بے ترتیبی سے فرش پر پھینک دیئے جیسے میں نے اتارے ہوں۔ لیکن اس نے یہ بات نہیں سوچی تھی کہ جب کوئی مرد کسی عورت کو بے لباس کرتا ہے تو اس لباس کی حالت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

"تم...... تم......" وہ ہذیانی لہجے میں چیخ کر بولی۔ "تم درندے ہو۔ وحشی ہو۔ میری عزت لوٹنے آئے ہو۔ نکل جاؤ۔ ذلیل......"

"بہت خوب......" میں نے ہنس کر کہا۔ "کیا زبردست اور سنسنی خیز سچویشن ہے۔ کیا تمہاری خواہش ہے کہ میں درندہ بن جاؤں؟"

اس نے مدد کے لئے چیخنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ میرے ہونٹوں نے چیخنے نہیں دیا۔ میں اس سے رعایت کیوں کرتا۔ اس پر رحم اور ترس کیوں کھاتا...... میں نے دوسرے ہاتھ سے میز پر رکھے ہوئے ٹیپ ریکارڈ کا بٹن آن کر دیا۔ اس میں ایک کیسٹ لگا ہوا تھا جس میں مغربی میوزک کی دھن بھری ہوئی تھی۔ اس کی آواز پورے فلیٹ میں گونجنے لگی۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو......؟" وہ میرے بازوؤں کے حلقے میں کسمساتی ہوئی بولی۔ "مجھے چھوڑ دو...... اور یہ ٹیپ ریکارڈر بند کرو۔"

"تم نے کہا تھا نا کہ میں تمہاری خاطر مدارت کروں گی۔ اس طرح جانے نہیں دوں گی۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔" میں نے اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "میں نے چونکہ تم پر احسان کیا میں اس کا صلہ وصول کروں گا...... جیسے خون کا بدلہ خون ہوتا ہے اسی طرح احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔ اب تم میرے احسان کا بدلہ کیا دینا پسند کرو گی۔"

"تم کس بات کا احسان کا بدلہ چاہتے ہو۔" وہ تنک کر بولی۔ "تم نے مجھے گھر پہنچا دیا تو کیا یہ

احسان ہوا؟ تم نے ابھی کیا کہا تھا۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا...... یہ تو میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اب تم احسان احسان کی رٹ کیا لگا رہے ہو؟"

"تم نے کیا میرا ہاتھ تھام کر نہیں کہا تھا کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں جو تمہیں جانے دے دوں۔" میں نے کہا۔ "تم نے مجھ سے کہا تھا کہ کیا پینا پسند کرو گے؟ وہسکی یا کولڈ ڈرنک......؟ میرے خیال میں تم وہسکی سے کہیں نشہ آور ہو۔ ایسی وہسکی میرے خیال میں شراب کی کسی دکان میں بھی دستیاب نہیں ہو گی۔ تم آج کی شام بہت حسین اور رنگین بنا سکتی ہو شریمتی جی!......"

اس نے بڑی جدوجہد، مزاحمت کی اور اپنی ساری طاقت صرف کر دی لیکن وہ اپنی ہر کوشش میں ناکام رہی، میں نے آخر اپنی شام نشاط انگیز بنا لی۔ کیوں کہ وہ میرے ساتھ جو سلوک کرنے والی تھی اس کی یہی سزا تھی۔ وہ کون سی پارسا تھی۔ ساوتری تھی۔ اس نے مجھے شکار سمجھا تھا۔ وہ شکاری تھی۔ لیکن خود ہی شکار ہو گئی تھی۔ میں ایک فاتح شکاری کی طرح اسے مغرور مسکراہٹ سے دیکھ رہا تھا۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ میں اسے زیر کر لوں گا۔ اس کا منصوبہ الٹ ہو جائے گا۔ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

جس وقت میں کپڑے پہن کر سنگھار میز کے آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں کنگھی کر رہا تھا تو وہ جو بستر پر تھکن سے چور پڑی تھی ایک جھٹکے سے اٹھی اس نے ٹیپ ریکارڈر کے آف کا بٹن دبا دیا۔ وہ مسلسل بج رہا تھا۔ اس کی مغربی ہیجان خیز دھن نے ایک عجیب سا سماں باندھ دیا تھا۔ پھر کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں گئی۔ جاتے جاتے اس نے اپنے کپڑے اٹھا لئے تھے۔ ڈرائنگ روم میں ایک کونے میں پلنگ تھا۔ اس نے پہلے تو اپنے کپڑے بے ترتیبی سے فرش پر پھینک دیئے۔ پھر بستر کی چادر بے ترتیب کر دی۔

پھر وہ زور زور سے ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ "مدد...... مدد...... مجھے بچاؤ۔ میری مدد کرو۔"

میں ڈرائنگ روم میں آ کر بڑے صوفے پر بیٹھ کر بڑی خاموشی اور سکون سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ مسکراتا رہا۔

اس نے پل بھر کے لئے میری طرف بڑی حیرت سے دیکھا۔ وہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر پریشان سی نظر آنے لگی۔ وہ اس بات پر سخت حیران تھی کہ میں اس کے چیخنے اور چلانے پر ہراساں اور پریشان کیوں نہیں ہو رہا ہوں۔ آخر چپ چاپ، سکون اور اطمینان سے کیوں بیٹھا ہوا ہوں۔ اس کا خیال تھا کہ میں اسے دبوچ کر اس کا منہ بند کر دوں گا۔

چند لمحوں کے بعد دروازے پر بڑے زور سے دھپ دھپ ہوئی۔ اس نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔ اس وقت پولیس کے دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک سب انسپکٹر تھا۔

دوسرا اس کا ماتحت تھا۔ لڑکی نے بستر کی چادر کھینچ کر اسے اپنے سارے بدن پر لپیٹ لیا۔ پھر وہ ایک طرف سمٹ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ سب انسپکٹر کو مخاطب کر کے دہشت زدہ لہجہ چلائی۔

''آپ میری مدد کریں...... یہ بدمعاش میرے فلیٹ میں برے ارادے سے گھس آیا ہے اور مجھے بے لباس کر دیا ہے۔''

سپاہی ڈنڈا لہراتا ہوا میری طرف بڑھا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ سب انسپکٹر نے جھک کر فرش سے لڑکی کے کپڑے اٹھائے اور اس کے پاس لے جا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ پھر اس سے بولا۔

''تم کمرے میں جا کر کپڑے پہن کر آؤ۔ میں اس بدمعاش کو دیکھتا ہوں۔''

سپاہی نے میرے پاس پہنچ کر میرا بازو پکڑ لیا۔ ''بدمعاش...... ذلیل...... تم اس شریف لڑکی کی عزت لوٹنے والے تھے۔''

میں نے سوچا کہ اس سے کہوں کہ اس لڑکی کے پاس اب عزت نام کی چیز کہاں رہی ہے۔ وہ کب کی لٹ چکی ہے اور لٹتی آ رہی ہے۔ میں نے خاموشی بہتر سمجھی۔ وہ ڈراما شروع ہو چکا تھا جو اسٹیج کیا گیا تھا اس کا یہ پہلا سین تھا۔

لڑکی کپڑے لے کر کمرے میں چلی گئی۔ تب سب انسپکٹر غراتا ہوا میرے پاس آیا۔ اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

''کتے کے بچے...... تمہیں شرم نہیں آئی جو دن دہاڑے ایک شریف لڑکی کے گھر میں گھس کر اس کی آبرو لوٹنا چاہ رہے تھے...... تم بدمعاش لوگ ایک لڑکی کو گھر میں تنہا دیکھ کر اس کی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہو۔ کیا تم نے اسے مذاق سمجھ رکھا ہے؟''

''انسپکٹر! ایک بات تو بتاؤ کہ تم نے اس لڑکی کی مدد کی آواز کیسے سن لی......؟ اتنی جلدی آ کیسے گئے اس کی مدد کرنے۔''

''ہم نیچے سے گزر رہے تھے کہ اس لڑکی کے شور مچانے کی آوازیں سن لیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اس لئے فوراً اوپر آ گئے۔''

''بڑی حیرت کی بات ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کو تیسری منزل سے آواز سنائی دے گئی۔ جبکہ ایک پڑوسی نے بھی نہیں سنی؟''

''شٹ اپ!'' سب انسپکٹر دہاڑا۔ ''تم زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو۔ اپنی بکواس بند کرو۔ اب تم بچ نہیں سکتے ہو؟''

''بات اتنی سی ہے کہ لڑکی مجھے سندھی مارکیٹ کے پاس ملی تھی۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اسے اس کے فلیٹ پہنچا دوں، بدمعاش اسے اغوا کرنے کے لئے اس کا تعاقب

کر رہے ہیں۔ پھر میں نے اسے اس کے فلیٹ پر پہنچایا تو وہ میری بڑی شکر گزار ہوئی۔ پھر اس نے میرے احسان کا یہ صلہ دیا کہ وہ مجھ پر مہربان ہوگئی۔ آپ نے خود دیکھا کہ اس کا لباس فرش پر بکھرا ہوا تھا۔ میں نے اس کی مہربانی سے فائدہ اٹھایا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو لڑکی کی ناقدری ہوتی۔ لڑکی برا مان جاتی۔''

''تم بکواس کر رہے ہو...... لڑکی تم پر مہربان ہو جائے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ دہاڑا۔ ''وہ ایک شریف لڑکی ہے۔''

''یہ بات آپ کیسے جانتے ہیں کہ یہ لڑکی شریف ہے؟'' میں نے اس سے دریافت کیا۔

''آپ اسے پہلے سے جانتے ہیں؟''

اس سے پہلے تو جواب بن نہیں پڑا۔ پھر وہ ایک دم سنبھل کر بولا۔ ''یہ شریف لڑکی نہ ہوتی تو مدد کے لئے چیخنی چلاتی نہیں۔''

''یہ بڑی عجیب سی بات نہیں ہے سب انسپکٹر!'' میں نے معنی خیز انداز سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے کبھی سنی اور دیکھی نہ ہوگی۔ اس لڑکی نے اپنے آپ کو سونپنے کے بعد مدد کے لئے پکارا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بے لباس تھی اور میں لباس میں ہوں۔ اگر میں جبر و زیادتی کے ارادے سے یہاں نظر آیا ہوتا تو کیا اس قدر سکون اور اطمینان سے بیٹھا ہوتا۔''

''میں اس بات کو نہیں مان سکتا۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تم اس پر بہتان لگا رہے ہو۔ یہ جھوٹ ہے۔ اسے الزام مت دو۔''

''آپ میری بات کو کیوں نہیں مان رہے ہیں؟'' میں نے کہا۔ ''جب کہ میں اس بات کا بڑی سچائی سے اعتراف کر رہا ہوں کہ لڑکی مجھ پر مہربان ہوگئی تھی۔ ہم دونوں نے خاصا وقت نشاط انگیز لمحات میں گزارا ہے۔ اس میں اس کی مرضی اور خوشی بھی شامل تھی۔''

''اس لئے میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ میں اس لڑکی کو بہت قریب سے اور بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔ ''اس نے مدد کے لئے اس لئے چلایا کہ اس کی عزت کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ تم نے اسے شاید کسی اسلحہ کے زور پر بے لباس کیا...... اور لڑکی نے یہ نہیں کہا کہ تم نے اسے بے عزت کر دیا ہے۔ اس نے یہ کہا کہ یہ بدمعاش میرے فلیٹ میں برے ارادے سے گھس آیا ہے اور مجھے بے لباس کر دیا ہے۔ اگر تم اس کی عزت لوٹ چکے ہوتے تو وہ بتا دیتی۔ چھپاتی نہیں۔'' اس نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔ ''اگر اس نے خوشی اور مرضی سے اپنے آپ کو سونپ دیا تھا تو پھر اس نے مدد کے لئے کس لئے زور زور سے پکارا۔''

''اس لئے کہ مجھ سے رقم اینٹھ سکے۔'' میں نے کہا۔ ''یہ ایک آبرو باختہ لڑکی ہے۔ اس کا کام

بھی مردوں کو شکار کر کے لانا اور......"

"فضول باتوں میں وقت ضائع مت کرو۔" وہ کرخت لہجے میں بولا۔ اس دوران میں لڑکی کپڑے پہن کر آ گئی۔ پھر اس نے لڑ[illegible] سے کہا۔ "یہ کہہ رہا ہے کہ تم نے اسے اپنی مرضی اور خوشی سے خوش کیا۔ کیا یہ سچ ہے؟ تم نے وا[illegible] سے خوش کیا تھا؟"

"نہیں......" لڑکی نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ میں نے اسے قریب آنے نہیں دیا نہ عزت پر آنچ آنے دی۔"

"پھر اس نے تمہیں بے لباس کیسے کر دیا......؟" سب انسپکٹر نے دریافت کیا۔ "کیا اس نے کسی اسلحے کے زور پر ایسا کیا تھا؟"

"اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے اس کی بات نہیں مانی تو وہ میرا [illegible] باد دے گا۔" لڑکی نے مجھے غصہ بھری نظروں سے دیکھا۔ چوں کہ میں فلیٹ میں اکیلی تھی اس لئے میں نے لباس نکال کر پھینک دیا۔ پھر میں موقع پاتے ہی مدد کے لئے چلائی تھی۔"

"سنو مسٹر!" سب انسپکٹر نے تیز لہجے میں کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ یہ معاملہ بڑھے اور نوبت حوالات کی آ جائے۔ تم ایک شریف آدمی معلوم ہوتے ہو۔ دراصل تمہیں اس لڑکی کے حسن و شباب اور اس کے جسمانی نشیب و فراز نے بہکا دیا۔ یہ ایک طرح سے بہت اچھا ہوا کہ لڑکی کی عزت پر آنچ نہیں آئی۔ ہم پہنچ گئے۔ اگر تمہیں پولیس اسٹیشن لے جایا جائے اور لڑکی نے تمہارے خلاف ایف آئی آر درج کرائی تو ایک برس قید بامشقت ہو سکتی ہے۔ تم پر دو الزامات عائد ہوتے ہیں۔"

"دو الزامات کس بات کے......؟" میں نے انجان بن کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "مجھے کس الزام میں پھنسایا جا رہا ہے؟"

"تمہارا پہلا جرم تو یہ ہے کہ تم دن دہاڑے بری نیت سے اس کے گھر میں داخل ہوئے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "تمہارا دوسرا جرم یہ ہے کہ تم نے لڑکی کو تنہا پا کر اس کی آبرو لوٹنے کی کوشش کی۔ اس لئے تمہیں بیک وقت عدالت سے دو سزائیں مل سکتی ہیں۔"

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" میں نے کہا۔ "جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہیں یا پھر مجھے تھانے لے جا کر حوالات میں بند کر دیں۔"

"تم ایسا کرو لڑکی سے معاملہ طے کر کے بات یہیں ختم کر دو۔" سب انسپکٹر نے مفاہمانہ لہجے میں تجویز پیش کی۔ "ہم بھی لڑکی کو سمجھاتے ہیں۔ کیوں کہ تم ایک جوان شخص ہو۔ مجھے تمہاری جوانی پر ترس آ رہا ہے۔ میں نہیں چاہتا تم جیل میں دو ایک برس سڑتے رہو۔"

"کیا لڑکی مان جائے گی......؟" میں نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "وہ مجھ سے

سخت ناراض ہے۔ برہم ہے۔"

"کیوں نہیں......" انسپکٹر نے اثباتی انداز میں سر ہلایا۔ "ہم اسے منا لیں گے۔ تم دونوں کے درمیان صلح صفائی کروا دیں گے۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا......؟" میں نے کہا۔ "کیا مجھے لڑکی سے معافی مانگنا ہوگی۔ میں نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا اس پر ندامت کا اظہار کرنا ہوگا۔"

"معافی تو خیر بعد میں مانگو گے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس رقم کتنی ہے۔ صحیح صحیح بتانا۔"

"رقم......؟" میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "کتنی رقم چاہئے......؟" صلح صفائی میں کیا رقم کی ضرورت ہوگی؟"

"کتنی رقم درکار ہوگی یہ تو اس پر منحصر ہے کہ تمہارے پاس کل کتنی رقم ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "پھر فیصلہ کیا جائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ رقم نہ صرف اس لڑکی کو بلکہ آپ کو بھی دینی ہوگی؟" میں نے کہا۔ "آپ بھی کیا حصہ دار ہوں گے؟"

"ظاہر ہے۔" سب انسپکٹر نے اپنے شانے اچکائے۔ "اس رقم میں لڑکی اور ہم ففٹی ففٹی کر لیں گے۔ ہمارا بھی حق بنتا ہے۔"

"لیکن آپ ففٹی ففٹی کیوں کریں گے......؟" میں نے کہا۔ "جب کہ جھگڑا تو میرے اور لڑکی کے درمیان ہے۔ رقم صرف اسے لینے دیں۔"

"ہم رقم اس لئے لیں گے کہ اس کیس کو دبا رہے ہیں۔" سب انسپکٹر بولا۔ "قانونی کارروائی کی صورت میں تم دونوں کو تھانے چلنا ہوگا۔ لڑکی کی رپورٹ پر تم حوالات میں اور لڑکی کو عدالت میں بھی حاضر ہونا پڑے گا۔ تم دونوں اس جھن جھٹ سے بچ جاؤ گے۔"

"میں رقم صرف ایک شرط پر دوں گا۔" میں نے کہا۔ "مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم دونوں ففٹی ففٹی کرو یا سکسٹی سکسٹی......"

"اچھا......" سب انسپکٹر اور لڑکی کا چہرہ دمک اٹھا۔ سب انسپکٹر نے تجسس سے پوچھا۔ "کیا شرط ہے تمہاری......"

"بہت ہی معمولی سی شرط ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اسے بڑی آسانی سے پورا کیا جا سکتا ہے۔ یعنی میں لڑکی کے ساتھ ساری رات گزاروں گا۔"

"کیا کہا......؟" لڑکی ایک دم سے اچھل پڑی۔ "تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔ کیا میں کوئی

جسم فروش لڑکی ہوں جو تم یہاں میرے ساتھ ٹھہرو گے؟''

''او مسٹر......!'' سب انسپکٹر بھی غصے سے بول پڑا۔ ''یہ ایک شریف لڑکی ہے۔ اس شرط کو پورا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔''

''یہ تو میں نہیں جانتا ہوں کہ یہ کتنی شریف لڑکی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے مجھے چوں کر بہت خوش کیا۔ یہ ایک گرم جوش لڑکی ہے اس لئے میں ایسا چاہتا ہوں...... انسپکٹر! یہ ایک حقیقت ہے، تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے تو بیڈروم میں جا کر دیکھو۔ بستر ساری کہانی سنا دے گا۔''

''یہ کمینہ...... رقم نہ دینے کے بہانے مجھ پر الزام تراشی اور میری کردار کشی کر رہا ہے۔ میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے اسے قریب آنے اور جسم کو ہاتھ تک لگانے نہیں دیا...... صرف اتنا ہوا کہ اس کی دھمکی پر میں بے لباس ہونے پر مجبور ہوگئی۔''

سب انسپکٹر نے ہولسٹر سے پستول نکال کر اس کے نشانے کی زد میں مجھے لے لیا۔ ''شرافت سے رقم نکال کر میز پر ڈال دو ورنہ......''

میں نے اوپر کی جیب سے پچاس کا ایک نوٹ نکال کر میز پر ڈال دیا۔ پھر دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

''میرے پاس اس سے زیادہ رقم نہیں ہے اور نہ ہی میرے پاس بٹوا ہے...... آپ چاہیں تو میری تلاشی لے کر دیکھ لیں۔'' میں نے کہا۔

سب انسپکٹر اور اس لڑکی کو بھی میری بات کا یقین نہیں آیا۔ پھر سب انسپکٹر نے اپنے ماتحت کو اشارہ کیا۔ ''اس کی تلاشی لو۔''

اس نے میری تلاشی لی۔ انہیں بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ میرے پاس پچاس کے علاوہ ریزگاری تک نہیں تھی۔ وہ بری طرح جھن جھلا گیا۔ سب انسپکٹر نے حیرت اور شک بھری نظروں سے لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی پر کوئی بجلی سی آ گری تھی۔ وہ سکتے کی سی حالت میں کھڑی تھی۔

''یہ سب کیا ہے......؟'' سب انسپکٹر نے لڑکی کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''یہ تم کس کنگلے کو شکار کر کے لائی ہو۔ اس کے پاس سے صرف پچاس روپے......؟''

''میں نے اس کے پاس جو بٹوا دیکھا تھا اس میں امریکی ڈالر اور ہندوستانی کرنسی کے بڑے بڑے نوٹ بھرے ہوئے تھے۔'' وہ بولی۔

''پھر اس کے پاس بٹوا اور وہ رقم کیوں نہیں ہے؟'' سب انسپکٹر بگڑ کر بولا۔ ''کہاں گیا؟ کہیں اس نے اپنا بٹوا چھپا تو نہیں دیا ہے؟''

''ہوسکتا ہے کہ اس نے تمہیں دیکھتے ہی کہیں چھپا دیا ہو۔'' وہ بولی۔ ''میں بیڈر[illegible] میں بستر

کے نیچے دیکھ کر آتی ہوں۔''

''نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے کہا۔ ''میں بتاتا ہوں کہ اصل بات کیا ہے۔ یہ سچ کہہ رہی ہے کہ بٹوا نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اسے میں نے بھی دیکھا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اس بٹوے میں امریکی ڈالر ایک لاکھ اور ہندوستانی کرنسی پچیس ہزار کی ہوگی۔''

''تو وہ بٹوا تم نے کس کے پاس دیکھا تھا؟'' سب انسپکٹر نے حیرت اور تجسس سے پوچھا۔ ''وہ شخص کون تھا؟ کیا تم اسے جانتے ہو؟''

''میں نے جس شخص کے پاس بٹوا دیکھا تھا وہ ہندوستانی تھا اور امریکہ سے آیا ہوا۔'' میں نے کہا۔ ''وہ تاج ہوٹل کے کمرا نمبر ایک سو بیس یا کسی اور نمبر میں مقیم ہے۔ دو ایک دن میں دہلی اس کی روانگی ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں ڈالر بیچنا چاہتا ہوں۔ سب سے اچھی کمپنی کون سی ہے جو زیادہ قیمت دے گی۔ میں اسے بھوپت لال کمپنی میں لے گیا تھا۔ اس نے کاؤنٹر پر جیب سے بٹوا نکالا اور اس میں سے سو سو کے دو برٹش نوٹ نکالے تب میں نے اس کا بٹوا دیکھا تھا۔ اس وقت یہ شریمتی جی جانے کس کام سے اندر آئی تھی۔ کچھ دیر بعد ہم دونوں باہر نکلے یہ سمجھی کہ وہ میں تھا۔ یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ اس غلط فہمی میں اس نے مجھے شکار کر لیا۔ وہ مجھے فریب دے کر فلیٹ پر لے آئی۔''

''کیا تم اس شخص کا نام بتا سکتے ہو......؟'' سب انسپکٹر نے دریافت کیا۔ ''اگر تم اس کا نام بتادو تو میں تمہیں رہا کر دوں گا۔''

''نام تو میں بتا سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن میں اس تمام رقم پر جو اس کے بٹوے سے برآمد ہوگی دس فیصد کمیشن لوں گا۔''

''دس فیصد......!'' اس نے اپنا سر کھجایا۔ ''تم بہت زیادہ کمیشن مانگ رہے ہو۔ میرے خیال میں پانچ فیصد کافی ہے۔''

''وہ شخص اپنے پرس میں ساٹھ ستر لاکھ کی رقم لئے ہوئے ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں ایک خزانے کا بتا رہا ہوں۔ ایسا جو خواب میں بھی ہاتھ نہیں لگتا۔''

''ٹھیک ہے دس فیصد دے دو نا پیارے!'' لڑکی نے میری نظریں بچا کر اسے آنکھ ماری۔ میں نے دیکھ لیا۔ نہ دیکھتا بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔

''ٹھیک ہے تمہیں میں دس فیصد دے دوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''اس کا نام اور صحیح کمرا نمبر بتادو۔ میں اس کے پاس ابھی جاتا ہوں۔''

''اس وردی میں نہیں جانا۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''گھر جا کر لباس تبدیل کرو۔ پھر اس سے جا کر ملنا۔ اس سے کہنا کہ میں زرمبادلہ کا کام کرتا ہوں۔ اس پورے شہر میں سب سے زیادہ

قیمت دیتا ہوں۔ جو ریٹ چل رہا ہوتا ہے اس سے دو فیصد زیادہ...... دو فیصد کا سنتے ہی وہ چلا آئے گا۔ سر کے بل آئے گا۔ اسے تم آج رات دس بجے کا وقت دینا۔ جب وہ دس بجے آئے گا یہ اس کے ساتھ وہی کھیل کھیلے گی جو اس نے میرے ساتھ کھیلا ہے۔ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ آپ جب اس سے ملنے جائیں گے بہروپ بدل کر...... آپ نے بہروپ نہیں بدلا اور اس نے آپ کو پہچان لیا تو پھر لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اس لئے کہ ان کے پاس برٹش پاسپورٹ ہے۔ امریکی شہریت بھی ہے۔ ہندوستانی پولیس اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتی۔"

"تم نہ صرف بہت ذہین بلکہ شاطر بھی ہو۔" سب انسپکٹر نے متعجب لہجے میں کہا۔ "تم نے ہمارے بارے میں سب کچھ جان لیا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟ کس نمبر کے کمرے میں مقیم ہے۔ کیا تم ہمارے ساتھ چل رہے ہو؟"

"اس کا نام دشوا ناتھ ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ کمرا نمبر دو سو چالیس میں مقیم ہے۔ میں اس شریمتی جی کے ساتھ یہاں ٹھہروں گا تاکہ میں بھی اس کے خلاف گواہی اور آپ لوگوں کا ساتھ دے سکوں۔ اس طرح اس کے خلاف کیس بہت مضبوط ہو جائے گا اور پھر مجھے اپنا دس فیصد کمیشن بھی تو وصول کرنا ہے۔ میں اپنا کمیشن لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ میں کل کے دن کا بھروسا نہیں کرتا ہوں۔"

"ایک بات سنو......" سب انسپکٹر نے کہا۔ "میں جا رہا ہوں تمہیں سادھنا کے پاس چھوڑ کر...... اس بسواس پر کہ تم اسے ہاتھ نہیں لگاؤ گے اور اس کی عزت سے نہیں کھیلو گے۔ تنہائی میں اس پر آنچ آئی تو پھر میں تمہیں دس برس کے لئے جیل میں سڑا دوں گا۔"

"اس وقت ہمارے پیش نظر کاروبار اور ایک بہت بڑی رقم کا حصول ہے۔" میں نے کاروباری لہجے میں کہا۔ "جب مجھے اتنی بڑی رقم مل رہی ہے تو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ اس تنہائی میں فائدہ اٹھاؤں۔ ممبئی شہر میں کیا حسین اور نوجوان لڑکیوں کی کمی ہے کوئی...... جیب بھاری ہو تو معروف اداکارائیں بھی رات گزارنے کے لئے آ جاتی ہیں۔ تم بسواس کر سکتے ہو آنکھیں بند کر کے......"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں چلے گئے۔ سادھنا نے میرے لئے چائے بنائی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر چائے پینے لگے۔ "تمہیں سب انسپکٹر کو بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ تم نے میرے ساتھ زیادتی کی تھی۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "کیا تم نے حماقت نہیں کی؟"

"میں نے اس لئے بتایا کہ میرے خلاف کیس اور مضبوط ہو جائے۔" میں نے کہا۔ "عجیب سی بات ہے کہ تم نے اس بات سے انکار کیا۔ اس نے تمہاری بات کا یقین کر لیا لیکن میری بات کا

نہیں...... مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ آخر تم نے پردہ داری کس لئے کی میری زیادتی کی۔"

"اس لئے کہ وہ میرا طلب گار بن جاتا۔" وہ بولی۔ "میں نہیں چاہتی کہ وہ مجھے کھلونا بنا کر کھیلتا رہے۔ تم پولیس والوں کو نہیں جانتے ہو۔"

"میں تم سے کہیں زیادہ پولیس والوں کی ذات اور فطرت کو جانتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تمہاری اس پردہ داری کی وجہ کو میں جانتا ہوں۔"

سادھنا بری طرح چونکی۔ اس کا چہرہ لمحے بھر کے لئے متغیر سا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔ اس کی زبان گنگ سی ہو گئی۔

"تم...... تم...... کیا جانتے ہو؟" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔ "میں نے کیوں اور کس لئے پردہ داری کی......"

"میں یہ جانتا ہوں کہ تم اس کی پتنی ہو......" میں نے بڑے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "تم دونوں میاں بیوی ایک نمبر کے شاطر، چال باز اور فراڈی ہو۔ تم دونوں نے اسے دھندا بنا رکھا ہے۔ تم مجھ جیسے شریفوں کو پھانس کر لاتی ہو۔ وہی کھیل کھیلتی ہو جو تم نے میرے ساتھ کھیلا۔ میں چوں کہ اس کی تہہ میں پہنچ چکا تھا اس لئے میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا...... تمہارا پتی بہت بے غیرت ہے، اس نے تمہیں صرف اس بات کی اجازت دی ہوئی ہے کہ شکار کے سامنے بے لباس ہو جاؤ اور یہ ضروری بھی ہے لیکن من مانی نہیں کرنے دینا...... تم دونوں یہ کھیل کوئی دو برس سے کھیل رہے ہو۔ اس مقصد کے لئے یہ فلیٹ کرائے پر لیا ہوا ہے۔ لیکن آج ایک غلط آدمی ٹکرا گیا...... شاید تم نے سنا ہو گا کہ سو دن چور کے اور ایک دن بادشاہ کا......"

اس کا حسین چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔ پھر اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا کر تکرار کی۔ "یہ جھوٹ ہے، یہ محض تمہارا قیاس ہے۔ تمہارے پاس ثبوت کیا ہے؟"

"جس تھانے میں تمہارا پتی سب انسپکٹر ہے اس تھانے میں گوپال انسپکٹر ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ ایک فرض شناس افسر ہے۔ وہ تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہے اسے بالکل بھی خبر نہیں ہے کہ تم دونوں مل کر گورکھ دھندا کر رہے ہو۔ اس کا خیال ہے کہ تم سیوری کے علاقے میں دو کمروں کے فلیٹ میں رہتی ہو۔ اگر میں ابھی اور اسی وقت اسے فون کر کے بلاؤں تو تم دونوں بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ تمہارا پتی نہ صرف ملازمت سے محروم ہو جائے گا بلکہ اندر بھی ہو جائے گا۔ تم دونوں اسے کیا حساب کتاب دے سکو گے! اس فلیٹ کا کرایہ دس ہزار روپے ماہانہ ہے جبکہ یہ تیس ہزار روپے سے کم کا نہیں ہے۔ یہ ایک منشیات فروش کا فلیٹ ہے نا......؟"

وہ غش کھاتے کھاتے رہ گئی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ "تم اتنا

سب کچھ کیسے جانتے ہو......؟ اس کے بارے میں صرف تین افراد جانتے ہیں۔ ایک میں، دوسرا میرا پتی...... تیسرا میرے پتی کا دوست...... تم کیا بلا ہو......؟"

"دراصل میں ایک پرائیویٹ جاسوس ہوں۔" میں نے کہا۔ "ایک شخص نے جو مجھ سے متاثر ہوا تھا اس نے مجھ سے کہا اور میری خدمات حاصل کیں۔ تم دونوں میاں بیوی نے پچیس ہزار کی رقم اس غریب سے ہتھیالی۔ اب میں وہ رقم لے کر جاؤں گا۔ رقم نہیں دی تو پھر انسپکٹر گوپال سے رابطہ کروں گا۔"

"رقم......؟ میرے پاس کہاں......؟" وہ حیران ہو کر بولی تو اس کی آواز میں ارتعاش تھا۔ "میرا پتی ہی آ کر دے سکتا ہے۔ اس سے لے لینا۔"

"تمہاری الماری میں ڈیڑھ لاکھ کی رقم رکھی ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔ "اس میں سے تم پچیس ہزار کی رقم اور میری فیس دس ہزار روپے دے دو۔"

اگر تم نے انکار کیا تو میں انسپکٹر گوپال کو فون کر کے بلالوں گا۔ پھر وہ الماری میں جو رقم ہے ضبط کر لے گا اور تمہیں سرکاری زیور پہنا دے گا۔"

اب اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ مجھے رقم دے دے...... وہ بیڈروم میں گئی۔ تھوڑی دیر بعد آئی تو اس کے ہاتھ میں پینتیس ہزار کی رقم تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے رقم لے لی۔ جیب میں ٹھونس لی۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"میں ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تمہارا پتی مہینے میں تین مرتبہ مالک فلیٹ کے ہاں بھیجتا ہے جس کے عوض تم کرائے کی رسید لے کر آتی ہو۔"

میں کوئی ایک گھنٹے تک فلیٹ میں رہا۔ پھر ایک فاتح کے انداز سے نکلا۔ پھر میں نے پبلک فون بوتھ سے انسپکٹر گوپال کو گمنام فون کیا۔ اسے ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس نے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ میں نے اسے ایک کالی بھیڑ کے بارے میں بتایا۔

اس وقت شام ہو چکی تھی۔ ممبئی شہر روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ میں ایک ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ مجھ پر ایک نشہ سا طاری تھا۔ سادھنا ایک ایسی عورت تھی جسے جلد بھلایا نہیں جا سکتا تھا۔ مجھے اس بات پر کوئی افسوس نہیں تھا کہ میں نے مخبری کر دی۔ دونوں میاں بیوی ابھی تک کتنے ہی سادہ لوح لوگوں کو شکار کر چکے تھے۔ اگر میں ڈراپ سین نہیں کرتا، مخبری نہیں کرتا تو یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا۔ میں تو برے لوگوں کے ساتھ برا تھا۔ ان سے ہر طرح کا فائدہ اٹھاتا تھا۔ یہ پاپ نہیں تھا۔

اس شہر میں جرائم کی کوئی کمی نہیں تھی۔ روزانہ صبح ہوتے ہی کتنے جرائم کا آغاز ہو جاتا اور

ساری رات جاری رہتا۔ ایک پہیہ تھا جو گھوم رہا تھا۔ اس شہر میں جو گندگی تھی میں دس صدیوں میں بھی صاف نہیں کر سکتا تھا۔ جتنا کر سکتا تھا کر رہا تھا۔ یہ میرا فرض تھا۔

میں نے پرتکلف کھانا کھایا۔ نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ پھر میں ایک نئی فلم دیکھنے چلا گیا۔ آخری شو دیکھ کر گھر لوٹا۔ صبح دیر سے بیدار ہوا۔ ناشتا کیا پھر سو گیا۔ بیدار ہوا تو سہ پہر ہو رہی تھی۔ میں ایک ریسٹورنٹ سے شام کا ناشتا لے کر گوتم کے ہاں پہنچا۔ میرا وہاں بڑی گرم جوشی اور والہانہ انداز سے استقبال کیا گیا۔ گوتم رہا ہو کر کچھ دیر پہلے ہی پہنچا تھا۔ اس کے ہاں جشن کا سا سماں تھا۔ گوتم مجھے دیکھتے ہی بہت خوش ہو گیا۔ بڑی عقیدت سے اس طرح ملا جیسے میں کوئی بہت ہی بڑا اور دنیا کا عظیم ترین انسان ہوں۔ اس نے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ میں اسے تختہ دار سے بچالایا ہوں۔ اس کی ماں جس پر ایک سرشاری سی طاری تھی۔ جیسے آج وہ ماں بنی ہو اور اس نے بیٹے کو جنم دیا ہو۔ کامنی اپنی خوب صورت سیاہ آنکھوں میں میرے لئے نجانے کیا کیا پیغامات لئے ہوئے تھی۔

میں وہاں بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ میری بڑی خاطر مدارت ہو رہی تھی۔ جب پڑوس کی عورتیں گوتم کی رہائی پر اس کی ماں کو مبارکباد دینے آئی تھیں اور وہاں کامنی بھی موجود تھی تو میں گوتم کو اس کے کمرے میں لے گیا۔ جب میں نے اس سے رجنی اور شانتی سے تعلقات کا ذکر کیا تو وہ بری طرح گھبرا گیا۔ ہراساں اور پریشان ہو گیا۔ اس نے اس سے انکار کیا۔ جب میں نے جیب سے اس کی تصویریں اور نیگیٹوز نکال کر دیا تو اس کا سر ندامت سے جھک گیا۔ پھر میں نے اسے دونوں چیزیں دے کر کہا کہ انہیں تلف کر دو اور عزت کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تم پھر سے غلاظت کے دلدل میں گر گئے تو تمہیں نکالنے والا کوئی نہ ہوگا اور تمہارا بہت برا حشر ہوگا۔

جب میں گوتم کے ہاں سے نکلا تو چھ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ امپریل سینما میں ایک بہت پرانی فلم مدر انڈیا لگی ہوئی تھی۔ محبوب کی فلم تھی۔ اس میں نرگس، سنجے دت، راج کمار اور راجندر اداکار تھے۔ اس فلم کی سال ڈیڑھ سال بعد نمائش ہوتی تھی نئی فلم سے زیادہ رش لیتی تھی۔ کیوں کہ اس میں ایک نہیں بہت ساری خوبیاں تھیں۔ ایک تو نرگس نے بے مثال اداکاری کی تھی اس کی کہانی اور گانے بھی ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔ محبوب نے دوسرے اداکاروں سے بھی خوب کام لیا تھا۔ اس فلم کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ایک صاف ستھری فلم تھی۔ آج کل جو ہندوستانی فلمیں بن رہی تھیں وہ بڑی لچر، بے ہودہ اور فحش فلمیں ہوتی تھیں۔ اس میں عریانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ کوئی کہانی ہی نہیں ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ فلم ہیروئن کی جسمانی نمائش کے لئے بنائی گئی ہے۔ لپٹا لپٹی کے مناظروں کی بھرمار ہوتی تھی۔ جب کوئی کسی اچھی پرانی فلم کی نمائش ہوتی تو وہ بڑا رش لیتی تھی۔

میں اس فلم کو متعدد بار دیکھ چکا تھا۔ جب بھی دیکھا میں نے ایک نیا لطف محسوس کیا تھا۔ میں اس فلم کو دیکھ کر نکلا اور سینما ہال کے باہر جو مدراسی ہوٹل تھا اس میں کھانا کھایا۔ ہوٹل سے نکلا تو رات کے دس بج چکے تھے۔ میں سیدھا گھر کی طرف ہولیا۔

جب فلیٹ پر پہنچا تو دیکھا کہ اندر روشنی ہو رہی تھی۔ میں حیران ہوا کہ میرے فلیٹ میں کون ہوسکتا ہے۔ میں کبھی کبھی اپنا فلیٹ مقفل کرنا بھول جاتا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ دروازہ مقفل نہ ہونے کی صورت میں چوری کی واردات ہوئی ہو۔ میں فلیٹ میں داخل ہوا تو کامنی کو خواب گاہ میں پایا۔ وہ جس عالم میں میرے بستر پر لیٹی ایک فلمی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی اس نے مجھے چونکا دیا تھا۔ اس نے میری آہٹ پاکر میری طرف مسکرا کے دیکھا اور بستر سے نکل کر رسالہ تپائی پر رکھ دیا۔ پھر وہ میرے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔

اس کی بڑی بڑی سیاہ چمک دار آنکھوں میں مستی بھری ہوئی تھی۔ اس نے مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اس کے چہرے پر شوخی تھی جس نے اس کے حسن کو اور نکھار دیا تھا۔ اس کے سرخ گداز رسیلے ہونٹوں پر ایک ان جانی دعوت مچل رہی تھی۔

''ہیلو......'' اس نے رس بھری آواز میں کہا۔

''کامنی!......'' میں نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔ ''تم اور اس وقت......؟ خیریت تو ہے۔''

''ہاں...... میں کامنی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''دیوا......! میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ تم ہمارے ہاں سے کہاں چلے گئے تھے؟''

''کیوں......؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''تم سے کس نے کہا تھا یہاں آنے اور میرا انتظار کرنے کے لئے؟''

''دل نے......'' وہ شوخی سے بولی۔ ''دل نے بہت مجبور کیا تو میں بے اختیار چلی آئی۔ تم جانتے ہو دل پر کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے۔''

''اوہ...... دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر......؟'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن دل کے ہاتھوں پر جو چلتا ہے، چلتے ہیں وہ نقصان میں رہتے ہیں۔''

''وہ کیسے......؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا دل، دل نہیں ہوتا ہے۔ وہ کیسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

''دل اندھا ہوتا ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''وہ صرف محسوس کرتا ہے، کر سکتا ہے۔ اسے کچھ خبر نہیں ہوتی ہے انجام کیا ہوگا؟''

''مجھے انجام کی کوئی پروا نہیں۔'' کامنی نے بے پروائی سے اپنے شانے جھٹکے۔ ''یہ من بڑا پاپی ہوتا ہے تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

''تم نے اپنے بھائی سے کوئی سبق نہیں سیکھا؟'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''میں نے تم لوگوں کوتم کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہے...... بظاہر تم لوگوں کو صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ کسی سے ملنے اس عمارت میں گیا تھا۔ لیکن وہ بے چارا شانتی کے قتل کیس میں ملوث ہوگیا۔ لیکن بات کچھ اور ہے اس نے دل کے ہاتھوں یہ سب کچھ، ذلت اور مصیبت اٹھائی ہے۔ کیا تم بھی یہی چاہتی ہو؟''

''میری قسمت میں کیا لکھا ہے میں نہیں جانتی......'' اس نے میرے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کر دیں۔ ''مجھے آج کی رات رکنے دو۔''

''نہیں......'' میں نے اس سے کہا۔ ''تم رات کی بات کر رہی ہو، میں تمہیں دس منٹ کے لئے بھی رکنے نہیں دے سکتا۔ اپنی جوانی اور جذبات کو قابو میں رکھو۔ شانتی کے باس نے تمہیں محبت کے نام پر فریب دیا۔ اب بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں۔ تم سراب کے پیچھے مت بھاگو...... تم اندھا دھند دوڑ رہی ہو۔ تمہیں ایک ٹھوکر لگ چکی ہے۔ تم ایک غریب ماں کی بیٹی ہو وہ عزت دار عورت ہے تم نے اور تمہاری جوانی نے کوئی گل کھلائے تو کوئی دیوا تمہیں بچانے نہیں آئے گا۔ اب آئندہ تم اس فلیٹ کا رخ نہیں کرنا۔''

کامنی کی آنکھوں میں ایسی خود سپردگی تھی کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بہک جاتا۔ میں کوئی ایسا پارسا نہیں تھا کہ کامنی کی خواہش رد نہ کرتا۔ میں اچھی اور معصوم لڑکیوں کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ میں نے اسے ایک سو روپے کا نوٹ دے کر رخصت کیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے میلا کروں۔ میں نے اسے رخصت کرنے سے قبل سمجھایا کہ وہ انجانے راستے پر نہ چلے۔

☆......☆......☆

دوسرے دن صبح مجھے پونا سے میرے ایک دیرینہ دوست کرن کمار کا فون آیا کہ اتوار کے دن اس کی چھوٹی بہن کرینہ کی شادی ہے۔ کرن کمار کے مالی حالات زیادہ اچھے نہیں تھے۔ میں نے سوچا کہ چل کر اس کی مالی مدد کرنا چاہئے تاکہ اس کی بہن سسرال میں عزت اور سکون سے رہے۔ اس کی ساس، نندیں اور دیور طعنہ نہ دیں کہ وہ جہیز میں کیا لائی؟ اس کے بھائی نے کیا دیا۔ ہندوستان میں یہ عام سی بات تھی کہ جو لڑکی جہیز میں مطلوبہ چیزیں نہیں لاتی ہے اس کے سسرال والے نہ صرف اس کی زندگی اجیرن بنا دیتے ہیں بلکہ اسے کسی نہ کسی طرح جان سے مار دیتے ہیں۔ کوئی جلا دیتا ہے تیل چھڑک کر، کوئی کھانے میں زہر ملا کر...... میں نے ایک لاکھ کی رقم لی اور بارہ بجے کی ٹرین سے پونا روانہ ہوگیا۔ ابھی شادی میں تین دن باقی تھے۔ میں اسے یہ رقم آج ہی لے

جا کر دے دینا چاہتا تھا تا کہ اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہو، خریداری کرنی ہو تو شادی سے پہلے ہی کر لے۔ کرن کمار پہلے ممبئی میں رہتا تھا۔ پونا اس کا تبادلہ ہوا تو اسے جانا پڑا تھا۔ وہ پانچ برس سے پونا ہی میں رہ رہا تھا۔ یہاں سے جانے کے بعد میں اس سے مل نہ سکا تھا۔

میں جس کمپارٹمنٹ میں بیٹھا ہوا تھا وہ زیادہ بھرا ہوا نہیں تھا۔ اس میں لڑکیاں، عورتیں اور مرد بھی سفر کر رہے تھے۔ میں دو مسافروں کو دیکھ کر چونک گیا۔ میں ان دونوں کو بہت اچھی طرح جانتا تھا لیکن وہ مجھے نہیں جانتے تھے۔ یہ دونوں چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔ جیب تراش بھی تھے۔ بہت بڑے ٹھگ بھی تھے۔ انہوں نے ایک شکار کو نرغے میں لیا ہوا تھا۔ اس شکار کا نام گوپی ناتھ تھا۔ اس کے پاس بیس ہزار کی رقم تھی۔ وہ یہ رقم اپنے بڑے بھائی سے لے کر جا رہا تھا۔ اس کی ساس سخت بیمار تھی اور اسپتال میں زیر علاج تھی۔ اس کے آپریشن کے لئے بیس ہزار کی ضرورت تھی۔ ان دو بدمعاشوں میں سے ایک کا نام رامو اور دوسرا ٹھاکر کے نام سے مشہور تھا۔ رامو گوپی ناتھ کے بائیں جانب اور ٹھاکر دائیں جانب...... گوپی ناتھ بڑا سادہ لوح تھا۔ ان دونوں نے باتوں باتوں میں گوپی ناتھ سے بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔ گوپی ناتھ نے انہیں بتا دیا تھا کہ وہ اپنی ساس کے علاج کے لئے بھائی سے بیس ہزار کی رقم لے کر جا رہا ہے۔

رامو نے ہاتھ کی صفائی اس وقت دکھائی جب گوپی ناتھ ایک اسٹیشن پر چائے پینے کے لئے اٹھا تھا۔ وہ پلیٹ فارم پر اترا تو رامو بھی اترا تھا۔ پلیٹ فارم پر بھیڑ تھی۔ رامو نے بڑی صفائی سے اس کا بٹوا اڑا کر ٹھاکر کو دے دیا تھا۔ گوپی ناتھ کو خبر بھی نہ ہو سکی تھی۔ جب ٹرین چل پڑی تو ٹکٹ چیکر بھی اس کمپارٹمنٹ میں سوار ہو گیا تھا۔ ٹکٹ چیکر نے جب گوپی ناتھ سے ٹکٹ مانگا تو اس نے جیب سے بٹوا نکالنے کے لئے ہاتھ ڈالا۔ دوسرے لمحے اس نے شور مچا دیا۔ ''میرا بٹوا...... میرا بٹوا...... میری بیس ہزار کی رقم...... اس میں میرا ٹکٹ بھی تھا...... ہائے رام...... میں کیا کروں...... کسی حرام زادے نے میرا بٹوا اڑا لیا......''

گوپی ناتھ تیس برس کا ایک خوب صورت، وجیہہ اور دراز قد شخص تھا۔ اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ اس پر ایک نہیں دو دو مصیبتیں نازل ہو گئی تھیں۔ ایک تو رقم غائب ہو گئی تھی اور دوسرا ٹکٹ بھی غائب تھا۔ بغیر ٹکٹ کے سفر کرنے پر اسے حوالات کی ہوا کھانی تھی۔ رامو نے اس سے کہا تھا کہ جب وہ چائے پینے ٹرین سے اترا تھا، پلیٹ فارم پر کسی نے تمہارا بٹوا اڑا لیا ہے۔ گوپی ناتھ نے اس کی بات کا یقین کر لیا تھا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ ایک طرح اس کی بات گوپی ناتھ کو سچ معلوم ہوئی تھی۔

میں ٹھاکر کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ ''ٹھاکر!'' میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ میری زبان

سے اپنا نام سن کر چونکا۔ ''تم شرافت سے گوپی ناتھ کا بٹوا دے دو...... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ یہ غریب ویسے ہی سخت پریشان ہے۔''

''کون سا بٹوا......؟ کیسا بٹوا......؟'' ٹھاکر نے حیرت سے کہا۔ ''اس کا بٹوا میرے پاس کہاں سے آ گیا؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے۔''

''پلیٹ فارم پر رامو نے جو تمہارا ساتھی ہے اس کی جیب سے بٹوا نکال کر تمہیں دیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''بے وقوف نہ بناؤ۔''

''تو کیا بکواس کر رہا ہے؟'' رامو اٹھ کر میرے سامنے خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے لہجے سے رعونت ٹپک رہی تھی۔ ''چپ کر......''

''بکواس میں نہیں تم کر رہے ہو۔'' میں نے کرخت لہجے میں جواب دیا۔ ''میں تم دونوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم دونوں ایک نمبری بدمعاش جیب تراش ہو...... میں نے خود اپنی آنکھوں سے تمہیں گوپی ناتھ کی جیب سے بٹوا نکال کر ٹھاکر کو دیتے ہوئے دیکھا ہے۔''

ایک عمر رسیدہ مسافر نے اٹھ کر مجھ سے کہا۔ ''کسی پر بلاوجہ الزام مت لگاؤ۔ تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟''

''اس کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ایک ثبوت ہے۔ وہ یہ کہ اس کی تلاشی لی جائے۔ بٹوا اس کی جیب میں ہے۔''

''میری جیب میں جو بٹوا ہے وہ میرا ہے۔'' ٹھاکر نے کہا۔ ''خبردار! جو کسی نے میری تلاشی لینے کی کوشش کی۔ اسے مار مار کر سؤر بنا دوں گا۔''

''میرے بٹوے میں میری پتنی کی تصویر، میرے دفتر کا شناختی کارڈ اور میرے بھائی کا ایک خط بھی ہے۔'' گوپی ناتھ نے کہا۔

''ہاں...... ہاں...... اس کی تلاشی لے لو......'' مسافروں نے بیک وقت کہا۔ ''ان صاحب نے جو بتایا ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ پتا چل جائے گا۔''

''میں ابھی پولیس کو بلا کر لاتا ہوں۔'' ٹکٹ چیکر نے کہا۔ ''وہ دوسرے کمپارٹمنٹ میں موجود ہے، انہیں جانے مت دو۔ روکے رکھو۔''

پولیس کا نام سنتے ہی ان دونوں کی حالت خراب ہو گئی۔ ٹھاکر نے جیب سے بٹوا نکال کر فرش پر پھینکا۔ پھر وہ اور رامو اس کمپارٹمنٹ سے نکل کر دوسرے والے کمپارٹمنٹ کی طرف بھاگے۔ بھاگتے وقت رامو مجھ سے ٹکرایا تھا۔ میں نے رامو کا بٹوا نکال لیا۔ اسے خبر بھی نہ ہو سکی۔

گوپی ناتھ نے اپنا بٹوا اٹھا کر اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں اس کی رقم اور ٹکٹ بھی موجود تھا۔

اس نے بٹوے کو سینے سے لگایا۔ پھر ایک گہرا سانس لیا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھر گئے۔ پھر اس نے بٹوے میں سے اپنا ٹکٹ نکال کر چیکر کی طرف بڑھا دیا۔

''دوست! آپ نے نہ صرف مجھ پر بلکہ میری ساس پر بھی احسان کیا ہے۔ میں اسے زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ بٹوا نہ ملتا تو میں لٹ جاتا اور میری ماں مر جاتی ...... آپ تو میرے لئے بھگوان کے اوتار ثابت ہوئے۔ بھگوان آپ کو سدا سکھی رکھے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

جب میں نے اسے بتایا کہ میں پونا جا رہا ہوں تو وہ بہت خوش ہوا۔ وہ بھی پونا جا رہا تھا۔ اس نے اپنا پتا دیا۔ مجھ سے کہا کہ میں اس سے ضرور ملوں۔ اس کے ہاں دو ایک دن مہمان رہوں۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں اس سے ضرور ملوں گا۔

اسٹیشن سے باہر آ کر اس نے ایک ٹیکسی کی۔ مجھے کرن کمار کے ہاں چھوڑ کر وہ چلا گیا۔ کرن کمار، اس کی ماں، بیوی اور بہن کرینہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے، جب میں نے کرن کمار کے ہاتھ پر رقم رکھی تو وہ خوشی کے جذبات سے مغلوب ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ اسے اپنی بہن کی شادی کے لئے مزید ایک لاکھ کی رقم کی ضرورت تھی۔ دو ایک دوستوں نے قرض کے طور پر دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن عین وقت پر مکر گئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ آخری صورت یہ رہ جاتی تھی کہ ممبئی میں اس کا جو فلیٹ تھا وہ کسی مارواڑی کے پاس رہن رکھ کر قرض لے، سود اتنا تھا کہ اس کی ادائیگی بس کی بات نہ تھی۔ سارا گھر سخت پریشان تھا۔ ان کا چین سکون اور رات کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔

کرینہ کی شادی روایتی انداز سے ہوئی۔ میں نے یہ رقم قرض نہیں دی تھی۔ میں نے ایک بھائی کی حیثیت سے دی تھی۔ میں نے کرینہ کو گودوں کھلایا تھا۔ ان لوگوں کو خوشی سے سرشار دیکھ کر میری آتما کو جو شانتی ملی تھی وہ شاید بڑی سے بڑی دولت پا کر بھی نہیں مل سکی تھی۔

شادی کے تیسرے دن سہ پہر کے وقت گوپی ناتھ مجھے اپنے گھر لے جانے کے لئے آ گیا۔ اس نے راستے میں بتایا کہ اس کی ساس کا آپریشن کامیاب رہا ہے۔ وہ تین دن بعد اسپتال سے بڑی بیٹی کے ہاں چلی جائے گی۔

گوپی ناتھ کا اپنا مکان تھا۔ تین کمروں کا یہ بڑا سا مکان تھا۔ نہ صرف کمرے بہت کشادہ تھے بلکہ صحن بھی بہت بڑا تھا۔ اس میں نیم کا ایک گھنا درخت تھا۔ اس درخت کے نیچے دو چار پائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ مکان بہت صاف ستھرا اور نہایت آراستہ تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی بیوی بہت سلیقہ مند اور سگھڑ واقع ہوئی ہے۔ اس کا سگھڑ پن ایک ایک چیز سے ظاہر تھا۔

گوپی ناتھ کی بیوی رادھا بائیس تیئیس برس کی ہوگی۔ وہ بہت حسین تھی۔ اس میں بڑی

جاذبیت اور دل کشی تھی۔ اس کے پرشباب گداز بدن میں ایسی ہیجان خیزی تھی کہ نگاہ ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔ گوپی ناتھ کی طرح دراز قد تھی۔ ہندوستان کی فلم انڈسٹری کو ایسے بدن کی عورت کی ضرورت تھی۔ اگر وہ فلم انڈسٹری میں قسمت آزمائی کرے تو ہاتھوں ہاتھ لی جا سکتی تھی۔ وہ اسکرین پر آ کر تہلکہ مچا سکتی تھی۔ ایسی سیکسی ہیروئن پوری فلم انڈسٹری میں نہیں تھی۔ وہ قیامت تھی۔

گوپی ناتھ بڑا خوش نصیب تھا کہ اسے ایسی حسین بیوی ملی تھی۔ دونوں کا بہترین جوڑا تھا۔ قابل رشک تھا۔ رادھا بڑی ہنس مکھ اور خوش مزاج تھی۔ اس میں پندار حسن بالکل بھی نہ تھا۔ وہ مجھ سے بہت متاثر تھی اس کارن اس نے میرا بہت شکریہ ادا کیا تھا کہ میری بدولت بٹوا مل گیا تھا۔ بروقت آپریشن نہ ہوتا تو اس کی ماں کو دوبارہ زندگی نہیں ملتی اور وہ مجھ سے ایسی بے تکلف ہوگئی دو ایک گھنٹے میں جیسے میں اس کے خاندان کا فرد یا برسوں کا شناسا ہوں۔ اس نے رات کا کھانا جو بنایا وہ بے حد شاندار اور مزے دار تھا۔

رات کھانے سے فراغت پانے کے بعد ہم تینوں صحن میں بیٹھ کر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ میں نے ان دونوں کا ذہن پڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں بلاوجہ کسی کا ذہن پڑھتا بھی نہیں تھا۔ ان کی شادی کو چھ برس ہو رہے تھے۔ اس گھر کے آنگن میں ابھی تک کوئی پھول نہیں کھلا تھا۔ گھر میں سال رواں کے تین کیلنڈر تھے ان تینوں کیلنڈروں میں خوب صورت ننھے منے، پیارے پیارے گول متول بچوں کی تصویریں تھیں۔ یہ بچے صرف ہندوستان کے نہیں بلکہ دنیا کے مختلف ممالک کے تھے۔ اس کے علاوہ دو بہت بڑے فریموں میں بہت ہی خوب صورت بچوں کی تصویریں تھیں۔ یہ سارا انتخاب رادھا کا کیا ہوا تھا۔

جب ہم سونے کے لئے اٹھ رہے تھے تب کسی نے بیرونی دروازے پر دستک دی۔ گوپی ناتھ گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آ کر بولا۔

''رادھا! میرے دوست رمیش کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ شیکھر مجھے لینے آیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ میری واپسی شاید صبح تک ہو۔''

''میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں یہاں رہ کر کیا کروں گا۔ شاید میری ضرورت پڑ جائے خون کی ضرورت پڑے گی تو میں دوں گا۔''

''نہیں ...... نہیں ......'' گوپی ناتھ نے کہا۔ ''آپ آرام کریں، سو جائیں۔ رات کے گیارہ بج رہے ہیں، وہاں خون دینے والے بہت ہیں۔''

میں نے ساتھ چلنے کے لئے بے حد اصرار کیا لیکن گوپی ناتھ نہ تو ساتھ لے کر چلنے کو تیار ہوا اور نہ ہی اس نے مجھے اپنے دوست کرن کمار کے ہاں جانے کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ میں

محسن ہوں میاں بیوی کا لہٰذا انہیں سیوا کرنے کا موقع دیا جائے۔ وہ صبح نو دس بجے تک آ جائے گا۔ اس کے دوست شیکھر کا جو ایکسیڈنٹ ہوا ہے وہ بڑا زبردست ہے۔ ایک گھنٹے کے بعد شیکھر کا آپریشن ہو گا۔

گوپی ناتھ چلا گیا۔ اب اس گھر میں، میں اور رادھا رہ گئے تھے۔ رات کا سماں تھا۔ تنہائی تھی۔ ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں یہاں اس وجہ سے رکنا نہیں چاہتا تھا کہ آخر میں ایک انسان تھا۔ شرافت کا پیکر نہیں تھا۔ میری زندگی میں بہت ساری عورتیں آئی تھیں۔ لیکن میں نے کبھی ان عورتوں کی طرف پیش قدمی نہیں کی تھی۔ پہل نہیں کی تھی۔ جو عورتیں بھی پکے پھل کی طرح میری جھولی میں گری تھیں وہ اچھی نہ تھیں۔ میں نے کبھی بھی کسی شریف اور اچھی لڑکی کو آلودہ نہیں کیا۔ اس سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔

لیکن یہ رادھا...... اس کا حسن و شباب بڑا خطرناک تھا۔ وہ کسی ایسی زہریلی ناگن کی طرح دکھائی دیتی تھی جو موقع پاتے ہی ڈس لے گی لیکن مجھے اس کا اطمینان تھا کہ رادھا میری جھولی میں نہیں گرے گی۔ ہر عورت کمزور نہیں ہوتی۔ میں کسی قصہ کہانی کے راج کمار کی طرح نہیں تھا۔ گوپی ناتھ مجھ سے کہیں خوب صورت، وجیہہ اور دراز قد تھا۔ وہ عورتوں کا آئیڈیل تھا۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اس کا اندازہ مجھے چند گھنٹوں کے سمے میں ہو گیا تھا۔ ایسی عورت غلاظت کی پستی میں کیسے گر سکتی تھی۔ اپنے شوہر کے بسواس کو کیسے پارہ پارہ کر سکتی تھی۔ گوپی ناتھ کو بھی مجھ پر بھروسا تھا اور اپنی پتنی پر بھی۔ اس لئے وہ ایک غیر اور اجنبی مرد کو چھوڑ گیا تھا۔ لیکن وہ یہ بھول گیا تھا۔ آدمی اور ناگ کی ایک ہی فطرت ہوتی ہے۔ وہ ڈسنے سے باز نہیں رہتا۔

جب ہم کھانا کھانے کے بعد صحن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے تب میں نے بچوں کی تصویروں کے بارے میں گوپی ناتھ سے پوچھا تو اس نے کہا تھا کہ ہماری شادی کو چھ سات برس کا عرصہ ہو رہا ہے۔ رادھا چوں کہ ایک عورت ہے۔ ہر عوت کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ ماں بن جائے۔ کیوں کہ بچے کے بغیر اپنے آپ کو ادھورا اور نامکمل سمجھتی ہے۔ بھگوان کو ابھی منظور نہیں ہے۔ ہندوستان میں ادھر شادی ہوئی ادھر عورت بچے کی ماں بن گئی۔ کسی کسی کے چار چار چھ چھ بچے ہیں۔ لیکن کتنی بدنصیبی کی بات ہے کہ ایک بچہ بھی ہمارا نہیں ہے۔ رادھا جہاں کہیں خوب صورت بچوں کی تصویریں دیکھتی ہے وہ خرید لاتی ہے۔ اس نے بچوں کی تصویروں کی متعدد البمیں بنا رکھی ہیں وہ انہیں فرصت کے اوقات میں دیکھتی رہتی ہے۔ سر راہ بھی گود کے ایک دو برس کے بچوں کو دیکھتی ہے تو انہیں اٹھا لیتی ہے۔ پیار کرتی ہے، بے تحاشا چومتی ہے، کاش! بھگوان اس کی گود بھر دے، اس کے اندر ممتا جو ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی۔ ہوا سے قرار تو آ جائے، مجھے

بھگوان پر بسواس ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی تو اس کی سب سے بڑی آرزو پوری کر دے گا۔

جب اس موضوع پر بات ہو رہی تھی رادھا بڑی جذباتی ہو گئی تھی۔ پھر میں نے موضوع بدل دیا تھا تا کہ اس کے دل کو ٹھیس نہ پہنچے۔ جب گوپی ناتھ رخصت ہوا تو رادھا بیرونی دروازہ بند کرنے گئی تھی۔ میں اس وقت صحن میں بیٹھا ہوا چاند کو دیکھ رہا تھا۔ یہ چودھویں کا چاند تھا۔ مکان کے دائیں بائیں دو سایہ دار درخت سپاہیوں کی طرح کھڑے تھے۔ ہری بھری پتیوں سے لدی ہوئی شاخیں مکان کی چھت پر یوں پھیل گئی تھیں جیسے وہ دونوں درخت اس مکان کو اپنے بچے کی طرح سمجھتے ہیں۔ تیز ہوا کی زد میں ان درختوں کی شاخیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔ لڑ رہی تھیں۔ جھگڑ رہی تھیں۔ شور مچا رہی تھیں۔ چاند کی روشنی میں وہ مکان ویران سا دکھائی دیتا تھا۔ اس لئے کہ اس مکان میں کوئی بچہ نہیں تھا۔ پھول کھلا ہوا تھا۔ صحن سونا پڑا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دروازہ بند کر کے آئی اور پھر اس نے رسیلی آواز میں کہا۔ ''آیئے چلئے۔ میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں۔''

میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے ایک کشادہ کمرے میں لے آئی۔ ایک کونے میں پرانی وضع کی اتنی بڑی مسہری تھی جس پر دو تین آدمی با آسانی اور بڑے اطمینان سے سو سکتے تھے۔ اب ایسی مسہریاں نظر نہیں آتی ہیں اور نہ ہی ان کا رواج رہا ہے۔ مسہری کے عین سامنے ایک بہت بڑی سنگھار میز تھی۔ اس کا آئینہ اتنا بڑا تھا کہ نہ صرف پوری مسہری بلکہ کمرا دکھائی دیتا تھا۔ ایک ایک چیز بھی صاف دکھائی دیتی تھی۔ سرہانے ایک میز تھی جس پر کانچ کا ایک جگ پانی سے بھرا تھا۔ اسے طشتری سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس پر گلاس رکھا ہوا تھا۔ مسہری پر جو صاف ستھرا بچھا ہوا تھا وہ بڑا آرام دہ اور گداز تھا۔ وہ گوپی ناتھ کے جانے کے بعد بستر بچھا کر مجھے لینے آئی تھی۔

میں نے رادھا کو ناقدانہ نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ اس کمرے کی تنہائی اور بلب کی تیز روشنی میں اسے بہت قریب اور غور سے دیکھا۔ وہ بائیس برس کی ایک بھرپور جوان عورت تھی۔ دراز قد، بیضوی چہرہ...... اور پیاسی آنکھیں جو دیکھنے والے کو پہلی ہی نظر میں مقناطیس کی طرح کھینچ لینے والی تھیں...... اس کے متناسب جسم کی وجہ سے اس کی عمر جیسے آپ ہی آپ کم ہو گئی تھی۔ وہ جوان عورت کے بجائے دوشیزہ نظر آتی تھی۔ سولہ برس سے زیادہ کی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ گوپی ناتھ اس کے سامنے زیادہ عمر کا لگتا تھا۔

''یہ کمرا کیسا ہے......؟'' رادھا نے میرے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔ ''پسند نہیں ہے تو دوسرا کمرا دے دوں؟''

''بہت اچھا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ٹھنڈا بھی ہے۔ صحن کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے کیسی

اچھی اور تروتازہ ہوا آرہی ہے۔ کمرا پسند آیا۔“

”مکان بہت اچھا اور خوب صورت ہے۔“ رادھا نے کہا۔ ”لیکن پھول کے بغیر کیسا ویران کھنڈر کی طرح لگ رہا ہے۔ ہے نا......؟“ پھر کچھ دیر بعد بولی۔

”اچھا اب آپ آرام کریں میں سونے جارہی ہوں۔“ اس نے ساڑھی سینے اور شانے پر درست کرتے ہوئے کہا۔ ”برابر کا میرا کمرا ہے......اگر آپ کو کسی بھی وقت کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے لیں۔ لیکن آپ کو آکر جگانا پڑے گا۔ کیوں کہ میں گہری نیند سوتی ہوں۔“

”مجھے کسی چیز کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔“ میں نے کہا۔ ”اس لئے کہ بستر پر گرتے ہی میں ایسا سو جاتا ہوں جیسے گھوڑے بیچ کر سویا جاتا ہے۔“

”لیکن بعض اوقات راتوں کو میری نیند اڑ جاتی ہے۔“ اس نے کہا۔ ”اس وقت نیند آکر دبوچ لیتی ہے جب پو پھٹ رہی ہو۔“

”کس لئے ایسا ہوتا ہے؟“ میں نے پوچھا۔ ”آپ کو کیا پریشانی ہے......؟ کہیں اس لئے تو نہیں کہ احساس محرومی سونے نہیں دیتی ہے؟“

”اس لئے کہ مجھے ماضی بہت یاد آتا ہے۔“ وہ افسردگی سے کہنے لگی۔ ”میری ماں بچپن ہی میں مرگئی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ مصیبتوں کا ایک سمندر پار کیا ہے۔ میں ایک تنہا یتیم اور لاوارث لڑکی تھی۔ دوسروں کے گھر میں کام کر کے زندگی گزارتی تھی۔ کوئی رشتہ دار کام آیا اور نہ اس نے سہارا دیا۔ پھر میری شادی ایک ایسے شخص سے کر دی گئی جو دن رات نشے میں ڈوبا رہتا تھا۔ میری پہلی سہاگ رات بڑی عجیب و غریب تھی۔ اس نے گھونگھٹ اٹھا کر میرا چہرہ دیکھا اور بولا......مجھ سے کہا گیا تھا کہ تم بہت حسین ہو۔ لیکن غلط نہیں کہا گیا۔ تم تو میرے اندازے اور تصور سے کہیں حسین ہو۔ میری زندگی میں بہت سی عورتیں اور بارہ تیرہ برس کی لڑکیاں بھی آئیں مگر ہر عورت ایک جیسی ہوتی ہے۔ مجھے عورت سے زیادہ شراب سے شوق ہے۔ تم ایسا کرو۔ ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں اپنے ایک امیر کبیر دوست کے پاس لے چلتا ہوں وہ تمہارے ساتھ سہاگ رات منالے گا۔ سہاگ رات عورت کی بہت بڑی تمنا ہوتی ہے۔ وہ تمہاری ایک رات کے عوض اتنی رقم دے دے گا کہ مجھے ایک ہفتہ تک کی شراب مل جائے گی۔ میں اپنی دو بیویوں کو جو سولہ سولہ برس کی تھیں لے جاچکا ہوں......وہ حرام زادیاں کچھ دنوں بعد بھاگ گئیں۔ تم نہ بھاگ جانا......میں تمہیں اور بھی دوستوں کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ بڑے قدر دان ہیں عورتوں کے......میں نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کیا تو پہلے اس نے ایسی فحش اور بے ہودہ گالیاں دیں کہ میں شرم سے دہری ہوگئی۔ خوب مارا۔ چلنے کے لئے مجبور کیا......پھر

میں سہاگ کے لباس میں اس کے گھر سے اسی وقت بھاگ نکلی۔ اس نے میرا تعاقب کیا۔ وہ اس وقت نشے میں دھت تھا۔ میں اس وقت بھاگتے بھاگتے گوپی ناتھ کے گھر میں گھس گئی۔ گوپی ناتھ نے مجھے پناہ دی۔ صبح ہوئی تو پتا چلا کہ میں بیوہ ہو چکی ہوں۔ میرا پتی ایک حادثے کا شکار ہو کر مر گیا تھا۔ اچھا ہوا مر گیا۔

میں نے صبح گوپی ناتھ سے کہا کہ......اب میں بیوہ ہو چکی ہوں۔ آزاد ہوں۔ میری راہ میں کوئی پتھر نہیں ہے۔ کانٹا نہیں ہے۔ مجھ سے شادی کر لو۔ گوپی ناتھ نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم مجھ سے شادی کر لو۔ اگر تم نے مجھ سے شادی نہیں کی تو جس نے مجھے اس شرابی کے ہاتھ بیچا تھا وہ پھر میرا سودا کر دے گا۔ میں کسی بردہ فروش کے ہتھے لگ جاؤں گی۔ وہ مجھ سے جسم فروشی کراتا رہے گا۔ اس نے مجھے بہت سمجھایا کہ وہ کسی وجہ سے مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتا ہے۔ اگر میں نے شادی کر لی تو تم بعد میں پچھتاؤ گی۔ میں نے بھگوان کی سوگند کھا کر کہا۔ نہیں میں نہیں پچھتاؤں گی۔ زبان سے کسی بھی بات پر اف نہ کروں گی۔ تمہاری باندی بن کر رہوں گی۔ تمہاری سیوا کروں گی۔ آخر اس نے چار و ناچار مجھ سے بیاہ کر لیا۔ میں نے شادی کے بعد محلے کی ایک عورت کو ماں بنا لیا۔ اسے سگی ماں سے بڑھ کر چاہا۔ اس نے اور اس کی بیٹی نے بھی مجھے بہت پیار دیا۔ اس کے پیار نے میرے زخموں پر مرہم رکھا تھا۔

میرے دل میں بھی بہت ارمان ہیں۔ میں بھی سوچتی ہوں کہ دوسری عورتوں کی طرح میرا بھی ایسا گھر ہو جس میں پھول کھلے ہوئے ہوں۔ میں نے گوپی ناتھ سے شادی کرنے سے پہلے کہا تھا کہ میں تمہارے گھر کو سورگ کا نمونہ بنا دوں گی۔ زندگی کی کتنی ہی سردیاں اور گرمیاں جھیل کر مجھے یہ گھر نصیب ہوا ہے۔ اس خواب کو پورا کرنے کے لئے میں نے ایک اجنبی کا ہاتھ تھام لیا۔ شادی کے بعد مجھے پتا چلا کہ عورت جس پیار کی تلاش میں بھٹکتی ہے وہ پیار مجھے نہ ملا تو میں اپنے گھر کو سورگ نہ بنا سکوں گی۔ گوپی ناتھ نے مجھے مثالی پیار دیا۔

وہ بے حد جذباتی ہو کر ایک گود کے لئے اپنی دیرینہ خواہش کا اظہار کر رہی تھی......اور اپنی داستان غم کچھ ایسے درد بھرے انداز میں سنا رہی تھی کہ میں ذرا دیر کے لئے متاثر ہو گیا۔ اس کا دکھ یہ تھا کہ وہ ماں نہ بن سکی۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک حسین عورت کے آنسو بڑی جلد متاثر کرتے ہیں۔

رادھا نے میرے بالکل قریب آکر کہا۔ ”میری خواہش کوئی انوکھی خواہش نہیں ہے۔ ہر عورت گھر بسانے اور ماں بننے کے خواب دیکھتی ہے۔ اب مجھے یہ گھر مل گیا ہے......اب یہاں صرف ایک چیز کی کمی ہے۔ وہ یہ کہ میں ماں بن جاؤں۔“

آخری فقرہ کہتے وقت اس کی آواز سرگوشی میں ڈوب گئی۔ اس کے چہرے پر کرب سایہ بن

کر پھیل گیا۔

”اس کمرے کے برابر کی خواب گاہ میری ہے۔ ملائم بستر میرے لئے ہے...... اور میرے ملائم اور گداز جسم کی حرارت......“

اس نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ دی۔ میری رگوں میں خون کی حرارت اور گردش اچانک ہی تیز ہوگئی۔ میں نے اس کی بات سن کر کہا۔ ”رادھا! میرا خیال ہے کہ اب تمہیں سو جانا چاہئے۔ میں تمہارے پتی کا دوست ہوں۔ یہ مت بھولنا۔“

”اگر تم مجھ سے بھی دوستی کرلو تو کیا حرج ہے......“ اس نے کہا۔ ”عورت بھی ایک اچھی دوست ثابت ہوتی ہے۔“

وہ چلی گئی۔ میں نے اپنے کمرے کی روشنی گل کرلی۔ اس نے بھی اپنے کمرے میں جا کر تھوڑی دیر بعد روشنی گل کر لی۔ پورے گھر میں ایک اندھیرا سا چھا گیا۔ البتہ صحن میں دودھیا چاندنی جو قدرے تیز ہوگئی تھی۔ وہ چٹکی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی خواب گاہ کا دروازہ کھلا رکھا ہوا تھا۔ اسے شاید ایک انجانے مرد سے کوئی خوف نہیں رہا تھا۔ وہ جیسے اسے جان چکی تھی سمجھ چکی تھی۔ میں کمرے سے باہر صحن میں آ گیا۔ صحن میں بہت اچھی ہوا چل رہی تھی۔ مجھے نیند آ رہی تھی۔ اس کی خواب گاہ کی کھڑکی بھی کھلی ہوئی تھی۔ میں نے کسی خیال کے زیر اثر اس کے کمرے میں جھانکا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھی جو بہت باریک اور سیاہ تھا۔ چاندنی جو کھڑکی سے اندر جا رہی تھی اس میں اس کا انگ انگ اس میں ڈھل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں غنودگی کے طور پر نیم وا تھیں۔ ذرا دور سے دیکھنے پر دھوکا ہوتا تھا وہ سو رہی ہے۔

رات اور پھر چاندنی رات...... چاندنی اور رات میں عورت کا حسن و شباب بجلی بن جاتا ہے۔ میں کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتا کبھی زمین کے اس چاند کو...... جب مجھے گوپی ناتھ اپنے پاس لے کر آیا اور اس نے رادھا کو جب یہ بتایا کہ میں دو ایک دن ٹھہروں گا تب رادھا جیسے کھل اٹھی تھی۔ وہ مجھ سے جلد ہی بے تکلف ہوگئی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ مجھے پیاسی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ جب بھی اس سے نظریں چار ہوئی تھیں اس کی نظروں میں لگاوٹ سی محسوس ہوئی۔ میں اس سے نظریں چار کرتے ہوئے کترانے لگا۔ میں اس بات سے بھی خائف تھا کہ اگر گوپی ناتھ نے نظروں کی چوری اور نظروں کا ایک دوسرے میں پیوست ہوجانا محسوس کرلیا تو وہ کیا محسوس کرے گا۔ لیکن وہ اس قدر سادہ لوح تھا جیسے بھگوان کی گائے، میں نے دل کو سمجھایا تھا کہ رادھا کی طرف بار بار دیکھنے سے مجھے باز رہنا چاہئے۔ وہ مجھ پر حاوی ہونے اور اسیر بنانا چاہتی ہے۔ لیکن ایسا کیوں؟ میں اس کے شوہر کے مقابلے میں کچھ بھی تو نہیں ہوں۔ میں اپنے آپ سے لڑتا اور اسے

کن انکھیوں سے دیکھنے پر مجبور ہو جاتا۔ وہ کوئی ساحرہ ہی تھی جس نے مجھ پر جادو کر دیا تھا۔ عورت کے حسن و شباب، اس کی بھرپور جوانی، خوب صورت اور تراشیدہ جسم سے بڑا جادو دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ یہ جادو تھا کہ مجھے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

اس نے اپنی خواب گاہ کا دروازہ کھلا رکھا ہوا تھا۔ اسے بھیڑا تک نہیں تھا اور پھر وہ شب خوابی کے لباس میں تھی اس کا مطلب واضح تھا۔ میں نے سوچا۔ اس کی خواب گاہ میں چلا جاؤں۔ وہ تعرض نہیں کرے گی۔ میں بھی ایک جوان، صحت مند اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ نہیں...... گو کہ گوپی ناتھ سے میری چند گھنٹوں کی دوستی تھی۔ اس نے مجھ پر اعتماد کیا تھا۔ اس کی بیوی ایک امانت تھی۔ اس امانت کی حفاظت میری ذمے داری تھی۔ مجھے زیب نہیں دیتا ہے کہ میں اس کی بیوی کی عزت پر ڈاکہ ماروں۔ امانت میں خیانت کروں۔

میں اپنے آپ کو اسے دیکھنے سے باز نہیں رکھ سکا۔ دودھیا چاندنی میں وہ نہا رہی تھی...... طلوع آفتاب کو کھلے ہوئے پھول کو اور نگینے کی طرح چمکتے ہوئے حسن کو ہر آنکھ دیکھتی ہے۔ ایک اوباش بھی دیکھتا ہے اور ایک سادھو، سنیاسی بھی دیکھتا ہے، آنکھ کو بینائی اور نظارے کو پذیرائی قدرت کے قانون نے دی ہے، اس سچائی سے کون انکار کرسکتا ہے۔

مگر میں اس سچائی سے کترا رہا تھا اور اسے چھپ چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ اس وقت میں یہ سوچ سوچ کر دیکھ رہا تھا ایسا حسین و دلکش نظارہ بار بار کہاں دیکھنے کو ملتا ہے اور پھر وہ بستر پر دراز ہو کر سو گئی ہے۔ اگر میں اسے نظر بھر کے دیکھ بھی لوں تو اسے خبر نہ ہوگی۔ اگر خبر ہوگی تو وہ کیا کہے گی۔ اگر اس نے میری نظروں کی چوری پکڑ لی تو میں اس سے کہوں گا کہ میں چودھویں کے چاند کو دیکھ رہا ہوں۔

چند لمحوں کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ ادھ کھلی آنکھوں سے مجھ چور تماشائی کو دیکھ رہی ہے، دل ہی دل میں مسکرا بھی رہی ہے۔ عورت فلسفی نہیں ہوتی۔ دانشور نہیں ہوتی، کیوں کہ اس کی تخلیق آدم کے پہلو سے ہوئی تھی۔ اس لئے وہ آدم شناس ہوتی ہے اور اس لئے وہ کھڑکی سے جھانکنے والے ابن آدم کو غیر محسوس انداز میں دیکھ رہی تھی۔ بلکہ سمجھ چکی تھی۔

پھر میں کھڑکی سے ہٹ کر ایسی جگہ کھڑا ہوگیا جہاں سے میں اسے اور اس کی حرکات و سکنات کو دیکھ سکتا تھا۔ لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ میں اس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا ہوں تو اس نے اپنی پوری آنکھیں کھول دیں۔ وہ بے چینی سے خالی کھڑکی کو دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا تھا...... میں کہاں گیا...... میں کہاں چلا گیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اپنی خواب گاہ سے صحن میں آ گئی۔ جب میں اپنے کمرے کی طرف جانے لگا تو اسے جیسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''آپ کس لئے ہنس رہی ہیں؟'' میں نے رک کر اس سے پوچھا۔ ''اس میں ہنسنے کی کون بات ہے۔ میں سونے جا رہا تھا۔''

''میں آپ پر ہنس رہی ہوں......'' وہ دل کش انداز سے مسکرائی۔ ''آپ کیا مجھے نظر انداز کر کے نہیں جا رہے ہیں؟''

''نہیں...... ایسی بات نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں جب سے آیا ہوں تب سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا آپ اپنے کو دنیا کی سب حسین عورت...... یعنی حور پری سمجھ رہی ہیں جو ایک مرد دیکھتے رہنے پر مجبور ہو جائے، میں نیند نہ آنے پر آیا تھا۔ اب اس لئے جا رہا ہوں کہ نیند آ رہی ہے۔''

''میں خوبصورت ہوں...... میں بہت زیادہ نہ سہی لیکن اس حد تک خوب صورت اور پرکشش ضرور ہوں کہ کوئی مجھے دیکھے۔ آپ فطری تقاضوں سے انکار کر رہے ہیں۔ اپنے آپ سے لڑ رہے ہیں، آپ اپنے دل کو سمجھا رہے ہیں کہ میں خوب صورت نہیں ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ دیوا صاحب!...... آپ سورج کی تپش محسوس کر رہے ہیں اس لئے کہ وہ جل رہا ہے، اس کی گرمی آپ تک پہنچ رہی ہے۔ جل تو میں بھی رہی ہوں...... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے بدن کی آنچ مرد تک نہ پہنچے۔ آپ فطرت کے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے جو کچھ بھی کہا تھا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے سچ ہی کہا تھا۔

''آپ اس درخت کو دیکھ رہے ہیں جو زمین کی تہہ میں جکڑا ہوا ہے۔'' وہ مجھے خاموش پا کر اس درخت کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔ ''یہ آندھی طوفان کا سہارا لے کر خود کو زمین کی گرفت سے آزاد کرانا چاہتا ہے۔ ہوا کی زد میں ادھر سے ادھر مچلتا ہے۔ اس کی شاخیں تڑپتی ہیں پتیاں شور مچاتی ہیں۔ یہ جتنی جدوجہد کرتا جاتا ہے اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔ پھیلتا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ کے دل میں جو چور جذبات جکڑے ہوئے ہیں آپ آندھی بن کر انہیں مٹانے کی کوشش کرو پھر بھی وہ بڑھتے جائیں گے۔ مچلتے اور پھولتے جائیں گے۔ آپ فطرت سے بغاوت نہیں کر سکتے۔ اس حقیقت کے سامنے جھکنا ہی پڑے گا۔''

میں اس کی باتیں سن کر گم صم کھڑا رہا۔ میں اپنی باطنی کمزوری کو ششوں کو ٹٹولتا رہا۔ رادھا کے خاموش ہوتے ہی اس کا سحر ٹوٹ گیا۔ میں سنبھل کر بولا۔

''آپ...... آپ کی یہ باتیں آپ کے پتی نے سن لیں تو...... تو...... کیا اسے دکھ اور افسوس نہیں ہوگا؟''

''وہ بے حد سادہ لوح ہے...... وہ سادہ لوح ہی رہے گا۔ آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کو صدق دل سے اپنا دوست بنانا چاہتی ہوں۔ کوئی ایسی سہیلی نہیں بن سکتی جو ہم راز ہو سکے۔ ہاں۔ میں نے آپ کو دوست کے لائق جانا ہے۔ ایک ہمراز دوست۔''

''آپ شاید یہ بات نہیں جانتی ہیں کہ مرد کی دشمنی اتنی مہنگی نہیں پڑتی جتنی عورت کی دوستی۔'' میں نے کہا۔ ''میں ایک مسافر ہوں۔ آپ کے ہاں دو ایک دن مہمان ہوں...... یہ دوستی ہونا ناممکن ہے۔ آپ اس کا خیال دل سے نکال دیں۔''

اتنا کہہ کر میں کمرے میں جانے کے لئے اٹھا تا کہ باتوں کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ کہیں گوپی ناتھ نہ آ جائے۔ ''دیوا صاحب!......'' رادھا کے پکارنے میں ایسی التجا اور مٹھاس تھی کہ میرے قدم رک گئے۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''سونے کے لئے......؟'' میں نے کہا۔ ''اب چل کر سو جانا چاہئے۔ رات بھیگتی جا رہی ہے۔ آپ بھی جا کر سو جائیں۔''

میں نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ اپنے کمرے میں آ گیا۔ میں بستر پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں کھڑکی سے چاندنی جھانک رہی تھی۔ نیند کا کوسوں پتا نہیں تھا۔ میرے چشم تصور میں رادھا بار بار آ کر انگڑائی لے رہی تھی، کلی کی طرح چٹک رہی تھی۔ پھول کی طرح مسکرا رہی تھی دل کی دھڑکنوں میں دھماکے کی طرح بج رہی تھی...... اس کے تصور نے نیند ہی اڑا دی تھی۔

وہ جو صحن میں آئی تھی اور میں اس سے بات کر کے کمرے میں جو آیا تھا تب سے اس کے خیال سے پیچھا چھڑا رہا تھا۔ میں نے نفرت کی اور اسے دشمن کی نظروں سے دیکھا۔ میں نے اس حقیقت کو جھٹلایا کہ وہ حسین نہیں ہے۔ جوان نہیں ہے۔ میں نے اس کے تصور سے بچاؤ کی کتنی ہی تدبیریں کیں۔ لیکن وہ ناگن کی طرح اب بھی میری سوچ میں آ کر مجھے ڈس رہی تھی۔ زہر کی طرح دماغ کی رگ رگ میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔ پھر میں بستر سے اتر کر بڑے اضطراب سے ٹہلنے لگا۔ ٹہلنے کے دوران میرے قدم دھماکے سے فرش پر پڑ رہے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں اندر کے منہ زور جذبوں کو قدم قدم پر کچل رہا ہوں۔

میں کبھی ٹہل رہا تھا اور کبھی رک کر دیوار کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ایک بار مجھے یوں لگا جیسے رادھا دیوار کے پار سے اپنی مرمریں سڈول باہیں پھیلائے میری طرف آ رہی ہے۔ میں نے بھی بے اختیار اپنے دونوں بازو پھیلائے۔ پھر مجھے فوراً ہی اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ پھر میں دیوار سے منہ پھیر کر بستر پر آ گیا۔ ''گوپی ناتھ! یہ تم نے مجھے کس امتحان میں ڈال دیا ہے۔''

میں بستر سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ میں نے برابر والے کمرے میں جھانکا...... چاپیں

سنیں۔جیسے رادھا ٹہل رہی ہو۔ایک جوان عورت......کوئی روکنے والا نہیں تھا۔کوئی ٹوکنے والا نہیں تھا۔راستہ صاف اور سیدھا تھا، میں نے دروازے کو بھیڑا ہوا تھا۔دروازے کی طرف بڑھا......

اس وقت رادھا دروازہ کھول کر سامنے آ گئی تو میں ٹھٹک کے رک گیا۔مجھے جیسے یقین نہیں آیا۔آگ جیسے دونوں طرف لگی ہوئی تھی۔شب خوابی کے لباس میں اس کا بدن شعلے کی طرح آنچ دے رہا تھا۔وہ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

''آپ میرے پاس آرہے تھے نا......؟ میں جانتی تھی۔آپ ضرور آئیں گے؟''

''نہیں......میں صحن میں جارہا تھا۔کمرے میں نیند نہیں آرہی تھی۔'' میں نے جھوٹ بولا۔ ''باہر موسم بہت اچھا ہے۔''

رادھا زیر لب مسکرادی۔''میں جارہی ہوں......آپ میرے پاس آؤ گے......آپ کی زبان جھوٹ بول رہی ہے......لیکن آپ کی آنکھیں سچ کہہ رہی ہیں۔آپ سچ بولتے ہوئے ڈر کیوں رہے ہیں؟ آپ تو مرد ہیں۔''

ہم دونوں کی نظریں ایک دوسرے میں پیوست ہوگئی تھیں۔وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔میں اسے دیکھے جارہا تھا۔میں نے محسوس کیا کہ میرے چہرے سے میری کمزوری عیاں ہورہی ہے۔میں نہ تو نظریں جھکا سکتا تھا نہ چرا سکتا تھا وہ خود ہی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

میں چند لمحوں کے بعد سحر زدہ سا اس کے دروازے کی دہلیز پر کھڑا ہوا تھا۔''کیا تمہیں اپنے پتی سے محبت نہیں ہے؟''

''محبت تو ہے۔'' وہ بولی۔''لیکن وہ ایسا پتی ثابت نہ ہوسکا جیسا ایک عورت چاہتی ہے۔ آجاؤ۔ہم باتیں کرتے ہیں۔''

بعض اوقات جذبات کی افراتفری میں ایسی دوغلی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔سمجھ میں نہیں آتا کہ دل کدھر جارہا ہے اور دماغ کدھر جارہا ہے۔ممتا کے قدم کہاں پڑ رہے ہیں......اور عورت کے پاؤں کہاں پھسل رہے ہیں۔

جب میں اس کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ میرے قریب آئی۔وہ میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر سانسوں کے قریب لے آئی۔میں نے بڑی کمزوری سی مزاحمت کی۔''یہ دوستی نہیں ہے رادھا! تم بہک رہی ہو۔ہوش میں آؤ۔''

''گوپی ناتھ نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی......اس لئے میرے دیوا......! میں آپ سے محبت کررہی ہوں۔مجھے پیار کرو۔ایسا پاکیزہ بوسہ لو جو کبھی غلیظ نہیں ہوتا......جو آئینے کی طرح صاف وشفاف ہوتا ہے......جو دودھ کی طرح اجلا اور میٹھا ہوتا ہے......میرے ہونٹوں کو اس طرح

چھولو کہ دوستی کی ابتداء اور محبت کی انتہا ہوجائے۔''

میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بات پر عمل کروں۔اس لئے کہ بات آگے بڑھ جاتی۔اتنی آگے کہ واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔لیکن اس نے میری پیش قدمی کا انتظار نہیں کیا۔اس نے خود ہی پہل کردی۔وہ میرے چہرے پر بے اختیار جھک گئی۔

ہم دونوں کے ہونٹ بڑی آہستگی اور نرمی اور گرم جوشی اور والہانہ انداز سے ملے جیسے مصافحے کے لئے دو ہاتھ خلوص سے ملتے ہیں۔اس بوسہ کی ابتدائی پاکیزگی میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن پھر اس پاکیزگی اور خلوص میں سانسوں کی گرمی گھلنے لگی۔

بس اتنا سا ہوا تھا کہ......شفاف آئینے میں ذرا سا بال آ گیا تھا۔

دودھ میں ذرا سا پانی مل گیا تھا......وہ بوسہ ایک ضدی بچے کی طرح مچلنے لگا۔

وہ بوسہ انسانی تاریخ کی ابتداء سے شجر ممنوع کے سائے سے رینگتا رینگتا ہمارے لبوں تک آیا تھا......اس لئے منہ زور جذبات کی طرح لب بہ لب پھڑ پھڑانے لگا تھا......

ہم دونوں شجر ممنوعہ کی گھنی چھاؤں میں تھے......وہ شجر ممنوعہ جس کی جڑیں سورگ آسمانی میں ہیں......اور جس کا سایہ سورگ ارضی پر پھیلتا ہے......اور جس کے سائے میں بنت حوا اور ابن آدم آج بھی جلتے ہیں......یہ الگ بات ہے کہ وہ اس جلن کا اظہار نہیں کرتے ہیں......اخلاق اور تہذیب کی پابندیوں میں چور جذبوں کو چھپائے پھرتے ہیں۔میں نے دیوانہ وار ان جذبوں کو جذب کرتے ہوئے کہا۔

''رادھا! یہ تم نے کیا کیا......؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم میرے دل کے چور کو پکڑلوگی۔اب ہم دونوں صرف مرد اور عورت ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے......کیا میں گوپی ناتھ سے نظریں ملاسکوں گا جو تمہارا دیوتا......''

رادھا کے ہونٹوں نے میرے لبوں کو بولنے نہیں دیا۔اس نے ایک زہریلی ناگن کی طرح مجھے ڈس لیا۔ہم دونوں ساری رات لمحے بھر کے لئے نہیں سوئے۔رادھا نے اور طوفانوں نے ہمیں سونے نہیں دیا تھا۔ساری رات ہم نے ایک دوسرے کے قرب اور محبت بھری باتوں میں کاٹ دی تھی۔میں تو اپنے سینے میں ایک پھانس سی گڑی محسوس کررہا تھا۔میرا ضمیر ملامت کررہا تھا۔لیکن میں نے رادھا کی باتوں اور اس کے بشرے سے محسوس کیا تھا۔اس کی نشیلی اور گہری آنکھوں سے بھی......اسے کسی بات کا دکھ اور پچھتاوا نہیں ہے۔ندامت نہیں ہے۔شرمساری بھی نہیں ہے کہ اس نے اپنے سادہ لوح پتی کو دھوکا دیا۔فریب دیا۔اس کی آنکھوں میں دھول جھونکا اور اس کے اعتماد کو روند دیا۔بہت بری طرح کچل کر رکھ دیا۔میری جھولی میں ایک پکے پھل کی

طرح ٹپک پڑی۔ عورت کتنی فریبی ہوتی ہے۔ وہ مرد کو بے وقوف بنانا ہو، دھوکا دینا ہو تو کتنی آسانی سے دے دیتی ہے۔

جانے کیا بات تھی کہ میں نے اس کے ذہن کو پڑھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ شاید اس لئے کہ میرے دل کے کسی کونے میں اسے پانے کے لئے چور چھپا ہوا تھا۔ اس کے حصول کی خواہش تھی۔ شاید اس لئے بھی اس کے حسن کی کرشمہ سازیوں نے مجھے ورغلایا تھا۔ بہکایا تھا۔ میں ایک مرد تھا۔ برف کا تودہ تھا نہیں...... میں نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ آج کی رات سرخرو ہونا چاہتی ہے۔ ایک مرد کو فتح کرنا چاہتی ہے۔ آخر کار اس نے مجھے فتح کرلیا تھا۔ اپنا سب کچھ سونپ کر مجھے پالیا تھا۔ آلودہ ہوکر اس پر ایک عجیب سی سرشاری طاری تھی۔ ذرا سا بھی ملال نہیں تھا۔ ساری رات وہ جوانی کے جنگل میں مجھے لئے پھرتی اور گھومتی رہی۔ راستہ بھول جاتا تو رہنمائی بھی کرتی تھی۔ صبح کا اجالا پھیلنے لگا۔ میں اس کے کمرے سے نکل آیا۔ اس نے شب خوابی کا لباس تہہ کر کے الماری میں رکھ دیا۔ پھر اس نے بستر اور اس کی چادر کی شکنیں درست کیں جو ساری رات کا فسانہ سنا رہی تھیں۔

کھلی فضا میں آکر میرا سارا جسم مستی اور مسرتوں کی فراوانی سے ٹوٹنے لگا۔ میرا دماغ ہوا بھرے ہوئے غبارے کی طرح فضا میں بلندیوں کی طرف اڑا جارہا تھا۔ چلتے وقت یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے ہوں۔ اس کا لمس میرے وجود میں رچ رہا تھا۔ میں نے صحن میں کھڑے ہوکر اس کے کمرے کی کھڑکی سے اندر جھانکا۔ وہ سنگھار میز کے بڑے آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ سیاہ رنگ کی ساڑھی اور اسی رنگ کا بلاؤز جو بغیر آستینوں کا تھا اس کا گلا آگے اور پیچھے سے بے حد کھلا ہوا تھا اس میں ملبوس تھی۔ اپنے لانبے گھنے سیاہ ریشمی بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ اس میں جو سوندھی سوندھی خوشبو تھی وہی خوشبو اس کے وجود میں بسی تھی۔ جب میں اس کے کمرے میں گیا تو اس نے کنگھی رکھ دی تھی اور اپنی شانوں پر زلفوں کو بکھیر دیا تھا۔ چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا اور ستارہ آنکھیں نیند کے بوجھ سے نیم وا تھیں۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور امرت بھرے لہجے میں پکارا۔ ''ویوا......! ادھر آؤ۔''

جب میں اس کے قریب گیا تو اس نے تیکھی تیکھی نظروں سے میری آنکھوں میں جھانکا اور محبت بھرے لہجے میں بولی۔

''تم چلے جاؤ گے تو میں صبح سے شام کیسے کروں گی......؟ یہ تم نے سوچا۔ تمہارے پیار نے مجھے پاگل بنادیا۔ یہ کیا کیا تم نے......؟''

''وقت تو گزر جاتا ہے اور یہ صبح و شام بھی گزر جائیں گے۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے بھی تو مجھے پاگل بنادیا ہے رادھا!''

پھر میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کرلیا اور سہارا دیتا ہوا کھڑکی کے پاس لے گیا۔ اس نے میرے کندھے پر اپنا سر رکھ لیا تھا۔ صبح کی تازہ اور خنک ہوا ہمارے چہروں کو چھو رہی تھی۔ ہماری سانسوں اور ہونٹوں کو بھی چوم رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک ہم دونوں ایک دوسرے کی سانسوں میں الجھے رہے۔ میں نے کہا۔ ''بس اب رہنے دو۔ تمہارا پتی آتا ہوگا۔ اس کے لئے بھی کچھ بچا کر رکھو۔''

''تم اس کا نام نہ لو اور نہ ہی اس کی کوئی فکر کرو...... اپنی بات کرو۔ میں تمہیں کسی بات کی کمی کا احساس نہ ہونے دوں گی۔ بہر حال میں تمہارا خیال رکھوں گی۔ سیوا کروں گی...... تم ایک بار پھر مجھ سے کہو میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم نے رات کہا تھا نا......؟''

''میں تمہیں کسی بھی دوشیزہ کے مقابلے میں پسند کرتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے اندازہ نہ تھا کہ تم مجھے اتنا متاثر کروگی؟''

''صرف پسند کرتے ہو......'' وہ میٹھی ناراضگی سے بولی۔ ''محبت نہیں کرتے جبکہ میں تم پر بدلی بن کر برستی رہی ہوں۔''

''محبت کرتا ہوں...... محبت کرتا ہوں...... اب تو یقین آگیا نا......؟'' میں نے کہا۔ ''لیکن رادھا! میں تمہیں شاید کبھی بھول سکوں۔ یہ تم نے اظہار محبت تو کرادیا۔ لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ میں کسی بھی وقت یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''ہاں...... میں نے سوچا اور جانتی ہوں۔'' وہ کہنے لگی۔ ''میں تم سے ایک پرارتھنا کرنا چاہتی ہوں۔ تم مجھے مایوس تو نہیں کروگے؟''

''کیسی پرارتھنا!......؟'' میں نے اپنی سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کردیں۔ ''کہو کیا بات ہے۔ اجازت لینے کی ضرورت کیا؟''

''میں یہ چاہتی ہوں کہ ہم دونوں چھ سات دن تک ایسی ہی راتیں ساتھ گزاریں۔'' وہ بولی۔ ''تم یہاں رہ جاؤ...... پلیز!''

''مگر تمہارے پتی کی موجودگی میں ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟'' میں نے کہا۔ ''یہ ناممکن سی بات ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا رادھا!......''

''کیوں نہیں ہوسکتا؟'' وہ دلکش انداز سے مسکرادی۔ ''گوپی ناتھ نیند کی گولیاں کھا کر بے ہوشی کی نیند سوجاتا ہے اس سے ہم فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ صبح نو بجے سے پہلے بیدار نہیں ہوتا ہے اور پھر تم مہینے میں ایک دو مرتبہ ممبئی سے آجایا کرنا......''

میں قبل اس کے کہ اس سے کچھ کہتا باہر ٹیکسی رکنے کی آواز آئی۔ میں اپنے کمرے میں آکر

بستر پر دراز ہو کر سوتا بن گیا۔ گوپی ناتھ اس کے کمرے میں جا کر اس سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا۔
وہ میرے کمرے میں آیا۔ مجھے بیدار کیا۔ پوچھا۔ ”رات نیند کیسے آئی؟“

”بہت اچھی آئی ......“ میں نے جواب دیا۔ ”تمہارے جانے کے بعد اب تک سو رہا ہوں۔
اب تمہارا دوست کیسا ہے؟“

”بروقت طبی امداد اور آپریشن سے اسے ایک نئی زندگی مل گئی۔“ گوپی ناتھ نے کہا۔ ”چلو فوراً
تیار ہو جاؤ۔ رادھا ناشتہ تیار کر رہی ہے۔“

ناشتہ کرنے کے بعد رادھا نے برتن سمیٹے، انہیں دھویا، ہم دونوں کو چائے لا کر دی اور گوپی
ناتھ سے بولی۔

”میں ماں کے ہاں میں جا رہی ہوں۔ کل نہ جا سکی تھی۔ ابھی نو بج رہے ہیں۔ گیارہ بجے تک
آ کر دوپہر کا کھانا بنا دوں گی......“

رادھا چلی گئی۔ دو ایک گھنٹے کے لئے سہی۔ لیکن اپنی مہک چھوڑ گئی تھی۔ وہ ساری رات مجھ
ہی تو رہی تھی۔ گوپی ناتھ میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک سادہ لوح شریف آدمی جس کے اعتماد کی
میں نے دھجیاں اڑا دی تھیں۔ امانت میں خیانت کی تھی۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا تھا۔ میں اس
کے سامنے نادم سا بیٹھا تھا۔ لیکن اس خیانت میں میرا کوئی دوش نہ تھا۔ رادھا نے مجھے ورغلایا، بہکایا
اور بہت دور لے گئی تھی۔ مجھے اس کی توقع نہیں تھی کہ ایک عورت اپنا سب کچھ ایک اجنبی مرد کو
سونپ سکتی ہے اور ایک شخص جس سے دوستی چند گھنٹوں کی تھی اپنے گھر میں اندھا اعتماد کر کے اپنی
بیوی کو جو بہت حسین اور جوان تھی چھوڑ سکتا ہے۔

تاہم میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں کسی بہانے یہاں سے چل دوں گا۔ رادھا جو چاہتی تھی
میں نہیں چاہتا تھا۔ یہ کوئی اچھی بات نہ تھی۔ میں سخت متعجب تھا کہ رادھا کیوں غلط راستے پر چل نکلی
جبکہ وہ ایک اچھی بیوی اور وجیہہ پتی کی جیون ساتھی تھی۔

”دیوا صاحب!......“ اس نے چائے سپ کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے مجھ پر جو دیا کی ہے میں
چاہتا ہوں کہ ایک دیا اور کریں۔“

”کیسی دیا...... گوپی ناتھ صاحب!......؟“ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”آپ حکم کریں۔ میں تیار ہوں...... لیکن وہ دیا نہیں ایک دوستانہ حق ہو گا...... میں نے ٹرین میں
جو کچھ کیا تھا وہ دیا نہیں تھی۔ آپ اسے دیا یا احسان نہ سمجھیں۔“

”لیکن میری ایک شرط ہے کہ آپ کو وچن دینا ہو گا۔“ گوپی ناتھ نے جواب دیا۔ ”آپ اس
وچن کو ہر طرح سے نبھائیں گے۔“

”میں وچن دیتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”ایسی کیا بات ہے جو آپ مجھ سے وچن لینا چاہتے
ہیں۔ میں بغیر وچن کے بھی راز داری برت سکتا ہوں۔“

”بات یہ ہے کہ میری شادی کو چھ برس کا عرصہ ہو رہا ہے۔“ گوپی ناتھ کہنے لگا۔ ”ہماری کوئی
اولاد نہ ہو سکی۔ میرے والدین جو ممبئی شہر میں رہتے ہیں ان کی خواہش ہے کہ میں صاحب اولاد
ہو جاؤں۔ میرے والدین نے کہا کہ میں رادھا کا ٹیسٹ کراؤں۔ ان کے خیال میں رادھا بانجھ
ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں رادھا کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لوں۔ میں تو رادھا کو طلاق
دینے اور اس سے جدائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے
ہیں۔ میں رادھا کے لئے اپنی جان کی بھینٹ تک دے سکتا ہوں۔ اسے ایک عورت ہونے کے
ناتے ماں بننے کی بڑی خواہش ہے۔ یہ ہر عورت کو ہوتی ہے...... وہ ماں کیوں نہ بن سکی۔ میں آپ
کو بتاتا ہوں۔ وہ شادی کے بعد سے اب تک کنواری ہے۔ اس لئے کہ......“ وہ لمحے کے لئے رکا۔
پھر اس نے قدرے تذبذب سے کہا۔ ”اس لئے کہ اس کی وجہ میں ہوں...... میں سراب ہوں۔
رادھا جن حالات میں میرے ہاں آئی تھی وہ ایک لمبی کہانی ہے۔ میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ
میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ میں سراب ہوں لیکن وہ نہ مانی...... کیوں کہ وہ اس وقت بے
حد جذباتی تھی۔ اسے ایک مرد کا سہارا چاہئے تھا۔ میں نے بہت سوچا، کیا کروں، میں ممبئی بھائی
سے رقم لینے گیا تو میرے بھائی نے بھی کہا تھا کہ میں تمہیں ایک برس کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر اس
عرصے میں رادھا ماں نہ بنی تو تمہیں اسے طلاق دینا ہو گا۔ ٹرین میں آپ سے ملاقات ہوئی تو
میرے ذہن میں ایک پرانا خیال آیا...... میں نے رادھا سے دو برس پہلے کہا تھا کہ تم کسی جوان
لڑکے سے تعلقات استوار کر لو۔ اس طرح تم اس کے بچے کی ماں بن جاؤ گی۔ لیکن رادھا کسی وجہ
سے اس کے لئے تیار نہ ہوئی۔ جب میں ممبئی جا رہا تھا تب اس نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ ممبئی سے
اپنے کسی دوست کو کسی بہانے یہاں لے آئیں۔ ٹھہرائیں۔ میں اس سے تعلقات استوار کر لوں
گی۔ کیسا ہی پارسا مرد کیوں نہ ہو وہ میرے بدن کی مار نہ سہہ سکے گا۔ جب تک تین بچوں کی میں
ماں نہ بن جاؤں اس وقت تک یہ کھیل جاری رہے گا۔ لیکن عزت اور راز داری کے ساتھ...... گو کہ
یہ ایک گھناؤنا کھیل ہے۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں ہے۔ میں تمہیں کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتی
ہوں۔ یہ تجویز بڑی مناسب تھی۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہاں چھ سات دن قیام کریں۔
میں راتوں کو کسی نہ کسی بہانے سے کہیں چلا جایا کروں گا۔ اس کی پڑوسیوں اور محلے والوں کو خبر بھی
نہ ہو سکے گی...... آپ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک رادھا امید سے نہیں
ہو جاتی۔ ممبئی سے ہر ماہ آپ سات آٹھ دنوں کے لئے آ جایا کریں۔ آپ کی مجھ پر اور رادھا پر

بڑی کرپا ہوگی۔ کیوں کیا خیال ہے؟"

میں اس کی یہ بات بڑی خاموشی اور غور سے سنتا رہا۔ میں اسے کیا بتاتا کہ رات میں رادھا کی زندگی میں پہلے مرد کی حیثیت سے رات گزار چکا ہوں۔ رادھا کے لئے یہ رات سہاگ کی پہلی رات کی طرح تھی...... اب میری سمجھ میں آیا کہ رادھا کیوں مجھ پر مہربان ہوئی تھی۔ اس میں جو وارفتگی تھی وہ کس لئے اور کیوں تھی۔ میں نے گوپی ناتھ سے حامی بھرلی تو وہ بہت خوش ہوگیا۔

مجھے اس بات سے بڑا دکھ اور افسوس ہوا کہ میں نے اپنی پوشیدہ صلاحیت سے کام کیوں نہیں لیا......؟ میں نے رادھا اور گوپی ناتھ کا ذہن کیوں نہیں پڑھا...... دوپہر کے کھانے کے بعد گوپی ناتھ نے اس سے رات کا احوال دریافت کیا تو رادھا نے اس سے کہا تھا کہ...... میں نے تمہارے دوست کو اپنے جسم اور حسن وشباب کا اسیر بنالیا ہے۔ اب وہ میرے بغیر رہ بھی نہیں سکتا...... میں سہ پہر کے وقت کرن کمار کے ہاں جانے کے بہانے نکلا، کرن کمار سے مل کر کہا کہ گوپی ناتھ یا کوئی بھی شخص میرا پتا اور فون نمبر مانگے تو مت دینا۔ پھر میں ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ پھر میں پونا سے ممبئی جانے والی ٹرین میں سوار ہوگیا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ رادھا جیسی عورت کا ساری زندگی غلام ہو جاتا۔ میں اپنی غلطی اور نادانستگی میں شکار ہوگیا تھا۔ لیکن وہ رات اور رادھا کو میں بھول نہیں سکتا تھا۔

☆......☆......☆

میں نے مدراس چنائے کی بندرگاہ کے ہوٹل میں کمرا لیا ہوا تھا۔ میں یہاں جس مہم کو سر کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ وہ نہ صرف بے حد پر اسرار، بے حد اہم اور خطرناک بھی تھی۔ مہم کوئی سی ہو جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلنا پڑتا ہے۔ یہ مہم میرے علاوہ شاید ہی کوئی اور انجام دے سکتا تھا۔ کیوں کہ ایک تو میں ایسی پوشیدہ صلاحیت کا مالک تھا جس سے مقابل کا ذہن پڑھ کر اس کے ارادوں اور عزائم سے پل بھر میں واقف ہو جاتا تھا۔ یہ ایک راز تھا کہ میں ٹیلی پیتھی کا ماہر ہوں۔ اسے میں نے صرف اپنی ذات تک محدود رکھا ہوا تھا۔ اس لئے میں جس مہم پر نکلتا اور کام میں ہاتھ ڈالتا تھا کامیابی میرے قدم چومتی تھی۔ لیکن صرف اس ایک صلاحیت سے کام نہیں چلتا ہے۔ میں اور بھی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ میں نے زیرزمین کمانڈو کی تربیت حاصل کی ہوئی تھی اس کے علاوہ بھی کئی کاموں میں باصلاحیت اور ماہر تھا۔ ایک پرائیویٹ جاسوس کو سب کچھ سیکھنا پڑتا ہے۔ میں ایک سیکرٹ ایجنٹ سے کم نہیں تھا۔ اس لئے خطرناک مہمیں میرے سپرد کی جاتی تھیں۔ مجھے اس کا جو معاوضہ ملتا تھا اور میں وصول کرتا تھا وہ بہت زیادہ تھا۔ میں نڈر اور بہادر بھی تھا۔ ہرفن مولا تھا۔ کون سا ایسا کام تھا جو مجھے نہیں آتا تھا۔ میں جیب تراشی کے فن میں ماہر تھا پورے ممبئی شہر میں شاید ہی

کوئی ہو۔ میں استادوں کا استاد تھا۔

مدراس جس کا نام بدل کر چنائے رکھ دیا تھا اس کا شمار نہ صرف ہندوستان کے بڑے شہروں میں بلکہ دنیا کے بھی بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا اس شہر کو انگریزوں نے بڑی ترقی دی تھی۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد اس صوبے نے جو ترقی کی تھی وہ مثالی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کی بندرگاہ بہت قدیم اور بڑی بھی تھی۔ ساری دنیا سے یہاں جہاز آتے رہتے تھے۔

تامل ناڈو صوبے کا یہ شہر چنائے میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میں اس سے پہلے بھی آچکا تھا اور آتا رہتا تھا۔ چوں کہ ابھی اسی مہم کے آغاز میں کچھ دنوں کی دیر کسی وجہ سے تھی اس لئے میرے پاس وقت ہی وقت تھا۔ سب سے زیادہ مشکل اکیلے شخص کا وقت کاٹنا ہوتا ہے۔ میں ایک ایسا شخص تھا کہ جو نچلا نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ مجبوری تھی کہ میں کسی نہ کسی طرح وقت گزاری کروں۔

یوں تو وقت گزاری کے لئے تفریح طبع کا سامان بہت تھا۔ عورت...... کوئی نوجوان حسین لڑکی...... قمار خانے...... تاریخی مقامات بھی تھے۔ لیکن میں ابھی عورت سے دور رہنا چاہتا تھا۔ ایک عورت کے ساتھ رات تو گزاری جاسکتی ہے دن نہیں۔ میں قمار خانے میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ وقت گزاری کے لئے کیا کروں۔ میری نظروں کے سامنے پیراکی کا تالاب تھا۔ جہاں عورتوں کا جلوہ تھا۔ میں جس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ سب سے بہترین فائیو اسٹارز تھا۔ یہاں مسافروں کی تفریح کا بہت سامان تھا۔ عورت سے کہیں حسین اور دل کش نظارہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ کھڑکی میں کھڑا ہوا ان عورتوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔ عورتیں جو ہمیں مفت کی تفریح کا سامان بہم پہنچاتی رہتی ہیں۔ دنیا میں اس سے اچھی اور مفت کی تفریح کوئی نہیں ہے۔

کچھ دیر تک اپنی آنکھیں سینکنے کے بعد میں نے سوچا کہ اتنی دور سے کیا نظارہ کروں۔ پھر میں انہیں بہت قریب سے دیکھنے، نہانے اور بوریت دور کرنے کے خیال سے ہوٹل کے پیراکی کے تالاب کی طرف چل دیا۔ یوں بھی نہانے اور تیرنے میں خاصا وقت صرف ہو جاتا ہے۔ تالاب میں اور اس کے کنارے مرد اور جل پریاں موجود تھیں۔ ان پریوں کے سنسنی خیز، دل کش اور دل کو گرما دینے والے نظاروں میں ایسا کھویا کہ خود کو فراموش کر بیٹھا۔ ان جل پریوں میں ہر عمر، ہر قامت، جسامت اور رنگ ونسل کی تھیں جو دل پر بجلی گرا رہی تھیں۔ انہیں اس بات کا کوئی خیال، فکر اور احساس نہیں تھا کہ کتنے ان کی بے حجابی اور نیم عریانی سے محظوظ ہو رہے ہیں۔

صرف مغربی معاشرہ ہی نہیں بلکہ دنیا کا ہر معاشرہ جس میں ہندوستانی معاشرہ بھی شامل ہے۔ اتنی تیز رفتاری سے آگے چلا گیا ہے بلکہ چلا جا رہا ہے۔ کسی بے لگام گھوڑے کی طرح بے قابو

ہو گیا ہے۔ اسے رک کر دم لینے کی فرصت ہے اور نہ پیچھے مڑ کے دیکھنا چاہتا ہے اور پھر اسے روکنے ٹوکنے والا بھی کوئی ہے۔ اس کے علاوہ عورت کے فیشن اور بے حجابی کے لئے کوئی قانون بنایا گیا ہے اور نہ ہی بنایا جا سکتا ہے۔

بے حجابی کے جو نظارے تھے ان سے آنکھیں چرانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ انہیں نہ دیکھنا بھی بد ذوقی اور عورتوں کے حسن و شباب کی توہین تھی۔ یہ ایک نمائش تھی۔ ہر عورت ایک اسٹال بنی ہوئی تھی۔ میری نگاہ ایک ایسی ہستی پر مرکوز تھی جو کسی دہکتے آتش فشاں کی مثال تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ شباب کا یہ آتش فشاں کسی بھی لمحے یک لخت پھٹ سکتا ہے۔ اس کے بدن پر بھی پیراکی کا انتہائی مختصر لباس تھا۔ اگر اسے کھلی چھٹی دے دی جائے تو شاید وہ اس کا بھی تکلف نہ کرتی۔ مجبوری تھی جو وہ تکلف کر رہی تھی۔ یا پھر وہ جانتی تھی کہ قانون کی گرفت میں بھی آیا جا سکتا ہے۔

تالاب کا سماں کسی نائٹ کلب سے کم نہیں تھا اور اس عالم میں صرف وہ ایک ہی تو نہیں تھی اور بھی نوخیز عمر کی لڑکیاں اور جواں سال عورتیں بھی تھیں۔ جو بے فکر، بہت حسین، بے حد طرح دار اور پرکشش بھی تھیں۔ لیکن اس شعلہ مجسم میں جو انفرادیت تھی وہ کسی اور میں دکھائی نہ دیتی تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر محسوس کر لیا تھا کہ میں اسے بڑی دیر سے محویت کے عالم میں اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے کوئی کتاب پڑھ رہا ہوں۔ اسے شاید میری یہ حرکت معیوب اور ناگوار سی لگی تھی۔ اس میں ناگواری کی ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جب کوئی کتاب غور اور توجہ سے پڑھتا ہے تو اس کی ایک ایک سطر اور پیراگراف بھی پڑھتا ہے۔ کتاب سرسری پڑھنے اور ورق گردانی کے لئے تو نہیں ہوتی ہے۔ سارا قصور اس کا اپنا تھا جو ایک کھلی کتاب کی مانند یہاں موجود تھی۔

میں نے اس کے چہرے سے اس کی ناگواری اور برہمی کو محسوس کر لیا تھا۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب اس نے میری طرف پیش قدمی کی تو اس کے اس انداز میں بڑا جارحانہ پن تھا۔ اگر اس کے ہاتھ میں پستول ہوتا تو وہ مجھے شوٹ کر دیتی۔ مجھے دن میں تارے نظر آنے لگے۔ میرے لئے فرار کی راہ بھی نہیں رہی تھی۔ کوئی مرد دو دو ہاتھ کرنے آتا تو میں اس کا پرتپاک خیر مقدم کرتا لیکن یہ تو ایک نازک سی عورت تھی۔ میں نے گھبرا کر اس سے نظریں چرا کر آسمان کی طرف نگاہ ڈالی۔ آسمان پر چیلیں اور گدھ محو پرواز تھے۔ انتہائی مکروہ نظارہ تھا۔ جب کہ یہاں جو نظارے تھے وہ خواب میں بھی نظر نہیں آتے۔

جیسے جیسے وہ میرے قریب آتی جا رہی تھی اور درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا میں اپنے دل کو مضبوط اور اس کی ہر کارروائی کے لئے ذہن کو مضبوط کرتا جا رہا تھا۔ اس کے انگ انگ سے مستی ابلی پڑتی تھی۔ موسم خوش گوار تھا۔ ہوا میں خنکی سی تھی۔ پھر بھی میری پیشانی عرق آلود تھی۔ میں

حیران اس بات پر تھا کہ اسے غصہ کیوں آیا۔ جب کہ بہت سارے مرد اسے اپنی نظروں میں جذب کر رہے تھے۔

"ہیلو......!" اس نے میرے پاس آ کر مجھے رسیلی آواز میں مخاطب کیا تو مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ اگر وہ میرے گال پر تھپڑ رسید کر دیتی تو میں دوسرے تھپڑ کے لئے اپنا چہرہ پیش کر دیتا۔ حیرت نہ ہوتی۔ "کیسے مزاج ہیں؟"

اس کا لہجہ نہ تو چبھتا ہوا تھا اور نہ ہی اس میں طنز پوشیدہ تھا اور نہ ہی استہزائیہ...... میں بھی جوابی طور پر ہیلو کہہ کر دل پر جبر کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جس انداز سے کھڑی تھی وہ میرے وجود کو خاکستر کئے دے رہا تھا۔ اس نے مصافحے کے لئے اپنا خوب صورت، نرم و نازک اور سڈول ہاتھ بڑھایا تو میں نے اسے تھام لیا، اس کے ہاتھ کے لطیف لمس نے میرے سارے بدن میں سنسنی دوڑا دی۔

"کیا آپ بیٹھنا پسند فرمائیں گی......؟" میں نے رسمی انداز سے کہا۔ میں اس کے سوا کہہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے یہ کہنا پڑا تھا۔

مجھے اس بات کی ایک فیصد توقع بھی نہیں تھی کہ وہ میری دعوت قبول کر لے گی۔ کیوں کہ ایک غیر مرد کے پاس اس بے حجابی کے عالم کی وجہ سے بیٹھنا نامناسب سا تھا۔ جب وہ شکریہ کہہ کر میرے قریب فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی تو پھر بھی یقین نہ آیا۔

یہ خواب نہ تھا بلکہ حقیقت تھی میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ میں کوئی چاکلیٹی نوجوان نہیں تھا۔ میری عمر ایک بھرپور جوان مرد کی تھی۔ اسے کیا ضرورت آن پڑی تھی کہ مجھے لفٹ دے۔ بہر حال اس نے لفٹ دے دیا تھا۔ دے رہی تھی۔ اس کے ایک اشارے پر نوجوان لڑکے اس کے قدموں میں سر رکھ سکتے تھے۔ اس نے میری طرف دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرا تنقیدی نظروں سے جائزہ لے رہی ہے۔ اس کا قرب مجھے جھلسائے دے رہا تھا۔

ہمارے درمیان سکوت کی دیوار کھڑی تھی۔ میں نے اس کے قرب اور نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے رسمی انداز سے پوچھا۔ "تمہارا یہاں آنا کیا کسی کام کے سلسلے میں ہے یا پھر تفریح مقصود ہے؟" میری ضدی نگاہیں بے اختیار اس کی طرف اٹھ گئیں۔

"ارادہ تو سیر و تفریح ہی کا ہے...... لیکن میں ابھی وثوق سے کچھ کہہ نہیں سکتی......" وہ بولی۔ "میری آمد تفریح تک محدود رہے گی جب تک......" اس نے اپنا فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔ پھر بولی۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ...... تم یہاں کیسے آئے ہو؟"

"ہوائی جہاز سے......" میں نے شوخی سے کہا۔ پھر سنجیدہ ہو گیا۔ "مجھ جیسے آوارہ گرد کے لئے

یہ شہر تفریح کے لئے موزوں معلوم ہوا تو میں چلا آیا اور پھر اس شہر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان دنوں اس کا موسم معتدل رہتا ہے۔

میری بات سن کر اس کی خوب صورت اور بڑی بڑی آنکھوں میں گہری سوچ بھر گئی۔ اس کے اور میرے درمیان خاموشی کی دیوار کھڑی ہوگئی۔ میں نے چند لمحوں کے بعد سکوت کو توڑتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تم بھی اسی ہوٹل سیرینا میں ٹھہری ہوئی ہو؟''

''نہیں......'' اس نے اپنی لانبی گھنیری پلکیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ ''میں اس ہوٹل میں ٹھہری ہوئی نہیں ہوں۔ شاید تم اس میں مقیم ہو۔''

''پھر تم یہاں کس لئے آئی ہو؟'' میں نے متعجب ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''کیا تمہیں یہ ہوٹل اور تالاب بہت پسند ہے؟''

''میں صرف آج نہیں آئی ہوں بلکہ روز ہی اپنے شوہر سے ملنے آتی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ ایک طرح سے میری ڈیوٹی ہے۔''

''کیا تمہارا شوہر ساتھ نہیں رہتا ہے جو تم اس سے ملنے روز یہاں آتی ہو؟'' میری حیرت دو چند ہوگئی۔ ''کیا یہ عجیب سی بات نہیں ہے؟''

''ساتھ تو رہتا ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''وہ بہت مصروف رہتا ہے اور کسی وجہ سے سارا دن مجھے اپنے ساتھ رکھ نہیں سکتا ہے اس لئے مجھے یہ پہاڑی دن کاٹنا پڑتا ہے۔ اس لئے میں اپنی تنہائی اور بوریت دور کرنے اور خوش وخرم رہنے کے لئے یہاں اکیلی تفریح کرنے آجاتی ہوں، یہاں آکر دن کا بڑا حصہ بہت اچھی طرح گزر جاتا ہے۔''

مجھے اس کا جواب سن کر بڑی حیرت ہوئی اور اس پر رحم بھی آیا کہ یہ رنگین تتلی کی طرح اڑتی پھرتی ہے۔ وقت گزاری کے لئے اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ ایک اشارے پر کوئی بھی مرد اس کا ساتھی خوشی خوشی بن سکتا ہے۔ میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''تم شادی شدہ عورت ہو لیکن ایک کنواری لڑکی کی طرح دکھائی دیتی ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم شادی شدہ ہو۔ عورت ہو۔''

''میں اس شادی کو جبر وزیادتی کا نام دیتی ہوں۔ جو مرضی کے خلاف کی جائے۔'' اس نے کہا۔ ''شادی دو جسموں کے ملاپ کا نام نہیں ہے بلکہ دو آتماؤں کا ملاپ ہے۔ مسٹر دیوا......! حقیقت یہ ہے کہ میں اس شادی سے بالکل بھی خوش نہیں ہوں۔''

دیوا......؟ میں اپنے دل میں بڑے زور سے چونکا...... اس رنگین تتلی کو میرا نام کیسے معلوم ہوا......؟ یہ مجھے کیسے جانتی ہے......؟ جب کہ میں آج اسے ابھی اور اس وقت پہلی بار دیکھ رہا

ہوں۔ اگر میں نے اسے دس برس پہلے دیکھا ہوتا تو بھی شاید نہیں بھول سکتا تھا۔ وہ ایک ایسی بھرپور لڑکی تھی کہ ایک بار مل لو تو ذہن میں بسی رہے۔ میں نے اس پر اپنی حیرت کا اظہار کر بھی دیا۔

''کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گی کہ مجھے کیسے جانتی ہو......؟ میری تم سے آج سے پہلے کہیں بھی مڈ بھیڑ نہیں ہوئی؟''

اس کے سرخ گداز رس بھرے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے مجھے تیکھی تیکھی نظروں سے دیکھا۔ ''میں نے تمہارے بارے میں جیسا سنا تھا تمہیں ویسا ہی پایا...... واقعی تم بے حد دلچسپ اور زندہ دل شخص ہو، لیکن تم اپنی شکل وصورت سے گئو ماتا معلوم ہوتے ہو......'' وہ توقف کر کے اپنا چہرہ میرے چہرے کے قریب لا کر چھیڑتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''کیا تمہیں اس بات کی خوش فہمی ہو رہی ہے کہ میں تمہارے مضبوط جسم اور چوڑے چکلے سینے پر مر مٹی ہوں جو کشاں کشاں چلی آئی ہوں۔''

''بے بی!...... یہ تمہارا اپنا اندازہ اور خیال ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں ایک حقیقت پسند آدمی ہوں۔ سپنے نہیں دیکھتا ہوں۔''

''میں ضرور اس بات کا سچے دل سے اعتراف کروں گا کہ مجھے تمہارے جسم کی خوب صورتی نے متاثر کیا ہے مگر میں یہاں تمہاری وجاہت کی تعریف کرنے نہیں آئی ہوں۔ میں اپنی غرض سے آئی ہوں۔ تم سے ایک سودا طے کرنا چاہتی ہوں۔''

اس نے یہ بات سرگوشی میں آہستگی سے اس طرح سے کہی تھی کہ جیسے قریب کھڑا کوئی سن رہا ہو۔

''سودا......؟ تم مجھ سے کیا سودا کرنا چاہتی ہو......؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''میں سوداگر نہیں ہوں بلکہ سراغ رساں ہوں۔ پہلے تم مجھے کھل کر بتاؤ کہ تم میرے بارے میں کیا جانتی ہو؟ تمہیں کس نے بتایا؟ جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گی اس وقت تک بات نہیں بڑھ سکتی نہ ہی بڑھے گی......'' میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''میں جانتی ہوں کہ تم کیا ہو......؟'' اس نے جواب دیا۔ ''مجھے ہر قیمت پر تمہاری خدمات درکار ہیں۔ کل شام مجھے تمہارے بارے میں معلوم ہوا۔ یعنی میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ یوں تو میں نے دو ایک سے تمہاری تعریف اور کارنامے سنے ہیں۔ لیکن تم نے گوتم اور شانتی کا کیس جس طرح سے حل کیا اس پر میڈیا اور پولیس نے بڑی واہ واہ کی۔ اخبارات میں تمہاری تصویریں بھی چھپی تھیں۔ لیکن تمہاری تصویر دل پر نقش نہ تھی۔ لیکن کل شام تمہاری تصویر دل پر اس طرح نقش ہوئی کہ...... میرا شوہر تمہاری تصویر دیکھ کر بڑے زور سے چونکا تھا۔ دوسرے لمحے اس کا چہرہ متغیر ہوگیا

تھا۔ میں اس کی اس کیفیت پر دل میں بڑی حیران ہوئی۔ وہ شخص دنیا میں کسی سے بھی نہیں ڈرتا ہے اس نے خود ہی تمہاری طرف اشارہ کر کے کہا تھا...... یہ دیوا کمار ہے۔ جس کے کارناموں نے دھوم مچائی ہوئی ہے۔ یہ حرام زادہ نہ صرف بڑا ذہین اور بہادر ہے بلکہ پراسرار اور بے حد خطرناک بھی...... اس نے ایسے ایسے کیس حل کئے ہیں کہ شرلاک ہومز بھی ہوتا تو نہیں کر پاتا۔ مگر یہ مردود...... چنائے میں کیا کر رہا ہے۔ اس کے یہی الفاظ تھے۔ وہ تمہیں دیکھ کر بہت پریشان ہو گیا تھا...... اس کی تشویش میری سمجھ سے بالاتر تھی۔"

"جرائم پیشہ افراد کے میرے بارے میں اسی قسم کے ریمارکس ہوتے ہیں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "اس سے میری صحت، میرے کام، میری شہرت اور کارکردگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے...... اچھا تو تم یہ بتاؤ کہ تم میری خدمات کیوں اور کس لئے حاصل کرنا چاہتی ہو...... بائی دے وے...... مجھے تمہاری کوئی سی بھی خدمت کر کے دلی مسرت ہوگی۔"

"میں اپنے خبیث، ذلیل اور ظالم شوہر سے سدا کے لئے نجات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔" اس کے حسین چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ "اتنی سی بات ہے۔"

"اس کام کے لئے تمہیں میری خدمات کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔ "تم کسی دن موقع پا کر کسی بھی دور دراز شہر کی طرف چلی جاؤ۔"

"مجھ میں اتنی ہمت اور جرأت نہیں ہے۔" وہ خوف زدہ لہجے میں بولی۔ "کیوں کہ میں دھر لی گئی تو وہ مجھے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔"

"تم نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟ کس نام سے پکاروں؟ کہیں تم بے نام تو نہیں ہو؟"

وہ ایک دم سے کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ پھر شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں بولی۔ "کیا کوئی بے نام بھی ہوتا ہے۔ میرا نام سریتا ہے۔"

"سنو سریتا!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں یہاں سیر و تفریح کے لئے آیا ہوں۔ میں کسی ایسی عورت کا کیس لینے کے لئے تیار نہیں ہوں جو شوہر سے ناراض ہو۔"

"تم اسے ناراضگی کا نام نہ دو۔ میں اس سے سخت نفرت کرتی ہوں۔ میں اس سے کس قدر ناراض ہوں تم سوچ بھی نہیں سکتے ہو۔"

"اس شدید نفرت کی وجہ یہ تو نہیں کہ وہ تمہارے حسن و شباب اور جوانی سے فائدہ اٹھانا اور گھناؤنے مقاصد کے لئے آلہ کار بنانا چاہتا ہو؟"

"وہ یہ چاہتا ہے کہ میں اس کے خبیث دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر ان کی بے ہودہ گفتگو سنتی

رہوں۔ ان کی ذلیل نظروں کو سہتی رہوں۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ یہ میرے لئے کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے۔ بعض اوقات تنہائی میں ان کی ناشائستہ حرکات اور من مانی بھی برداشت کرنی پڑتی ہے میں جب اس کی شکایت کروں تو وہ یہ کہتا ہے کہ میرے دوست ایسے نہیں ہیں۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم میرے قریب رہ کر باڈی گارڈ کے فرائض انجام دو۔ تا کہ میں کسی دن موقع پا کر ہندوستان سے باہر نکل جاؤں۔ اس کے ہاتھ نہ آؤں۔"

"دراصل تم وہم کا شکار ہو گئی ہو۔" میں نے کہا۔ "تمہیں میری حفاظت کی قطعی ضرورت نہیں ہے اور پھر میں کسی قسم کا کوئی کیس لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس لئے کہ میری ساری تفریح اور چھٹیاں اس کی نذر ہو جائیں گی۔ خاک میں مل جائیں گی...... اگر تم میری جگہ ہوتیں تو کیا اپنی تفریح کو یوں غارت کرتیں؟"

وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم سے رک گئی۔ اس کا حسین چہرہ فق سا ہو گیا۔ اس کی میری پشت پر کسی کو دیکھنے سے یہ کیفیت ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

سریتا نے اس سمت دیکھتے ہوئے خود پر فوراً ہی قابو پا لیا تھا لیکن اس کی آوازیں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ "ہیلو! اجیت! آج تم نے بہت دیر کر دی؟" میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ ایک خوب صورت، وجیہہ اور تنومند مرد کھڑا ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی شخصیت جاذب نظر اور بڑی پرکشش تھی۔ سریتا دوسرے لمحے اٹھ کھڑی ہوئی میں نے بھی پہل کی۔ پھر سریتا نے تعارفی رسم ادا کی۔ "اجیت!...... ان سے ملو یہ مسٹر دیوا کمار ہیں۔"

"ہیلو! مسٹر اجیت!" میں نے دوستانہ انداز سے اس کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے نظر انداز کیا تو مجھے خفت بھی ہوئی۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ بہ ظاہر جتنا خوب صورت دکھائی دیتا ہے اندر سے اتنا ہی بدصورت اور مکروہ اور خبیث قسم کا ہے۔ میں نے محض سریتا کی وجہ سے اس کی بداخلاقی کو برداشت کیا تھا۔ ورنہ مجھے بھی کسی کو نادم کرنا آتا تھا۔

"اچھا تو تم وہی کوڑھ مغز اور احمق سراغ رساں ہو۔" اس نے تمسخر سے کہا۔ "جس کا دفتر ممبئی شہر میں ہے۔ جو دفتر میں کھیاں مارتا ہے...... یا پھر اپنی نوجوان سیکریٹری سے وقت گزاری کرتا اور اخبارات بھی چاٹتا رہتا ہے۔ میں نے تمہیں پہچان لیا۔"

"میں صرف دیوا کمار ہوں اور اس حیثیت سے تم سے مل رہا ہوں۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے تم سے نہیں کہا کہ میں سراغ رساں ہوں۔"

میں نے سخت لہجے میں اس لئے اس کی بات کا جواب دیا تھا کہ اس کا رویہ توہین آمیز اور غیر

شریفانہ تھا مجھے اس سے ڈرنے کی بات بھی نہیں تھی۔ ایسے اوباش قسم کے لوگوں سے ان کے لہجے میں بات کی جائے تو ان کے مزاج درست ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اور پھیل جاتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ میرے لہجے کا شدید ردعمل ہوگا۔ لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ ہمارے درمیان چند لمحوں کے لئے گہری خاموشی چھا گئی تھی۔

چند لمحوں کے بعد اس کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ کھیلنے لگی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے تیور اچھے نہیں ہیں۔ میرے لہجے نے اسے اندر ہی اندر سڑا دیا ہے۔ اسے ایک طرح سے شاید اپنی توہین کا احساس ہوا تھا۔ تذلیل سی محسوس کی تھی۔ ایک طرح سے اس کی طبیعت بھی صاف ہوگئی تھی۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ کس سے پالا پڑا ہے۔ وہ اپنی حیثیت اور ندامت مٹانا چاہتا تھا۔

پھر اپنی بتیسی کی استہزائی انداز سے نمائش کرنے لگا۔ میں نے اپنا غصہ ضبط کر کے خود پر قابو پایا ہوا تھا۔ ورنہ میں اس کی بتیسی نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیتا۔ جی میں آیا کہ ایک گھونسا اس کے منہ پر مار کر دو ایک ہاتھ نکال دوں۔ سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔

”مسٹر...... مجھے تم جیسوں کی ہر وقت تلاش رہتی ہے......تم سے مل کر مجھے کتنی خوشی ہوئی تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے......“

میں نے اس سے ہاتھ ملایا تو وہ مجھ پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے لگا۔ اس کا ہاتھ ملانے کا مقصد بھی یہی تھا۔ اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر لی تھی میرے ہاتھ پر......میری انگلیوں کو پوروں سمیت دبانے لگا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں بڑی طاقت تھی۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو چیخ پڑتا اور بری طرح کراہنے لگ جاتا۔ لیکن مجھ پر کوئی اثر نہ ہو رہا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میں کیا چیز ہوں۔ اگر میرے ہاتھ پر سے ٹرک بھی گزر جائے مجھ پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ تاہم میں نے چہرے سے یہ تاثر دیا کہ میری انگلیاں چیخ رہی ہیں اور درد کی لہریں اٹھ رہی ہیں، میں تاب نہ لا رہا ہوں۔“ میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔

”یہ کیا حماقت ہے......“ میں نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ ”میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ تمہاری اس محبت اور اس قدر اور بے پناہ گرم جوشی کی ضرورت نہیں۔“ اس نے میرا ہاتھ چھوڑنے کے بجائے اپنی پوری طاقت جمع کر کے میری انگلیوں کو دبانا شروع کیا۔ یہ کسی لڑکی کی مخروطی انگلیاں نہیں تھیں اور نہ پیلی کی...... میں نے اسے چند لمحوں تک موقع دیا کہ وہ میری انگلیوں کا حشر نشر کرنے کی آرزو رکھتا ہے تو وہ پوری کر لے......چند لمحوں کے بعد میرے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ میں بھی خم ٹھونک میدان میں اتر آؤں۔ یہ تماشا ختم کر دوں۔

میں نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ......اسے ایسا سبق دوں کہ ساری زندگی نہ سہی دو ایک برس

تک تو یاد رکھے۔ میں نے برق سرعت سے اس کے بغل میں اپنا سر دے کر اسے چاروں شانے چت کر دیا۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اسے سنبھلنے اور اٹھنے نہیں دیا۔ پھر اس کے ایک ہاتھ کی کلائی کو پکڑ کر بل دینا شروع کیا۔ جب اسے کھڑا کر دیا تو وہ کراہ رہا تھا۔ پھر میں نے کسی تاخیر کے بغیر اس کی کمر پر ایک لات رسید کی۔ اس نے بہت کوشش کی اپنا توازن قائم رکھے لیکن وہ ناکام رہا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا تیراکی کے تالاب میں جا گرا۔

ہم لوگ ایسی جگہ کھڑے ہوئے تھے جہاں لوگ نہیں تھے۔ یہ ایک کونا تھا۔ تالاب پر ادھر ادھر جو لوگ موجود تھے ان لوگوں نے ہماری طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ کیوں کہ وہ لوگ نوجوان، حسین اور نیم عریاں عورتوں کے جسمانی نشیب و فراز اور بدن کے رچ اور گداز کے سحر میں جکڑے ہوئے تھے۔ عورتیں مردوں کے ساتھ چہک رہی تھیں جو مغربی عورتیں تھیں وہ پانیوں میں مردوں کی آغوش میں تھیں۔ یہ ایسی تفریح تھی جس نے انہیں مشغول کیا ہوا تھا۔ عورت کا جیسا ہیجان خیز نظارہ ہر جگہ نظر آنے سے رہا تھا۔

اگر وہ ہماری طرف متوجہ ہوتے تو اجیت ایک تماشا بن جاتا۔ لوگ تفریح لیتے اور دلچسپی اور مزے بھی......وہ ایک غوطہ کھانے کے بعد ابھرا تو ایک ہندوستانی عورت سے ٹکرا گیا جس پر اسے کچھ سننا پڑا۔ اس نے عورت سے ندامت سے معذرت کی۔ اگر اس عورت کا ساتھی مرد دور نہ نکل گیا ہوتا اور اس نے یہ منظر دیکھ لیا ہوتا تو پھر اجیت کی خیر نہ ہوتی۔ یہ عورت بھی پیراکی کے مختصر ترین لباس میں تھی۔ پھر وہ ایک ہاتھ سے تیرنے کا کام لینے لگا۔ کیوں کہ میں نے اس کا دوسرا ہاتھ بری طرح موڑ کر اس قابل رہنے نہیں دیا تھا کہ اس سے تیرنے کا کام لے سکے۔ اس کے چہرے پر درد ظاہر ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کا درد ٹھیک ہونے میں دو ایک گھنٹے لگ سکتے تھے۔

اجیت پانی میں سے منہ نکال کر میری شان میں قصیدہ پڑھنے لگا۔ بازاری عورتیں اور فاحشائیں بھی شاید اپنی زبان سے ایسی فحش گالیاں نہیں بکتی ہوں گی۔ میں کیا کوئی بھی شریف آدمی اور فاحشہ بھی ایسا قصیدہ سننا پسند نہیں کر سکتی تھی۔ نہ تو اس کا مزاج بدلا تھا اور نہ ہی اس کی عقل اب بھی ٹھکانے آئی تھی۔ وہ فضول میں اپنی شامت کو دعوت دے رہا تھا۔ میں نے کنارے پر جا کر اسے ڈانٹا۔

”اگر تم نے پانی چونچ بند نہیں کی تو میں تالاب میں اتر کے تمہارے چہرے کا جغرافیہ ایسا بدل دوں گا کہ تم بھی پہچان نہ سکو گے؟“

اس نے میری دھمکی کا کوئی اثر نہیں لیا۔ پھر وہ وہاں سے ہٹ کر ایسی جگہ کھڑا ہو گیا کہ جہاں عورتیں تالاب میں پیر لٹکائے بیٹھی تھیں۔ میں یہاں اسے تماشا بنانا نہیں چاہتا تھا کیوں کہ یہ جگہ تھی کوئی اکھاڑہ نہیں تھا کہ دنگل کیا جائے۔

چند لمحوں کے بعد وہ تالاب سے کسی نہ کسی طرح نکل آیا۔ پھر اس نے بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کو دبایا۔ پھر سہلانے لگا۔ پھر اس نے بازوؤں اور جیب میں کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ شاید پستول تلاش کر رہا تھا جو اس وقت اس کے پاس نہیں تھا۔ جب اس نے پانی میں غوطہ کھایا تھا تب شاید اس کی جیب سے نکل گیا ہوگا۔ اگر اس کے پاس پستول ہوتا تو تب بھی وہ میرا بال تک بیکا نہیں کر پاتا۔ یہاں پستول چلانا اور تان لینا کوئی ہنسی کھیل نہیں تھا۔ وہ مجھے دھمکی دینے اور مرغوب کرنے کے لئے پستول دکھانا چاہتا تھا۔ یوں بھی اس ہوٹل میں اسلحہ لانے کی سخت مخالفت تھی۔ اس کی جان مصیبت میں آجاتی۔ وہ اس بات کو خوب جانتا ہوگا۔

پھر وہ میری طرف آنے کے بجائے مجھے خون خوار نظروں سے گھورتا ہوا دوسری سمت چل دیا۔ وہ بڑبڑاتا جارہا تھا۔ ایک فقرہ میں سن سکا تھا...... ''بیٹا تو نہا کر کہاں جائے گا۔ میں تجھ سے......'' چونکہ اس کے اور میرے درمیان فاصلہ بڑھ گیا اس لئے مزید سن نہ سکا۔ ویسے اسے اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا مجھ سے ہاتھا پائی کرنا آسان نہیں تھا۔ تاہم وہ اس بات پر دل میں سخت حیران تھا کہ میری انگلیاں چٹخی کیوں نہیں......! میں ذرا برابر بھی درد اور تکلیف کیوں محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ کیسے مزے میں کھڑا ہوا ہوں۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میں کیا ہوں......! میں کیسی کیسی مخفی صلاحیتوں کا مالک ہوں۔ اگر اسے اس بات کا علم ہوجائے تو شہر چھوڑ کر ہی بھاگ جاتا۔

جب وہ کچھ فاصلے پر پہنچا تو اسے کچھ لوگوں نے گھیر لیا۔ وہ اس کے ساتھی تھے جو وہاں کھڑے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے کسی کو ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس کی مدد کے لئے آتے۔ وہ اگر آتے تو میں ان کا پرتپاک خیر مقدم کرتا۔ وہ ان کی شایان شان ہوتا۔ وہ اپنی وضع قطع اور چہرے مہروں سے ایک نمبری غنڈے لگ رہے رہے۔ وہ کھسر پھسر اور میری طرف اشارہ کرنے لگا لیکن اس سے کیا ہوتا۔ میری صحت پر کیا اثر پڑتا۔ بات تو تب تھی جب ان میں سے ایک مائی کا لال میری طرف آتا۔

''یہ میرا پتی ہے اور وہ جن کے ساتھ باتیں کر رہا ہے اس کے وہ خبیث جن کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے۔'' وہ افسردگی سے بولی۔ ''یہ کمینے سؤر نہیں جانتے ہیں کہ ایک عورت کی موجودگی میں کیسی باتیں کی جاتی ہیں...... یہ اتنے بے غیرت ہیں کہ شاید ایسی باتیں اپنی ماں اور بہنوں کے سامنے بھی کرتے ہوں گے۔ یہ سارے کے سارے بیواؤں کی اولاد معلوم ہوتے ہیں۔''

سریتا نے اپنی بات ختم کرکے ایک گہری سانس لی۔ میں کچھ کہتا۔ وہ اس سے پہلے افسردہ لہجے میں پھر مجھ سے بولی۔ ''کاش! میری صحت خراب نہ ہوتی دیوا! میں کسے دوش دوں؟ بس میں اندر ہی اندر اپنی قسمت پر روتی رہتی ہوں۔''

''قسمت کو دوش دو نہ اپنے آپ کو۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔ ''برا وقت آتا ہے تو اچھا وقت بھی آتا ہے۔ وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔ ہے۔ وقت بدلتا ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب اس سے نجات مل جائے۔ اچھا تم اپنے پتی کا پورا نام بتاؤ کیا ہے؟''

گو کہ میں نے اس کے ذہن اور اجیت کے ذہن سے بہت کچھ معلوم کرلیا تھا۔ لیکن میں یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں کچھ نہیں جانتا ہوں۔ وہ میری ہمدردانہ نظروں اور دلاسے سے بہت مطمئن ہوئی تھی۔ وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ ''اجیت بھاٹیہ......!''

''اوہ......تو یہ وہی اجیت بھاٹیہ ہے۔'' میں نے اس کے حسین چہرے پر نگاہیں مرکوز کرکے کہا۔ ''معروف بدنام زمانہ...... جسے مرگ ناگہانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مجھے بہت دکھ ہوا کہ تم اس مردود کی پتنی ہو۔ واقعی تم بہت بدقسمت ہو سریتا!......''

''اب تمہیں واقعی یقین آگیا نا کہ میں کتنی بدقسمت ہوں۔'' اس نے ٹوٹے لہجے میں کہا۔ ''کیا تم اس خبیث سے واقف ہو؟ کیسے......؟''

''اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا ہے؟ میں اسے کیسے جانتا ہوں؟ اسی طرح اور ایسے جانتا ہوں جیسا کہ ساری دنیا جانتی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''اس سے ملاقات اور اسے دیکھنے کی بڑی تمنا بھی تھی۔ آج اس سے اچانک اور غیر متوقع اور حادثاتی اور ڈرامائی طور پر شرف ملاقات ہوگئی۔ جس کے بارے میں، میں نے خواب وخیال میں بھی نہیں سوچا تھا۔ واقعی یہ دنیا گول ہے۔''

''اس لئے تو میں چاہتی تھی کہ تم میرے باڈی گارڈ بن جاؤ۔'' سریتا نے اپنی لانبی لانبی سرگیں پلکیں جھپکائیں۔ ''کیا تم تیار ہو......؟''

''تمہاری باڈی گارڈ بننے سے پہلے ضروری ہے کہ میں اپنے لئے ایک باڈی گارڈ کا انتظام کروں!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''دیکھو دیوا......مجھ سے مذاق نہ کرو۔'' وہ رونا سی ہوگئی۔ ''آخر تمہیں باڈی گارڈ کی کیوں اور کس لئے ضرورت پڑے گی؟''

''اس لئے کہ تمہارا پتی بے حد خطرناک شخص ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس کے بارے میں، میں کیا کچھ نہیں جانتا ہوں۔ بہت کچھ جانتا ہوں۔''

''میں اس کے بارے میں جانتی ہوں لیکن بہت کچھ نہیں جانتی ہوں۔'' وہ بولی۔ ''کیا تم مجھے اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ گے؟''

''میں نے اس کے بارے میں جو کچھ سنا اور جو کچھ جانتا ہوں اور سنا تھا وہ تمہیں سناتا ہوں۔''

میں کہنے لگا۔ ''نوجوانی سے ہی اس کا شکار خون آشامی سے درندہ صفت میں ہوتا تھا...... وہ لہو آشنا تھا......اس نے اپنی درندگی......سفاکی اور ایذا رسانی سے کتنی جانیں لیں۔ان کی تعداد اسے بھی یاد نہیں ہوگی......اور پھر اس کا بہترین اور رنگین مشغلہ عورتوں کی عزت سے رہا۔اس نے بہت ساری کم سن لڑکیوں کو بستر کی زینت بنایا......کبھی کسی لڑکی پر ترس نہیں کھایا۔وہ زیر زمین دنیا میں دس برس رہا ہے۔اس کے علاوہ اس کے بارے میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ جرائم کی دنیا میں اس کے مقابلے میں کوئی نشانہ باز نہیں ہے۔اس نے نشانہ بازی کے متعدد انعامات جیتے ہوئے ہیں اور پھر اس کے جسم اور ہاتھوں میں غیر معمولی طاقت ہے۔وہ جوان مردوں کے ہاتھوں اور انگلیوں کو اپنے ہاتھ سے دبا کر توڑ اور چٹخا دیتا ہے۔اس نے میرے ہاتھ اور انگلیوں پر بھی آزمائش کی تھی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا کیوں کہ میرے ہاتھ بہت مضبوط ہیں......وہ نجانے کتنوں کو ہاتھ سے معذور کر چکا ہے......اور دوسری طرف بے حد سفاک ترین شخص ہے۔اس میں انسانی ہمدردی کی رمق بھی نہیں ہے۔شاید اس نے کبھی اپنے والدین، بھائی بہنوں سے بھی ہمدردی کا برتاؤ نہیں کیا ہوگا اور اس میں عقل کی کمی ہے۔''

''عقل کی کمی ہے......؟'' سریتا کو میری بات سن کر حیرت ہوئی۔ ''میں نے کبھی ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی۔وہ بہت زیادہ عقل مند اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔اس نے مجھ سے اپنے ساتھیوں سے کہا بلکہ کہتا رہتا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ عقل مند شاید ہی کوئی ہو۔''

''یہی بات عقل میں کمی کی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جو اپنے آپ کو عقل کل سمجھتا ہے اور سامنے والے کو بے وقوف......اس سے بڑا احمق کوئی اور نہیں ہو سکتا۔سامنے والے کو کبھی بے وقوف نہیں سمجھنا چاہئے کیوں کہ وہ سب سے زیادہ عقل مند ہوتا ہے۔''

وہ ایک بے حد خطرناک شخص تھا۔اتفاقی طور پر اس سے میرا واسطہ پڑ گیا تھا۔اگر میں سریتا کا بن جاتا تھا تو میری مہم اور مشن جس کے لئے میں آیا تھا کوئی بھروسا نہیں تھا کب اس کا آغاز ہو جائے اس لئے میں سریتا کی پیشکش قبول کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔

مسٹر دیوا کمار......! سریتا نے اپنے پتی کی پروانہ کرتے ہوئے بڑی لجاجت سے کہا۔ ''آپ میرے پتی کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہوئے بھی میری مدد نہیں کریں گے......جب کہ میں ایک بے یار و مددگار عورت ہوں۔میری مجبوری اور پریشانی آپ کے سامنے ہے......میں بیچ منجدھار میں ہوں۔حالات کے تھپیڑے کی زد میں ہوں۔ایک بدمعاش کے رحم و کرم پر ہوں۔''

سریتا نے مجھے عجیب الجھن اور تذبذب میں ڈال دیا تھا۔مجھے اس بات سے انکار نہیں میں اس بات کا برملا اعتراف کرنے کو تیار ہوں کہ حسین عورت، جوان عورت، پرکشش اور جاذبیت

سے بھری اور پسند کی عورت میری بہت بڑی کمزوری ہے۔میرا خیال تھا کہ عورت ہر مرد کی کمزوری ہوتی ہے۔میری بھی کمزوری ہو تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔حرج ہی کیا ہے۔عورت چیز ہی ایسی ہے کہ وہ کمزوری بن جاتی ہے۔میں نے ان نوجوان اور نازک اندام حسیناؤں کی خاطر بڑے بڑے سنگین خطرات مول لئے تھے......اور پھر سریتا جیسی حسینہ کی درخواست کیسے رد کروں میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا جو لاکھوں میں ایک تھی۔لہجے میں لجاجت اور بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں میں التجا بھری تھی۔

میرے موکل کو سارا ہندوستان جانتا تھا جس نے میرے ذمے یہ مہم سپرد کی تھی۔میں اس کا نام ظاہر کر دوں تو لوگ جان جائیں گے اور چونک بھی جائیں گے اس لئے اس کا نام راز میں رہنا ہی بہتر ہے۔صرف اتنا بتا دوں کہ وہ کانگریس پارٹی کے مقبول اور معروف ترین لیڈروں میں سے ایک ہے۔میں حیران تھا کہ اس لیڈر کا کردار کیسا ہے۔اس کی اصلیت سے لوگ بے خبر تھے۔

میں سریتا کو نہ تو بتانا چاہتا تھا اور نہ ہی اعتماد میں لینا چاہتا تھا کہ میرے پاس ایک بہت ہی اہم کیس ہے۔کیوں کہ لا حاصل تھا اور اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔اسے دلچسپی صرف اور صرف اپنی جان اور ذات کی حفاظت سے تھی۔میں نے اسے صرف یہ تاثر دیا ہوا تھا کہ میں دراصل جواہرات کی چوری کے ایک کیس کے سلسلے میں چنائے آیا ہوا ہوں جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔یہ ایک من گھڑت ہے۔

دوسری طرف میں اسے ناامید کرنا اور اس کا دل توڑنا نہیں چاہتا تھا جو شیشے کی طرح تھا۔میں اس کا دل توڑتا تو اس کی کرچیاں اس کے دل میں چبھ جاتیں اور ان میں سے لہو رسنے لگتا تھا اور پھر حسیناؤں کا دل بڑا نازک ہوتا ہے۔ذرا سی ٹھیس بھی برداشت نہیں کر پاتا ہے اور پھر کسی کا دل توڑنا خصوصاً ایسی بھرپور نوجوان عورت کا جو دوشیزہ معلوم ہوتی تھی پاپ تھی۔

''سریتا! میں تم سے وعدہ تو نہیں کرتا لیکن اس بات کی اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کروں گا کہ اس بھیڑیے سے نجات دلا دوں!''

یہ سنتے ہی اس کا پژمردہ چہرہ ایک دم سے کھل اٹھا۔اگر اس کا پتی یہاں موجود نہ ہوتا تو وہ کسی بات کی پروا نہ کرتی......وفور جذبات سے مغلوب ہو کر میرے گلے میں اپنی مرمریں، سڈول اور عریاں بانہیں حمائل کر دیتی اور چہرے پر دیر تک جھکی رہتی۔

''لیکن میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں سائے کی طرح ہر وقت ساتھ رہوں۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''اس کا خیال رکھنا۔''

''میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ جیسے ہی موقع ملے مجھے یہاں سے نکال دو۔دیر نہ کرو۔تمہارا معاوضہ جو بھی ہے وہ میں ممبئی ہی میں دے سکوں گی۔''

''میں حسیناؤں سے خدمات کا معاوضہ نقد ہی نہیں بلکہ کسی اور شکل میں لیتا ہوں۔'' میں نے اس کے پرشباب بدن کا احاطہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا جس نے اسے اور حسین بنادیا۔ چہرے پر ایک عجیب سا نکھار بھی آ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خدسپردگی جھانکنے لگی۔ اس کے گداز، سرخ اور شیریں لب ان جانی دعوت دینے لگے۔ اس کا پتی نہ ہوتا تو وہ شاید مجھے اپنے ساتھ لے جاتی۔

میں نے فوراً ہی محسوس کرلیا تھا کہ وہ میری بات کا غلط مطلب لے رہی ہے۔ وہ طرح سے مجھے خوش کرنے کے لئے تیار معلوم ہوتی تھی۔ ''سریتا!'' تم میری اس بات کا کوئی اور مطلب نہ لینا۔ اس کی ادائیگی ایک نہیں کئی صورتیں ہیں۔ میں کسی کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھاتا ہوں۔''

''جو بھی صورت ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' سریتا نے مجھے مخمور نگاہوں سے دیکھا۔ ''میرے لئے کسی بات کا کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔''

''سنو...... ہم دونوں خاصی دیر سے باتیں کررہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تمہارے پتی کو شک نہ ہوجائے کہ ہم رومان بگھار رہے ہیں۔''

''ہاں......'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''یوں بھی وہ بڑا شکی مزاج ہے، وہمی ہے، جانے میرے ساتھ کیا سلوک کرے کمینہ، ذلیل......''

''اب تم ایسا کرو کہ اپنے ان خوب صورت اور نازک ہاتھوں سے میرے سینے پر دو تھپڑ مارو اور مجھے تالاب میں زور سے دھکا دے دو۔''

''وہ کس لئے......؟'' اس کے حسین چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔ ''یہ تمہاری تذلیل ہوگی، میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتی ڈیئر!''

میں اس کی وجہ سریتا کو بتانا چاہتا تھا۔ اتنی سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ شاید اس لئے کہ اس کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔ معاً میری نگاہ اجیت اور اس کے ساتھیوں کی طرف اٹھ گئی۔ میں دیکھنے لگا کہ اجیت اور اس کے ساتھیوں کا کیا ردعمل ہے کیوں کہ میں اور سیرتا خاصی دیر سے گفتگو کررہے تھے اور پھر وہ نہانے کے لباس میں تھی۔ یہ ایسی حالت میں تھی کہ کوئی پتی اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ اس کی پتنی اس عالم میں ایک غیر مرد کے روبرو ہو...... وہ ایک بے غیرت شخص تھا۔ ہندوستانی مرد اپنی پتی کی ایسی حالت کو کسی غیر مرد کے سامنے برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اب ہندوستانی مرد بھی بے غیرت ہوگئے تھے۔ تالاب پر بہت سے ہندوستانی جوڑے بھی تھے۔ ان میں ان کی بیویاں ایسی حالت میں تھیں جیسا کہ سریتا اور غیر ملکی عورتیں تھیں۔ غیر ملکی مرد اور عورتیں جب مردوں کو اپنی طرف متوجہ پاتی ہیں تو وہ بہت خوش ہوتی ہیں کہ مرد ان کی طرف دیکھنے پر مجبور ہیں کہ وہ کسی قدر پرکشش ہیں۔

اجیت کے جو ساتھی تھے ان میں بہت سارے پیشہ ور بدمعاش اور قاتل تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا گروہ جرائم پیشہ تھا۔ اس میں شریف آدمی ہونے سے رہا۔ ان میں سے دو ایک بدمعاشوں کو بہت اچھی طرح جانتا تھا جب کہ وہ مجھ سے ناواقف تھے۔ ان میں مجھے ایک ایسا شخص دکھائی دیا جو دشمن کی رگوں میں لہو منجمد کردے۔ وہ بے حد دراز قد تھا۔ امیتابھ بچن سے بھی نکلتا ہوا قد تھا اور وہ دن میں اپنے قد اور ڈیل ڈول کی وجہ سے نمایاں نظر آتا تھا۔ اس کا نام راجہ تھا جس سے میری دو ایک مرتبہ مڈبھیڑ ہوچکی تھی۔ اس نے مجھے جو دیکھا تو دوستانہ انداز سے ہاتھ ہلایا...... میرے ہاتھ ہلانے پر وہ میری طرف بڑھنے لگا۔

''آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ میں کس لئے آپ کو تالاب میں زوردار دھکا دوں؟'' سریتا نے دریافت کیا۔ ''جلدی سے بتائیں؟''

''میرا ایک دیرینہ دوست مجھ سے ملنے آرہا ہے پہلے اس سے بات تو کروں'' میں نے جواب دیا۔ ''پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس لئے؟''

میرے اندازے کے مطابق راجہ کا قد چھ فٹ سے زیادہ ہی ہوگا۔ ویسے وہ اپنے ڈیل ڈول کی وجہ سے اتنا لمبا دکھائی نہ دیتا تھا جتنا تھا اس کا جسم بھینسے کی طرح تنومند بھی تھا۔ اس کے اعضا بہت مضبوط اور پتھر کی طرح سخت تھے۔ وہ چل رہا تھا تو زمین ہل سی رہی تھی۔ تالاب پر جو لڑکیاں تھیں اسے دیکھ کر معنی خیز انداز سے مسکرا رہی تھی۔

''اوہ...... دیوا کمار! ارے یار تم!......؟'' وہ خوش دلی سے بولا اور اس نے فولادی پنجہ مصافحہ کے لئے میری طرف بڑھا دیا۔

''دیکھو دوست! میرے ساتھ اجیت والی حرکت مت کرنا۔'' میں نے کہا۔ ''کیوں کہ مجھے اپنے بازوؤں کی اشد ضرورت ہے۔''

میری بات سن کر اس نے ایک بڑے زور کا قہقہہ بلند کیا۔ پھر ہنسنے لگا۔ ہاتھ ملانے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس گدھے کو کیا معلوم کہ تم جوڈو کراٹے میں جو مہارت رکھتے ہو وہ بہت کم لوگ رکھتے ہیں...... تم گرین، بلیک اور بلیو بیلٹ حاصل کرچکے ہو...... مہاراشٹر میں تم نے جوڈو کراٹے کے سالانہ مقابلوں میں جو حصہ لیا تھا اس میں دو مرتبہ پہلا انعام حاصل کرچکے ہو، اس کے علم میں یہ بات ہوتی تو وہ تم سے الجھتا نہیں۔ تم نے اس کا گھمنڈ پانی پانی کردیا۔ اچھا کیا دوست!''

پھر اسے سریتا کی موجودگی کا احساس ہوا تو اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''ہیلو...... سریتا! کیسی ہو......؟ ٹھیک تو ہونا......؟''

"ہاں راجہ!" سریتا نے اس انداز سے اسے جواب دیا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں......تم کیسے ہو؟ بہت دن بعد دیکھ رہی ہوں۔"

"وہ خود ہی الجھا تھا۔" میں نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ مجھے جوابی کارروائی کرنی پڑی۔ میرے لئے اس کے سوا چارہ بھی تو نہیں تھا۔"

"بہت اچھا کیا۔" راجہ نے پھر ایک قہقہے کا بم فضا میں چھوڑ دیا۔ "اچھا یہ بتاؤ بھائی!......تمہارا یہاں آنا کیسے ہوا؟ خیریت تو ہے نا؟"

"خیریت ہی خیریت ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں یہاں تفریح کی غرض سے آیا ہوں۔ پرانی یادیں تازہ کرنے آیا ہوں۔ ٹھیک کیا نا میں نے؟"

"اجیت کا بھی کہنا یہی ہے کہ وہ بھی تفریح کے لئے آیا ہوا ہے۔" راجہ نے کہا۔ "شاید علم ہے کہ اجیت روزی کیسے حاصل کرتا ہے......؟"

"دیوا کمار!......" راجہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے کن اکھیوں سے اجیت اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ ہماری طرف متوجہ نہ تھے۔ پھر اس نے میرے قریب آ کر سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔ "یہاں پر یہ سوال کسی سے نہیں کرنا کہ وہ چنائے کس لئے آیا ہے؟ یہاں سبھی تفریح کرنے کی غرض سے آتے ہیں۔ کسی کی آمد کے بارے میں سوچنے سے، فکر کرنے سے، صحت متاثر ہو سکتی ہے۔"

مجھے تمہاری اس بات سے اتفاق ہے راجہ!......" میں نے ممنونیت سے کہا۔ "تمہارے اس دوستانہ اور مخلصانہ مشورے کا بہت بہت شکریہ۔"

"اچھا اب مجھے اجازت دو دیوا......!" اس نے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور دوسرے ہاتھ سے میرے ہاتھ کی پشت تھپتھپائی۔

"تمہیں دیکھا تو تم سے ملنے چلا آیا۔ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں اور میرے دل میں تمہاری بڑی قدر ہے۔ کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں۔"

"راجہ مخالف سمت بڑھ گیا۔ جب میں نے سریتا کی طرف دیکھا تو وہ بہت پریشان لگی۔ میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے پوچھا۔

"سریتا!......تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔ میں تمہاری ہر قیمت پر مدد کروں گا......لیکن یہ بتاؤ کہ اس نے تمہیں کیسے پھانس لیا......؟ اس لئے کہ تم ایک ہشیار اور سمجھدار لڑکی ہو۔ اچھے برے کی تمیز رکھتی ہو۔ تمہارا اس کے جال میں پھنسنا میرے لئے تعجب خیز ہے۔"

"تم......اسے میری بدقسمتی سمجھ لو......میں اور کیا کہوں؟ میں خود بھی پچھتاتی ہوں، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔" وہ افسردگی سے بولی۔

سریتا نے میرے اصرار پر اپنی جو کہانی سنئی تھی وہ یہ تھی۔

"میں ممبئی میں سانتا کروز کے کافی ہاؤس میں ویٹرس تھی......سارنیا کافی ہاؤس......تم اس کے بارے میں جانتے ہو گے۔ وہ بہت مشہور ہے۔ اس کی جیسی کافی کسی ریسٹورنٹ، کسی ہوٹل اور کافی ہاؤس میں نہیں ملتی ہے۔ صبح دس بجے سے رات گیارہ بجے تک کافی کے شائقین کا تانتا بھی وہاں بندھا رہتا ہے۔ وہاں اکثر فلمی ستاروں کے علاوہ ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ کافی کا مالک ہمیں جو مخصوص لباس دیتا تھا اس میں ویٹرس نہ صرف بہت خوب صورت نظر آتی تھی بلکہ ان کے جسمانی نشیب و فراز کی نمائش ہوتی تھی۔ اس کا یہ نفسیاتی حربہ تھا۔ بھڑکیلے لباس میں شاداب بدن اور اس کا گداز قیامت ڈھاتا تھا۔ کافی پینے والے نہ صرف کافی بلکہ ان کے سراپا اور قیامتوں سے بھی لطف اندوز ہوتے تھے۔ راجہ، اجیت کو پہلی بار وہاں لے آیا تھا۔ راجہ اکثر آتا رہتا تھا۔ وہ جس میز پر بیٹھا تھا میں نے وہاں کافی صرف کی تھی۔ مجھے اجیت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ دوسرے دن جب میں اپنی ڈیوٹی ختم کر کے گھر جانے کے لئے اجیت اپنی شاندار گاڑی لئے موجود تھا اور میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مجھے ڈنر پر لے گیا اور اپنے آپ کو بزنس مین ظاہر کیا۔ دوسرے دن مجھے اپنے فلیٹ پر لے گیا وہاں اس نے مجھ سے محبت کا ڈھونگ رچایا۔ پھر ہم دونوں جذبات کی رو میں بہہ گئے۔ پھر اس نے سبز باغ دکھا کر مجھ سے شادی کر لی اور ہنی مون منانے شملہ لے گیا۔ دس دن بعد واپسی ہوئی۔ ممبئی سے چنائے آئی تو مجھے معلوم ہوا کہ اجیت مافیا ہے۔ اس کی اصلیت ظاہر ہوئی جب اس نے اپنے گروہ کے آدمیوں سے ملایا۔ اسی روز میں نے اجیت کو لعن طعن کیا کہ اس نے جرائم پیشہ ہوتے ہوئے ایک شریف لڑکی سے شادی کیوں کی اور مجھے پھانسنے کی ضرورت کیا تھی۔ پہلے تو اس نے مجھ سے کہا کہ کافی ہاؤس یا ہوٹلوں میں جو ویٹرس ہوتی ہیں وہ کون سی ساوتری ہوتی ہیں۔ آبرو باختہ ہوتی ہیں۔ تمہاری زندگی میں نہ جانے کتنے مرد آ چکے ہوں گے۔ میں نے اس کی کردار کشی پر سخت احتجاج کیا اور وہ مجھے آبرو باختہ سمجھتا ہے تو طلاق دے دے......اس پر وہ بہت برہم اور مشتعل ہو گیا۔ پھر اس نے مجھے دھنک کر رکھ دیا۔ پھر اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے فرار ہونے کی کوشش کی تو وہ مجھے قتل کر دے گا اسی روز سے میری کڑی نگرانی کی جا رہی ہے۔ کیوں کہ میں اس کی اصلیت سے واقف ہو چکی ہوں۔"

سریتا نے اپنی بپتا سنانے کے بعد اجیت کی سرگرمیوں کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ میرے لئے اہم اور مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ میں جس مجرم کے تعاقب میں یہاں آیا تھا اسے کسی نے قتل کر دیا تھا۔ اس کی لاش دو دن قبل برآمد کی گئی تھی۔ اس کے سر میں گولی ماری گئی تھی۔ وہ نہ صرف اسمگلر تھا بلکہ بلیک میلر بھی......وہ اپنے حلقے میں موٹا کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی موت نے میری مہم کو مشکل

بنادیا تھا۔جس وی آئی پی نے میری خدمات حاصل کی تھی وہ اسے بلیک میل کررہا تھا۔اس کے پاس میرے موکل کی ایسی تصویریں ہیں جو اس کا سارا سیاسی کیریئر ختم کرسکتی تھیں۔میرے موکل نے تیرہ برس کی لڑکیوں کے ساتھ جوراتیں کالی کی تھیں وہ اس بلیک میلر کے پاس تھیں۔اس سے ہر قیمت تصویریں اوران کے نیگیٹوز حاصل کرنا تھے۔وہ تصویریں اس کے قاتل کے پاس ہوسکتی تھیں۔

"سریتا!......" میں نے اس سے کہا۔"تمہارا مردود پتی مجھ سے باتیں کرتے دیکھ کر مشتعل ہورہا ہے......میں نے اس کی جو بے عزتی کی ہے اس کی تلافی یوں ہوسکتی ہے کہ میرے دوایک ہاتھ جڑ کے مجھے تالاب میں دھکا دے دو۔"

تم کہتے ہو تو میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گی۔"سریتا بولی۔"میں اپنی مرضی سے نہیں بلکہ تمہارے کہنے پر یہ حرکت کروں گی۔تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ جو جارحانہ انداز سے کھڑی ہوئی تو اس کا بدن شاخ گل کی طرح لچک گیا۔شادابیاں اور حشر سامانیاں اور بے حجاب ہوگئیں۔میں نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ اجیت اور اس کے ساتھی ہماری طرف متوجہ ہیں۔پھر میں نے اس سے کہا۔

"سریتا! شبھ کام میں دیر مت کرو۔میرے اور قریب آؤ۔میں تمہیں بازوؤں میں لینے کی کوشش کروں تو ایک تھپڑ رسید کرکے تالاب کی نذر کردو۔"

"نہ جانے کیوں میرا دل تم پر ہاتھ اٹھانے کو نہیں کررہا ہے۔" اسے تامل سا ہورہا تھا۔"جی چاہ رہا ہے تمہارے گلے میں بانہیں ڈال کر تمہارے ہونٹوں پر اپنے پیاسے لب رکھ دوں۔میں غصے کی حالت میں بھی تمہیں تھپڑ رسید نہیں کرسکتی۔ کوئی اور تدبیر سوچو۔" "ویسے مجھے لڑکیوں اور عورتوں کو مشتعل کرنا آتا ہے۔لیکن اس میں کوئی صداقت نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔"تمہارے کہنے پر تمہیں غصہ دلا رہا ہوں۔میں جو حرکت کروں گا اس کے لئے پیشگی معذرت قبول کرلو۔"

پھر میں نے سریتا کے ساتھ جو کچھ کیا اسے دائرہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا پہلے تو وہ بھونچکی سی ہوگئی اوراس پر چند لمحوں تک اس طرح سے سکتہ طاری رہا جیسے کوئی بجلی سی آگری ہو۔پھر وہ شرم سے سرخ ہوگئی۔پھر اس نے میرے گال پر ایک زوردار تھپڑ رسید کی جس کی بازگشت پٹاخے کی طرح دور دور تک سنائی دی ہوگی۔میری پشت تالاب کی طرف تھی۔میں تالاب میں جاگرا۔ تالاب میں گرنے کے بعد میں دوسرے کنارے کی طرف بڑھ گیا۔ادھر حسینوں کا جھرمٹ تھا جو بھیگا ہوا عجیب بہار دے رہا تھا۔

اس وقت فضا اجیت کے ساتھیوں کے بے ہنگم قہقہوں سے گونجنے لگی۔عورت کتنی بڑی اداکارہ ہوتی ہے۔سریتا کی اداکاری پر میں اش اش کر اٹھا تھا۔کیوں کہ وہ ہنسی سے دہری ہورہی تھی۔وہ اجیت کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔اجیت کے بازو کے حلقے میں اس کی نازک،مرمریں اور عریاں

کمر تھرک سی رہی تھی۔اجیت بہت خوش ہوگیا تھا۔اس نے اپنی خوشی کا اظہار سریتا کے اس ہاتھ کی پشت چوم کر کیا تھا جس نے اس سے میرے گال پر تھپڑ رسید کیا تھا۔وہ سب وہاں سے چلے گئے۔

میں نے جانے میں جلدی نہیں کی۔تھوڑی دیر بعد تالاب سے باہر آیا۔پھر میں نے ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے اچھی طرح سے دیکھا اور اطمینان کرلیا کہ کوئی میرے تعاقب میں تو نہیں ہے۔وہ اس لئے کہ کوئی آیا تو اس کا والہانہ انداز سے استقبال کرسکوں۔

میں جس ہوٹل میں قیام پذیر تھا اور یہ تامل ناڈو کا سب سے خوب صورت ہوٹل کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔بندرگاہ پر اس لئے یہ ہوٹل بنایا گیا تھا کہ وہ جگہ ہر لحاظ سے مناسب اور موزوں تھی۔یہ ہوٹل چنائے کی ساحلی پہاڑیوں کے بیچوں بیچ ایک انتہائی پرفضا مقام پر واقع ہے۔ہوٹل کی بڑی اور پرشکوہ عمارت کے علاوہ اس سے ملحقہ بہت ساری کوٹھیاں، کاٹیج اور بنگلے ہیں جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔میں نے جو کمرا لیا ہوا تھا وہ ایک سو تین نمبر تھا۔میں نے نہانے کے لئے جتے وقت اپنا کمرا غیر ارادی طور پر مقفل نہیں کیا تھا۔شاید اس لئے بھی کہ میرا سارا دھیان کسی اور جانب تھا۔میرے کمرے کی چابی بورڈ پر لٹک رہی تھی۔میں اسے لئے بغیر لفٹ میں سوار ہوا۔ایک غیر ملکی سیاح جوڑا لفٹ میں ہم آغوش دنیا و مافیہا سے بے نیاز تھا۔یہ میاں بیوی نہ تھے اور نہ دوست اور نہ ہی ایک شہر کے......سفر کے دوران ہوائی جہاز میں ان کی ملاقات ہوئی۔دونوں ہندوستان کی سیاحت پر نکلے تھے۔غیر قانونی ہنی مون منا رہے تھے۔میں نے انہیں تالاب پر بھی دیکھا تھا۔وہ اسی حالت میں تھے۔میں تیسری منزل پر تر کے اپنے کمرے میں آیا۔میں نے گیلے کپڑے اتار کر سلیپنگ گاؤن پہنا......لانڈری بوائے کو بلا کر دیا۔پھر بستر پر دراز ہوگیا۔

میں بڑی بدتمیزی سے اپنے کیس کے بارے میں سوچنے لگا۔ساری کڑیاں ایک ایک کر کے ذہن میں چلی آرہی تھیں۔میرے موکل نے مجھے جس مہم پر بھیجا تھا اسے سر کرنے کی صورت میں دس لاکھ کی رقم ملنے والی تھی۔پیشگی دو لاکھ کی رقم مل چکی تھی۔کوئی اور ہوتا تو اتنی بڑی رقم نہ دیتا۔عزت کا سوال تھا۔عزت داروں کو اپنی عزت بہت پیاری ہوتی تھی۔الیکشن بھی بہت قریب تھے۔اگر میں اس کے مخالف امیدوار سے سودا کرتا تو وہ مجھے پچاس لاکھ تک دے سکتا تھا۔لیکن میں دھوکے باز نہ تھا۔

میں سوچتے سوچتے گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا۔نیند میں میں نے سریتا کو دیکھا۔اس کا سپنا دکھائی دیتا رہا تھا۔بیدار ہوا تو خیال آیا کہ سوچوں کی دنیا میں گم ہونے کے باعث سلیپنگ گون میں ہی ہوگیا تھا۔گھڑی میں وقت دیکھا تو سات بج چکے تھے۔گہری نیند کے باعث نہ صرف میری تھکن دور ہوچکی تھی بلکہ میں تازہ دم ہوچکا تھا۔میں نے بستر سے نکل کر لباس نکال کر پہنا۔چوں کہ میرے پاس وقت گزاری کے لئے کچھ نہ تھا۔میں نے ٹی وی آن کیا۔پروگرام پسند نہ آیا تو میں بے مقصد نکل آیا۔

میں جس کمرے میں مقیم تھا اسے موٹا نے بک کرایا ہوا تھا۔اس کا نام رگھوناتھ تھا۔لیکن اس کی موت کی خبر سنتے ہی میں نے ڈیسک گرل کو سو روپے کی رشوت دے کر اسے لے لیا تھا۔رگوناتھ نے یہ کمرا سری سنتھ کے فرضی نام سے بک کرایا ہوا تھا۔مگر میں نے یہ کمرا اپنے نام سے ہی لیا تھا۔

میرے موکل کو موٹا ہی بلیک میل کر رہا تھا۔اس کے پاس جو تصویریں اور نیگیٹوز تھے وہ ان کی مدد سے ہر قسم کے مطالبات منوا سکتا تھا۔اس کے پاس اہم دستاویزات بھی تھیں۔لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔وہ اپنے ایک خاص ساتھی کو ایک سرکاری محکمہ میں ایک اہم عہدہ دلانا چاہتا تھا۔ان دستاویزات کے اندر فوٹو اسٹیٹ،ٹیپ ریکارڈر،ریلیز اور کچھ تصویریں بھی تھیں۔ان میرے موکل کی نجی زندگی کے گھناؤنے کردار کا ثبوت تھا۔اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی زمانے میں چینی حکومت کے لئے کام کرتا تھا۔

ان دستاویزات میں سب سے زیادہ خطرناک دستاویز وہ تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ امریکی حکومت کسی خاص ملک کے خلاف جراثیمی جنگ شروع کرنے والی تھی۔یہ سب کچھ ایک چھوٹے سے بکس میں تھا جو موٹا کے پاس موجود تھا۔

دراصل میں نے ایک منصوبے کے تحت ہی رشوت دے کر موٹا کا کمرا حاصل کیا تھا۔کیوں کہ اس طرح میرا موٹا کے ملنے والوں سے میرا رابطہ قائم ہو سکتا تھا اور پھر یہ بات بھی میرے علم میں آ سکتی تھی کہ موٹا کی موت کے بعد یہ دستاویزات کس کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔اس سے ہر قیمت پر دستاویزات کو حاصل کرنا تھا۔اسے حاصل کرنے کے بعد میرے پاس دو راستے رہ جاتے تھے۔ایک تو ان دستاویزات کو حاصل کرنے کے بعد فوراً ہی ضائع کر دوں۔اس میں بالکل بھی دیر نہ کروں۔کیوں کہ کسی وجہ سے یہ دستاویزات کسی اور کے غصے میں چلی گئیں تو پھر میری محنت کا کیا فائدہ......؟ کسی اور کے ہاتھ لگنے سے قیامت آ سکتی تھی۔اس لئے اس کا موقع نہ آنے دینا تھا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ میں اسے موکل تک پہنچا دوں...... وہ جانے اور اس کا کام...... میرا موکل چینی حکومت کا بھی آلہ کار تھا اور امریکی حکومت کا بھی...... میں نہیں چاہتا تھا کہ اتنے بڑے پھڈے میں پڑ جاؤں۔دس لاکھ کی رقم لے کر عیش کروں۔

میں اس خیال سے ہوٹل ہی میں رہا تھا کہ موٹا کا کوئی ملاقاتی آ جائے......موٹا کے پراسرار قتل کو ابھی تک ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔اس لئے اس بات کا امکان تھا کہ کوئی نہ کوئی اس سے ملنے آئے گا۔رات دس بجے تک ایک ملاقاتی بھی نہ آیا تھا۔موٹا اتنا لمبا سفر کر کے یہاں نہیں آ سکتا تھا اور نہ ہی اس قدر اعلیٰ قسم کے ہوٹل میں ٹھہر سکتا تھا۔بہر حال مجھے مایوس ہونے کی ضرورت بھی نہ تھی۔

رات گیارہ بجے میں شب خوابی کا لباس پہن کر بستر پر دراز ہو جانے والا تھا کہ کمرے کے

دروازے پر دستک ہوئی۔میں خوش ہو گیا۔چلو......کوئی آیا تو سہی۔میں نے دروازہ کھولا۔ایک امریکی جوان جوان لڑکی شب خوابی کے لباس میں کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک برف سے بھری بالٹی تھی۔اس میں......کی بوتل تھی۔اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔میرے جواب دینے سے پہلے ہی وہ اندر آ گئی......اس نے لات مار کر دروازہ بند کر دیا۔پھر وہ میز کی طرف بڑھ گئی۔

میں نے اسے پہچان لیا۔یہ وہی لڑکی تھی جسے میں نے لفٹ میں اپنے دوست کے ساتھ ہم آغوش دیکھا تھا۔اسے دو دن سے دیکھ رہا تھا۔اس نے آنت سہ پہر میرے سامنے والا کمرا لے لیا تھا۔اسے میں دو دن سے اس امریکی دوست کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

"میں اس لئے آئی ہوں کہ آج کی رات تمہارے ساتھ گزار سکوں۔" وہ بولی۔"تم اکیلے ٹھہرے ہوئے ہو۔کیا خیال ہے میرے دوست!"

"خیال تو بہت اچھا ہے اور مجھے اس کی توقع نہیں تھی کہ تم میرے ساتھ رات گزارنے آؤ گی......تمہارا دوست کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"دراصل میں تمہارے ساتھ رات گزارنے اس لئے آئی ہوں کہ آج تک کسی ہندوستانی کے ساتھ رات گزارنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

وہ کہنے لگی۔"میری زندگی میں بہت سارے مرد آئے جن کے ساتھ میں نے وقت گزارا۔فرنچ، برٹش، عرب، یونان......اطالوی کے ساتھ میں صرف ایک رات رہ سکی۔انہیں لڑکے بہت پسند ہیں......ابھی تک کسی ہندوستانی مرد سے سابقہ نہیں پڑا۔میں نے سنا کہ ہندوستانی مرد بہت اچھے اور عورت کے بڑے دیوانے ہوتے ہیں۔میں اس بات کا تجربہ کرنا چاہتی ہوں۔ہم امریکی زندگی کے ہر شعبے میں بہت تجربے کرتے ہیں۔گو کہ ہم بڑے تہذیب یافتہ ہیں۔مہذب ہیں۔ہم نے جو ترقی کی ہے وہ مثال ہے۔دنیا کی کسی فرم نے نہیں کی۔دنیا کا کوئی ملک ہم سے آگے ہے اور نہ ہماری برابری کر سکتا ہے۔اس طرح جنسی تجربات بھی ہوتے ہیں۔اس لئے ازدواجی زندگی ہماری کامیاب نہیں رہتی ہے۔ہم نے اپنی ماں سے پوچھا تھا کہ میں سب جگہ یعنی امریکہ اور یورپ کو چھوڑ کر ولایت میں ماں کا نام کیوں ہوتا ہے جبکہ باقی ممالک میں باپ کا نام ہوتا ہے۔میری ماں نے بتایا کہ......وہ اس لئے عورت کی زندگی میں بہت مرد آتے رہتے ہیں۔شادی کے بعد بھی...... میں بتا نہیں سکتی کہ تمہارا باپ کون ہے۔میں اپنے باپ کے بارے میں بھی نہیں جانتی ہوں۔اس وقت جو تمہارا سوتیلا باپ ہے وہ تیسرا ہے......میں تمہیں صاف صاف بتا دوں کہ سوتیلا بھائی اور دوسرا سوتیلا بھاپ جو میری ماں سے عمر میں سات برس چھوٹا تھا میری زندگی میں آ چکا ہے۔ہم نے تجربہ کیا۔ایک آزاد معاشرہ میں تجربہ کیا......اس میں برائی کیا ہے۔حرج کیا ہے۔

ہمارا جسم ہماری ملکیت ہے ہم جسے چاہے پیش کر دیں...... ہزاروں سال قبل جب انسانیت کو تہذیب نہیں چھوا تھا تب بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ آج جب کہ تہذیب اور انسانیت ہے ہم ہزاروں سال پہلے کی طرح ہیں۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کی تفریح ہیں۔ جوانی اور شباب چار دن کی چاندنی ہے کیوں نا اس سے لطف اٹھایا جائے۔ اس لئے ہمارے معاشرے میں مرد اور عورت کو ہم جنس پرستی کی اجازت ہے۔ مرد، مرد سے شادی کرتے ہیں...... عربوں میں چار چار شادیوں کی اجازت ہے۔ ہمارے ہاں صرف ایک شادی کی...... شادی شدہ عوت چار چار مردوں سے تعلقات رکھتی ہے اس طرح ایک مرد بھی...... اس کی اجازت ہے۔ شادی کی نہیں۔ آئی ایم ساری...... ہم کیا باتیں لے بیٹھیں۔"

"تم نے اپنی قوم کے بارے میں جو بتایا ہے وہ ساری دنیا جانتی ہے۔" میں نے کہا۔ "شاید اس لئے تمہارے ہاں ناجائز بچے بہت ہوتے ہیں، ماں کی ولایت کی وجہ سے انہیں تحفظ مل جاتا ہے، تمہارے ہاں جنسی تصور بہت آگے ہے...... ہاں تو تمہارا دوست کہاں ہے؟"

"میرا دوست......؟ اسے ایک ہندوستانی عورت پسند آ گئی جو اس سے عمر میں دس برس بڑی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "وہ ایک مال دار اور بہت ہی پرکشش عورت ہے۔ وہ اسے اپنے گھر لے گئی ہے۔ میرے دوست کی زندگی میں اب تک کوئی ہندوستانی عورت نہیں آئی۔ اس لئے وہ اس کے ساتھ چلا گیا تاکہ تجربہ کر سکے...... ہم باتیں تو دن میں بھی کر سکتے ہیں۔ رات ایسی باتوں کے لئے نہیں ہوتی ہے۔"

امریکہ اور یورپ کا معاشرہ اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں رہا تھا...... اس لڑکی کا نام ایستھر تھا۔ وہ اب کیا میاں ہوتے ہی عورت کلی سے پھول بن چکی تھی۔ اس نے بتایا کہ ہمارے ہاں ہر قسم کی تفریحات موجود ہیں۔ اس کے دوست میں اب وہ کوئی کشش محسوس نہیں کر رہی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے سیاحت میں ڈیڑھ مہینہ ساتھ گزارا ہے۔ اب وہ کسی نئے ہم سفر کی تلاش میں ہے۔ ایک امریکی بزنس مین اس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کی عمر ستر برس کی ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ کل وہ اس کے ڈنر لے گی۔ آج کی رات وہ ایک ہندوستانی عورت کے ساتھ مصروف ہے۔ یہ عورت سنا کہ ماڈل گرل ہے، پانچ ہزار ڈالر میں وہ تین راتیں نذر کر رہی ہے۔ آج تیسری رات ہے۔

"تم نے ایک ستر برس کے بوڑھے شخص سے دوستی کر لی۔" میں نے کہا۔ "جب کہ تم بے حد حسین اور نوجوان ہو۔ تمہاری عمر بیس برس کی ہے۔ تمہیں تو کوئی جوان ہم سفر مل سکتا ہے۔ ایک بوڑھے سے دوستی تم نے کیوں کی......؟ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ میں حیران بھی ہوں۔"

ایک بات تو یہ ہے کہ وہ بے حد مال دار ہے اور میرے پاس بھی دولت بہت ہے۔" وہ کہنے

لگی۔ "میں مال دار گھرانے کی ہوں۔ میری جائیداد ہے جس سے ماہانہ آمدنی بیس ہزار ڈالر ہے۔ میرا بینک بیلنس سات لاکھ ڈالر ہے۔ میں ایک لاکھ ڈالر لے کر نکلی ہوں۔ میرے سفر کے تمام اخراجات اب تک میرا دوست اٹھاتا آیا تھا۔ اب یہ بزنس مین دوست اٹھائے گا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے اپنے خرچ پر سارے ہندوستان کی سیاحت کرا دے گا۔ مجھے اور کیا چاہئے۔ یہ سفر یادگار بن جائے گا۔"

"تم بہت خوش قسمت ہو۔" میں نے کہا۔ "سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوگا تم اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔"

"میں واقعی خوش قسمت ہوں۔" وہ بولی۔ "میں نے تمہاری ایک بات کا جواب نہیں دیا کہ میں نے اس بوڑھے بزنس مین کو کیوں پھانسا......؟ بوڑھے بڑے قدردان ہوتے ہیں۔ ان کے مزاج میں ٹھہراؤ اور بردباری ہوتے ہیں۔ وہ بڑے ناز نخرے اٹھاتے ہیں...... ہمارے یہاں ایسی شادیاں عام ہیں۔ نوجوان اور حسین لڑکیاں اپنی مرضی اور خوشی سے مستقبل بنانے کے لئے بوڑھوں کو تلاش کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں اس بات کی قانونی اجازت ہے کہ ہم بغیر شادی کے بھی رہیں...... شادی کے بغیر رہ جاتے ہیں۔ بچے بھی ہو جاتے ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... جوان لڑکے بھی ساٹھ، ستر اور اسی برس کی مال دار اور بوڑھی عورتوں سے شادی کر لیتے ہیں...... میرے ہم سفر دوست نے اکیاسی برس کی ایک بوڑھی عورت سے شادی کی۔ تین برس اس نے بہترین ازدواجی زندگی گزاری۔ اس سے بے پناہ محبت کی۔ ہر طرح سے خیال رکھا۔ خوش کیا۔ کبھی کسی بات سے انکار کیا اور نہ برا مانا...... وہ مری تو اپنے ترکے میں اسے بیس لاکھ ڈالر اور اسی لاکھ ڈالر کا فلیٹ ملا۔ میرا ہم سفر دوست یہ دولت پانے کے بعد دنیا کی سیاحت پر نکلا اور ہندوستان آیا۔"

ساری رات ہم دونوں نے جاگ کر اور مے نوشی کر کے گزاری۔ کنواں پیاسے کے پاس آ گیا تھا۔ اس کی مثال بہتی گنگا جیسی تھی۔ ایستھر بستر کے لئے بہترین لڑکی تھی۔ اس نے مجھے ہر طرح سے خوش کیا۔ میں ایک بات سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ ان میں مرد اور عورت میں کوئی تمیز نہیں رہی۔ پورے حیوان بن گئے ہیں۔ شاید اس لئے ایڈز کی بیماری دنیا میں سب سے امریکہ اور یورپ میں ہے۔

ہم دونوں دوپہر تک گہری نیند سوتے رہے۔ کیوں کہ پو پھٹنے کے بعد سوئے تھے۔ میں نے اپنے کمرے کے دروازے پر ڈوناٹ ڈسٹرب کا کارڈ لگا دیا تھا۔ بیدار ہو کر وہ اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلی گئی۔ کیوں کہ وہ تھکن سے چور ہو رہی تھی۔ بے حد نڈھال تھی۔ نیند کا غلبہ بھی تھا۔ شراب نے اس پر گہرا اثر کیا تھا۔ ویسے اس نے جو رفاقت دی تھی وہ کبھی بھولنے والی نہیں تھی۔

میں نے نیچے آ کر سینڈوچز اور کافی لی۔ پھر ڈیسک گرل سے دریافت کیا کہ کسی نے میرے

کمرے پر رابطہ تو نہیں کیا؟ اس کا جواب نفی میں تھا۔ ڈیسک گرل مدراسن تھی۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ چہرے پر بڑا نمک اور جسم میں بڑی کشش تھی۔ میں نے اسے سو روپے دے کر کمرا اور پھر اسے سو روپے دیئے تھے کہ کسی نے رابطہ کیا تو مجھ سے فوراً ہی رابطہ کرا دیا جائے۔

میں لابی میں بیٹھ گیا۔ لنچ کے بعد میں اس لڑکی سے دریافت کیا تو جواب نفی میں تھا۔ میں نے دو تین گھنٹے انتظار کی اذیت میں کاٹے تھے۔ میں حیران تھا کہ کوئی لوٹا سے ملنے کیوں نہیں آیا؟ کیا فون اس لئے نہیں آیا کہ ملاقاتی محتاط تھے۔ وہ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ لابی میں بڑی رونق تھی اور آنکھیں سینکنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ اس کے باوجود میں بور ہوتا رہا تھا۔

میں نے لابی میں کچھ پیشہ ور قسم کے بدمعاشوں کو دیکھا۔ ان میں مکنڈ سوامی بھی تھا۔ میں نے دو برس پہلے اس پر احسان کیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ دوسرے گروہ کے بدمعاشوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ اس کی دھنائی کر رہے تھے۔ اگر میں اس کی مدد کو نہ پہنچتا تو وہ اسے جان سے مار دیتے۔ میں اسے بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لے گیا تھا۔ وہ بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ وہ تین دن تک اسپتال میں زیر علاج رہا تھا۔ میں نے تمام اخراجات برداشت کئے تھے اور جب وہ اسپتال سے ڈسچارج ہوا تو میں نے اسے ایک ہزار روپے دیئے تھے۔ میں اس کے گھر بھی گیا تھا۔ اس کی بیوی نوجوان اور قبول صورت کی لیکن پرکشش عورت تھی۔ ان کی ایک پانچ برس کی بیٹی بھی تھی۔ میں نے اس سے کہا بھی تھا کہ وہ اپنی بیوی اور بچی کی خاطر یہ پیشہ چھوڑ دے۔ اگر اسے چھوٹے موٹے کاروبار کے لئے رقم کی ضرورت ہو تو میں دے سکتا ہوں۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ...... کسی بھی جرائم پیشہ گروہ میں شامل ہونا مشکل نہیں ہے لیکن اس سے نکلنا مشکل ہے۔ وہ خود بھی کوئی ایسی تدبیر سوچ رہا ہے کہ سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ وہ اس گروہ سے نکل جائے گا۔ لیکن اس میں وقت لگ سکتا ہے اس کے پاس اتنی رقم ہے کہ وہ کوئی کاروبار کر سکے۔ گروہ سے دشمنی مول لینے پر اس کی بیوی بچی کی خیر نہ ہوگی۔

مکنڈ سوامی کے اندر ایک آدمی چھپا ہوا تھا۔ وہ ایک مثالی انسان تھا۔ اس کی بیوی ایک ہوٹل میں ویٹرس تھی۔ ایک روز وہ ہوٹل سے ڈیوٹی دے کر نکلی اور بس اسٹاپ کی طرف ویرانی راستے سے جا رہی تھی تین بدمعاشوں نے اسے اغوا کر لیا اور اسے تین دن تک رکھا اور اس کی بے حرمتی کرنے کے بعد اسے بے ہوشی کی حالت میں اس جگہ ڈال گئے جہاں سے اغوا کیا تھا۔ وہ لڑکی کو گھر لے آیا۔ وہ بے سہارا تھی۔ اس کے رشتہ دار بہن کے ہاں رہ رہی تھی۔ اس کا بہنوئی تنہائی میں اس سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ وہ مجبور تھی کہ اپنے بہنوئی کی ہر بات مانے، اس نے کبھی اپنی بہن سے شکایت نہیں کی تھی۔ اس نے اپنے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔ مکنڈ سوامی نے اسے سہارا دیا اور شادی

کر لی اس کی مرضی...... وہ ایک بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی تھی ان کی ازدواجی زندگی خوش گوار تھی۔ اس لئے مکنڈ سوامی میری بڑی عزت اور قدر کرتا تھا کسی افتاد پڑنے پر وہ میری ہر قیمت پر مدد کر سکتا تھا۔ وہ احسان فراموش نہ تھا۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھتا تو وہ اچک کر چلا آتا۔ میں نے اس وقت ملنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے کہ وہ شاید اپنے کسی کام سے آیا ہوا تھا اور اس وقت مجھے اس سے کوئی کام بھی نہیں تھا تاہم ابھی تک وہ اس گروہ میں شامل تھا۔

میں بے زار ہو کر اور اکتا کر چلا آیا تاکہ یکسوئی سے کچھ سوچ سکوں۔ میں بستر پر دراز ہو کر خیالات کے بھنور میں چکرانے لگا۔ طرح طرح کے خیال چلے آ رہے تھے۔ میں گوناگوں سوچوں میں غرق تھا کہ دروازہ بڑی آہستگی اور غیر محسوس انداز سے کھلا تو میں چونک گیا۔ میں اسے اندر سے بند کرنا بھول گیا تھا۔ دوسرے لمحے میری نظروں کے سامنے ہوٹل کا ایک ویٹر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی شکل ایسی تھی کہ کوئی اسے پہلی بار دیکھے تو اس کے سارے جسم پر سنسنی دوڑ جائے۔ اس کے چہرے پر نہ صرف خراشیں بلکہ مندمل ہو جانے والے زخموں کے نشان بھی تھے جس نے اس کے چہرے کو بھیانک اور ڈراؤنا بنا دیا تھا۔ دیکھنے میں وہ کسی گینڈے کی طرح لگ رہا تھا۔ اس کے چپٹے سر نے اسے اور بھی مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔ مجھے اس لمحے احساس ہوا کہ میں نے اپنا ریوالور جیب میں کیوں نہیں رکھا۔ تاہم مجھے اس سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اپنی جوڈو کراٹے کی مہارت سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

اس نے مجھے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے کرخت لہجے میں پوچھا۔ ”کیا تم موٹا ہو......؟ رگوناتھ ہونا......؟“

”کیا مطلب......؟“ میں انجان سا بن گیا اور اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ”موٹا......؟ رگوناتھ......؟“

اس نے میری بات کا جواب دینا گوارہ نہیں کیا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے یکسر عاری تھا۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

”میں تمہیں تیار ہونے کے لئے صرف پندرہ منٹ دے رہا ہوں۔ تم لباس تبدیل کر کے تیار رہنا اور میرا انتظار کرنا......“

مجھے کچھ اندازہ نہ تھا کہ آئندہ کس قسم کے حالات میرے ساتھ پیش آئیں گے۔ کن کن سے اور کیسے کیسے لوگوں سے میرا سامنا ہوگا۔ تاہم مجھے اپنی حفاظت کے لئے اپنا ریوالور ہر وقت جیب میں رکھنے کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ آنے والا مہمان غیر مسلح آنے سے رہا۔ چھوٹے موٹے بدمعاش بھی اپنے جیب اور ہاتھ میں کھلونے لئے پھرتے تھے۔ آج کا دور اسلحہ کا تھا۔ مجھے غفلت

نہیں برتتا تھا۔ وہ کمرے سے جا چکا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ...... کیوں نہ میں اپنا ریوالور سوٹ کیس سے جیب میں رکھ لوں۔ میں بستر سے اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اپنے کمرے کے ملحقہ غسل خانے میں آہٹ سی سنائی دی۔ میری نگاہیں غسل خانے کی طرف اٹھ گئیں۔ دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ میری غیر موجودگی میں کوئی غسل خانے میں آن چھپا تھا۔ وہ جس انداز سے دروازہ کھول رہا تھا اس کے ارادے خطرناک معلوم ہوتے تھے۔ اب میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ اپنا ریوالور نکال سکوں۔ چند لمحوں کی مہلت درکار تھی لیکن اس کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دروازہ خاصا کھل گیا۔ پھر دروازے کے پیچھے سے چاند نمودار ہوا۔ یہ آسمان کا نہیں زمین کا تھا۔ میں بھونچکا سا ہو گیا۔ اس کے جسم پر ایک بیش قیمت ریشمی گاؤن تھا جس پر کڑھائی کا کام کیا ہوا تھا۔ اس میں اس کا شاداب بدن چمک رہا تھا۔

''ہیلو...... رگوناتھ......!'' اس نے بصد ناز وادا کمرے میں قدم رکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔ اس کی آواز بڑی رسیلی تھی۔ آنکھیں بھی بہت خوب صورت تھیں۔ ہونٹ بڑے رسیلے تھے۔ وہ سراپا رس بھری تھی۔ ''تمہیں میرے آنے کی اطلاع تو مل گئی ہوگی۔''

میں نے دانستہ تردید نہیں کی...... چوں کہ میں رگھوناتھ عرف موٹا کے کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا اس لئے مجھے ہر شخص موٹا ہی سمجھ رہا تھا...... میں خود بھی یہی چاہتا تھا...... اسی لئے میں نے یہ کمرا لیا تھا۔ ورنہ مجھے کیا ضرورت پڑی تھی۔ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔

یہ چاند میرے کمرے میں طلوع کیا ہوا کمرا مہک اٹھا تھا۔ میری ناک معطر معطر ہو گئی تھی۔ بڑی مسحور کن خوشبو تھی۔

میں نے اس کے خوب صورت اور سڈول داہنے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سیاہ بکس دیکھا تھا جو اس نے اس طرح سے مضبوطی سے تھام رکھا تھا جیسے اس میں ہیرے بھرے ہوئے ہوں۔ اس قسم کے بکس میں عورتیں اپنا لباس اور میک اپ کی لوازمات رکھتی ہیں۔ پھر اس نے بڑی بے تکلفی سے اس بکس کو بستر پر رکھ دیا۔ اب وہ شب خوابی کے کے بین لباس میں تھی۔ اس نے مجھے دزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے پروفیسر نارنگ نے...... تمہارا دل بہلانے، ہر طرح سیوا کرنے اور خوش کرنے کے لئے بھیجا ہے۔'' اس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

''پروفیسر نارنگ!......؟'' میں نے چونک کر اسے اوپر سے نیچے گہری نظروں سے دیکھا۔ بڑا خوب صورت کھلونا تھا...... پسند آیا تھا۔

پروفیسر نارنگ جو بھی تھا جیسا بھی تھا اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ بڑا با ذوق اور رنگین مزاج بھی معلوم ہوتا تھا۔ اسے مرد کی فطرت، مزاج کی رنگینی، ذوق اور کمزوری کے بارے میں علم تھا۔ خصوصاً رگوناتھ عرف موٹا کے بارے میں...... موٹا شاید ایسی ہی لڑکیوں کو پسند کرتا ہوگا اور پھر یہ مہ پارہ ایسی تھی کہ اسے ناپسند کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا اس کی کس کس چیز کی تعریف کروں۔ سروقد ہونے کے باعث اس کے چھریرے تناسب بدن کی دل کشی اور رعنائیاں بے نیام تلوار کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔

''پروفیسر نارنگ......؟'' میں نے چونک کر اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ نگاہیں چہرے سے بھٹک کر اس کے بدن کا احاطہ کر رہی تھیں۔

''جی پروفیسر نارنگ......!'' اس کی رسیلی آواز کھنک گئی۔ اس نے مجھے تیکھی نظروں سے دیکھا اور بولی۔ ''اس نے اس لئے بھیجا ہے کہ جب تک وہ تمہیں...... ملاقات کا وقت نہ دے اس وقت تک میں تمہارا ہر طرح سے خیال رکھوں...... تمہارا دل بہلاؤں...... تمہاری جو بھی خواہش ہو پوری کروں...... کسی بات سے انکار نہ کروں...... تمہیں لمحے کے لئے بھی بور نہ ہونے دوں۔''

''وری گڈ......!'' میں خوش ہو گیا۔ ''پروفیسر نارگن کو میرا کتنا خیال ہے، اس نے میرے لئے کیسا اور رنگین کھلونا بھیجا ہے......!''

میں اس سے باتیں کرتے ہوئے ذہن پر بہت زور دیا کہ یہ پروفیسر نارنگ کون ہے......؟ کون ہو سکتا ہے......؟ مجھے بالکل بھی یاد نہ آ سکا کہ زیر زمین دنیا میں اس نام کی کوئی شخصیت بھی موجود ہے......؟ میں تقریباً ہر مافیا سے واقف تھا۔ ہندوستان بہت بڑا تھا۔ اس میں پورے بائیس صوبے تھے۔ میں تمام صوبے کے مافیاؤں کو نہیں جانتا تھا۔ مغربی بنگال اور آسام میں بھی موجود تھے۔ شاید وہاں ہو۔ لیکن کبھی وہاں کے بارے میں جاننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا نہ میں نے کبھی جاننے کی کوئی کوشش کی تھی۔

پھر میں نے سوچنا بند کر دیا۔ آج نہیں تو کل معلوم ہو جائے گا۔ پھر میں اس کے ہیجان خیز سراپا میں ڈوب گیا جو قیامت ڈھا رہا تھا وہ اس وقت ایک کھلی کتاب کی مانند تھی۔ آپ جو صفحہ پڑھنا چاہیں پڑھ لیں۔ ہر سطر اور پیراگراف سامنے تھا۔

''کیا تم مجھے سزا دے رہے ہو......؟'' اس نے قدرے تیزی سے کہا۔ ''مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی۔ پروفیسر نارنگ نے تمہاری......''

''میں اور تمہیں سزا دوں......؟'' میں نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ ''میری کیا مجال......! اس نے تمہیں کس بات کی سزا دی؟''

''یہ سزا نہیں تو اور کیا ہے کہ...... تم نے مجھے بیٹھنے تک کے لئے نہیں کہا۔'' وہ پھر تیز لہجے میں بولی۔ ''میں کب تک کھڑی رہوں اس طرح۔''

''اوہ آئی ایم ساری......!'' میں نے اس سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ ''دراصل اس میں میرا نہیں، تمہارا قصور ہے سراسر......''

''میرا قصور......؟ وہ کیسے......؟'' وہ چونکی۔ اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ ''میں نے کیا......؟ میرا قصور تو بتاؤ......؟

''تمہارا قصور یہ ہے کہ...... تم بلا کی حسین ہو۔'' میں مسکرایا۔ ''تمہارے حسن و شباب کے جادو نے مجھے خود فراموش کر دیا تھا۔ اب بیٹھ بھی جاؤ...... تمہیں اس کی اجازت لینے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیوں کہ تم بلا اجازت کمرے میں آئی ہو۔''

میں نے سوچا کہ...... اس سے دریافت کروں پروفیسر نارنگ کا جغرافیہ کیا ہے؟ موصوف کا جد امجد کیا ہے......؟ وہ کیا بیچتا ہے......؟ پھر مجھے اچانک خیال آیا کلہ میں دیوا کمار نہیں...... بلکہ رگھوناتھ عرف موٹا ہوں۔ میرے سوال پر وہ مشکوک ہو جائے گی وہ پھر میرے کمرے سے ٹینگا دکھا کر نکل جائے گی۔ میں اس بت غماز کو نکل جانے دینا نہیں چاہتا تھا۔ ایک تو اس سے غیر محسوس انداز سے کچھ معلومات حاصل کرنی تھیں...... گو کہ میرے ذہن نے اس کے ذہن سے بہت کچھ معلوم کر لیا تھا اور پھر اس کے ساتھ رات رنگین کرنا تھیں۔ ایسی کافرہ کا حسن اور قرب...... میں اس سے محروم ہونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ مہربان ہونے آئی تھی اور بڑی نیا فن بھی معلوم ہوتی تھی۔ اس امریکی سیاح لڑکی ایستھر کی طرح...... ایسی لڑکیاں قسمت سے ہی ملتی ہیں۔

''میں پھر یہ جاننا چاہتا ہوں کہ...... تمہیں کیا واقعی پروفیسر نارنگ نے میری سیوا کی غرض سے بھیجا ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''ہاں۔'' اس نے خوش نما سر ہلا دیا۔ پھر شوخ لہجے میں بول کر چہکی۔ ''یقین نہیں آیا ہے تو لکھ کر دے دوں......؟''

اسے میرا کتنا خیال ہے...... پروفیسر کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ مجھے تیکھی نظروں سے دیکھتی اور مسکراتی رہی۔ وہ شعلہ مجسم بنی ہوئی تھی۔ میں جھلس رہا تھا۔ بھلا یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' وہ شگفتگی سے بولی۔ ''میں تمہاری باندی ہوں۔ داسی ہوں۔ سیوا کرنے آئی ہوں۔ جو پلاؤ گے وہ پی لوں گی۔''

رات ایستھر جو شیمپین کی بتل اور گلاس لائی تھی اس میں نصف شیمپین تھی۔ وہ چھوڑ گئی تھی۔

میں نے الماری مین بوتل اور گلاس دھو کر رکھ دیئے تھے۔ میں نے دو گلاس تیار کر کے ایک گلاس اس کی طرف بڑھایا...... جس وقت اس نے میرے ہاتھ سے گلاس لیا میری نظر اس کی انگلی پر پڑی جس میں ایک بڑی انگوٹھی۔ اس پر انگریزی لفظ لکھا ہوا تھا۔

انگوٹھی بہت خوب صورت اور قیمتی بھی معلوم ہوتی تھی۔ یہ خالص سونے کی تھی کسی اور دھات کی نہیں تھی۔ میں نے انگوٹھی کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''بے بی!...... کیا تم مجھے اپنا نام بتانا پسند کرو گی......؟ مجھے تمہارا نام بتایا نہیں گیا تھا؟''

''میرا نام شمیتا مکرجی ہے۔'' اس نے مجھے چمکتی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر زیر لب مسکرا دی۔ ''تم مجھے شمی کہہ کر پکار سکتے ہو......!'' جس وقت اس نے اپنا نام بتایا تھا تبھی میں نے اپنا گلاس خالی کر دیا تھا۔ پھر اسے دوبارہ بھر کے حلق سے اتار لیا۔ مفت کی جو تھی۔ شمی نے دو تین گھونٹ لینے کے بعد پوچھا۔ ''کیا تم کسی تفریح کے موڈ میں ہو......؟ تمہیں موسیقی وغیرہ سے دلچسپی تو ہو گی......؟

''اس وقت تو تم...... صرف اور صرف تم میری دلچسپی...... تمہارا حسن اور شباب اور تفریح کا محور ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اگر تمہیں موسیقی پسند ہے تو یہ سمجھو کہ مجھے بھی جنون کی حد تک پسند ہے۔ موسیقی کون پسند نہیں کرتا......؟''

میری بات سنتے ہی اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ اس نے مجھ سے اجازت لینے کی ضرور تبھی نہیں کی۔ اس نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آف کر دیا۔ میرے لئے تو وہ خود موسیقی، نغمہ اور آہنگ تھی۔ کمرے کی خاموش فضا میں لطیف دھنیں بکھرنے لگیں تو اس کا جسم تھرکنے لگا۔ اس نے تھرکنا بند کیا۔ پھر میرے قریب آ کر پوچھا۔ ''رقص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

میں نے جواب دینے سے پہلے میز کے پاس جا کر گلاس رکھا اور اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''نیک خیال ہے! کیوں؟''

پونم نے اپنے نامناسب شب خوابی کے لباس کو اور اونچا اٹھا لیا۔ پھر میرے پاس آئی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے میں ہیجان خیز رقص شروع ہو گیا۔ یہ رقص کم تھا۔ اسے کسی صورت سے رقص کا نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ وہ مجھ پر نچھاور ہوئی جا رہی تھی۔ بل کھا کھا کر...... ترچھی ہو ہو کر...... تھرک رہی تھی...... اس کے بدن میں بڑا رچ تھا۔ گداز تھا۔ بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ وہ مجھ پر نچھاور ہوئی جا رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی بھی سمے وہ اپنا شب خوابی کا لباس اتار پھینکے گی۔ لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

میں نے دل میں پروفیسر نارنگ کا شکریہ ادا کیا کہ...... جس نے میری تفریح طبع کا خاص خیال کیا اس نے ایک ایسی لڑکی کا میرے لئے انتخاب اور انتظام یا کہ جو شعلہ مجسم تھی اس میں کوئی شرم اور حجاب نہ تھا۔ یہ دور ہی ایسا تھا تھا کہ شرم اور حجاب اٹھتا جا رہا تھا۔ عورت کا بس نہیں چلتا تھا

ورنہ وہ بے لباس گھر سے نکلے۔
رقص میں اتنی جذباتیت آ گئی تھی کہ...... بات رقص سے بھی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ ہم دونوں ہر چیز سے بے نیاز ہو گئے۔ پھر ایک دم سے رنگ میں بھنگ پڑ گیا۔ میں ایک بات بھول گیا تھا کہ اور ہوتا تو وہ بھی بھول جاتا۔ پونم تھی ہی ایسی لڑکی۔ ایسا لگا کہ بھونچال سا آ گیا ہو۔ دھڑام سے دروازہ کھلا۔ وہ خبیث بغیر دستک اور اطلاع کے دندناتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا اس بدتمیزی سے آنا سخت ناگوار لگا بلکہ زہر...... میرے جی میں تو آیا کہ ریوالور نکال کر اس حرام زادے کی کھوپڑی میں سوراخ کر دوں...... اس سؤر کو کلائمکس کے وقت ہی آنا تھا۔ کچھ دیر بعد آتا تو کیا بگڑتا۔ میں خون کے گھونٹ پی گیا۔ پونم کے بشرے سے ظاہر تھا کہ اسے بھی زہر لگا ہے۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

”رگھوناتھ......! حیرت کی بات ہے میرے کہنے کے باوجود تم نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا۔ اس لڑکی کے ساتھ موج اڑا رہے ہو؟“

ہاں...... میں نے لباس تبدیل نہیں کیا اور نہ کروں گا...... تم کون ہوتے ہو دھونس دینے اور حکم چلانے والے۔“ میں نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔ ”میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں اور نہ میں تمہیں جانتا ہوں۔ یہاں سے دفع ہو جاؤ...... سنا تم نے......“

”یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو......!“ اس کا خوف ناک چہرہ اور مکروہ ہو گیا۔ لمحے کے لئے اسے یقین نہیں آیا کہ میں اسے ایسا کھرا جواب دے سکتا ہوں۔ اس کی سؤر جیسی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں چنگاریاں سی بھر گئیں۔ وہ ترش روئی سے بولا۔

”میں تمہیں ایک منٹ کی مہلت دے رہا ہوں...... پھر بھی تم نے لباس تبدیل نہیں کیا تو میں تمہیں اس حالت میں اٹھا کر پروفیسر نارنگ کے پاس لے جاؤں گا۔ پروفیسر نارنگ کو یہ بات پسند نہیں آئے گی کہ تم اس حیثیت میں اس سے ملنے آئے۔“

پونم...... ویٹر کی بات سن کر بڑے زور سے چونکی۔ کیوں کہ اس نے پروفیسر نارنگ کا نام لیا تھا۔ پھر اس نے مجھے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

”تمہیں فوراً تیار ہو کر چل دینا چاہئے۔ پروفیسر نارنگ کو تم جانتے ہو۔ وہ بہت مصروف آدمی ہے۔ اس کے پاس وقت بہت کم ہوتا ہے۔“

”میں غصے کی حالت میں جامے سے باہر ہو گیا تھا۔ پونم نے پیار بھرے انداز سے میرے غصے کو سرد کیا تھا۔ مجھے میرے چہرے پر جھک کر منایا بھی تھا۔ میں نے بستر سے اس کا گون اٹھایا تاکہ اسے پہننے میں مدد دے سکوں۔ میں نے جب گون اٹھایا تو اس کا بکس جو گون کے نیچے تھا نجانے کیسے بستر سے نکل کر فرش پر گر گیا۔ پونم نے جو یہ دیکھا تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ ہذیانی

لہجے میں چیختے ہوئے بولی۔
”تم...... تم کیسے بے پروا آدمی ہو...... تم نے میرے بکس کا ستیاناس کر دیا...... تمہیں ذرا بھی کسی بات کا احساس نہیں۔“

”آئی ایم ساری پونم ڈارلنگ!“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے خجالت سے کہا۔ ”پلیز! جان! تم ناراض نہ ہونا......“

پونم کی تیوریوں پر بل پڑ گئے تھے۔ چہرہ تمتما رہا تھا۔ اسے یکایک نجانے کیا خیال آیا اس نے میرے ہاتھ سے گون لیا اور فرش سے بکس اٹھایا اور اس میں حالت میں کمرے سے نکل گئی۔ اس نے گون پہننے کی زحمت نہیں کی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس ویٹر کے آنے سے پہلے وہ بہت خوش اور سرشار تھی۔ اس نے میری جذباتی کیفیت اور من مانیوں کو بڑی گرم جوشی، والہانہ پن اور خود سپردگی سے قبول کیا تھا۔ کسی حرکت پر تعرض نہیں کیا تھا۔ اس کا بدلا ہوا رویہ معمہ بن گیا تھا۔

ویٹر کمرے سے باہر نہیں گیا تھا۔ وہ وہیں جم کر جیسے چٹان بن گیا تھا۔ اس کے چہرے پر سفاکی تھی۔ آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ ”رگھوناتھ......“ اس نے کرخت آواز میں وارننگ دی تھی۔

”صرف تیس سیکنڈ باقی ہیں...... سنا تم نے......؟“

میں نے فوراً ہی پتلون پہنی۔ بغیر جرابوں کے جوتے پہننے لگا۔ اس ویٹر نے مجھے تسمے باندھنے بھی نہیں دیئے۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے کمرے سے باہر لے آیا اور پھر دروازہ زور سے بند کر دیا۔ مجھے غصہ بہت آیا لیکن میں اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

میں نے راہ داری میں پونم کو دیکھا۔ وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ جانے کہاں چلی گئی تھی۔ گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب تھی۔

”رگھوناتھ!...... مجھے اندازہ نہ تھا کہ تم اس قدر احمق ہو......“ اس نے مجھ سے کہا۔ ”تم نے وقت ضائع کر کے اچھا نہیں کیا۔“

”مجھے احمق مت کہو......!“ میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ”اس میں میرا کوئی دوش نہیں...... بہتر ہے تم مجھے دوش نہ دو۔“

”اس میں تمہارا نہیں تو کیا میرا دوش ہے......؟“ وہ بری طرح چڑ سا گیا تھا۔ ”سارا دوش تمہارے ہے۔ تم اس کے ذمے دار ہو۔“

”سارا دوش پونم کا ہے......“ میں نے اس سے کہا۔ ”وہ حسین بلا تھی۔ تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے...... آنکھیں بند کر لیتے...... تم مجھے ادھر پندرہ منٹ دے کر گئے۔ یہ لڑکی ایسی تھی کہ پندرہ گھنٹے بھی کوئی وقت اور مہلت نہ تھی۔ اتنا تو وقت دیتے؟“

"اس بات کا غم تو ہے کہ تم نے پھسلنے نہیں دیا۔" میں نے کہا۔ "تم پتھر دل ہو۔ احساسات اور جذباتیت کا کوئی احساس نہیں؟"

ویٹر نے میری بات سن کر مجھے خشمگیں نظروں سے گھورا۔ وہ مجھے اس سمت کشاں کشاں لے جا رہا تھا جہاں ہوٹل سویٹ ہیون تھا۔ یہ ہوٹل چنائے میں سب سے مہنگا اور سب سے زیادہ پر آسائش ہوٹل مانا جاتا ہے۔ یہ ہوٹل بھی ساحل سمندر کے کنارے واقع ہے۔ یہ اطالوی طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ اسے دیکھنے لوگ آتے تھے۔

اس ہوٹل میں نہ صرف چنائے بلکہ کول کتا اور بالی ووڈ کی اداکارائیں اور اداکار...... صنعت کار اور تاجر بھی اپنے اپنے محبوباؤں، آشناؤں اور بدن کے خریدار آ کر راتیں کالی کرتے تھے۔ خصوصاً اداکارائیں...... ان کی راتیں کالی ہوتی تھیں۔ وہ اپنی شہرت اور جسم کی کشش اور جوانی، حسن و شباب سے خوب فائدہ اٹھاتی تھیں۔ فلموں اور رسالوں میں ان کے ہیجان خیز سراپا، رقص اور نیم عریاں تصویروں سے ان کی مانگ بڑھ جاتی تھی۔ کالا دھن والوں کی کمی نہیں رہی۔ اس ہوٹل میں وقت گزاری ہوتی تھی۔

میری نظر سمندر میں کھڑے ایک بحری جہاز پر پڑی جس پر فارچون لکھا ہوا تھا۔ نام دور سے ہی دکھائی دیتا تھا۔ مجھے یہ نام مانوس سا لگا لیکن اس وقت اس لئے یاد نہیں رہا تھا کہ اس وقت ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا اور کھوپڑی بھی پک رہی تھی۔ کیوں کہ اس ویٹر نے آ کر عین وقت پر بدمزگی پیدا کر دی تھی۔ پونم نے لمحات میں جو رنگینی پیدا کر دی تھی اور ہم جو جوانی کے جنگل میں دور تک چلے جا رہے تھے۔ بلا خوف، بے دھڑک اور بے جھجک اور کسی بات کا ڈر کئے...... وہ اس کی وجہ سے ختم ہو گئی تھی۔ غصہ تو آنا تھا۔

وہ مجھے ہوٹل کے اندر لے گیا۔ اس ہوٹل میں بہت سارے ہال تھے جس میں تقریبات منعقد ہوتے تھے۔ اس نے ایک ہال کے دروازے پر رک کر ایک لمحے کے لئے اپنی سانسیں درست کیں۔ پھر اس نے ہال کے دروازے کا ہینڈل کا ٹوپکڑ کے گھمانے کے بجائے کوئی تین مرتبہ دروازے پر دستک دی۔ اس نے تین مرتبہ مخصوص انداز سے دستک دی تھی۔ اندر خاموشی سی لگ رہی تھی۔

چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا تو ہم دونوں اندر گھس گئے۔ ہمارے گھستے ہی دروازے کو بند کر کے اندر سے مقفل کر دیا گیا۔ یہ ایک وسیع و عریض ہال تھا۔ اس کے اندر بہت سارے لوگ موجود تھے۔ مگر میری نگاہ سب سے پہلے اس شخص کی جانب اٹھی تھی جو کرسی صدارت پر بڑے پروقار اور رعب کے انداز سے کسی راجا مہاراجا کے انداز سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا رعب اور دبدبہ وہاں موجود لوگوں پر طاری تھا۔ اس کی سی شخصیت بہت کم لوگوں کی ہوتی ہے۔ مجھے اس شخص کو

پہچاننے میں پل بھر کی دیر نہیں لگی۔

یہی شخص پروفیسر نارنگ تھا۔ لیکن وہ کسی اور نام سے بھی مشہور تھا۔ اس کا ایک نام نہیں تھا۔ وہ مانا ہوا تھا۔ اسے لوگ غائبانہ طور پر گوریلا کے نام سے موسوم کرتے تھے لیکن کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کے سامنے اسے کوئی گوریلا کہہ کر مخاطب کر سکے۔ اس کے نام سے ہی ڈرتے اور خوف کھاتے تھے۔ اسے دیکھ کر میرے دل میں غم و غصے اور نفرت کی شدید لہر اٹھی تھی اور رگوں میں لہو ابلنے لگا تھا۔ کیوں کہ یہ جرائم کی دنیا کا سب سے ظالم، سفاک اور اونچا بدمعاش تھا۔ اپنے گروہ کا سرغنہ تھا، لوگ تو بڑے سے بڑے خطرناک اور پیشہ ور بدمعاش اور پولیس بھی اس کا نام سن کر کانپ اٹھتے تھے۔ میں اسے خواب کی سی حالت میں دیکھ رہا تھا...... مجھے یقین نہیں آیا کہ یہ شخص میری نظروں کے سامنے موجود ہے۔ موجودہ حالات میں اس کے یہاں آنے کی توقع نہیں تھی۔ وہ ہندوستان سے کبھی کا روپوش ہو چکا تھا۔ ہندوستانی حکومت اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی تھی اور نہ اس لئے اب تک ڈال سکی تھی کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا اور پھر وہ بڑا با اثر، با رسوخ اور طاقتور شخص تھا۔ اس نے حساس اداروں اور پولیس کے محکموں کو بھی خریدا ہوا تھا۔ انہیں خوش کرنے کے لئے پونم جیسی لڑکیاں، شراب اور موٹی رقموں سے بھی کام لیتا تھا۔ اس لئے سب اس کے زیر اثر تھے۔ اس کے بارے میں بہت ساری افواہیں گشت کرتی رہی تھیں اور کر رہی تھیں کہ وہ اب کبھی ہندوستان نہیں آئے گا۔

افواہیں، افواہیں ہی ہوتی ہیں۔ ان میں بہت کم صداقت ہوتی ہے۔ وہ مجھے نظروں کے سامنے فرشتہ اجل کی طرح نظر آیا۔ وہ مجھ پر جیسے ہنس رہا تھا۔ جیسے کہہ رہا تھا کہ...... برے پھنسے مسٹر دیوا کمار...... پھر میری نگاہوں نے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سرسری انداز سے دیکھا۔ پورا ہال نہ صرف ہندوستان کے بلکہ دنیا کے جرائم پیشہ اور پیشہ ور قاتلوں کی تنظیموں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ جگہ کسی بھی سراغ رساں کے لئے پھانسی کا گھاٹ تھا۔ اس کے باوجود میں بے حد پرسکون تھا۔

میرے ہال میں داخل ہوتے ہی ایک بھن بھناہٹ اور سنسنی سی پھیل گئی۔ یہ سارے تقریباً مجھے جس طرح جانتے اور پہچانتے تھے شاید اپنی اولاد کو بھی...... وہ ایسے کہ میرے کارنامے ہندوستان کے تمام اخبارات میں تصویر کے ساتھ شائع ہوتے رہے تھے ایک طوفان سا آ گیا۔ کچھ بدمعاش چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ دو ایک بدمعاش میری طرف جارحانہ انداز سے بڑھے۔

پروفیسر نا گن یہ سب کچھ جو بڑے سکون و اطمینان سے دیکھ رہا تھا اس کی نگاہیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے اس کے دل کے تاثرات ظاہر نہ تھے۔ وہ بڑا گہرا شخص تھا۔ رکھ رکھاؤ کا بھی تھا۔ ظاہر تھا سرغنہ تھا۔ چند لمحوں تک شور شرابا ہوتا رہا تھا۔ جب پروفیسر نارنگ نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو ایک دم سے شور شرابے نے دم توڑ دیا۔

پورے ماحول پر ایک ایسا بے کراں سناٹا طاری ہوگیا جیسے کوئی موجود نہ ہو۔ یہ خالی پڑا ہوا ہے۔

"تم رگوناتھ عرف موٹا تو نہیں ہو......؟" اس گہری خاموشی میں پروفیسر نارنگ کی بھاری آواز گونجی۔ میری طرف جو بدمعاش بڑھ رہے تھے وہ رک گئے تھے۔

"رگھوناتھ عرف موٹا......؟" میں نے انجان بن کر حیرت سے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ "یہ کون بلا ہے اور تم کون ہے؟" میری زبان سے بلا ارادہ نکل گیا۔

"سنو مسٹر!" پروفیسر نارنگ نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "زیدہ ہوشیاری دکھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم موٹا کے کمرے میں کیا کر رہے تھے؟"

مجھے اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ میں موت کے دہانے پر کھڑا ہوا ہوں...... ایک نہیں بہت سارے قاتل موجود ہیں۔ میرا پتا صاف کر کے میری لاش ایسی غائب کریں گے کہ اس کا پتا کبھی بھی نہیں چل سکے گا۔ میں اپنی بدحواس اور ذرا سی بھی حماقت پر اپنی جان سے ہاتھ دھو سکتا ہوں۔ لہٰذا مجھے بڑی احتیاط کی ضرورت تھی۔ وہ مافیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ میں اپنی مخفی قوتوں سے ابھی کام لینا نہیں چاہتا تھا۔ اسے اور کسی قاتل کی مجال نہیں تھی کہ وہ مجھے موت کی نیند سلا دے۔ میں نے بڑے مضبوط لہجے میں بے خوفی سے کہا۔

"رگوناتھ عرف موٹا کی تکرار میری سمجھ سے باہر ہے...... تم مجھ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کر رہے ہو جس کا نام میں پہلی بار سن رہا ہوں...... اس کی میں نے شکل تک نہیں دیکھی ہے...... تمہیں میرے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

میں دروازے کے پاس کھڑا ہوا تھا...... میں اپنی بات ختم کر کے بے خوفی سے پروفیسر نارنگ کی طرف بڑھا تو حاضرین میں سے کئی ہاتھوں کو جیبوں میں جاتے دیکھا۔ انہوں نے دوسرے لمحے ریوالور نکال لئے تھے۔ میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ میں یہ بات جانتا تھا کہ وہ اپنے باس کے حکم کے بغیر گولی چلا نہیں سکتے۔ وہ اس بات کو پسند نہیں کر سکتا تھا کہ ہوٹل میں قتل کی واردات ہو۔ میں ان کے ہاتھوں میں اسلحہ دیکھ کر بالکل بھی خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ دو ایک نے میری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کی تو انہیں ان کے باس پروفیسر نارنگ نے اشارے سے روک دیا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"مسٹر......! تمہیں اس بات کو پوچھنے کا کوئی حق نہیں پہنچا کہ تم کون سے کمرے میں اور کس لئے ٹھہرے ہو......؟ مجھے کیا معلوم تھا کہ اسے اس کمرے میں ٹھہرنا تھا۔ یہ کمرا مجھے ہوٹل والوں نے دیا ہے۔ میں کس نام سے ٹھہرا ہوں تم معلوم کر سکتے ہو......؟"

میں نے پروفیسر نارنگ کے بشرے سے محسوس کیا کہ اسے میری بات اور لہجہ سخت ناگوار لگا

ہے۔ دوسرے لمحے اس کے چہرے پر غصہ نمودار ہوا۔ لیکن اس نے اپنے غصے پر قابو پالیا۔ میں نے جو کچھ کہا وہ غلط نہ تھا۔ اس نے خود پر قابو پانے کے بعد میری پشت پر کسی کو اشارہ کیا...... میں نے فوراً ہی گھوم کر دیکھا تو میری نگاہ راجہ پر پڑی جو ایک طرف خاموشی سے کھڑا تھا۔ میں ین اس سے کہا۔

"راجہ......! یہ شخص کون ہے......؟ مجھ سے بے سروپا قسم کے معاملات کس لئے کئے جا رہے ہیں؟ یہ کیا تماشا ہے......؟"

راجہ کو میں نے پہلی بار بے حد سنجیدہ پایا تھا۔ اسے شاید فوراً ہی حالات کی نزاکت کا انداز ہوگیا...... اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ وہ پروفیسر نارنگ کے دائیں جانب اور قدرے قریب ہوگیا تھا۔ اس نے مجھ سے بات کرنے کے بجائے پروفیسر نارنگ کو مخاطب کیا۔

اس کا نام دیوا کمار ہے...... یہ ممبئی کا پرائیویٹ سراغ رساں ہے۔ یہ کبھی کبھی یعنی سال دو سال میں تفریح کی غرض سے آجاتا ہے...... اسے یہاں کی سانولی لڑکیاں اور شراب بہت پسند ہے...... آج کل مہاراشٹر حکومت نے شراب پر سخت پابندی عائد کی ہوئی ہے اس لئے وہ آتا ہے...... میں آج صبح بھی اس سے سوئمنگ پول پر مل چکا ہوں جہاں وہ تیر اور نہا رہا تھا۔"

پھر اس نے توقف کر کے میری طرف دیکھا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر مجھے بڑی سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

"دیکھو...... مسٹر دیوا کمار!...... پروفیسر نارنگ...... تم سے جو کچھ دریافت کریں اس کا صحیح صحیح جواب دیں تا کہ ان کی غلط فہمی دور ہو جائے۔ انہیں تمہارے بارے میں جو شک ہوگیا ہے وہ اسے دور کرنا چاہتے ہیں۔"

راجہ جیسے مجرم نے میری حمایت میں بے خوفی سے کہہ کر اس نے میرا دل جیت لیا تھا۔ میرے دل میں اس کے لئے جگہ بن گئی تھی۔ "مجھے سچ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے۔" میں نے اسے جواب دے کر پروفیسر نارنگ کی طرف دیکھا۔ "آپ کیا تسلی کرنا چاہتے ہیں جناب!"

پروفیسر نارنگ گہری خاموشی اور تنقیدی نظروں سے مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ ان لوگوں مین سے تھا جو اپنا سوال دہراتے نہیں ہیں، میں نے اسے خاموش پا کر سوچا کہ کیوں نہ خود ہی بتا دوں۔ پھر میں نے اسے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانا شروع کیا۔

"مجھ سے جس کمرے کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے وہ میری سمجھ میں نہیں آیا ہے...... میں کل ہی اس شہر میں آیا ہوں...... میں نے اس خیال سے کمرا بک نہیں کرایا کہ مل جائے گا۔ میں جب بھی آیا مجھے کمرا مل گیا۔ لیکن اس مرتبہ ایسا نہیں ہوا۔ اتفاق سے ایک کمرا بھی خالی نہیں تھا۔ ڈبل بیڈ بھی خالی نہیں تھا۔ البتہ ایک شخص نے کمرا بک کرایا ہوا تھا۔ وہ کسی وجہ سے نہیں آیا تھا......

لہٰذا میں نے ڈسک گرل کو سو روپے رشوت دے کر اور اس کی منت سماجت کر کے کمرا لے لیا۔ اتنی سی بات ہے۔''

میری یہ بات سنتے ہی فوراً ہی ایک شخص جو بدمعاش تھا ہال سے نکل گیا تھا۔ وہ شاید میری بات کی تصدیق کرنے گیا تھا۔ مجھے کسی بات کا ڈر اور خوف نہیں تھا۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ وہ ڈسیک گرل آج بھی ڈیوٹی پر موجود تھی۔ میں نے اسے تاکید کی ہوئی تھی کہ یہ بات وہ کسی کو نہ بتائے کہ میں کسی اور کمرے سے اس کمرے میں منتقل ہوا ہوں۔ اس نے وعدہ کر لیا تھا۔

پروفیسر نارنگ کو جیسے میری بات کا یقین آ گیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے نرم لہجے میں مجھ سے کہا۔

''میں تمہاری بات مان لیتا ہوں...... لیکن تم یہ بتاؤ کہ...... ویٹر کے ہمراہ بحیثیت رگوناتھ کے یہاں کس لئے آئے ہو؟''

میں نے جواب دینے سے پہلے اس سمت دیکھا جہاں ویٹر مؤدب انداز سے خاموش کھڑا ہوا تھا۔ پھر میں نے پروفیسر نارنگ سے کہا۔

''اس بات کا جواب تو ویٹر ہی دے سکتا ہے...... ایک تو یہ شخص میری اجازت کے بغیر کمرے میں دندناتا ہوا گھس آیا...... وہ مجھے لباس تبدیل کرنے کا حکم دے کر چلا گیا۔ اس نے بیس منٹ کی مہلت دی۔ اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا کہ...... وہ مجھے کہاں لے کر جانا چاہتا ہے؟ اس نے بات کرنا بھی گوارا نہیں کی۔ نہ نام پوچھا۔ جس تیزی سے گیا تھا اسی طرح واپس چلا گیا۔

میں اس ویٹر کے آنے سے چند لمحے قبل کمرے میں آ کر بستر پر دراز ہوا تھا۔ اس کے جانے کے چند لمحوں کے بعد میرے کمرے کے ملحق واش روم کا دروازہ کھلا۔ اس میں ایک بہت حسین و جمیل اور نوجوان عورت کمرے میں آئی۔ وہ جانے کب سے موجود تھی۔ اس نے مجھے رگوناتھ کہہ کر مخاطب کیا اور کہا کہ...... وہ پروفیسر نارنگ کے کہنے پر ہر طرح کی سیوا اور خوش کرنے کے لئے آئی ہے۔'' اس حالت اور ایسے لباس میں تھی کہ مرد بہک جائے۔ اس کے رقص اور قرب نے مجھے دعوت گناہ دیا تھا...... میں اس فتنے کی قربت میں دیوانگی کی حد تک پہنچا تھا کہ...... یہ ویٹر پھر کمرے میں طوفان بن کر گھسا...... یہ شخص آؤ نا تاؤ مجھے جبر و زیادتی سے قربانی کے جانور کی طرح کھینچتا لے آیا۔ ذرا بھی تمیز اور شرافت نہیں تھی اس میں...... اس نے مجھے جوتے کے تسمے باندھنے اور کوئی بات کہنے اور تردید کرنے کی مہلت تک نہیں دی کہ میرا نام رگھوناتھ نہیں ہے...... میرے جوتوں پر ایک نظر ڈالیں، اس سے میری سچائی کا اندازہ ہو جائے گا۔ میرے جوتے اس بات کی گواہی دیں گے۔''

میں نے توقف کر کے اپنے جوتے پروفیسر نارنگ کو دکھائے۔ پھر تمام حاضرین کو...... پھر

میں نے پوچھا۔

''میں اب تک یہ بات جان نہیں سکا ہوں کہ مجھے شک کی نظروں سے کیوں دیکھا جا رہا ہے......؟ مجھ پر جرح کس لئے کی جا رہی ہے؟''

میرا بیان سننے کے بعد پروفیسر نارنگ نے اسے قہر آلود نظروں سے گھورا۔ پھر وہ میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور نرم لہجے میں بولا۔

''مسٹر دیوا کمار!...... مجھے بہت افسوس ہے کہ تمہیں غلط فہمی کی وجہ سے تکلیف پہنچی ہے...... اصل بات یہ ہے کہ الیکشن کے لئے ایک کنونشن بلا رہے ہیں...... ظاہر ہے پارٹی سیکرٹ کو دوسروں سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے ہم اس کنونشن کی ہر کارروائی کو محفوظ رکھتے ہیں۔ لہٰذا تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ تو اچھا ہے۔''

''دیوا کمار......!'' راجہ نے کہا۔ پروفیسر نارنگ کی غلط فہمی دور ہو گئی۔ انہوں نے تم سے وضاحت بھی کر دی۔

میں نے جو داب غسل کا خیال نہیں کیا اس کے ئے معافی کا خواستگار ہوں۔'' میں نے پروفیسر نارنگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے ندامت کا اظہار کر کے اسے یہ تاثر دیا تھا کہ اس کی بات کو صدق دل سے سچ تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اس بات سے خوش ہو گیا تھا۔ جو بدمعاش میری بات کی تصدیق کرنے گیا تھا وہ اس دوران واپس آ گیا۔ اس نے شاہد ہال سے نکل کر موبائل یا فون پر ڈیسک گرل سے رابطہ کیا ہوگا...... یا پھر تیزی سے لپک گیا ہوگا۔ میرا ہوٹل دور ہی کتنا تھا۔ چند قدم پر واقع تھا۔

اس نے پروفیسر نارنگ کو مخصوص انداز سے اشارہ کیا تھا جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ میرے ہی متعلق تھا اس اشارے کے جواب میں پروفیسر نارنگ نے اثباتی انداز سے سر ہلا دیا تھا۔ گویا اس بدمعاش نے میرے بیان کی تصدیق کر دی تھی۔

''غلط فہمی اور عجلت بازی کی وجہ سے جس ذہنی کوفت...... تکلیف اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں مسٹر دیوا کمار...... تم سے ایک گزارش ہے کہ جب تک ہمارا کنونشن ختم نہیں ہو جاتا تم اپنے کمرے سے نہیں نکلو گے......''

میں نے لمحے کے لئے دل میں سوچا کہ...... اس سے کہوں کہ میں ایک شرط پر اس کی شرط...... گزارش کو قبول کر سکتا ہوں کہ وہ پونم کو میرے پاس سیوا کے لئے بھیج دے۔ میں ایک ماہ تک بھی کمرے میں نظر بند رہ سکتا ہوں...... پونم میری تنہائی کی بہترین رفیقہ ثابت ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ وہ بڑی گرم جوش، حسین اور کشش کے خزانوں سے بھرا ہوا جسم ہے لیکن میں خاموش رہا۔

وہ خود اس بات پر ناراض ہو کر چلی گئی۔ یہ کم بخت ویٹر نہ موجود ہوتا تو میں اسے پیار و محبت سے منا لیتا۔ اس وقت مجھے بالکل بھی خیال نہیں رہا تھا کہ میں اس کا ذہن پڑھ لوں تا کہ یہ تو معلوم ہو سکے کہ وہ کہاں گئی ہے......؟ اگر میں اس سے پونم کی خواہش ظاہر کرتا تو شاید وہ انکار نہ کرتا......

لیکن میں نے یہ بات کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں اپنے آپ کو ہلکا ثابت کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"یوں بھی میرے پاس کہیں آنے جانے کے کوئی پروگرام نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں یوں بھی سونے اور آرام کرنے آیا ہوں...... ممبئی شہر میں کون کہاں...... چنائے میں سکون بھی ہے حسن و شباب بھی......دل وابستگی کا سامان بہت ہے۔"

اتنا کہہ کر میں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ ایک لحظہ کے لئے میں ٹھٹک کے رک گیا۔

کیوں کہ معاً میری نگاہ اجیت پر پڑی اس سے میری نگاہیں چار ہوئیں۔ وہ مجھے غضب ناک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس لئے کہ میں نے اسے زوردار سبق جو دیا ہوا تھا۔ میرا دیا ہوا سبق وہ بھول نہیں سکتا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اسے یاد آ گیا تھا۔ اس لئے وہ مجھے گھور رہا تھا۔

پروفیسر نارنگ کا ذہن پڑھنے کے بعد...... یہ بات میرے علم میں آئی تھی کہ یہ کنونشن کس نوعیت کا ہے۔ اس نے جو تاثر دیا تھا وہ یہ کہ......سیاسی نوعیت کا ہے۔ لیکن ذہن پڑھنے سے یہ عقدہ کھلا تھا کہ...... یہ کنونشن سیاسی لیڈروں کا نہیں بلکہ بڑے بڑے جرائم پیشہ مافیا کے سرغنوں کا ہے میں اس کانفرنس کی غرض و غایت کی تہہ میں پہنچ چکا تھا۔ گو مجھے اپنے شبہات کی تصدیق کرنے کی اشد ضرورت نہ تھی لیکن اس کے باوجود میں دوسروں سے بھی معلوم کرنا چاہتا تھا۔

میں نے ان جرائم پیشہ کے ہجوم میں مکنڈ سوامی کو بھی دیکھا تھا۔ مجھے اس سے ہر قسم کی مدد مل سکتی تھی۔ کیوں کہ کوئی بھی جرم پیشہ اپنے محسن کو بھلاتا نہیں ہے۔ احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے بے چین رہتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ مکنڈ سوامی میرے کام آئے گا۔

میں نے مکنڈ سوامی کی فوراً تلاش شروع کر دی۔ میں اس سے ملنا اور اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ کوئی دس منٹ کے بعد میں نے اسے لابی میں بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اجلاس برخاست ہونے کے بعد یہاں چلا آیا تھا۔ پھر میری نگاہ اس خبیث ویٹر پر پڑی۔ اسے شاید میری نگرانی پر مامور کر دیا گیا تھا۔ چوں کہ میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں تھا اس لئے پروفیسر نارنگ مجھ سے بہت محتاط ہو گیا تھا۔ میں دانستہ اس کے سامنے مکنڈ سوامی سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے غیر محسوس انداز سے کہا۔

"دوست!......تم فوراً ہی بار میں ملو...... میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

جب میں ہوٹل کے عقبی دروازے پر رک کر پلٹا تو میری ویٹر سے ٹکر ہو گئی تو میں نے اسے

گھورتے ہوئے زہر خند کہا۔

تم مجھے پہلے بھی بہت پریشان اور ہراساں کر چکے ہو۔ تمہیں میرا تعاقب اور نگرانی کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ بہتر ہے تم گھر جا کر سو جاؤ۔"

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ سخت ہو گیا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ میں نے بار کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ وہ میرے تعاقب میں نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ میرے تعاقب اور نگرانی کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

چند لمحوں کے بعد مکنڈ سوامی بار میں آ گیا۔ ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے تو میں نے اس سے پوچھا۔ "یہ ویٹر کم بخت کون ہے؟"

"اس کا اصل نام کیا ہے کسی کو پتا نہیں ہے۔" مکنڈ سوامی بتانے لگا۔ "لوگ اسے جوکر کے نام سے پکارتے اور جانتے ہیں۔ وہ ایک پیشہ ور غنڈہ ہے، کسی کو قتل کر دینا اس کے لئے ایسا ہی ہے جیسے راستے کے پتھر ٹھوکر مار کر ہٹا دینا۔"

مکنڈ سوامی نے وہ تمام معلومات بھی پہنچائیں جس کی مجھے اشد ضرورت تھی۔ وہ بڑے کام کا آدمی نکلا۔ وہ میرے اعتماد پر پورا اترا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ یہ باتیں ہرگز ہرگز نہیں بتاتا۔ جب اس نے مجھے موجودہ کانفرنس کے بارے میں بتایا تو میں بظاہر اچھل سا پڑا تھا۔ میں نے اپنے چہرے سے بڑی حیرت کا اظہار کیا تھا۔ میں نے اس پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ میں پروفیسر نارنگ کے ذہن سے یہ تمام باتیں معلوم کر چکا ہوں۔ وہ اس بات سے ناواقف تھا کہ میں ٹیلی پیتھی کا علم جانتا ہوں۔ یہ میں نے کسی کو نہیں بتایا تھا اور نہ بتانا چاہتا تھا۔ یہ راز میری ذات تک تھی اور راز رہنا ہی میرے لئے فائدہ مند بھی تھا۔

میں نے اس کانفرنس کی اہمیت پر غور کیا تو اس بات پر حیران رہ گیا تھا کہ پروفیسر نارنگ نے کتنا زبردست منصوبہ بنایا۔ متحدہ امریکہ کی لیبر یونین نہ صرف مزدور لیڈروں کے لئے ایک انعام کی حیثیت رکھتی تھی بلکہ یہ جرائم پیشہ سرغنوں اور اشتراکیوں کے لئے بھی اتنی ہی مفید ثابت ہو سکتی تھی......ایک بات یہ بھی تھی کہ جو لوگ یونینوں کو کنٹرول کرتے ہیں وہی امریکہ کی صنعتوں بلکہ پوری امریکی قوم کو بھی کنٹرول کرتے ہیں۔ خود نیسن نے مزدور یونینوں میں اثر و رسوخ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے......اس کا قول تھا کہ......مزدور کو قابو کر لو تو پورے ملک کو قابو کیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر نارنگ نیسن کے اس قول پر عمل کرنا چاہتا تھا۔

ماضی میں جرائم پیشہ دنیا کے سرغنوں نے کئی بار ان یونینوں میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ کئی ایک یونین ان کے اشاروں پر چل رہی تھیں......اس کنونشن کا عظیم مقصد یہ تھا کہ وہ تمام

یونینوں پر چھا جائیں......اس طرح حکومت کی باگ دوڑ ان کے ہاتھ میں آ جائے گی۔ اس لئے سرغنوں نے پروفیسر نارنگ کو مدعو کیا تھا۔ یہ سارا پروگرام اس کا ترتیب دیا ہوا تھا۔

اس کا داخلہ چوں کہ امریکہ کی تمام ریاستوں میں ممنوع تھا اس لئے ہندوستان کے شہر چنائے میں منعقد کی گئی تھی۔ اس کانفرنس میں رگوناتھ کو جو سے متعلق ایک فائل پیش کرنی تھی۔ جو میرے موکل کا دوست تھا۔ جو کے بارے میں بلیک میل کی جو دستاویزات تیار کی گئی تھیں اس لئے کہ ملک کی تمام لیبر یونین اس کے زیر اثر تھیں۔ اس لئے جو کی اہمیت تھی۔

رگوناتھ کی مدت سے دستاویز کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ اب یہ بات علم میں آ گئی تھی کہ رگوناتھ کو کسی نے پراسرار طور پر قتل کر دیا ہے۔ وہ زندہ نہیں ہے۔ اب یہ دستاویز انہی جرائم پیشہ سرغنون میں سے کسی ایک کے پاس موجود ہے۔ وہ اس کی اپنی جان کی طرح حفاظت کر رہا ہے۔ اب تک اس بات کا پتا نہیں چل سکا تھا کہ کس کے پاس دساتویز ہو سکتی ہے۔

اب یہ بات نہ صرف کھل کر سامنے آ گئی تھی بلکہ واضح ہو گئی تھی کہ اگر ان سرغنوں کے ہاتھ یہ فائل لگ جاتی ہے تو وہ نہ صرف اربوں ڈالر کے مالک بن جاتے ہیں بلکہ ملکی سیاست پر بھی حاوی ہو جاتے ہیں۔ میرا موکل نہیں چاہتا تھا کہ اس کے دوست کو نشانہ بنایا جائے۔ اشتراکیوں کے حاوی ہونے کی صورت میں امریکہ کی معیشت پر گہرا اثر مرتب ہو سکتا ہے اور سیاست بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ میرا موکل بھی بلیک میل کی زد میں آیا ہوا تھا لیکن اس کیس نے بہت زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی۔

مجھے اپنی زندگی میں کبھی ایسے کسی کیس سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ میں خاصی دیر تک مکنڈ سوامی سے بات کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ جو کی بلیک میل کی میرے نزدیک بہت زیادہ اہمیت ہو گئی تھی۔ اس قاتل کے حصول کے لئے میں نے جیسے آگ اور سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی...... جو کے ان کے دام میں پھنس جانے سے پوری امریکی قوم کے لئے المیہ اور ناقابل تلافی نقصان تھا۔ مجھے صرف امریکی قوم سے دلچسپی اور لگاؤ تھا۔ اس کے صدر سے نہیں جو قابل نفرت تھا۔ امریکی عوام کی بدنصیبی تھی کہ انہیں ایک جابر صدر ملا تھا۔ امریکی عوام کا کیا قصور تھا کہ انہیں صدر کی پالیسیوں کی سزا دی جائے۔ امریکی عوام اس صدر کو منتخب کر کے پچھتا رہے تھے۔ یوں بھی میں نے کبھی اشتراکیوں کو پسند نہیں کیا تھا۔ میرا موکل اور میں بھی امریکیوں کا حامی تھا۔ صدر کا نہیں۔

میں پہلی فرصت میں سریتا سے مل کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کے شوہر نے میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے......؟ اگر اس نے مجھے قتل کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو بتا دے...... تاکہ میں اس سے محفوظ رہوں۔ کسی اور جگہ رہ کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھوں۔ میں بیک وقت دو محاذوں پر مقابلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے آزادی اور ایک جانب پوری توجہ کی ضرورت تھی...... مجھے دو کالیں کرنی

تھی۔ اس شہر میں ایک ایف بی آئی کا ایجنٹ تھا جس کا نام پتا اور فون میرے موکل نے دیا۔ دوسرا جو......ج س کا بھی پتا میرے موکل نے دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب میں کمرے سے نکلا تو میں نے جو کو ایک کونے میں مشکوک انداز سے کھڑے دیکھا۔ میرے کمرے کی چابی نیچے بورڈ سے لگی ہوئی تھی۔ میں چابی نکال کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے تیزی سے لپکتا آ رہا تھا۔ جب میں نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کرنا چاہا تو اس نے اپنی ٹانگ اڑا دی۔ پھر میں نے اسے اندر آنے دیا۔ معلوم نہیں کیوں اور کس لئے وہ میرے تعاقب میں آیا تھا......شاید اس نے مجھے مکنڈ سوامی سے بات کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ شاید اس ضمن میں مجھ سے کچھ پوچھنا یا بات کرنا چاہتا تھا۔ میں اس کے باپ کا نوکر تو تھا نہیں جو اسے پوچھ گچھ کرنے دیتا...... یا پھر وہ اس لئے بھی غضب ناک تھا کہ میں نے پرفیسر نارنگ سے اس کی شکایت کر دی تھی اور پروفیسر نارنگ نے اسے قہر آلود نظروں سے گھورا تھا۔

وہ جیسے ہی کسی بھینسے کی طرح اندر گھسا میں نے اس کی کمر پر ایک زوردار لات رسید کی۔ اس کے لئے اچانک اور غیر متوقع تھا اس لئے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کھڑکی کی طرف جا رہا تھا کہ میں نے فوراً کمرے سے نکل کر دروازہ بند اور مقفل کر دیا۔

میں اپنے کرائے کی بیوک لے کر شہر کے غیر معروف علاقے میں واقع ہوٹل چندریکا پہنچا۔ یہ ایک تیسرے درجے کا ہوٹل تھا۔ یہاں سیاحوں سے زیادہ مچھیروں کا بسیرا ہوا تھا۔ یہاں عموماً وہ مرد اور عورتیں کمرے کرائے پر چند گھنٹوں کے لئے لیتے تھے جن کے درمیان تعلقات ہوتے تھے۔ وہ آشناؤں اور محبوباؤں کے ساتھ آتے تھے۔ داد عیش دیتے تھے۔ کرایہ بھی مناسب ہوتا تھا۔ اس لئے یہ ہوٹل خوب چلتا تھا۔ جب میں ڈیسک پر پہنچا تو دو جوڑے پھٹا پرانا رجسٹر میں خانہ پری کر رہے تھے۔ ایک جوڑا جو تھا وہ تیس چالیس برس کا تھا۔ عورت تیس برس کی اور مرد چالیس برس کا......عورت کا لباس معمولی تھا۔ وہ کسی کلرک کی بیوی اور دو تین بچوں کی ماں معلوم ہوتی تھی۔ مرد دکان دار لگ رہا تھا......دوسرا جوڑا جو تھا اس میں لڑکا اٹھارہ برس کی عمر کا دراز قد تھا۔ عوت جو تھی اس کی عمر چالیس برس کی ہو گی وہ ماڈرن لگ رہی تھی اس نے لڑکے کو پھانسا تھا۔ وہ پستہ قد تھی۔

اس ہوٹل کا مالک ریٹائر پولیس انسپکٹر تھا۔ اس لئے اس ہوٹل میں سب کچھ ہوتا تھا۔ تین کمروں میں جوا ہوتا تھا۔ منشیات کا دھندا ہوتا تھا...... پانچ سات لڑکیاں جو اسکول اور کالج کی تھیں وہ یہاں آ کر دھندا کرتی تھیں۔ اس لئے یہ ہوٹل خوب چلتا تھا۔ ان کے جانے کے بعد کلرک نے مجھ سے کہا۔ ”کمرا نمبر بیس میں آج ہی تین نئی لڑکیاں آئی ہیں۔ وہ تیرہ سے سولہ سترہ برس کی ہیں۔“

"مجھے کسی عمر کی لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے ایک کشادہ، صاف ستھرا اور ہوادار کمرہ چاہیئے۔"

کلرک نے رجسٹر میری طرف بڑھایا۔ جب میں نے خانہ پری کی تو اس نے زنگ آلود چابی بڑھادی۔ کمرہ نمبر ستائیس......"

میں نے رجسٹر میں اپنا نام گوپال لکھا۔ میں چابی لے کر کمرے میں پہنچا۔ کمرے کی کھڑکی تازہ ہوا کے لئے کھول دی۔ پھر کمرا مقفل کر کے ڈیسک پر آیا اور کلرک کے پاس چابی جمع کرادی۔ کونے میں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس طرح لپکا جیسے وہ میری محبوبہ ہو اور میں اسے اپنی آغوش میں لینے کے لئے بے تاب ہوں۔

میں نے دہلی کے لئے کال بک کرائی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایف بی آئی کے ایجنٹ ڈوگن سے میری جو بات چیت ہوئی وہ بہت ہی اہم نوعیت کی تھی۔ پھر میں نے مسٹر جو سے رابطہ کیا...... پھر میں نے اسے تفصیلات سے آگاہ کیا...... جب اسے پروفیسر نارنگ کے بارے میں بتایا تو اس پر موت کا سا سناٹا طاری ہوگیا۔ پھر میں نے ان اشیاء کے بارے میں لکھوایا جن کی مجھے فوری ضرورت تھی۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ ان اشیاء کو مہیا کرنا بہت مشکل ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ اس کا مسئلہ ہے۔ مجھے ہر قیمت پر کل ان اشیاء کا ملنا بے حد ضروری ہے۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ میرے جو بقایا آٹھ لاکھ کی رقم ہے وہ میرے ممبئی کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرادو تاکہ میں سکون سے کام کرسکوں۔

"تمہیں دو لاکھ کی رقم دی جاچکی ہے۔" جو نے تکرار کے انداز میں کہا۔ "باقی معاوضہ تمہیں مشن کی کامیابی کی صورت میں ادا کیا جائے گا...... تم سے میرے دوست نے یہی طے کیا تھا۔ اب تم جو یہ رقم بھی پیشگی چاہتے ہو کس لئے؟ کیا نیت میں فتور آ گیا ہے؟"

"یہ بات نہیں ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "میری نیت میں فتور ہوتا تو میں دو لاکھ کی رقم ہضم کر کے بیٹھ جاتا۔ میرا کوئی کیا بگاڑ لیتا...... سچ پوچھو تو اب اندازہ ہو رہا ہے کہ میں نے دس لاکھ روپے میں جو معاملہ طے کیا وہ مشن کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ ایک کروڑ کی رقم طلب کرتا تو بہت کم تھا۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ آگ اور خون کے سمندر میں چھلانگ لگانی ہوگی۔ ورنہ میں اس کام میں ہاتھ نہ ڈالتا...... اس وقت امریکی حکومت نے ساری دنیا میں جو دہشت گردی کی ہے اور کر رہی ہے اس کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ میں امریکی عوام کے مفاد کے لئے میدان میں آیا ہوں...... امریکہ کے لاکھ عوام اپنی حکومت کے خلاف ہوگئے ہیں۔ اس لئے میں اس عظیم قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں...... دوسری بات یہ ہے کہ رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع ہونے کی صورت میں اس مشن میں میری موت واقع ہونے پر لواحقین کو یہ رقم مل جائے گی...... پھر میں موت کے فرشتے

کے سامنے بے دھڑک کھڑا ہو جاؤں گا۔ اس طرح موت کا فرشتہ میدان چھوڑ جائے گا۔"

"کل صبح تمہارے ممبئی کے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ کی رقم جمع ہو جائے گی۔" وہ مردہ لہجے میں بولا۔ "تم جیسوں کم کاروباری زیادہ ہو۔"

پھر میں نے اسے بتایا۔ "میں ہوٹل چندر مکھیا میں گوپال کے نام سے ٹھہرا ہوا ہوں۔ تمہارا ہرکارہ جب وہ اشیا لے کر مجھ تک پہنچے تو مجھ سے میرا نام دریافت کرے گا...... ہم میں سے ایک کہے گا کہ الیکشن کون جیتا......؟ دوسرا جواب دے گا نریندرا...... اس طرح سے ہم متعارف ہوں گے...... میرے اور تمہارے ہرکارے کے سوا کسی اور کو ان باتوں کا علم ہونا نہیں چاہیئے۔"

میں اپنی گاڑی میں اس ہوٹل کی جانب نکلا جس میں رہائش پذیر تھا۔ میں نے اپنی گاڑی اس سے خاصے فاصلے پر اندھیرے میں کھڑی کردی۔ میں پیدل سریتا کے کاٹیج پر جا پہنچا۔ سریتا اس ہوٹل کے کاٹیج نمبر ستائیس میں ٹھہری ہوئی تھی۔ میں نے اطلاعی گھنٹی کے بٹن کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس خیال سے روک لیا کہ اس کے شوہر اجیت کے موجود ہونے کی صورت میں اسے اپنی آمد کی کیا غرض و غایت بتاؤں گا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا خون کھول اٹھے گا۔ میں نے تالاب پر جو سریتا کے ساتھ حرکت کی تھی جس کی بنا پر سریتا نے مجھے تھپڑ مار کر تالاب میں گرادیا تھا وہ اس حرکت کو بھولا نہیں ہوگا۔ سریتا بھی نہیں بھول سکتی تھی۔ لیکن وہ اس حرکت پر نالاں نہیں تھی اور نہ ہی وہ مجھ سے نفرت کرسکتی تھی۔ وہ ایک ڈراما تھا۔ اجیت کو دکھانے اور خوش کرنے کے لئے۔ اس تذلیل کے بعد سریتا سے ملنے آنا حیران کن ہوسکتا ہے۔

کیا میں اجیت سے کہوں کہ...... مجھے تمہاری حسین اور نوجوان پتنی کی بے پناہ کشش کھینچ لائی ہے...... میں نے کبھی کسی عورت کا ایسا چندن سا بدن نہیں دیکھا۔ تم نے بھی کیا چیز پھانسی ہے۔ تم بڑے لکی ہو عورت کے معاملے میں...... تم مجھے شوٹ مت کردینا۔

میں نے سریتا کو دانستہ اس لئے فون پر رابطہ قائم نہیں کیا تھا کہ ٹیپ ہونے کا امکان تھا۔ اجیت نمکی مزاج تھا اور پھر جرائم پیشہ...... وہ ایسا کرسکتا تھا۔ ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس کاٹیج کی بناوٹ ایسی تھی کہ میں سامنے والی کھڑکی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے میں عقبی کھڑکی کی تلاش میں اس کے عقب میں آ گیا۔ وہاں ایک بنگلہ بنا ہوا تھا۔ اس کے عین اوپر ایک کھڑکی تھی۔ اس کاٹیج کے عقب میں ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ اس کھڑکی کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ اس کھڑکی تک پہنچنا آسان نہ تھا۔

پہلے تو میں نے اس بنگلے کے گرد ایک چکر لگایا۔ یہ دیکھنے کے لئے اس کے کسی کمرے میں کوئی موجود تو نہیں ہے جو مجھے بنگلے پر کھڑا ہوا دیکھ کر شور مچادے۔ سامنے والے کمرے میں کوئی نہ تھا۔

البتہ عقبی کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس کی کھڑکی کھلی تھی اس میں ایک جوڑا جو ہنی مون منانے آیا ہوا تھا وہ محبت اور جذبات کے سمندر میں ایسا غرق تھا کہ کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز...... انہیں کم از کم کھڑکی بند کر لینا تھی اور پردے ڈال دینے چاہئیں تھے۔ روشنی گل نہ کرتے نہ سہی۔ کسی ممنوعہ فلم کا سا منظر تھا۔ میں وہاں سے ہٹ کر گھوم کے سریتا کے کاٹیج پر آ گیا۔ اب کسی بات کا کوئی خوف وخطرہ نہیں تھا۔ میں نے بنگلے پر کھڑے ہو کر کھڑکی کی طرف جست لگائی اور اس کے پٹ کو تھام لیا۔

یہ کمرہ نشست گاہ تھی۔ سریتا شب خوابی کے مہین لباس میں شعلہ مجسم بنی ہوئی تھی۔ اس کا سراپا ایک کوچ پر بکھرا ہوا تھا۔ اس کی حشر سامانیاں واضح تھیں۔ میں کھڑکی میں سے اسے یک ٹک دیکھتا رہا۔ رات میں عورت کا حسن وشباب اور قیامت اور ہیجان خیز ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ وہ خود ایک کتاب تھی جسے پڑھنے کو دل کرتا تھا۔ میں نے غور سے اس کتاب کو دیکھا۔ یہ ناول تھا۔ اس کا نام لیڈی چیٹرلو تھا۔ یہ بہت ہی پرانا ناول تھا۔ اس میں بہت ہی فحش مواد تھا۔ جنسی ہیجان پیدا کرنے والا...... گو کہ مصنف اپنے معاشرے اور انگریز قوم کے کردار کی عکاسی کی تھی کہ معاشرہ کس قدر شرم ناک اور گھناؤنا ہے۔ اس ناول پر پابندی لگی تھی۔ اس پر مقدمہ بھی چلا تھا۔ جب امریکہ اور یورپ میں بھی ممنوعہ اور شرم ناک فلموں کے دور کا آغاز ہوا تھا تب اس پر فلم بھی بنائی گئی تھی۔ یہ فلم میں نے کبھی وی سی آر پر دیکھی تھی۔ یہ ناول جذبات کو بھڑکاتے تھے۔ اس لئے سریتا کے چہرے پر مختلف تاثرات نمودار ہوتے تھے۔ وہ اس میں غرق تھی۔

میں چند لمحوں کے بعد کھڑکی سے بے آواز کمرے میں اتر گیا۔ میں اس کے سرہانے تھا۔ اپنی سانس روکے اسے دیکھتا رہا۔ نظروں کی پیاس تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ میں اسے نظروں کی گرفت میں لئے اس کا سراپا نظروں میں جذب کرتا رہا۔ پھر خاموشی سے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ وہ ناول پڑھ رہی تھی۔ میں اسے پڑھ رہا تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر ناول سے اٹھا کر مجھے دیکھا۔ پھر وہ ناول پڑھنے لگی۔ دوسرے لمحے اسے جیسے ایک دم سے احساس ہوا تو اس نے مجھے پھر دیکھا۔ پھر وہ ایک دم غش کھا گئی۔ کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ پھر وہ بھی فرش پر آ رہی تھی۔ میں نے جب اسے گود میں اٹھا کر کوچ میں لٹایا تو اسے ہوش آ گیا۔ اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''دیوا کمار......! تم......'' اس نے اپنا بے ترتیب شب خوابی کا لباس درست کرتے ہوئے حیرت اور خوشی سے مجھے دیکھا۔ ''پہلے تو میں یہ سمجھی تھی کہ اجیت ہوگا......؟ تمہارا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی......تم اندر کیسے آئے؟ کیا دروازہ کھلا ہوا تھا؟''

''آنے والوں کے لئے دروازہ بند ہو یا کھلا ہوا کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں دراز نو ہو کر فرش پر

کوچ کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کھڑکی سے آیا ہوں۔ اس خیال سے بھی میں نے اطلاعی گھنٹی نہیں بجائی کہ تمہارا خبیث پتی ورتا موجود نہ ہو۔''

''گویا تم سپر مین کی طرح میرے کمرے میں آ گئے؟'' وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ ''مجھے آج پتا چلا کہ تم سپر مین بھی ہو۔ ورنہ کھڑکی سے نہیں آتے۔''

''میں سپر مین ہی نہیں بلکہ سپر عاشڈق بھی ہوں۔'' میں نے اس کے ریشمی بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ ''وہ مردود کہاں ہے؟ کہاں گیا ہے؟''

''یوں تو اس کا کوئی بھروسا ہیں۔ وہ کسی وقت بھی شیطان کی طرح آ سکتا ہے لیکن اس کا امکان کم ہے۔'' وہ بولی۔ ''رات کے آخری پہر بھی آ سکتا ہے۔ وہ دراصل ایک سیکس پارٹی میں گیا ہوا ہے۔ شاید وہ اس کی بہن بھی ہوگی۔ مالا جی......'' وہ جل بھن رہی تھی۔ ''میری بلا سے وہ کچھ بھی کرتا پھرے......رات سکون اور اطمینان سے گزرے گی۔ وہ رات بھیڑیا بن جاتا ہے۔''

''اس لئے کہ تم بہت حسین ہو......؟'' میں نے اسے محبت بھری نظر سے دیکھا۔ ''میں بھی بھیڑیا بن جاؤں گا تو تم کیا کرو گی......؟''

''خوش ہو جاؤں گی۔'' وہ شوخ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''تم بہت اچھے وقت آئے۔ میں سوچ رہی تھی کہ تم سے کیسے رابطہ کروں!''

''سچ......!'' میں نے خوش ہو کر اس کی مخمور نظروں میں جھانکا۔ ''دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ تم نے یاد کیا چلا آیا......؟'' ......ہاں...... یہ تو بتاؤ کہ تم کس لئے مجھ سے رابطہ کرنا چاہ رہی تھیں......؟ کہیں تھپڑ پر معافی مانگنے تو نہیں......؟''

''سچ......'' میں نے کہا۔ میں نے اس کے ذہن سے جان لیا تھا کہ کیا خوشخبری ہے۔ میں نے انجان بن کر پوچھا۔ ''جلدی سے بتاؤ۔''

''میرے پتی نے کل جو بڑے موڈ میں تھا اس نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے دوستی کر لوں۔ میل جول بڑھاؤ۔'' وہ بولی۔

''وہ کس لئے ایسا چاہتا ہے......؟'' میں نے حیرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ ''میں جو کچھ سن رہا ہوں کہیں وہ میری سماعت کا فتور تو نہیں ہے؟''

''وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میں کس سلسلے میں یہاں آیا ہوا ہوں۔'' سریتا نے جواب دیا۔ ''اس لئے بھی کہ تم میں پروفیسر نارنگ دلچسپی لینے لگا ہے......وہ تمہارے بارے میں تذبذب میں پڑ گیا ہے۔ اسے بڑی فکر اور پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔ اس لئے اس نے مجھے ماتا ہری کا کردار سونپ دیا ہے۔ اب اور کیا چاہئے۔ ہم دونوں کے درمیان کوئی دیوار اور حجاب اور فاصلہ نہیں رہے گا۔''

''یہ خوش خبری تو واقعی پاگل کر دینے والی ہے۔''میں نے اس کی ناک پکڑ کر سر ہلا دیا۔''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ ایک شوہر اتنا گر بھی سکتا ہے......؟ اس قدر بے غیرت ہے کہ اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے کہ ایک غیر مرد سے تعلقات استوار کر لو......''

''بے غیرت......؟''سریتا بولی۔''اسے عورت کی عزت سے کوئی دلچسپی نہیں......اس کی ماں دہلی میں ایک فحاشی کا اڈا چلاتی ہے......اس کی بہن نے ایک سیکس کلب اور مساج کلب بھی بنایا ہوا ہے......اس سے بڑا حرام زادہ کون ہو سکتا ہے۔اس کے دو ایک ساتھیوں نے میرے ساتھ دست درازی اور من مانی کی۔میں نے شکایت کی تو کہا کہ اس میں تمہارے حسن و شباب کا قصور ہے۔''

''اصل میں اس نے تم سے اس لئے شادی کی کہ وہ تمہیں گھناؤنے مقاصد کے لئے استعمال کرے۔!''میں نے کہا۔''اب کیا پروگرام ہے تمہارا......!''

''ہم آج کی رات ڈریم لینڈ نائٹ کلب جائیں گے جو صرف ممبروں کے لئے اور ان کے مہمانوں کے مخصوص ہے۔''سریتا نے کہا۔''تم جانتے ہو کہ یہ نائٹ کلب امریکہ کے نائٹ کلب کو شرما دیتا ہے۔یہاں بنگال اور بالی ووڈ کی اداکارائیں بھی آتی ہیں۔رقص کے نام پر دو جوڑے......ان میں ایک نیگرد اور دوسری مصری ہے......ایک عورت لبنانی اور دوسری عورت برطانوی ہے......بے حیوانیت کا رقص پیش کریں گے۔خواب گاہ کے مناظر ہوں گے......میں تمہیں وہاں لے جاؤں گی۔وہاں اجیت بھی ہوگا۔اس نے مجھے دو پاس دیئے ہیں۔میں اس سے کہوں گی کہ میں نے خود دیوا کمار سے رابطہ کیا اور لے کر آئی ہوں......کل تم ٹھیک آٹھ بجے مجھے لینے آ جانا......ہمارا پروگرام طے ہے۔میں یہ شو دو مرتبہ دیکھ چکی ہوں۔کل تمہارے ساتھ تین مرتبہ ہوگا۔''

''تم نے میرا دل خوش کر دیا۔''میں نے اس کا گال تھپ تھپایا۔''اس نائٹ کلب کے کل درشن ہو جائیں گے۔اس کا بڑا شہرہ ہے۔''

رخصت ہونے سے قبل سریتا نے کوچ سے اٹھ کر اپنا شب خوابی کا لباس اور بکھرے بالوں کو درست کر کے کہا۔

''یار! دیوا کمار!......ذرا تم مجھے وہ اپنا گال پیش کرو جس پر میں نے بڑے زور سے تھپڑ مارا تھا......دیکھوں تو سہی اس کا کیا حال ہے۔''

جب میں نے اس کی طرف اپنا گال بڑھایا تو نے اپنے شیریں ہونٹ اس پر رکھ دیئے۔ان میں تپش ابل رہی تھی۔پھر بات آگے بڑھ گئی......ہم جذبات کی رو میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ واپسی کا خیال ہی نہیں رہا اور نہ اجیت کے واپس آنے کا ڈر......

طوفان گزر جانے کے بعد اس نے میرے گلے میں اپنی مرمریں عریاں بانہیں حمائل کی ہوئی

تھیں اور میں اس کی نازک اور شاخ گل جیسی کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا جن میں کیف و مستی بھری ہوئی تھی۔شاید پھر طوفان آ جاتا لیکن دور سے کسی گاڑی کی آواز آئی۔سریتا نے میرے بازوؤں کی گرفت سے نکل کر آ رہا ہے۔''اس کمینے کی گاڑی کی آواز ہے۔تم جلدی سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔''

میں اس کا الوداعی بوسہ لے کر کھڑکی کی جانب برقی سرعت سے لپک گیا۔اس نے فوراً ہی صوفے سے شب خوابی کا لباس پہنا اور روشنی گل کر دی۔روشنی کے گل ہونے کے چند لمحوں کے بعد گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ابھی بھی روشنی گل ہی تھی۔میں کھڑکی کے چھجے پر چڑھ گیا تھا۔مجھے اترنے کا موقع نہیں رہا تھا۔اجیت نے کمرے میں داخل ہو کر روشنی کر دی۔سریتا کوچ پر لیٹی ہوئی تھی۔

''یہ تم نے اندھیرا کیوں کیا ہوا ہے......!''اجیت نے مشکوک لہجے میں پوچھا اور ادھر ادھر اور کمروں میں جھانکنے لگا۔

''اس اندھیرے میں اور تمہارے انتظار میں سمندر کا نظارہ کر رہی تھی۔پھر نیند آئی تو کوچ پر ابھی ابھی لیٹی ہوں۔''

''ذرا میں بھی تو کہ یہاں سے سمندر کا نظارہ کیسا لگ رہا ہے۔''اجیت نے کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانکا۔

اسے نہ میں نظر آیا اور نہ ہی کوئی بندہ......جب وہ پلٹا تو سیرتا نے اس کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کر دیں اور بڑی گرم جوشی والہانہ انداز اور جذبات سے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا اور اس کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔اجیت قدرے سرد مہری سے پیش آیا تھا۔جب وہ کمرے سے نکل گیا تو اس نے دوسری کھڑکی کے پاس جا کر باہر تھوکا اور بولی۔''سؤر......ذلیل......''

سریتا نے فوراً ہی بتی گل کر دی......شاید ہی سریتا نے روشنی گل کی ہوگی تا کہ میں نکل جاؤں۔میں نے اندازے سے محسوس کیا تھا کہ اجیت کمرے سے نکل گیا۔میں اپنی بیوک میں زندہ سلامت بیٹھا ہوا تھا۔میں نے عقل مندی یہ کی تھی کہ اپنی گاڑی کا میچ نمبر بیس کے سامنے کھڑی کی ہوئی تھی۔اگر قریب میں ہوتی تو اسے شک ہو جاتا۔پھر بھی شاید اس نے گھر میں کونا کونا چھانک لیا ہوگا۔

مجھ پر پرانی شراب کا سا نشہ چھایا ہوا تھا۔سریتا پرانی شراب کے مانند تھی۔یہ خمار جلد اترنے والا نہیں تھا۔مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی میری جھولی میں کسی پکے پھل کی طرح ٹپک پڑے گی۔اس کی محبت اور گرم جوشی بھلا دینے والی نہ تھی۔اس نے اس لئے دیوار گرا دی کہ اجیت نے اسے ماتا ہری بننے کے لئے کہہ دیا اور ہر بات کی اجازت دے دی تھی۔اس لئے وہ مہربان ہو گئی تھی اور فیاض بن گئی تھی۔اسے جو اجازت اور آزادی ملی تھی وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتی

تھی اور پھر میرے لئے راستہ خود بہ خود صاف ہو گیا تھا۔ میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ سریتا اس طرح میری زندگی میں آ سکتی ہے۔

میں نے تھوڑی دیر کے بعد گاڑی اسٹارٹ کی اور شہر کی طرف چل دیا۔ جو کرنے میرے فرار کی رپورٹ پروفیسر نارنگ تک پہنچا دی ہو گی...... پروفیسر نارنگ نے میرے لئے کیا احکام صادر کئے اس کا علم ہونا میرے لئے بہت مشکل تھا۔ سریتا نے مجھے جو کچھ بتایا تھا ظاہر تھا کہ...... وہ مجھے سریتا کے ذریعے پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے پروفیسر نارنگ نے اجیت سے کہا ہو گا کہ...... سریتا کو چارہ بناؤ...... مرد کے لئے ایسا زبردست چارہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

☆......☆......☆

میں نے ایک ٹیلی فون بوتھ پر گاڑی روکی۔ پھر مجھے وہاں تھوڑی دیر رکنا پڑا۔ کیوں کہ اس میں ایک جوڑا دنیا و مافیہا سے بے نیاز زبردست محبت بھرا جذباتی منظر پیش کر رہا تھا۔ لڑکی سولہ برس کی اور مرد تیس برس کا تھا۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ وہ دونوں تڑپ کر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ لڑکی بال اور لباس کی شکنیں درست کرنے لگی۔ میں نے مرد سے کہا۔ ''یہ پبلک فون بوتھ ہے...... خواب گاہ نہیں ہے۔ پولیس مین دیکھ لے تو تم دونوں کو فحاشی کے جرم میں اندر کر دے۔''

لڑکی فوراً ہی فون بوتھ سے نکلی۔ تیزی سے اس سمت لپک گئی جہاں ایک اسکوٹر کھڑا ہوا تھا۔ پھر مرد مجھے گھورتا ہوا نکل گیا۔ میں نے اندر گھس کر فون بوتھ کا دروازہ بند کیا۔ پھر میں نے سریتا کا نمبر ملایا۔ تین چار گھنٹیاں بجنے کے بعد ریسیور اٹھایا گیا۔ ٹیلی فون سریتا نے ریسیو کیا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھاتے ہی مجھے اشارہ دے دیا تھا کہ اجیت گھر پر ہے وہ فون سن رہا ہے۔ ''مسٹر اجیت گھر پر نہیں ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''معلوم نہیں کہاں گئے ہیں اور کب آئیں گے۔ کچھ بتا کر نہیں گئے ہیں۔''

''جان من!......'' میں نے بڑے رومانی انداز سے اسے مخاطب کیا۔ چشم تصور میں اس کا حسین چہرہ سرخ دیکھا۔ ''آج موسم کس قدر حسین ہے؟''

''جی ہاں۔ اس نے رسیلی آواز میں جواب دیا۔ ''موسم روز ہی حسین ہوتا ہے۔ بشرطیکہ دل جوان ہو اور امنگوں سے بھرا ہو؟''

''تم سچ کہتی ہو جان من!'' میں نے جواب دیا۔ ''ایسے موسم میں دل ایک حسین ساتھی کے لئے کرتا ہے۔ کیا تم میری خاطر اپنا قیمتی وقت نکال سکتی ہو؟''

''کیوں نہیں...... کیوں نہیں......'' سریتا بولی۔ ''جس دن کہو اس دن میں تمہارے لئے وقت نکال سکتی ہوں؟ کون سا دن بہتر رہے گا؟''

''تم جس دن...... اس دن کی کیا بات کر رہی ہو؟'' میں نے کہا۔ ''میں تمہیں کیسے بتاؤں

کہ...... میرا دل تم سے ملنے کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے...... انتظار کا ہر لمحہ اذیت ناک اور کسی صدی کی طرح بھاری ہو رہا ہے۔ جانی...... انتظار نہ کراؤ۔ تڑپاؤ نہ...... میں نے تمہیں جو تالاب پر پیراکی کے لباس میں جس حالت میں دیکھا وہ ابھی تک میرے دل کو گرما رہا ہے۔''

''میں تم سے ملنے کے لئے کس قدر تڑپ رہی ہوں اور بے تاب ہوں تم اس کا بالکل بھی اندازہ نہیں کر سکتے ڈارلنگ!'' اس نے اجیت کی ہدایت پر جواب دیا۔ اجیت نے سرگوشی میں بہت ہی آہستگی سے فون کے ماؤتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ الفاظ کہے تھے جو میں نے سن لئے تھے۔ وہ اس کے الفاظ دہراتی جا رہی تھی۔ اس کے لہجے میں گرم جوشی نہ تھی۔ کیوں کہ وہ مردود سامنے بیٹھا ہوا جو تھا۔

''تم نے مجھے جن نظروں سے دیکھا تھا اور دیکھ رہے تھے اس نے مجھے شرما دیا تھا۔ کیا اس طرح سے دیکھا جاتا ہے۔ ذرا خیال تو کر لیا کرو ایسی جگہوں پر......''

''یہ میں کس طرح دیکھ رہا تھا ذرا وضاحت تو کرو۔'' میں نے شوخی سے کہا۔ ''کس طرح دیکھنا چاہئے۔ عورت کو کس طرح دیکھا جاتا ہے؟''

''تم اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کوئی کسی کتاب کا صفحہ الٹ الٹ کر دیکھتا ہے۔'' وہ بولی۔ ''مجھے بڑی لاج آ رہی تھی۔''

''حالاں کہ تم بہت ہی مختصر لباس میں تھیں......'' میں نے اجیت کو جلانے کی غرض سے کہا۔ وہ فون کا اسپیکر آن کر کے سن رہا تھا اس کی سانسیں سنائی دے رہی تھیں۔ ''اسے بے لباس تو نہیں کہا جا سکتا۔ دھجیاں تھیں تمہارے بدن پر...... بھلا مرد کا دل قابو میں کیسے آ سکتا ہے...... سچ پوچھو تو اس قدر قریب سے دیکھنے پر میرا دل بالکل بھی نہیں بھرا۔ آنکھوں اور من کی پیاس بالکل بھی نہیں بجھی...... میرا دل مجھے اکسا رہا تھا کہ نظروں کے سامنے بٹھا کر صدیوں تک دیکھتا رہوں۔ شاید تب بھی میرا دل شاید ہی بھر سکے......''

''یہ تم احمقانہ باتیں کر رہے ہو یا شاعرانہ......'' وہ ایک دم سے کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ ''کہیں تم نے مفت کی چڑھا تو نہیں لی ہے؟''

''تم صدیوں کی بات کر رہے ہو۔'' وہ پھر ہنسی۔ ''میں تیس بیس برس بعد بوڑھی ہو جاؤں گی۔ شاید پھر زندہ بھی نہ رہوں۔ یہ سوچا تم نے؟''

''اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم کہاں مل رہی ہو؟'' میں نے موضوع بدلا۔ ''تا کہ میں نظروں میں جذب کر لوں۔ دل کے گھر میں بٹھا لوں۔''

''تم جہاں کہو میں وہاں آ جاؤں گی......؟'' وہ بولی۔ ''اب یہ تم پر منحصر ہے۔ میں تو تمہاری داسی ہوں۔ باندی ہوں۔ نوکرانی ہوں۔''

"نہ......نہ......نہ......ایسا نہ کہو میری جان!" میں نے بڑے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "تم داسی ہو نہ باندی اور نہ نوکرانی...... میری دل کی مہارانی ہو...... بلکہ میں تمہارا غلام ہوں...... میرے خیال میں ملاقات اور وقت گزاری کے لئے کیوں نہ پیراکی کر لی جائے...... کیوں کہ تم شعلہ بدن ہو...... جل پری ہو...... قیامت ہو جان تمنا...... تمہارا بدن ستار کے تاروں کی طرح کسا کسا ہے۔ انگ انگ سے مستی ابل پڑتی ہے۔ یہ شاعری ہے نہ مبالغہ آرائی...... یہ دل کہہ رہا ہے۔"

"میرے خیال میں کلب ریناز سکو مناسب رہے گا۔" سریتا نے فوراً ہی کہا۔ "اس سے اچھی اور خواب ناک ماحول کی جگہ کوئی نہیں۔"

میں اس کی ذہانت پر حیران رہ گیا۔ جس کی مجھے توقع نہیں تھی۔ کیوں کہ اجیت اتنا بے شرم اور احمق بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی پتنی کو میرے ساتھ بے حجابی سے تفریح کرتے ہوئے دیکھ سکے۔ میں سریتا کو اپنی آغوش میں لئے رہوں۔"

"تم جس قدر حسین ہو...... تمہارا جسم جتنا خوب صورت ہے تمہارا ذہن بھی اتنا ہی خوب صورت ہے۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "عموماً حسین عورت ذہین اور ایسی باذوق نہیں ہوتی ہے۔ میں وہاں تیس منٹ بعد پہنچ جاؤں گا...... انتظار کروں گا...... جانی! ایک بات تو بتاؤ۔ لیکن کیا تم اپنے شوہر سے بہانہ کر کے آسکو گی...... جب کہ وہ بڑا خبیث اور شکی مزاج ہے۔ الو کا پٹھا......"

"تم میرے شوہر کی بالکل بھی چنتا نہ کرو۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "اسے بے وقوف بنانا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میں اسے اکثر بے وقوف بناتی رہی ہوں...... آج بھی تمہاری خاطر...... صرف تمہاری خاطر...... میں آدھے گھنٹے بعد وہاں پہنچ رہی ہوں۔"

میں نے ریسیور رکھ کر سوچا...... آدھے گھنٹے میں اجیت کی نیت اور اس کے ارادوں کا پتہ چل جائے گا۔ بلی تھیلے سے باہر آجائے گی۔ میں نے اس کے بارے میں ایسی باتیں کہی تھیں کہ وہ مشتعل ہو جائے۔ چوں کہ وہ بے حد بے شرم، بے غیرت اور ڈھیٹ تھا۔ چکنا گھڑا تھا اس لئے اس نے اثر نہیں لیا تھا۔ بعد میں کیا کرے گا۔ یہ بھی نہیں جانتا تھا۔ چھپ کر مہم سر کرنے میں بڑی دشواری معلوم ہو رہی تھی۔ میں اس رکاوٹ کو آج ہی دور کرنا چاہتا تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ اور صورت نظر نہیں آتی تھی۔

میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا تھا۔ سریتا ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے پیدا ہونے لگے۔ اجیت نے میری باتوں سے طیش میں آکر شاید اسے منع کر دیا تھا۔ میں کسی وجہ سے موبائل فون نہیں رکھتا تھا اور نہ سریتا کے پاس تھا۔ سریتا نے مجھ سے کہا تھا کہ پہلے وہ موبائل فون رکھتی تھی جو دردسری بن گیا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ اجیت کے رابطے میں رہتی تھی۔ میں

نے اس کے ہاں فون پر رابطہ کرنے کا سوچا تھا۔ پھر میں نے ارادہ ترک کر دیا تھا۔ کیوں کہ اس سے کچھ حاصل نہ تھا۔

میں نے وہسکی کا ایک چھوٹا سا پیگ پیا۔ وہسکی پینے کے بعد وقت گزاری کے لئے کلب میں گھومنے لگا۔ وہاں حسینائیں بھی تھیں اور ایسی لڑکیاں بھی تھیں جو خواب ناک راستوں کو پانے کے لئے مشکوک اور جرائم پیشہ افراد کے ساتھ تھیں۔ میں نے دو ایک بدمعاشوں کے چہرے دیکھے اور ان کے ذہن پڑھ لئے اور چونک پڑا۔ ان کی موجودگی بری طرح کھٹک گئی تھی۔ ان کے ارادے بڑے مذموم تھے۔ انہوں نے مجھ پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ لیکن نہ تو ان کو کوئی فکر تھی اور نہ کوئی ڈر اور خوف...... میں بے فکر سا ہو گیا تھا۔ تاہم میں نے اپنے بشرے سے کسی قسم کے تاثرات ظاہر ہونے نہیں دیا۔

میں ایک قد آدم رنگین پوسٹر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بڑا ہوش ربا پوسٹر تھا یہ...... اس میں آج کی رات کے شو کی تفصیلات درج تھیں۔ رقاصہ کا نام روپا چندر وتی تھا۔ یہ جنوبی ہند کی بہت مشہور رقاصہ تھی۔ پوسٹر میں اس کی بہت بڑی تصویر چھپی تھی۔ جس میں اس کے جسم کی کشش...... نشیب و فراز اور تناسب کو نمایاں کیا گیا تھا۔ اس کے بدن پر جو لباس تھا اس نے اس کی ظاہری حالت میں ایسی جاذبیت پیدا کر دی تھی کہ نگاہ ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔ اس کا جسم بڑا لوچ دار اور متناسب اور چھریرا تھا۔ ایک اچھی رقاصہ کے لئے ایسا جسم، تناسب اور شادابی رکھنا ضروری تھا کیوں کہ جسم کے نشیب و فراز تماشائیوں کے دلوں پر بجلی گراتے ہیں۔ رقاصہ کے لئے جسم کا دل کش ہونا ضروری ہوتا ہے۔

روپا چندر وتی پچیس چھبیس برس کی ہوگی لیکن وہ جتنی پرکشش تھی اتنی ہی خوب صورت بھی تھی۔ میں اس کے رقص کا ایک شو دیکھ چکا تھا۔ اس کے شو بہت کم ہوتے تھے لیکن بہت کامیاب ہوتے تھے۔ وہ دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی شو پیش کرتی تھی۔ وہ آج کل چنائے شہر میں آئی ہوئی تھی۔ یہاں کے لوگ اس کے جتنے دیوانے تھے وہ دوسرے شہروں کے نہ تھے۔

میں نے پوسٹر دیکھنے کے بعد پلٹ کر دیکھا تو مجھے سریتا آتی دکھائی دی۔ وہ قیامت بنی ہوئی تھی۔ اس کی حشر سامانیاں واضح ہو رہی تھیں۔ وہ بہت سی نگاہوں کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ میں اس کے والہانہ استقبال کے لئے صدر دروازے پر پہنچ گیا۔ لیکن وہ دروازے سے دور تھی۔

کوئی پانچ منٹ کے بعد دو نوجوان اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے غنڈے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ کلب میں بڑے مغرورانہ انداز سے اس طرح سے داخل ہوئے جیسے یہ کلب ان کے باپ کی جاگیر ہو۔ یہ چہرے شناسا سے تھے۔ دوسرے لمحے یاد آیا کہ ان کی تصویر اس قد آدم پوسٹر میں تھی۔ روپا چندر وتی کی تصویر کے قریب......

چند لمحوں کے بعد سفید رنگ کی مرسڈیز آکر رکی۔ اس کے باوردی شوفر نے اتر کے پچھلی

نشست کا دروازہ مودبانہ انداز سے کھولا۔ اس میں سے روپا چندروتی باہر آئی۔ وہ یہ تاثر دے رہی تھی کہ وہ دنیا کی بہترین رقاصہ ہے۔ اکثر فنکار جنہیں خاصی شہرت مل جاتی ہے وہ بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو نمبرون سپر اسٹار سمجھتے ہیں۔ خصوصاً اداکارائیں، رقاصائیں اور گلوکارائیں...... اس میں ان کی اپنی غلطی نہیں ہوتی۔ میڈیا اور عوام انہیں آسمان پر پہنچا دیتے ہیں۔ شہرت اور دولت ان کا اور دماغ خراب کر دیتی ہے۔ اس کا کوئی علاج نہیں۔ یہ بیماری ہی ایسی ہے۔

پوسٹر میں اور سامنے اس طرف آنے والی روپا چندروتی میں بڑا فرق تھا۔ حالاں کہ وہ ایک عام سی عورت تھی۔ یعنی ایک عام سی عورت سے زیادہ خوبرو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پوسٹر میں اسے بڑا ہیجان خیز بنا دیا گیا۔ ظاہر ہے شو فر کو کامیاب بنانا اور ٹکٹ بیچنا مقصود ہوتا ہے۔ لیکن وہ ایک بہترین رقاصہ تھی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کا جسم بے حد نازک اور چمک دار تھا۔ سمٹے ہوئے اسپرنگ کی طرح...... جہاں اس کے جسم کے نشیب و فراز بڑی جاذبیت اور دل موہ لینے والی دل کشی تھی۔ جب وہ میرے قریب سے گزرنے لگی تو میں نے اسے بڑی اپنائیت کے لہجے میں مخاطب کیا۔

''ہیلو مس روپا چندروتی......! کیسی ہو......؟ بہت دن بعد تمہارے درشن ہو رہے ہیں۔''

وہ میرے اس انداز تخاطب پر رک گئی اور اس کے حسین چہرے پر حیرت اور ناگواری سی پھیل گئی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی نظریں سوالیہ تھیں۔ اس نے مجھے فی الفور پہچانا نہیں تھا۔ اس نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''تمہاری تعریف......؟ کون ہو تم......؟ میں نے تمہیں نہیں پہچانا......''

''میری تعریف تو ہو نہیں سکتی اور نہ ہی میں کسی تعریف کے لائق ہوں۔'' میں نے شوخی سے جواب دیا۔ ''البتہ خاکسار کو دیواکمار کہتے ہیں۔''

''اوہ...... تم دیواکمار ہو۔'' وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے لہجے میں بولی۔ ''کیا تم میرا انتظار کر رہے تھے......؟ میں نے تمہیں پہچان لیا؟''

''جی نہیں...... میں کسی اور کا انتظار کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''تمہیں گاڑی سے اترتا دیکھا تو سوچا کہ تمہارے نیاز حاصل کر لوں۔''

میرا جواب سنتے ہی اس کی خوشی کافور ہو گئی۔ تاہم وہ سنبھل کر پھیکے لہجے میں بولی۔ ''آج تم میرا رقص دیکھنا نہ بھولنا......''

''ایسا ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے رقص سے محروم رہوں روپا چندروتی......'' میں نے کہا۔ ''میں بھی تمہارے پرستاروں میں سے ہوں۔''

''سچ......'' وہ بہت خوش ہو گئی۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔ ''میں کتنی خوش قسمت ہوں تم میرے پرستار ہو۔''

''اس کی ایک وجہ ہے جس نے مجھے تمہارا پرستار بنا دیا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا وجہ ہے......؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا تم بتانا پسند کرو گے؟''

''کیوں نہیں......'' میں نے سر ہلا دیا۔ ''یہ تمہارا شاداب اور دل کش بدن جو رقص کے دوران آتش فشاں بن جاتا ہے۔''

''عورت کا شاداب اور پرکشش بدن ہی تو سب کچھ ہوتا ہے۔'' وہ بولی۔ ''میں اس لئے اس کی جان سے زیادہ حفاظت کرتی ہوں۔''

اتنا کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ باتوں میں زیادہ وقت اس لئے نہیں دے سکتی تھی کہ اسے شو کی تیاری کرنی تھی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو مجھے سریتا کا خیال آیا۔ میں نے اس کی سمت دیکھا۔ وہ مستانہ خرامی سے چلی آ رہی تھی۔ روپا چندروتی کے جسم کا فسوں جو ذہن پر چھا گیا تھا وہ یک لخت اتر گیا۔ اس نے جو لباس پہن رکھا تھا اس کا ہونا نہ ہونا ایک ہی بات تھی۔

اجیت نے اسے بے حجابی کے عالم میں بھیجنا کیوں اور کس لئے گوارا کر لیا تھا میں سمجھ نہ سکا۔ کیا وہ اندھا ہو گیا تھا......؟ اتنا بے حس اور بے غیرت...... اس سے بہتر تو اس کا مختصر پیراکی کا لباس تھا۔ لوگ تو اسے اس طرح سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ بے لباس چلی آئی ہو۔ سریتا کو اپنے اس لباس اور لوگوں کی گرسنہ نظروں کی کوئی پروا نہ تھی۔ اس میں بڑی بے پروائی تھی۔

میرے قریب آ کر اور مجھے دیکھ کر دلکش انداز سے مسکرائی۔ پھر اس نے شوخی سے کہا۔

''حیرت کی بات ہے کہ تم ابھی تک زندہ سلامت ہو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے......؟ کہیں میں تمہاری روح تو نہیں دیکھ رہی ہوں؟''

''تم اس لباس میں کچھ دیر میرے سامنے کھڑی رہیں تو شاید میں زندہ نہ رہ سکوں۔'' میں نے کہا۔ ''یہ تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی؟''

''میں یہاں کس مشکل سے آئی ہوں کیا بتاؤں پیارے!......'' وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''میرے مردود پتی نے عین وقت پر ارادہ بدل دیا تھا۔''

''وہ کس لئے......؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا اس کے پیٹ میں درد اور مروڑ اٹھا تھا؟''

''اس لئے کہ اسے شک ہو گیا تھا۔'' سریتا بولی۔ ''میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ کمینہ کس قدر

شکی مزاج اور خبیث فطرت کا ہے۔''

''کیا اس نے فون پر ہماری گفتگو سے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''اجیت کو بستر کی حالت اور میرے لباس اور بالوں کی بے ترتیبی سے شک ہو گیا تھا۔ تاہم میں نے بہ وقت تمام اس کا شک دور کیا۔''

''تمہاری وجہ سے میں اجیت کی نظروں میں آنے سے بچ گیا۔'' میں نے اسے دزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارا بہت ہی ممنون اور شکر گزار ہوں۔ اس احسان کے بدلے میں تمہاری ہر طرح کی سوا کرنے کو تیار ہوں۔''

''مجھے خوش کرنے کے لئے تو تم یہ بات رسمی انداز سے تو نہیں کہہ رہے ہو؟'' سریتا نے اپنی لانبی پلکیں جھپکائیں۔

''نہیں میری جان نہیں......!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''ایک تو میں دھوکا نہیں دیتا اور نہ جھوٹ بولتا ہوں۔''

''اگر تم واقعی مخلص اور سچے ہو تو میرے لئے یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔'' وہ بولی۔ ''میں اس کا صلہ ضرور لوں گی۔ تمہیں بخشوں گی نہیں۔''

''تم مجھے آزما کر دیکھ لینا۔'' میں نے کہا۔ ''میں تمہارے احسان کا بدلہ اور صلہ ہر قیمت پر دوں گا۔ میں نے کب کہا مجھے بخش دو۔''

''بائی دے وے......'' اس نے کہا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ تم کوئی شعبدہ باز یا جادوگر ہو۔ جادو منتر جانتے ہو۔'' اس نے پلکیں جھپکائیں۔

''نہیں جان...... میں جادوگر تو نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم مجھے کس بنا پر شعبدہ باز، جادوگر، جادو منتر جاننے والا کہہ رہی ہو؟''

''اس لئے کہ تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔'' وہ لجا کر بولی۔ ''میرا دل نہیں چاہ رہا ہے کہ میں تم سے ایک لمحہ بھی جدا رہوں۔ لیکن کیا......؟''

''میں نے نہیں تم نے جادو کیا ہے۔'' میں نے دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔ ''تم جادوگرنی ہو۔ مجھے تم نے اپنا اسیر بنا لیا ہے۔ کیا یہ غلط ہے؟''

''اسیر...... میں نے نہیں تم نے بنا لیا ہے...... تم بڑے وحشی ہو۔'' وہ خود سپردگی کی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ دوسرے لمحے سرخ ہو گئی۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہو گئے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن ایک بات یاد

رکھنا...... جب تک میں یہاں ہوں اس وقت تک ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست اور محبوب رہیں گے۔ تعلقات رہیں گے۔ وقت گزاری کریں گے...... میں نے تم سے وعدہ جو کیا ہے کہ اجیت سے تمہیں نجات دلاؤں گا۔ وہ ہر قیمت پر پورا ہوگا...... اجیت کیا...... اس کا گروہ کیا اور اس کا باپ کیا میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتا...... میں تم پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہونے دوں گا...... بس اس بات کا خیال کرنا کہ اجیت کو کسی شک و شبہ کا موقع نہ دو...... کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارا پتا صاف کر دے۔''

''تم چندر روتی سے گھل مل کر باتیں کر رہے تھے؟'' سریتا بولی۔ ''ایسا لگ رہا ہے کہ تمہارا اس سے کبھی بڑا یارانہ رہا ہے۔''

''تین برس پہلے کی بات ہے کہ دہلی میں اسے ایک شو میں جب وہ اپنا پروگرام کر کے نکل رہی تھی تب اسے تین بدمعاشوں نے اغوا کر کے یرغمال بنا لیا تھا۔'' میں اسے بتانے لگا۔ ''اس سے بیس لاکھ روپے تاوان ادا کرنے کے لئے کہا گیا۔ میں اس کی منیجر کی طرف سے اس سے ملنے اور ان تین بدمعاشوں سے معاملات طے کرنے گیا۔ میں نے بدمعاشوں کی اجازت سے اس سے تنہائی میں بات کی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اسے بدمعاشوں سے نجات دلا دوں اور تاوان کی ادائیگی سے بچ جاؤں تو دو لاکھ اور دو راتیں تمہاری نذر کر دوں گی۔ تین برس پہلے یہ بڑی آفت تھی۔ اس وقت اس کی جوانی اور شباب قیامت تھا۔ فتنہ تھا۔ اب اس میں یہ بات اس لئے نہیں رہی کہ ہر اداکارہ، فنکارہ جب شہرت کے بام عروج پر پہنچتی ہے تو کالی راتوں کی آمدنی کے ہوس میں اپنے آپ کو تباہ کر لیتی ہے۔ اس لئے آج اب اس میں پہلی جیسی بات نہیں رہی۔ پھر بھی وہ سنسنی خیز ہے۔ میں نے اسے ان بدمعاشوں سے نجات دلا دی۔ اپنا وعدہ اس نے پورا کر دیا۔ اس کے اٹھارہ لاکھ روپے بچا دیئے۔ اس نے مجھے فوراً نہیں پہچانا۔''

''حیرت کی بات ہے کہ تم نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا تھا وہ تمہیں بھول گئی تھی......؟'' سریتا متعجب لہجے میں بولی۔ ''تم بھولنے والی چیز نہیں ہو۔''

''جب کوئی کسی پر دیا، احسان اور مہربانی کرتا ہے تو لوگ اسے بھول جاتے ہیں۔ کیوں کہ ان کا مطلب نکل چکا ہوتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس نے نہ صرف تمہیں دو لاکھ روپے دیئے بلکہ دو راتیں بھی نذر کیں اور پھر بھی بھول گئی۔'' سریتا نے سابقہ لہجے میں کہا۔ ''دو لاکھ کی رقم بہت بڑی نہیں ہوتی ہے کیا......؟ کسی کو بھی دو ہزار روپے بھی دو تو بھولنے والی بات نہیں ہوتی ہے، دو لاکھ تو بہت بڑی رقم ہوتی ہے...... دو راتیں......؟ ایک عورت کی زندگی میں کوئی مرد ایک گھڑی کے لئے بھی آئے تو وہ اسے نہیں بھول سکتی جبکہ تم نے دو راتیں گزاریں۔ شاید کسی ہوٹل یا پرفضا مقام پر......؟ کیا یہ عورت اتنی خود غرض

ہے؟ شاید وہ دانستہ انجان بن گئی۔"

"مجھے اب نہ تو اس سے کوئی سروکار ہے اور نہ ہی کوئی غرض......" میں نے کہا۔ "نہ ہی میں اس بات کا آرزومند ہوں کہ وہ ماضی کو پھر سے حال بنا دے...... میں نے اس لئے بھی رقم اور اس سے فائدہ اٹھایا تھا کہ اس نے میرے ساتھ بڑی بے رخی برتی تھی۔ اسے بڑا غرور اور مان تھا۔ کیوں کہ ان دنوں اس کے رقص نے اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ جب میں نے ایک شو کے اختتام پر اس سے ملنے اور مبارکباد دینے کی کوشش کی تو نہ صرف بڑی سرد مہری سے پیش آئی بلکہ ایک طرح سے جھڑک دیا تھا۔ جس کا مجھے بہت دکھ اور افسوس ہوا تھا۔ جتنا پھل پک جاتا ہے وہ اتنا ہی جھک جاتا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں فنکار چاہے وہ کتنا ہی معروف اور بڑا کیوں نہ ہو اپنے پرستاروں سے بڑی انکساری اور خوش اخلاقی سے ملتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں معاملہ برعکس ہے۔ آخر کار اس کی سیکریٹری نے اس کے اغوا ہونے پر مجھ سے رابطہ کیا۔ میں نے اس سے ایک طرح سے اس روز کا بدلہ لیا تھا۔ دو دن اور دو راتیں میرے رحم پر رہی۔ اس لئے بھی کہ اسے پھر خطرہ تھا کہ وہ اغوا نہ ہو جائے۔ وہ ملزمان فرار ہونے کی کوشش میں پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ جب وہ میرے ساتھ تھی اس نے مجھ سے کہا تھا کہ ہم دونوں کی دوستی برقرار رہے گی اور ہم بے حجابانہ ملتے رہیں گے۔ تم بہت اچھے اور بہادر ہو۔ وہ بدمعاش بہت خطرناک تھے۔ جب اس نے ان ملزمان کی موت کی خبر سنی تو وہ طوطا چشم بن گئی۔"

"کیا تم نے اس کی مجبوری...... خوف و ہراس سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا؟" سریتا نے کہا۔ اس نے بڑی صاف گوئی سے خیال ظاہر کیا تھا۔

"کیسی مجبوری......؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "سریتا جان......! وہ کون سی مظلوم عورت تھی......؟ وہ ہر طرح سے پیسہ کما رہی تھی۔ بڑے بڑے ساہوکاروں کے ساتھ راتیں گزارتی تھی۔ اس کے نزدیک عزت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس نے ملزمان سے کہا تھا کہ اگر وہ رقم کا مطالبہ ترک کر دیں تو وہ ان کے ساتھ ایک ہفتہ تک رہنے کو تیار ہے۔ اس عرصہ میں مہربان ہوتی رہے گی...... ملزمان نے اس سے کہا تھا کہ انہیں بیس لاکھ کی رقم چاہئے ہی چاہئے ورنہ موت کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔ بیس لاکھ کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ جس کے پاس اتنی بڑی رقم ہو اس کے لئے حسین اور نوجوان لڑکیوں کی کیا کمی ہے۔ میں نے اپنی ذہانت اور جان خطرے میں ڈالنے کی فیس لی تھی۔

"اور تم مجھ سے کیا فیس لو گے......؟" سریتا نے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جب کہ میرے پاس رقم نہیں۔ ہے صرف میں ہوں۔"

"تم جو بھی رقم،، گی وہ میں لے لوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ یہ پیشہ ذریعہ معاش ہے۔ گھوڑا گھاس سے یاری کرے گا تو کھائے گا کیا میں تمہیں فوری فیس کی ادائیگی کے لئے مجبور نہیں کروں گا۔ مہلت دوں گا۔ جب بھی تمہیں سہولت ہو تو ادا کر دینا۔"

"لیکن اتنی رعایت اور مہربانی کیوں اور کس لئے؟" اس کے گداز سرخ ہونٹوں پر دلکش تبسم ابھر آیا جس نے اسے اور حسین بنا دیا۔

"اس لئے کہ تم ایک مجبور، بے سہارا اور پریشان حال عورت ہو اور ایک خبیث شوہر کی بیوی۔" میں نے کہا۔ "صرف اس لئے......"

"شاید اس لئے کہ ہم دونوں میں دوستی ہو گئی ہے اور اس دوستی نے بہت سارے فاصلے طے کر لئے ہیں۔ کیوں!" وہ مسکرا دی۔

"جب تک تم اور میں یہاں ہیں اس دوستی کے بندھن کو مضبوط رکھنا ہے۔" میں نے کہا۔

"دوستی نبھانا بہت مشکل ہے۔ اصل نبھانا ہوتا ہے۔"

"میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی دیوا......" اس نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ "جب میں نے تمہیں ہر طرح سوئیکار کر لیا ہے تو ضرور نبھاؤں گی۔"

"مجھے امید تو ہے کہ تم روپا چندروتی کی طرح چشم طوطا ثابت نہیں ہو گی۔" میں نے کہا۔

"اچھا اب اندر چلو، اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

ہم ہال کی طرف بڑھے۔ اس کی نازک اور عریاں کمر کو میں نے بازو کے حلقہ میں لے لیا۔ ہال کے اندر کچھ زیادہ لوگ موجود نہ تھے۔ ہم دونوں ڈانس فلور کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔ ہال میں جو جوڑے تھے وہ سریتا کو دیکھ رہے تھے۔ وہ دیکھنے کی چیز تھی۔ نمائش تھی مفت کی تفریح تھی۔ اس کے قرب سے میرے جسم میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی۔ اگر قریب میں ملبوسات کی دکان ہوتی تو اسے ایک جوڑا خرید کر دے دیتا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اجیت نے یہ لباس پہننے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ میں اس لباس میں نہیں آتی۔

ہوٹل ریناسکو کا ڈانس فلور بھی منفرد تھا۔ بڑا جدید طرز کا تھا۔ جس نے بھی اسے بنایا تھا وہ ماہر فن تعمیرات ہو گا۔ اس کے ایک طرف پہاڑی تھی...... اور دوسری طرف عریض و بسیط خلا...... جس کے نیچے سمندر کا نیل گوں پانی تھا جو ٹھاٹھیں مار رہا اور جھاگ اڑا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی ماہر کاریگر نے ایک کھلا پلیٹ فارم تعمیر کرنے کے بعد اسے پہاڑی کے اندر وقتی طور پر گاڑ دیا ہے۔

ہم نے بیٹھ کر سانس بھی نہیں لیا تھا کہ ویٹر آ گیا۔ میں نے اسے مشروبات کا آرڈر دیا۔ جب ویٹر چلا گیا تو میں نے سریتا سے بات کرنے کے بجائے اس جوڑے کو دیکھا جو سریتا کی پشت پر

قدرے وار بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ایک ایسا ہی جوڑا فون بوتھ میں دیکھا تھا۔ مرد کی عمر چالیس برس کے قریب ہوگی وہ کلین شیو تھا۔ اس نے عمدہ تراش کا نفیس ترین سوٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے امیر کبیر دکھائی دیتا تھا۔ ان کی میز پر وہسکی کے دو بڑے پیگ رکھے ہوئے تھے۔

لڑکی کی عمر بہ مشکل پندرہ برس کی ہوگی۔ وہ گہری سانولی رنگت کی تھی۔ وہ مدراسی اداکارہ سری دیوی سے بہت مشابہت رکھتی تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش تیکھے تیکھے سے تھے۔ اس کی سانولی رنگت میں بڑا نمک اور جاذبیت تھی۔ اس کی اٹھان بڑی قیامت خیز تھی۔ اس نے جو بلاؤز پہن رکھا تھا وہ آگے اور پیچھے نیچی تراش کا تھا۔ آستینیں نہیں تھیں۔ اس کا سانولا حسن سفید رنگ کو بھی مات کر دینے والا تھا۔ یہ کوئی طالبہ معلوم ہوتی تھی۔ لیکن ایک بے حد بھرپور اور پرکشش لڑکی تھی۔

جب ویٹر نے مشروب لا کر میز پر رکھا تو میں چونکا۔ میں نے سوچا کہ میں اس قدر جذباتی کیوں ہو جاتا ہوں۔ معاشرے میں جو گندگی اور غلاظت بڑھتی جا رہی تھی اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ میں ایک سراغ رساں ہوں۔ مجھے سراغ رساں ہی رہنا چاہئے۔

سریتا نے جب اپنا گلاس اٹھایا تو میں نے بھی اپنا گلاس اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اس کا ایک گھونٹ لے کر سریتا سے کہا۔

”یہاں بات چیت کرنے میں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ کیوں کہ یہاں نہ تو مائیکروفون نصب ہے اور نہ ہی کوئی مشتبہ شخص ہماری گفتگو سننے کے لئے قریبی میز پر موجود ہے۔ آس پاس کی میزیں تقریباً خالی پڑی ہیں...... اب تم مجھے کھل کر بتاؤ کہ مجھے موت کی نیند سلانے کے لئے ان کا منصوبہ کیا ہے...... اس مقصد کے لئے کس شخص کی خدمات مستعار لی گئی ہے۔“

یوں تو میں سریتا کا ذہن پڑھ کر معلوم کر سکتا تھا اور میں نے معلوم بھی کر لی تھیں۔ لیکن میں اپنی اس پوشیدہ صلاحیت کے بارے میں کسی کو بھی اعتماد میں لینا نہیں چاہتا تھا۔ سریتا کو بھی نہیں، اس لئے میں نے انجان بن کر اس سے دریافت کیا تھا۔ ٹیلی پیتھی کی صلاحیت کا نہ بتانے سے ایک فائدہ یہ تھا کہ یہ پتا چل جاتا تھا کہ سامنے والا کس قدر سچ جھوٹ بول رہا ہے۔

”تمہیں قتل کرنے کا کام کسی اور کو سونپا نہیں گیا ہے۔“ سریتا نے جواب دیا۔ ”اگر ایسا ہوا تو اس کا مجھے ضرور علم ہو جاتا۔“

”اگر ایسی بات نہیں ہے تو پھر اس مردود اجیت نے تم سے کیوں اور کس لئے کہا کہ تم مجھ سے تعلقات قائم کرو۔“ میں نے کہا۔ ”مہربان ہو جاؤ۔ ایک فیاض عورت بن جاؤ۔ بے غیرت سے بے غیرت شوہر بھی اپنی بیوی کو طوائف بننے پر مجبور نہیں کر سکتا......؟ وہ مجھے تمہارا چارہ اس لئے ڈال رہا ہے تا کہ تم مجھے اپنے جال میں پھانس لو۔ اس سے فائدہ اٹھا کر مجھے ختم کر دیا جائے۔“

”اجیت کو کبھی میری عزت پیاری رہی ہے اور نہ میں رہی ہوں۔“ وہ بولی۔ ”اصل بات یہ ہے کہ پروفیسر نارنگ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تمہارا مشن کیا ہے......؟ یہ تم چنائے میں کیوں اور کس لئے آئے ہو......؟ اب یہ میری ذمے داری ہے کہ تم سے ہر قیمت پر یہ معلوم کروں کہ تمہارا مشن کیا ہے......؟ اس لئے تو اس نے تم سے قریب ہونے اور اپنے آپ کو پیش کر دینے تک کی پوری اجازت دے دی ہے...... تم سچ کہتے ہو۔ اس نے مجھے ایک طرح سے طوائف سے بھی بدتر سمجھ لیا ہے۔“

”اس نے تمہارے ذمے جو کام سونپا ہے وہ اس کی ناکامی پر مشکوک ہو گیا تو کیا ہوگا......! تم نے سوچا جان!“ میں نے کہا۔

”اگر اسے اس بات کا علم ہو گیا کہ میں تمہارے لئے کام کر رہی ہوں تو شاید وہ مجھے قتل کر دے۔“ وہ بولی۔ ”اس لئے میں بہت محتاط ہوں۔“

”کیا اس بات کا امکان ہے کہ وہ تم پر کسی قسم کا شک نہ کرے...؟“ میں نے پوچھا۔ ”اس کے سرد رویے میں تبدیلی آ جائے؟“

”ہاں......“ سریتا نے اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔ ”میں نے اسے اپنے اعتماد میں لے لیا ہے۔ وہ کمینہ مشکوک ہو نہیں سکتا؟“

”اچھا......“ میں مسکرا دیا۔ ”تم نے اس پر ایسا کون سا منتر پڑھ کر پھونکا ہے جو سدھائے ہوئے کتے کی طرح ہو گیا ہے؟“

”محبت اور والہانہ پن کا منتر......“ وہ زیر لب مسکرا دی۔ ”اس کا رویہ اب یک سر بدل گیا ہے۔ میں اس سے پہلے سرد مہری سے پیش آتی تھی اور اپنے آپ کو ایک سرد لاش کی طرح حوالے کر دیتی تھی۔ تم سے ملاقات ہونے کے بعد تمہارے مشورے پر عمل کرنے لگی ہوں۔ اب میں اس کے ساتھ بڑی محبت اور گرم جوشی سے پیش آنے لگی ہوں کہ وہ مجھے پسند کرنے لگا ہے۔ محبت میں بڑا جادو ہے۔ وہ جادو عورت کے پاس ہوتا ہے۔ یہ جادو اس پر چل گیا ہے...... تم سے جو ٹیلی فون پر گفتگو ہوئی تھی اس نے سنی تھی۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ...... تمہارا مشن معلوم کرنے کے لئے تمہیں صرف من مانی کی اجازت دوں گی۔ حد سے تجاوز کرنے نہیں...... اس لئے تم میرے پتی ہو...... عورت کا جسم پتی کی ملکیت ہوتا ہے۔ کسی دوسرے مرد کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے زینت بنالے...... یوں بھی ذرا سی من مانی کی اجازت دینے پر دیوا کمار سب کچھ بتا دے گا...... میری ان باتوں نے اسے کس قدر خوش کر دیا تم اس کا یقین نہیں کر سکتے...... یہ تمام باتیں کسی جادو منتر سے کم نہیں ہیں......؟ تم کیا کہتے ہو؟“

”اس وقت ہم ہال میں نہیں ہوتے بلکہ تنہائی میں ہوتے تو میرے ہونٹ تمہارے ہونٹوں کی

ساری مٹھاس چرا لیتے......'' میں نے کہا۔

سریتا ایک دم سے سرخ ہوگئی اس کی آنکھوں میں ان گنت دیئے جل اٹھے تھے۔ وہ مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھ کر مشروب پینے لگی۔ حسینوں کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے...... گویا رنگین تتلی مجھ پر مہربان ہوگئی تھی...... اس نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت بہت جلد دے دیا تھا۔ میری محبت میں گرفتار ہو کر گلے کا ہار بن گئی تھی۔ جیسے جنم جنم کی ساتھی ہو۔ پیاسی ہو۔

ان تمام باتوں کے باوجود میں اس مہکتی رات کی رانی پر کلی اعتماد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کار زار میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت تھی۔ گو کہ میں ٹیلی پیتھی کے علم سے واقف تھا لیکن اس سے کیا ہوتا۔ اس سے صرف حالات سے باخبر ہو جاتا اور پھر مافیا اور بدمعاشوں سے مقابلہ کرنے کے لئے جو ذہانت درکار تھی وہ میرے پاس تھی۔ جسمانی قوت بھی تھی۔ ان باتوں کے باوجود مجھے چوکنا رہنے کی ضرورت تھی۔ میرے لئے یہی صورت تھی کہ اس کی زبان سے جتنا زیادہ سے زیادہ اگلوا سکتا ہوں اگلوا لوں لیکن اپنے بارے میں اسے کچھ ہوا بھی نہ لگنے دوں۔ اس پر یہی ظاہر کروں کہ میں یہاں محض تفریح کی غرض سے آیا ہوں۔ دل کی شانتی کے لئے ضروری تھا کہ ہنگاموں سے دور رہوں۔ میرا مشن کچھ ایسا خطرناک، پراسرار اور اہم تھا کہ میرے پتا جی ہوتے تو انہیں بتا نہیں سکتا اور نہ بتاتا۔

میں نے اسے پروفیسر نارنگ کے بارے میں اور کانفرنس میں پہنچنے کے بارے میں بتایا کہ کس طرح سے مجھے رگھوناتھ کی غلط فہمی میں لے جایا گیا۔ پروفیسر نارنگ نے مجھے رگوناتھ سمجھ کر دلجوئی اور دل بستگی کے لئے ایک نوجوان اور حسین لڑکی بھی بھیجی تھی۔ ویٹر نے عین وقت پر آ کر سارا مزا کرکرا کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آتا کتنا اچھا ہوتا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔

''جان سے پیاری سریتا! کیا تم رگھوناتھ کے بارے میں جانتی ہو...... اجیت نے تمہیں اس کے متعلق بہت کچھ بتایا تو ہوگا؟''

''رگھوناتھ کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ علم نہیں ہے۔'' سریتا نے جواب دیا۔ ''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ اس کی پراسرار گمشدگی ایک معمہ بنی ہوئی ہے...... ایک ہل چل سی مچ گئی ہے اور پھر اجیت نے بتایا تھا کہ پروفیسر نارنگ بہت برہم ہے اور سبھی کو لعن طعن کر رہا ہے کہ آخر اتنی بے پروائی کیوں برتی گئی۔ رگھوناتھ کو کس نے غائب کر دیا...... !اسے شاید موت کی نیند سلا دیا گیا۔ اس کی موت یا گمشدگی میرے لئے کس قدر نقصان دہ ہے تم لوگ اندازہ نہیں کر سکتے...... مگر دیوا!...... تمہیں اس میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟''

''صرف اس لئے کہ مجھے رگھوناتھ کی حیثیت سے پروفیسر نارنگ کے پاس لے جایا گیا تھا۔''

میں نے جواب دیا۔ ''مجھے کسی ایسے شخص میں کیا دلچسپی ہے جسے میں جانتا نہیں ہوں اور نہ ہی میں کبھی اس سے ملا ہوں۔ میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں؟''

''وہ کیا......؟'' سریتا نے تجسس بھرے لہجے میں دریافت کیا۔ ''رگھوناتھ کون تھا......؟ پروفیسر نارنگ کو اس کی ضرورت کیوں تھی؟''

''نہیں...... یہ بات نہیں......'' میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''رگھوناتھ کیوں اور کس لئے پروفیسر نارنگ سے ملنا چاہتا تھا؟''

''شاید وہ کوئی بہت ہی اہم چیز پروفیسر نارنگ تک پہنچانا چاہتا تھا'' سریتا نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ''پروفیسر نارنگ کو اس کی سخت ضرورت ہوگی۔ اس لئے وہ شاید ہندوستان آیا ہو۔ اس نے اس لئے رگھوناتھ کو بہت اہمیت دی اور پھر اس کی دل بستگی کے لئے بہت ہی حسین اور جواں سال کو اس کے کمرے میں بھیجا۔ تم نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ خوب من مانیاں کیں......''

''شاید وہ چیز پروفیسر نارنگ تک نہیں پہنچ سکی؟'' میں نے خیال ظاہر کیا۔ ''وہ اس کے لئے تڑپ رہا ہے۔ بے تاب ہو رہا ہے۔''

''اجیت نے مجھے بتایا کہ...... پروفیسر نارنگ...... رگھوناتھ سے ملاقات نہ ہونے کے سبب سخت مشتعل ہو رہا ہے۔'' سریتا بولی۔

''میرے خیال میں وہ شاید منشیات لے کر آیا ہوگا اور پروفیسر نارنگ تک پہنچانا چاہتا ہوگا۔ منشیات بڑا منافع بخش کاروبار ہے۔ امریکہ اور یورپ میں نہ صرف اس کی بہت مانگ ہے بلکہ قیمت بھی آسمان پر پہنچی ہوئی ہے...... کیوں کہ وہاں کی حکومت نے منشیات کی ترسیل روکنے کے لئے سخت اقدامات کئے ہوئے ہیں۔''

سریتا کا ذہن منشیات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیوں کہ اجیت اور اس کا گروہ منشیات کے کاروبار میں بھی ملوث تھا۔ وہ غیر ملکی اسمگلروں سے ہیروئن اور چرس خرید کر ہندوستانی اسمگلروں کے ہاتھوں فروخت کر دیتا تھا۔ اس کے گھناؤنے جو کاروبار تھے ان میں منشیات فروشی بھی شامل تھی، اس کی آمدنی سے ہی وہ اپنے گروہ کو پال رہا اور ٹھاٹ کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

سریتا کی باتوں سے اندازہ ہو گیا تھا کہ دستاویزات پروفیسر نارنگ کے ہاتھ نہیں لگیں۔ یہ بات بڑی اطمینان بخش تھی۔ اجیت اور سریتا کا خیال کچھ اور تھا۔ وہ شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ رگوناتھ ہیروئن لے کر آیا تھا لیکن وہ ہیروئن کہاں چھپائی گئی یہ اجیت نہیں جانتا تھا۔ وہ اور اس کے ساتھی شاید اس ہیروئن کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ لیکن پروفیسر نارنگ کو تو دستاویزات چاہئے تھی۔

میں نے سریتا کا نازک، گداز، سڈول اور خوب صورت ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی

آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''سنو جان......! ہم دونوں نہ صرف دوست ہیں بلکہ ایک دوسرے کے محبوب بھی......اب ہم دونوں کے درمیان کوئی دیوار، فاصلہ اور حجاب نہیں رہا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی ذات کا جزو بن چکے ہیں۔ میری تم سے ایک عاجزانہ درخواست ہے......''

''وہ کیا......؟'' سریتا نے مجھے مستی بھری نظروں سے دیکھا۔ ''درخواست نہیں ڈارلنگ! تم مجھے حکم دو۔ میں تمہاری داسی ہوں۔ باندی ہوں۔''

''میری کیا مجال کہ میں دل کی، خوابوں کی راج کماری کو حکم دوں۔'' میں نے کہا۔ ''تم مجھ سے سوالات پوچھنے سے احتراز کرنا۔ برا نہ مانو۔''

سریتا کا چہرہ ایک دم سے فق ہوگیا۔ جیسے میں نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کردیا ہو۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ دل گرفتہ لہجے میں بولی۔

''میں نے اپنا تن من تمہیں سونپ دیا۔ پھر بھی تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔ جب عورت اپنا سب کچھ کسی مرد کو خوشی سے نچھاور کردیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مرد ہی سب کچھ اس کا ہے۔ تمہیں اب بھی مجھ پر اعتماد نہیں؟ کیا یہ دکھ کی بات نہیں۔''

''نہیں......ایسی بات نہیں سریتا!'' میں نے اس کے ہاتھ کی پشت تھپتھپائی۔ اسے چوم لیا۔ ''تم جذباتی ہو رہی ہو۔ پلیز!......سریتا!''

''اب شاید میں تمہارے لئے جان بھی دے دوں تو تمہارے اعتماد سے محروم رہوں گی۔'' وہ جذباتی ہوگئی۔ ''کیا میں اتنی جلدی تمہارے دل سے اتر گئی ہوں دیوا......! کیا روپا چندر روتی سے ملنے کے بعد اب میں تمہاری نظر میں کچھ نہیں رہی؟''

''سریتا......! سریتا......! سریتا......!'' میں نے اس کا ہاتھ پھر سے تھپتھپایا۔ ''یہ تم کیا سوچنے لگی ہو! کیسی بہکی بہکی باتیں کررہی ہو؟''

''تم مجھ سے محبت نہ کرو...... نہ سہی، تم مجھ پر اعتماد نہ کرو نہ سہی لیکن اس کے باوجود میں تمہارے لئے کام کرتی رہوں گی۔ تم بے فکر رہو۔''

اس کی آنکھوں کے کنائیوں میں موتی دمکنے لگے۔ ایک ذرا سی بات پر جذباتی ہوگئی تھی۔ وہ اتنا کہہ کر جام پر جام چڑھانے لگی تھی۔

''سریتا! تم مجھے غلط نہ سمجھو۔'' میں نے کہا۔ ''کیا میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر تم سے ملنے نہیں آیا؟ پھر بھی تم میرے بارے میں غلط سوچ رہی ہو......کوئی بھی کسی ایسے کے لئے اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالتا۔ میں نے تمہارے لئے جان کا خطرہ مول لیا۔ کیا یہ کم ہے؟''

''تم صرف اپنی غرض کے لئے آئے تھے......؟ آئے تھے نا......؟'' وہ اپنا گلاس بھرتے ہوئے بولی۔ ''یہی بات ہے نا؟''

''سریتا......!'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ ''خود کو قابو میں رکھو۔ تم اچھی بھلی تھیں۔ یہ تمہیں بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا؟ پینا بند کرو۔''

''تم نے تنہائی کا فائدہ اٹھا کر اپنا الو سیدھا کرلیا۔'' وہ اور جذباتی ہوگئی۔ ''تم مرد لوگ وحشی اور جسم کے بھوکے ہوتے ہو......تم مجھ سے محبت نہیں کرتے ہو، صرف میرے جسم کے طلب گار ہو......تم نے رنگین طبیعت پائی ہے۔ تم نے روپا چندر روتی کی مجبوری سے بھی بہت فائدہ اٹھایا۔''

''تم مجھے ہوس پرست سمجھتی ہو تو میں تمہاری یہ غلط فہمی دور کردوں گا۔'' میں نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اس کھڑکی کے راستے سے تم سے ملنے آیا کروں گا۔ صرف محبت بھری باتیں کرنے کے لئے...... میں تمہارے بدن کو ہاتھ تک نہیں لگاؤں گا۔ تم سے دور دور رہوں گا۔'' اتنا کہہ کر اس نے بھرا پیگ ایک ہی سانس میں خالی کردیا۔

''اس وقت تم آپے میں نہیں ہو۔'' میں نے کہا۔ ''تمہیں خود پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گا۔''

سریتا پر پہلے ہی پیگ نے اپنا اثر دکھانا شروع کردیا تھا۔ اس نے بڑا پیگ پیا تھا اس لئے......اب تو کچھ زیادہ ہی اثر ہوگیا تھا۔ اس پر نیم مدہوشی سی طاری تھی۔ وہ اسی عالم میں بہکی بہکی باتیں کررہی تھی۔ میں نے اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ میں اس بات کو جانتا تھا کہ وہ تنہائی میں اپنی بات پر قائم نہیں رہے گی۔ نجانے کیوں اس نے میری اس بات کا اتنا گہرا اثر لے لیا تھا کہ جذباتی ہوگئی تھی۔ میں نے اس سے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ مجھ سے سوالات کرنے سے احتراز کرے۔ اس نے میری بات کا غلط مطلب لے لیا تھا۔

فضا میں موسیقی کی مدھر دھنیں گونج رہی تھیں جس نے ماحول کو خواب ناک بنادیا تھا۔ ڈانس فلور ننگا پڑا تھا۔ روپا چندر روتی اور اس کے ساتھی ابھی تک جلوہ افروز نہیں ہوئے تھے۔ تماشائیوں سے تمام کرسیاں بھر چکی تھیں۔ ان سب کی نگاہیں بار بار ڈانس فلور کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ قریب کی میزوں پر جو جوڑے پہلے سے براجمان تھے اور دوسرے دوسرے مرد لوگ تھے وہ سب شریف النفس قسم کے تھے۔

لیکن اب ان سے غنڈوں نے میزیں خالی کروا کر ان پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ شریف اور ٹھنڈے مزاج کے لوگ تھے۔ اس لئے ان سے کوئی الجھا نہیں تھا۔ دراصل یہ سب کچھ ایک منصوبے کے تحت ہوا تھا۔ مجھے ایک طرح سے نرغے میں لے لیا گیا تھا۔ ان کے خیال میں میری حالت اس

چوہے کی سی تھی جو پنجرے میں پھنس چکا ہو۔ چوہے کو پنجرے میں فریب دے کر لانے کے لئے ایسا چارہ ڈالا جاتا ہے کہ چوہا اندر آ جاتا ہے۔ سریتا کو چارہ ہی بنایا گیا تھا۔ یہ غنڈے اجیت کے ہی تھے۔ میں نے ان کا ذہن پڑھ لیا تھا۔ میں نے یہی تاثر دیا کہ میں ایک چوہے کی طرح پھنس چکا ہوں اور فرار کی راہ مسدود ہو چکی ہے۔

کسی کھلی جگہ پر یہ مقابل ہوتے تو زیادہ لطف آتا۔ دو دو ہاتھ ہوتے۔ میں انہیں ایسا مزا چکھاتا کہ وہ ساری زندگی یاد رکھتے۔ دو تین ہفتے تک بستر پر پڑے رہتے۔ مجھے خواب میں بھی دیکھ کر ڈر جاتے۔ ان کی نیندیں حرام ہو جاتیں۔

معاً میری نگاہ داخلی دروازے کی طرف اٹھ گئی وہاں غنڈے مستعد کھڑے ہوئے تھے میں اور سریتا ان کی گہری نظروں کی گرفت میں تھے۔ میں نے غیر محسوس انداز سے انہیں دیکھا۔ وہ کتے لگتے تھے۔ دوسری طرف سمندر تھا۔ میں انہیں دیکھ کر مسکرا دیا اس لئے کہ ان کا ذہن مجھ پر عیاں ہو رہا تھا۔ اب سریتا کی حالت قدرے بہتر تھی۔ مدہوش نہیں رہی تھی۔ اسے کسی بات کا خیال اور احساس نہیں رہا تھا۔ اجیت نے اس سے کہا تھا وہاں اس کے آدمی ہوں گے۔ یہ بات سریتا کے ذہن میں تھی لیکن وہ کسی وجہ سے بتا نہ سکی تھی۔ اس کے باوجود میں نے اسے خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے جھٹکا دیا۔ سریتا اس وقت کسی اور خیال میں گم تھی۔ اس نے اس لئے اس کا خیال نہیں کیا۔

پھر میں نے ایک ذات شریف کو دیکھا جو میری کرسی کی پشت پر اپنا پاؤں ٹکائے بدتمیزی سے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی یہ حرکت مجھے اشتعال دلانے کے لئے تھی۔ میں نے اجیت کے غنڈوں کی غیر محسوس انداز سے گنتی کی۔ وہ نصف درجن ہوں گے۔ میں نے سوچا کہ اس کا پاؤں مروڑ دوں۔ لیکن میں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ وہ میز پر الٹ کر گر پڑتا۔ اس میز پر ایک پیارا سا جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے الجھنے سے ایک افراتفری مچ جاتی اور ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔ بدمزگی پیدا ہو جاتی۔

اس وقت روپا چندروتی نے ڈانس فلور پر آ کر ڈانس شروع کر دیا تھا اس لئے میں اسے دیکھنے لگا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا وہ ایک بہترین رقاصہ تھی۔ وہ اپنے فن سے زیادہ جسم کا ہیجان خیز نظارہ پیش کر رہی تھی۔ مرد اس کے جسم کی حرکات میں کھو سے گئے تھے۔ وہ تھرکتی۔ لچکتی اور بل کھاتی ہوئی بھر بھرا سی جاتی تھی۔ اسے تو کسی نائٹ کلب کی رقاصہ ہونا چاہئے تھا۔ وہ ہندوستان کے ان نائٹ کلبوں میں بھی جاتی تو تھی جو مخصوص ممبران کے لئے تھا۔ یہ ممبران شرفا، اعلیٰ افسران اور اداکار بھی تھے۔ اس کے شو کا ٹکٹ پانچ ہزار روپے ہوتا تھا۔ چوں کہ ان نائٹ کلبوں کو پولیس کے اعلیٰ حکام کی آشیر باد حاصل تھی اس لئے وہ قانون کی زد میں نہیں آتے تھے اور نہ ہی روپا چندروتی کے آزادانہ اور بے حجابانہ رقص قانون کی گرفت میں آتے تھے۔ جیسے اسے اس بات کا لائسنس ملا

تھا۔ میں دہلی کے نائٹ کلب میں اس کا رقص دیکھ چکا تھا۔ امریکہ اور یورپ میں ممنوعہ تھا لیکن یہاں نہیں...... ویسے اس نے مغربی رقاصاؤں کو بھی مات کر دیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ رقص کے دوران میں اس کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہوں۔ وہ مجھ میں دلچسپی لے رہی ہے۔ اس کی کچھ وجہ سمجھ میں نہیں آئی...... پھر مجھے خیال آیا کہ اسے شاید دو لاکھ کی رقم اور میرے ساتھ گزاری ہوئی راتیں یاد آ گئیں...... نہیں تو اس میں کوئی اور ہی جذبہ کارفرما تھا۔ پھر میں نے اس کا ذہن پڑھا۔ وہی بات تھی جو میں نے سوچی تھی...... اس کے علاوہ ایک اور ڈر وخوف بھی اسے دامن گیر ہو گیا تھا۔ اس نے ہال میں موجود غنڈوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ کہیں اسے پھر سے اغوا کرنے کا منصوبہ تو نہیں ہو رہا ہے تاکہ اس سے بطور تاوان موٹی رقم وصول کی جائے اور اس کی عزت کو آلودہ کیا جائے۔ اس کا خوف بجا بھی تھا...... ہر حسین اور نوجوان لڑکی انہیں دیکھ کر یہی سمجھتی۔ ان بدمعاشوں کے تیور صاف ظاہر تھے۔

وہ اکیلی ہی ناچ رہی تھی۔ اس نے جو سیاہ جالی دار فراک پہن رکھا تھا وہ گھٹنوں سے اوپر تھا۔ اس لباس میں اس کا جسم شعلے کی طرح آنچ دے رہا تھا۔ پھر اس کے ساتھی جیسے ہی ڈانس فلور پر آئے ایک طوفان سا آ گیا۔ اس کا رقص اور والہانہ ہو گیا۔ وہ کچھ زیادہ تھرکنے لگی۔ اس کا جسم ایسے زاویے بنانے لگا تھا کہ منچلے قسم کے نوجوانوں نے سیٹی بجانا شروع کر دیا تھا۔

میں نے غیر محسوس انداز سے ہال کا جائزہ لیا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ اجیت، گوریلا ویٹر اور دو ایک بدمعاش میری خاطر تواضع کے لئے ہال میں تشریف لا چکے تھے۔ انہوں نے مجھ پر نظریں مرکوز کر دی تھیں۔ میں ان کی نگاہوں کی زد میں اس طرح تھا کہ میری جنبش تک نظر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔ میں انجان اور بے پروا سا تھا۔ ان کے درمیان سرگوشیاں ہونے لگیں۔

میں نے اجیت اور اس کے ساتھیوں کو جلانے کی غرض سے سریتا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اور قریب کر لیا۔ اس کے بالوں کو سہلایا۔ اس وقت تماشائی پوری طرح چندروتی کے جسم کے سحر میں اسیر ہو گئے تھے۔ کوئی بھی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔ میں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور سریتا کے چہرے پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر تک میں جذباتی رومانی انداز سے جھک رہا تھا۔

اجیت اور اس کے ساتھیوں پر جیسے کوئی بجلی سی آ گری تھی۔ اجیت کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ غصے کی حالت میں کانپنے لگا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ میں شو کے دوران سریتا سے من مانی کر سکتا ہوں۔ اس کے تمام غنڈے ساتھی بھی خار کھانے لگے۔ کیوں کہ سریتا مجھے بتا چکی تھی کہ اس کے ساتھی اس کے ساتھ من مانی کرنا چاہتے تھے لیکن اس نے کبھی اجیت کے ساتھیوں کو موقع نہیں دیا۔ میرا من مانی کرنا انہیں زہر لگ گیا تھا۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ اس وقت سریتا نشے کی حالت میں ہر

احساس سے عاری ہے۔

”میری جان!“ میں نے سریتا کے کان میں سرگوشی کی۔ ”کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم نشے کی حالت سے نکل آؤ۔ اپنے آپ کو سنبھالو......“

”روپا چندروتی کا جسم کتنا خوب صورت ہے۔“ وہ ڈانس فلور کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ ”تم اس سے خوب کھیل چکے ہو نا؟“

”وہ ماضی کی بات تھی اب تم اس بات کو بھول جاؤ۔“ میں نے کہا۔ ”اب یہ دیکھو...... کہ یہاں کون سا کھیل شروع ہونے والا ہے۔“

”کیسا کھیل......؟ کون سا کھیل......؟“ وہ بے پروائی سے بولی۔ ”مجھے کبھی کسی کھیل سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ کرکٹ کھیل بہت پسند ہے۔“

”یہ کھیل کرکٹ کے ون ڈے سے کہیں سنسنی خیز، دلچسپ اور تحیر انگیز ہے۔“ میں نے کہا۔

”تم نے ایسا کھیل شاید ہی دیکھا ہو۔“

”میں ون ڈے میچ ہی دیکھتی ہوں۔“ وہ پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔ ”کیوں کہ اس میں چوکے چھکے لگتے ہیں......“

”لیکن آج کے ون ڈے میچ میں جو نائٹ میچ ہے اس میں چھکا لگانے تمہارے پتی ورتا اپنی ٹیم کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔“ میں نے کہا۔

”اس اثنا میں ویٹر اسٹیج پر پہنچا تو ڈانس بند ہوگیا۔ اس نے مائیک سنبھالا اور حاضرین کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”خواتین و حضرات......! آپ لوگوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ...... ہمارے جان از عزیز دوست مسٹر دیوا کمار...... ممبئی سے تشریف لائے ہیں۔ وہ بھی ایک اپنے فن اور پیشے کے لحاظ سے بہت بڑے فنکار ہیں...... ان سے میری عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ اسٹیج پر آ کر اپنے فن کا بے مثال مظاہرہ فرمائیں......“

سریتا ابھی تک نشے میں دھت تو تھی اور اس کا نشہ اور مدہوشی قدرے کم ہوگئی تھی۔ لیکن اس اعلان کو سن کر وہ ششدر سی ہوگئی اور پھر اس نے ڈانس فلور کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف دیکھا۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا کہ ڈانس فلور پر روپا چندروتی اور اس کے ساتھی ایک طرف کھڑے ہوگئے ہیں۔ رقص بند ہوگیا ہے۔ دوسرے لمحے اس نے میری طرف سوالی نظروں سے دیکھا۔

”یہ حرام زادہ......! کس لئے یہ اعلان کررہا ہے......؟ اس نے پوچھا۔ ”کیا تمہیں بھی روپا چندروتی کے ساتھ رقص کرنے بلا رہا ہے!“

”اس لئے کہ اس کی شامت آگئی ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”وہ فائٹ کیلئے بلا رہا ہے۔ اس لئے اس نے رقص بند کرادیا ہے۔“

”کیا...... کیا...... تم ڈانس فلور پر جارہے ہو؟“ سریتا تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

”نہیں...... نہیں...... جانی! تم نہ جاؤ۔ منع کردو۔“ میں نے اس کا شانہ دلاسا آمیز انداز سے تھپکا۔ اس کے رخسار کی ایک زوردار پپی لی اور آہستہ سے کہا۔

”تم میری چنتا نہ کرو...... مجھے ان بدمعاشوں سے نمٹنا آتا ہے۔ دس بارہ حرام زادے بھی میرا بال بیکا نہیں کرسکتے۔“

پھر میں نے کھڑے ہوکر اجیت کی طرف دیکھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں آٹومیٹک پستول تھا۔ اس کے علاوہ اور غنڈوں کے ہاتھوں میں بھی ریوالور تھے۔ ان کی نالیں رومالوں کے نیچے سے جھانک رہی تھیں۔ ہوٹل کے دو ایک ویٹر بھی جھاڑن کے نیچے سے ریوالوروں کی نمائش کررہے تھے۔ گویا وہ میرے مقابلے اور میری موت کے لئے ایک پورا دستہ لئے موجود تھا۔

میں نے اس سؤر اجیت کو مزید جلانے کے لئے سریتا کا ایک اور گرم جوش بوسہ لیا۔ پھر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے بغیر اسٹیج کی طرف اس طرح سے بڑھا جیسے کوئی فوجی افسر محاذ ختم کرنے کے بعد واپس جاتا ہے۔ میں اس لئے بڑھا تھا کہ معذرتی کلمات ادا کرلوں۔ میرے اوپر پہنچنے سے پہلے ہی ویٹر آگیا۔ پھر وہ میرا بازو پکڑ کر مجھے اسٹیج کے اندھیرے گوشے کی طرف لے گیا۔

”آج تمہاری ذہانت کچھ کام نہیں دے گی۔“ اس نے سخت لہجے میں کہا۔ ”تمہیں ہمارے اشاروں پر رقص کرنا ہوگا......“

اس نے یہ کہہ کر میرے بغلی ہولسٹر سے میرا پستول تیزی اور ہوشیاری سے نکال لیا۔ یہ میں دانستہ کھلونا پستول لایا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح میرا پستول چھین لینے کی کوشش کریں گے۔ میرا دیرینہ ساتھی ہوٹل میں محفوظ تھا۔ ”کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ رقص کے دوران میرے پیروں کو نشانہ بنایا جائے۔“ میں نے اس انداز سے کہا جیسے ڈر گیا ہوں۔

”یہ تو تمہیں ڈانس فلور پر پہنچ کر پتا چلے گا۔“ ویٹر نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ”لہٰذا جلدی سے چل منے میاں! شاباش!“

ویٹر نے اچانک اور غیر متوقع مجھے بڑے زور سے ڈانس فلور کی طرف دھکا دیا۔ چوں کہ میں اس کے لئے تیار نہ تھا اس لئے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ فرش پر گر پڑا۔ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ چار عدد بدمعاشوں نے مجھے اٹھایا۔ ڈانس فلور پر لے گئے۔ پھر موسیقی کی لے پر جھولے کی طرح جھلانے لگے۔ میرا تماشا بنادیا تھا۔

تماشائی میری تضحیک ہوتے دیکھ کر مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ جیسے جیسے موسیقی تیز ہوتی گئی ویسے ویسے ان کی حرکات میں تیزی آتی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے مجھے سمندر کی طرف اچھال دیا۔ فضا میں ایک دل خراش نسوانی چیخ گونجی۔

یہ چیخ سریتا کی تھی یا روپا چندروتی کی میں تمیز نہ کرسکا۔ کسی اور عورت کی بھی ہوسکتی تھی۔ دوسرے لمحے میں سمندر کی لہروں کی آغوش میں تھا۔ میں نے ان بدمعاشوں کے ذہن سے جان لیا تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ میں ان مسلح بدمعاشوں سے الجھ کر اپنی جان گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ میری جان اتنی سستی نہیں تھی۔ کسی کی بھی جان سستی نہیں ہوتی ہے۔

میں نے رقص کے دوران اجیت کا چہرہ دیکھا تھا۔ میں نے جو سریتا کے ساتھ من مانی کی تھی اس نے اسے چراغ پا کردیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر کڑھ کے رہ گیا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ مجھے گولی مار دیتا۔ لیکن کسی وجہ سے وہ ایسا نہ کرسکا تھا۔

مجھے اس لئے پھینکا گیا تھا کہ میں شاید کسی پتھر سے ٹکرا کر مرجاؤں گا۔ میرا سر پاش پاش ہوجائے گا۔ جسم کی ہڈیاں ٹوٹ کر چکنا چور ہوجائیں گی...... لیکن میری زندگی تھی میں بچ گیا۔ ان کا منصوبہ بری طرح ناکام ہوکر منہ چڑانے لگا تھا۔

مجھے سوفٹ کی بلندی سے کسی پتھر کی طرح سمندر میں پھینکا گیا تھا۔ میں بہت بری طرح گرا اور پانیوں سے ٹکرایا تھا۔ کسی بھاری پتھر کی طرح اندر تک چلا گیا تھا۔ پھر رک گیا تو اوپر آنے کے لئے ہاتھ پیر مارے، میرا جسم چند ثانیوں کے لئے شل سا ہوگیا تھا۔ جب میرا سر پانی سے باہر نکلا تو میں نے اپنا منہ پورا کھول کر تازہ ہوا لی۔ گو پانی خاصا پیٹ میں چلا گیا تھا۔ تازہ ہوا کی وجہ سے مجھے جیسے ایک نئی زندگی مل گئی تھی۔ اب میں پوری طرح سنبھل گیا تھا۔ میرے حواس...... میری حالت میرے قابو میں تھے۔ توانائی بحال ہونے لگی۔

ڈانس فلور سے تیز روشنی پھینکی گئی تھی تاکہ میرا حشر نشر دیکھا جاسکے۔ خوش قسمتی سے میں اس روشنی سے دوسری سمت اور دور بھی تھا۔ روشنی اس سمت نہیں آسکتی تھی اور پھر سمندر پرسکون بھی نہیں تھا۔ اس کی لہریں ساحل اور پہاڑیوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس لئے رات کے گہرے سناٹے میں ایک شور سا گونج رہا تھا۔ ڈانس فلور سے ہنسی اور قہقہوں کا جو شور سنائی دے رہا تھا۔ وہ شریف النفس تماشائیوں کا نہیں تھا۔ یہ اجیت کے گرگے تھے۔ جو میرا مذاق اڑا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میں سمندر کی نذر ہوگیا ہوں۔ میں نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ ان میں جتنے بھی حرام زادے ہیں انہیں بخشوں گا نہیں۔ ان میں سے ایک ایک سے چن چن کر بدلہ لوں گا۔ مزا چکھاؤں گا۔

مجھے اس اندھیرے میں کنارا نظر آگیا تھا۔ میں پانی میں تیرتا ہوا وہاں جا پہنچا اور ریت پر

لیٹ کر ستانے لگا۔ میں ایک چٹان کی اوٹ میں تھا اس لئے محفوظ تھا۔ وہ یہاں نہیں آسکتے تھے اور پھر وہ مردہ سمجھ کر خوش ہورہے ہوں گے کہ میرا باب بند ہوگیا۔

میرا کوٹ اور جوتے سمندر کی نذر ہوگئے تھے۔ ویٹر نے میرا پستول نکال لیا تھا۔ میں یوں بھی کھلونا پستول لایا تھا۔ میں چٹان کی اوٹ میں تھا۔ اس لئے ڈر اور خوف کی کوئی بات نہیں تھی۔ اب حالات نے ایک نیا رخ اختیار کرلیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ میں پہلی فرصت میں اپنی گاڑی تک جا پہنچوں...... اس لئے کہ میرے دوسرے مسائل حل ہوجائیں گے اور وہ بدمعاش میری موت کا جشن منا رہے ہوں گے۔ خوشی سے سرشار ہوں گے...... کیا سریتا کو میری موت سے خوشی ہوئی ہوگی......؟ روپا چندروتی کو بھی......؟

میں جلد ہی پارکنگ لاٹ میں پہنچ گیا۔ میری بیوک مجھ سے زیادہ دور نہیں تھی لیکن وہاں تک پہنچنا ایسا تھا جیسے ہزاروں میل کی مسافت طے کرنا...... کیوں کہ وہاں اندھیرے میں دو بدمعاش موجود تھے۔ ان کے سگریٹ پینے سے ان کی موجودگی کا پتا چلا تھا۔

میں سوچنے لگا کہ میں کیا کروں...... ان کے ذہن سے معلوم کرلیا تھا کہ وہ اجیت کے بدمعاش ہیں۔ اجیت نے انہیں وہاں پہرہ دینے پر کھڑا کیا ہوا تھا کہ اگر میں کسی طرح ان کے نرغے سے نکل آیا تو میری خبر لیں۔ وہ مسلح بھی تھے۔ ان کے پاس نہ صرف ریوالور بلکہ چاقو بھی تھے۔ میری گاڑی کے قریب موجود تھے۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے میں ان پر قابو پاسکوں۔ مجھے کوئی ڈنڈا یا سریا مل جاتا تو میں ان کی کھوپڑی چٹخا دیتا۔ اب ڈنڈا...... ہاکی...... لوہے کا سریا کہاں مل سکتا تھا۔ اسے کہاں تلاش کرسکتا تھا۔

میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا تدبیر کروں......؟ کس طرح ان بدمعاشوں پر قابو پاؤں......؟ میری نگاہ معاً روپا چندروتی کی سفید مرسڈیز پر پڑی۔ وہ مجھ سے زیادہ فاصلہ پر نہیں تھی اور بدمعاشوں کے عقب میں تھی۔ وہ مخالف سمت دیکھ رہے تھے۔ وہاں تک میرا پہنچنا دشوار نہیں تھا۔ انہیں میری آہٹ بھی سنائی نہیں دے سکتی تھی۔ میں نے وہاں تک پہنچنے میں ایک لحظہ کی بھی دیر نہیں کی۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ میں رینگتا ہوا اس سفید مرسڈیز تک جا پہنچا۔ پھر اس خیال سے میرا جی ڈوب گیا کہ گاڑی مقفل ہوگی۔ میرے پاس کوئی چابی یا تار نہ تھا ورنہ گاڑی کھول لیتا۔ میں نے ہینڈل گھمایا۔ خوش بختی تھی کہ اس کی گاڑی مقفل نہیں تھی۔ میں نے بے آواز دروازہ کھولا۔ میں نہایت خاموشی سے اندر پچھلی نشست کے فرش پر لیٹ گیا۔ اس کا انتظار کرنے لگا۔

اس کے ساتھ جو شوفر آیا تھا وہ شاید چھٹی لے کر چلا گیا تھا۔ کیوں کہ وہ گاڑی کے پاس موجود نہ تھا۔ کوئی بیس منٹ کے بعد روپا چندروتی کوئی رومانی گیت گاتی آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ میں فرش سے

چپک گیا۔ جس وقت وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی میں نے اسے پیچھے سے دبوچ لیا۔ میرا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر اور دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر تھا کہ وہ چیخ نہ سکے۔ وہ میرا ہاتھ کاٹنے لگی تو میں نے کہا۔

''مس روپا چندروتی...... میں دیواکمار ہوں...... میں نے یہ حرکت اس لئے کی ہے کہ تم چیخنا نہ شروع کردو......''

روپا چندروتی نے عقبی آئینہ میں مجھے دیکھا۔ میں نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹالیا۔

روپا چندروتی کو اس بات پر سخت حیرت تھی کہ میں زندہ کیسے بچا؟ مجھے عقبی آئینے میں دیکھ کر یقین نہیں آیا تھا کہ یہ میں ہوں۔

''تم واقعی زندہ سلامت ہو......؟'' روپا چندروتی نے مجھے عقبی آئینے میں منجمد آنکھوں سے دیکھا۔ ''مجھے یقین نہیں آرہا ہے دیوا!''

''ہاں...... میں زندہ ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''اس میں یقین نہ کرنے والی کیا بات ہے؟ میں زندہ نہ ہوتا تو گاڑی میں موجود کیسے ہوتا؟''

''میں نے سنا ہے کہ جب کوئی حادثاتی موت مرجاتا ہے تو وہ بدروح بن کر دنیا میں آجاتی ہے، کہیں تم بدروح تو نہیں ہو؟'' وہ بولی۔

''میں ان بدمعاشوں کے لئے بدروح ہوں تمہارے لئے نہیں۔'' میں نے اس کے گلے میں بازو حمائل کردیئے۔ ''تم میرے ہاتھوں کو چھوکر دیکھو۔''

''مجھے تمہیں زندہ سلامت دیکھ کر کتنی خوشی ہورہی ہے بتا نہیں سکتی۔'' روپا چندروتی نے میرے دونوں ہاتھوں کو بڑی محبت اور گرم جوشی سے تھام لیا۔ پھر ان کی پشت چوم کر بولی۔ ''ان بدمعاشوں نے تمہارے ساتھ جو بربریت کی، زیادتی کی مجھے اس پر سخت غصہ آیا...... یقین کرو...... دیوا!...... اگر میرے پاس اس وقت ریوالور ہوتا تو میں انہیں اڑادیتی۔ ایک کو بھی نہیں بخشتی۔''

''کیا تم مجھے اتنا چاہتی اور پسند کرتی ہو جب کہ میں نے ماضی میں تمہارے ساتھ کاروباری انداز سے سودا کیا تھا۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے تمہاری بدمعاشوں سے رہائی کے عوض نہ صرف دو لاکھ کی رقم وصول کی بلکہ دو راتیں بھی گزاریں۔ تمہیں شاید یہ ناگوار لگا تھا؟''

''نہیں دیوا......! ایسی کوئی بات نہیں۔'' روپا چندروتی بدستور میرے ہاتھوں کو محبت اور گرم جوشی سے تھامے ہوئے تھی۔ اس نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔ ''تم نے کوئی سودے بازی نہیں کی تھی اور نہ ہی میری مجبوری سے فائدہ اٹھایا تھا بلکہ تم نے مجھ پر دیا کیا تھا۔''

''تم اسے دیا کا نام دے رہی ہو؟'' میں نے کہا۔ ''میرا خیال تو یہ ہے کہ تمہارے دل کے کسی کونے میں میرے لئے نفرت موجود ہوگی۔''

''میں اس لئے تمہارے اس کارنامے کو دیا اور احسان سمجھتی ہوں کہ تم نے میرے ساتھ بہت رعایت کی تھی۔'' وہ کہنے لگی۔ ''میری سیکریٹری نے جب پولیس سے رابطہ کیا تو ایک کالی بھیڑ نے جو انسپکٹر تھا اور ان بدمعاشوں سے اس کی ملی بھگت تھی اس نے میری رہائی کے لئے دو شرطیں پیش کی تھیں۔ پہلی شرط تو یہ تھی کہ وہ بارہ لاکھ کے عوض رہائی دلوائے گا۔ میں ایک ماہ تک اس کے فلیٹ میں رہوں...... میری سیکریٹری نے جب موبائل فون پر مجھ سے رابطہ کیا تو میں نے حامی بھرلی تھی۔ کیوں کہ مجھے جان عزیز تھی۔ میرے پاس کون سی عزت تھی۔ جب میں چودہ برس کی تھی تب میں ایک پولیس انسپکٹر کے ہاتھوں عزت سے محروم ہوگئی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ میری ماں ایک اسپتال میں نرس تھی۔ اس اسپتال میں زیرعلاج مریض کی دس ہزار کی رقم کسی نے چوری کرلی تو ایک ڈاکٹر نے میری ماں پر چوری کا الزام تھوپ دیا۔ میری ماں گرفتار کرلی گئی۔ اس نے میری ماں پر اس لئے الزام تھوپا تھا کہ میری ماں اس سے نفرت کرتی تھی۔ اس کی ناجائز باتوں کو ماننے سے انکار کردیا تھا جس پر اس نے دو ایک مرتبہ دست درازی اور من مانی کی تو ماں نے اس کی درگت بنادی تھی۔ پولیس رقم برآمد کرنے کے بہانے اس ڈاکٹر کے ساتھ گھر میں گھس آئی۔ میرے پتا جی تو سورگ باش ہوچکے تھے۔ میں ماں کی اکلوتی اولاد تھی۔ تین سپاہی تھے۔ ان میں ایک انسپکٹر بھی تھا۔ ان چاروں نے پورا گھر چھان مارا تھا۔ جب رقم برآمد نہیں ہوئی تو ان چاروں نے میری ماں اور میرے ساتھ اجتماعی زیادتی کی۔ میں پولیس کو کیسے بھول سکتی ہوں۔ میں آج تک انہیں بھول سکی اور نہ کبھی بھولوں گی۔ ان کے خلاف جو نفرت ہے وہ آج بھی میرے سینے میں آگ کی طرح بھڑکتی رہتی ہے۔ کسی نے میری سیکریٹری کو تمہارے بارے میں بتایا۔ میرے لاکھ دو لاکھ اور دو راتیں نذر کرنا مشکل نہ تھا۔ میں نے سیکریٹری سے کہا کہ تم سے رابطہ کرے...... میں نے جو دو راتیں تمہاری نذر کی تھیں اس میں میری مرضی، خوشی شامل تھی۔ تم پر ایک دوست اور محبوب کی طرح مہربان ہوئی تھی۔ ایسا لگا تھا کہ میری تم سے شادی ہوئی ہے۔ یہ سہاگ راتیں ہیں۔ تم میرے زندگی میں آنے والے پہلے اور شاید آخری مرد ہو جس میں شائستگی تھی۔ تم نے اپنا زیادہ وقت مجھ سے باتیں کرنے میں گزارا۔ تم ہوس پرست نہ تھے۔ دوسرے مرد جو مجھے وقت گزاری کے لئے بلاتے ہیں انہیں صرف اور صرف جسم سے دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ ایک ایک دمڑی وصول کرتے ہیں۔ تم نے کھلونا نہیں بنایا۔ میرے جسم سے ایک گاہک کی طرح نہیں کھیلا۔ اس لئے میرے دل میں آج بھی تمہارے لئے محبت کے جذبات ہیں۔''

''تمہیں اندازہ ہوچکا ہے کہ اس وقت میں سخت خطرے میں ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے اندازہ نہ تھا کہ تم جتنی حسین ہو تمہارا من اس کی طرح خوب صورت ہے۔ اس رات میں تمہارا

قرب، محبت بھری باتیں اور خلوص سے پیش آنا نہیں بھولا ہوں۔ میں نے دولاکھ کی رقم لینے سے انکار کیا تھا تم نے زبردستی مجھے دے دی تھی۔ تمہاری جگہ کوئی اور عورت رقم نہیں دیتی۔ میں اس بات کو آج بھی نہیں بھولا ہوں۔"

"تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔" پاروچندروتی نے بڑے خلوص سے پیش کش کی۔ "میں فلیٹ میں اکیلی ہی رہتی ہوں۔ ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہوگا۔"

اندھے کو کیا چاہئے دو آنکھیں...... ویسے بھی میں اس کے ساتھ بادل نخواستہ چلا گیا۔ وقت اور حالات ایسے تھے کہ کوئی بھی بھروسے کے لائق نہیں تھا۔ ہر لحمہ ناقابل اعتبار تھا۔ اس کے ساتھ جانے اور یہ خطرہ مول لینے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس کی رفاقت میں مجھے سکون ملے گا۔ وہ مجھے اپنے ہاں لے جانے کے لئے بے چین تھی۔ جب میں نے اس کا ذہن پڑھا تو میرے تمام شکوک ختم ہوگئے۔ میرا خیال تھا کہ اجیت نے کہیں اسے مہرہ نہ بنایا ہوا ہو۔ کیوں کہ اس کے غنڈوں نے مجھے روپا چندروتی سے خاصی دیر تک گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں اس پرخلوص ہستی کو دیکھ رہا تھا جس نے خطرات کی پروانہیں کی تھی۔

روپا چندروتی نے مجھے راستے میں بتایا تھا کہ...... بدمعاشوں نے جب مجھے سمندر میں پھینکا تو وہ نفرت اور غصے سے پاگل ہوگئی تھی۔ وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح ان بدمعاشوں پر ٹوٹ پڑی تھی۔ اس نے کسی کے منہ پر تھپڑ مارے...... کسی کا منہ نوچ لیا تو...... کسی کو کاٹ کھایا...... جوتی نکال کر مرمت کردی...... اور ان پر تھوکا اور گالیاں بکیں اور انہیں نامردی کا طعنہ دیا تھا۔ پھر اسے دو بدمعاش پکڑ کر زبردستی گھسیٹتے ہوئے لے گئے تھے۔ ہال میں اس نے بدمعاشوں کی ایسی کی تیسی کردی تھی۔

اس کہانی کی روشنی میں مجھے یقین ہوگیا کہ سریتا مجھے ڈبل کراس نہیں کررہی ہے۔ اس نے مجھ سے جو باتیں کی تھیں وہ نشے میں دھت ہونے کے باعث...... اس کے دل میں میری محبت موجود ہے۔ مجھ سے دور نہیں رہ سکتی نہ اپنی مہربانی سے......

جانے کیا بات تھی کہ میں عورتوں کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی خوش نصیب واقع ہوا تھا۔ میرا جس لڑکی اور عورت سے بھی واسطہ پڑا وہ نہ صرف مجھ سے محبت کرنے لگتی تھی۔ میرے قریب آجاتی تھی اور مہربان ہوجاتی تھی...... میں کوئی جادوگر نہیں تھا اور نہ ہی ایسا کوئی جادو منتر جانتا تھا جس سے لڑکیاں اور عورتیں میری تابع ہوجائیں۔ بس میں ایک ذہن پڑھنے کا علم جانتا تھا۔ صرف یہی ایک پوشیدہ صلاحیت جسے ٹیلی پیتھی علم کہا جاتا ہے...... اس کا ماہر تھا۔ گو سریتا نے مجھ سے کہا تھا کہ...... میں وحشی ہوں...... خودغرض ہوں...... ہوس پرست ہوں...... مجھے صرف اس کے جسم سے غرض اور دلچسپی ہے...... مجھ سے نہ ملنا اور نہ ہی مجھے چھونا...... مجھے تم سے نفرت ہے...... محبت نہیں

ہے...... لیکن اس کا دل ودماغ کہہ رہا تھا...... دیوا...... میں تم سے محبت کرتی ہوں...... تم سے نفرت کروں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... تم میرے صرف جسم کے مالک ہی نہیں میری آتما کے مالک بھی ہو...... تم میری آتما ہو...... میں اپنا جسم کیا اپنی جان تک قربان کرسکتی ہوں۔

یہی بات روپا چندروتی کے دل میں تھی۔ گو کہ اس نے مجھے بھلا دیا تھا۔ میری محبت جو اس کے دل کے کسی کونے میں سوگئی تھی وہ ہڑبڑا کے جاگ اٹھی تھی۔ اس نے اپنی محبت کا جو اظہار کیا تھا وہ بڑی سچائی سے تھا۔ اس کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ جو لے جارہی تھی اس لئے کہ میں ماضی کی یاد تازہ کروں۔ وہ اپنی ایک رات کے بیس سے پچاس ہزار روپے کا نذرانہ وصول کرتی تھی۔ جس عورت کی شہرت بام عروج پر ہوتی تو اس کی مانگ، نذر اور قیمت میں اضافہ ہوتا تھا۔ چھاہے وہ بلا کی حسین نہ ہو...... بے حد حسین اور نوجوان اور شاداب بدن کی لڑکیاں دو چار سو میں مہربان ہوجاتی تھیں۔ شہرت سے شوبزنس کی اداکارائیں خوب فائدہ اٹھاتی تھیں۔

روپا چندروتی کی رہائش ساحل سمندر کے پرفضا اور پرسکون علاقے میں تھی۔ وہاں سکون کے متلاشی لوگ رہتے تھے۔ اس کی چھوٹی مگر اس کے شایان شان کوٹھی نے مجھے بہت متاثر کیا۔ وہ ہر طرح سے نہایت آراستہ و پیراستہ تھی۔ ماحول بھی بڑا خواب ناک تھا۔ وہ ایک عام گھرانے کی بیٹی تھی۔ اس کی ماں ایک معمولی نرس تھی۔ اس کا باپ جو اس وقت سورگ باش ہوگیا تھا جب وہ دو برس کی تھی۔ اس کا باپ ایک سرکاری دفتر میں چپراسی تھا۔ اس نے اپنے رقص اور کالی راتوں سے اتنا کمایا تھا کہ آج وہ لاکھوں کے بینک بیلنس کی مالک تھی۔ اس کی زندگی حسین اور خوش گوار تھی اور پھر اس نے ایک چھوٹا خیراتی نرسنگ ہوم کھولا ہوا تھا جو اس کی ماں چلاتی تھی۔ مریضوں کا مفت علاج ہوتا تھا۔ وہ ہر ماہ ایک لاکھ روپے دان کردیتی تھی۔

اس نے مجھے غسل کرنے کا مشورہ دیا۔ کیوں کہ کپڑے کھارے پانی کی وجہ سے بدن سے چپک گئے تھے۔ جب میں نہا کر نکلا تو دیکھا کہ اس نے میرا لباس واشنگ مشین میں دھو کر ڈرائی ایئر سے سکھا کر نشست گاہ کے صوفے پر پھیلا دیئے تھے۔ اس نے مجھے وہسکی کا ایک پیگ دیا جسے پینے کے بعد میری توانائی لوٹ آئی۔ ویسے نہانے سے بھی جسم میں بڑی تازگی پیدا ہوگئی تھی۔

رات میں نے اس کی خواب گاہ میں گزاری۔ سونے سے پہلے اس نے مجھے فش فرائی کرکے کھلائی اور خود بھی کھایا۔ پھر کافی بنائی۔ بستر پر جانے سے پہلے ہم دونوں بہت دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے تھے۔ میں نے سریتا اور اجیت کے بارے میں اسے بتایا۔ اس نے سریتا سے بڑی ہمدردی ظاہر کی اور کہا کہ مجھے ہر صورت میں اس کی مدد کرنی چاہئے۔ اسے اس کے خبیث شوہر سے نجات دلانی چاہئے۔ وہ بڑی مظلوم اور اچھی عورت ہے اور پھر یہ کہ وہ تم سے بے پناہ

محبت کرتی ہے۔ میں اس کے آبگینہ دل کو ٹھیس نہ پہنچاؤں...... ورنہ اس کا دل دکھ جائے گا۔ وہ یہ صدمہ شاید برداشت نہ کرے۔

میرے پاس کپڑے نہ تھے۔ اس نے مجھے اپنا شب خوابی کا لباس دے دیا۔ میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس قدر مہربان اور فیاض عورت ثابت ہوگی...... یہ ریاکاری، منافقت اور خودغرضی کا دور تھا۔ بھائی بہن بھی خودغرض ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک ہے، ایک وقت تھا میں روپا چندر وتی کے کام آیا تھا۔ اب اسے کوئی غرض نہیں تھی مجھ سے...... اس کے باوجود وہ میرے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئی تھی۔ رات ہم نے ایک بستر پر گزاری جو میرے لئے یادگار بن گئی۔ ہم رات کے آخری پہر تک جاگے تھے۔ میں دن چڑھے تک گھوڑے بیچ کر سوتا رہا تھا۔ وہ جگاتی نہیں تو شاید شام تک سوتا رہتا۔

صرف رات ہی میرے لئے حسین اور خواب ناک نہ تھی بلکہ دن بھی رنگین تھا۔ وہ ناشتا تیار کرکے بستر پر لے آئی تھی۔ جب اس نے میرا ہاتھ اور ماتھا چھو کر دیکھا تو ہلکا سا بخار تھا۔ اس نے مجھے اسپرین کھلائی اور کافی بنا کر پلائی۔ میرے سر میں درد ہو رہا تھا اس نے خاصی دیر تک منع کرنے کے باوجود سر دبایا اور پیر بھی دابے تھے...... غسل خانے سے نکلی تو میرے سامنے الماری سے کپڑے نکال کر پہنے جا رہے ہیں۔ وہ نہ جانے کیوں مجھ پر اس قدر مہربان ہوگئی تھی کہ مجھے ایک لمحے کے لئے بھی تنہا چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھی۔ میری طبیعت قدرے سنبھل گئی تو وہ دن میں بھی رات کا فسانہ دہرانا چاہتی تھی۔ پوچھتی تھی کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔

جب میں نے اس سے آدھا گھنٹہ تک سوچنے کی مہلت مانگی تو اس نے مجھے اپنی خواب گاہ میں تنہا چھوڑ دیا اور وہسکی سے بھرا گلاس، سگریٹ، لائٹر رکھ کر دروازہ بند کر دیا تاکہ میں پوری طرح یک سوئی سے سوچ سکوں۔ جانے سے پہلے اس نے اے سی آن کر دیا۔

میں نے پہلے تو وہسکی کا پیگ حلق سے اتارا۔ پھر سگریٹ سلگا کر اس کا ایک لمبا سا کش لے کر سوچنے لگا کہ رگھوناتھ کے قتل کے بعد وہ دستاویز کہاں گئی......؟ حالاں کہ اس نے فرضی نام سے کمرا بک کرایا تھا لیکن وہ پہنچنے سے پہلے ہی قتل ہوگیا...... اسے بستر میں قتل کیا گیا تھا...... قاتل جو کوئی بھی تھا اس کے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ اب وہ دستاوی اس کے قبضے میں تھی۔ اس نے شاید دستاویز پروفیسر نارنگ کے ہاتھ اس لئے نہیں بیچی تھی کہ اسے منہ مانگا معاوضہ ملنے کی کوئی ذرہ برابر امید نہیں تھی۔ اسے یہ خوف وخدشہ بھی لاحق ہوگیا ہوگا کہ دستاویزات لینے کے بعد اسے کہیں قتل نہ کر دیا جائے۔ وہ کسی ایسے ملک یا ایجنٹ کے ہاتھ فرخت کر دینا چاہتا ہوگا جو اس ملک کے دشمن ہوں۔ ان سے بہت بڑی رقم مل سکتی تھی۔

میں روپا چندر وتی کے ساتھ وقت گزارنے اور رنگ رلیاں منانے کے بجائے اس دستاویزات کے حصول کے لئے عملی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ میں نے اس بُت غماز کے ساتھ بہت سارا وقت گزار لیا تھا۔ کسی اور دن بھی وقت گزاری اور محبت بھری باتیں ہو سکتی تھیں۔ گوکہ اس نے مجھے اپنی محبت اور سلوک سے ایسا اسیر کر لیا تھا کہ جی جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن مجبوری تھی۔ یہ کہاں بھاگی جا رہی ہے۔

مجھے سریتا سے مل کر رپورٹ لینی تھی کہ بدمعاشوں نے کیا تیر مارا...... سریتا ہی مجھے صحیح رپورٹ دے سکتی تھی۔ ساری صورت حال اس کے سامنے یقیناً آئی ہوگی۔ اس کے علاوہ کوئی اور مجھے کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ پھر مجھے اچانک یاد آیا تو میں نے اس ہوٹل کے ڈیسک کلرک سے رابطہ کیا جسے میں نے رشوت دے کر رگوناتھ کا کمرا لیا تھا۔ رگھوناتھ کے قتل کے بارے میں صرف مجھے معلوم تھا۔ اجیت اور پروفیسر نارنگ کا خیال تھا کہ رگھوناتھ پراسرار طور پر گم ہے۔ میں نے اس کلرک کو اپنا نام بتا کر پوچھا۔

''دوست! میرے بارے میں کیا مشہور ہوا ہے......؟ تمہارے علم میں جو کچھ بھی ہے سچ سچ بتا دینا......''

''بڑی دلچسپ اور سنسنی خیز خبریں ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ کے متعلق یہ خبر گرم ہے کہ آپ سمندر میں ڈوب کر سورگ بارش ہوگئے ہیں...... آپ کی لاش کی تلاش میں سمندر میں غوطہ خور اتارے گئے ہیں۔ انہیں ابھی تک آپ کی لاش ہاتھ نہیں لگی ہے؟''

''شکریہ۔'' میں نے کہا۔ ''کوئی اور نئی تازہ خبر ہے تو بتاؤ...... ہوٹل میں کوئی میرے بارے میں دریافت کرتا ہوا تو نہیں آیا؟''

''جی ہاں...... کل ایک جو موٹا گینڈے نما بدمعاش آپ کے بارے میں تحقیقات کرتا پھر رہا تھا وہ آج صبح بھی اس کام سے آیا تھا؟''

''سنو......'' میں نے کہا۔ ''تم کسی کو میرے بارے میں بالکل بھی نہ بتانا......؟ کوئی خاص تمہارے علم میں آئے تو اسے ذہن نشین کر لینا۔ میں تمہیں وقتاً فوقتاً فون کرتا رہوں گا۔ شاید ملنے بھی آؤں۔ بہرحال ہر صورت میں تمہارے پانچ سو روپے پکے......''

''سر!'' وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولا۔ ''آپ کسی بات کی چنتا نہ کریں۔ میں تو اپنے فرشتوں کو بھی آپ کے متعلق کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

اس سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد میں نے سوچا کہ...... سریتا کو فون کروں یا نہ کروں......؟ کیوں کہ اجیت ہونے کی صورت میں اس سے بات کرنا اور معلومات حاصل کرنا

فضول ہوگا۔ اول تو وہ مجھ سے بات نہیں کرے گی...... دوسرا یہ کہ اجیت کو میرے زندہ ہونے کا علم ہو جائے گا اور میں اسے یہ معلوم ہونے نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں زندہ ہوں۔ سمندر میں غرق نہیں ہوں۔ بہرحال سریتا سے رابطہ کرنا اشد ضروری تھا۔ کیوں کہ میں اندھیرے میں تھا۔ جو بات سریتا بتا سکتی تھی کوئی اور نہیں......

سریتا کو فون کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے سریتا کو ٹیلی فون کیا۔ میری خوش قسمتی تھی کہ سریتا اکیلی تھی۔ میں نے کہا۔

''ہیلو سریتا...... پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارا خبیث شوہر گھر پر ہے کہ نہیں...... اگر ہے تو ٹیلی فون بند کر دو، میں پھر فون کروں گا۔''

''دیوا کمار......! یہ تم ہو؟ تم زندہ سلامت ہو......؟'' وہ فرط مسرت سے بولی۔ ''یقین نہیں آ رہا ہے...... کاش! تم میرے سامنے ہوتے...... دیکھتے کہ میں تمہاری آواز سن کر خوشی سے کیسی دیوانی ہو رہی ہوں...... وہ حرام زدہ گھر پر نہیں ہے۔ تم آ جاؤ۔''

''وہ تو تم سے آ کر ملوں گا میری جان!'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''ملن کی گھڑی جلد آنے والی ہے...... میں تم سے ملے بغیر کیسے رہ سکتا ہوں...... تم سے جدائی میرے لئے سوہان روح ہے...... یہ بتاؤ کہ پروفیسر نارنگ کے متعلق کوئی خبر......؟''

''خبر یہ ہے کہ پروفیسر نارنگ کو ابھی وہ چیز نہیں ملی ہے جس کے لئے وہ بے چین ہے۔'' سریتا نے جواب دیا۔ ''اس کی حالت بڑی غیر ہے۔''

''اب اجیت تمہارے ساتھ کس طرح پیش آ رہا ہے......؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''تمہیں اذیت تو نہیں پہنچا رہا ہے جانی!''

''بہت اچھی طرح......'' سریتا نے بتایا۔ ''وہ میرے ساتھ بہت ہی اچھی طرح پیش آ رہا ہے جسے میں خود سمجھنے سے قاصر ہوں......''

''یہ تو حیرت اور خوشی کی بات ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے آخر اس پر کیا جادو کر دیا ہے جو وہ محبت سے پیش آ رہا ہے......؟'' ایسا تو نہیں کہ تم اس کے ساتھ کچھ زیادہ ہی محبت والہانہ انداز اور وارفتگی سے پیش آنے لگی ہو۔ اس پر قربان ہوئی جا رہی ہو؟''

''معلوم نہیں کیا بات ہے کہ رات والے واقعے سے وہ مجھ پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہو گیا ہے۔'' وہ کہنے لگی۔ ''دو باتیں میری سمجھ میں آئیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم نے بھری محفل میں میری دو پپیاں لے لیں جس نے میری اہمیت اس کی نظروں میں بڑھا دی۔ اسے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ میں اس سے بے گنا محبت کرتی ہوں اور مجھے اس پر اس لئے اندھا یقین ہو گیا

ہے کہ میں نے تمہیں وہاں بلایا اور تم سے محبت بھرا ڈرامہ رچا کر الو بنایا...... تمہارے سمندر میں پھینکے جانے کے بعد اس کے آدمیوں کا جو حشر نشر کیا اس کے خیال میں، میں نشے میں دھت تھی اس وجہ سے...... اور پھر میں نے رات اس سے کہا تھا کہ دیوا کمار کی موت کے بعد پروفیسر نارنگ کی نظروں میں تمہاری اہمیت کم ہو جائے گی۔ کیوں کہ پروفیسر نارنگ کی نظروں میں دیوا کمار کی بہت زیادہ اہمیت تھی۔ اس کا خیال تھا کہ دیوا کمار کسی ایسے مشن پر آیا تھا جو اس کی ذات سے تعلق رکھتا تھا اور وہ اس چیز کے بارے میں جانتا تھا جس کی اسے اشد ضرورت تھی جس کے لئے وہ یہاں آیا تھا...... اس لئے اس نے تمہیں دیوا کمار کی نگرانی سونپی تھی۔ تم نے جلد بازی کی۔ دیوا کمار کو میں اپنے جال میں پھانس کر بہت کچھ معلوم کر لیتی...... تمہاری وجہ سے سنہرا موقع ضائع ہو گیا۔ اجیت نے میری اس دلیل کو تسلیم کر لیا اور اب پچھتا رہا ہے۔''

''تم نے بہت اچھا کیا جو اجیت کو سنا دی۔'' میں نے کہا۔ ''اسے تمہاری زبان سے یہ نہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں زندہ ہوں۔''

''سنو پیارے!......'' سریتا نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ ''تم اپنی جان خطرے میں نہ ڈالو۔ بدمعاشوں کے سائے سے بھی بچ کر رہو۔''

''زندگی میں خطرات تو پیش آتے ہی رہتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''جو موت سے ڈرتا ہے اسے موت اتنا ہی ڈراتی ہے سریتا جانی!''

''تم سچ کہتے ہو۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن میری جان! میرا تو کچھ خیال کرو مجھے تمہاری زندگی اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو......؟''

''لیکن رات تم نے اس ہوٹل میں مجھ سے کیا کہا تھا اتنی جلدی بھول گئیں......؟'' میں نے اسے چھیڑا۔ ''اب تم اظہار محبت کر رہی ہو؟''

''کیا کہا تھا......؟'' سریتا کے لہجے میں حیرت تھی۔ چوں کہ اس نے نشے کی حالت میں کہا تھا اس لئے شاید اب اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔

''تم نے جانے کیا کچھ نہیں کہا تھا......'' میں اسے بتانے لگا۔ ''میں تمام الفاظ اور جملے پورے طور پر بتانے سے رہا۔ تم نے کہا تھا کہ...... میں نے اپنا تن من تمہیں سونپ دیا...... تمہیں مجھ سے محبت نہیں...... تم دوست نہیں بھنورا...... تم اپنی غرض کے لئے آئے تھے...... تم نے اپنا الو سیدھا کر لیا...... اب تم نہیں آنا...... مجھے ہاتھ بھی مت لگانا...... تم نے کیا یہ سب کچھ نہیں کہا تھا......؟''

''شاید کہا ہو...... کیوں کہ میں نشے کی حالت میں تھی۔'' وہ ندامت بھرے لہجے میں بولی۔ ''جب کوئی نشے میں دھت ہوتا ہے تو اسے کسی بات کا خیال اور ہوش نہیں رہتا ہے۔ نہیں دیوا!......

مجھے تم سے محبت ہے۔ اگر میں نشے کی حالت میں ایسی بات کہی ہے تو میں معافی چاہتی ہوں...... پیارے نادم ہوں...... میں تمہاری ہوں...... میرا تن من تمہارا ہے۔ میں تم سے نفرت کروں۔ دور رہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟...... تم جب چاہے آسکتے ہو...... نہ صرف میرے گھر کے دروازے بلکہ من کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں...... یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تمہیں قریب نہ آنے دوں...... تمہاری کسی بھی بات سے انکار کروں...... صرف اس بات کا خیال رکھنا کہ میرا امر دود پتی نہ ہو...... میں اکیلی ہوں...... تم آنا چاہو تو اس وقت بے دھڑک اور بے کھٹکے آسکتے ہو...... وہ کمینہ پروفیسر نارنگ سے ملنے اور رات کے واقعے کی رپورٹ دینے گیا ہوا ہے...... وہ تمہارے بارے میں پروفیسر نارنگ کو بتائے گا کہ اس کے آدمیوں نے اسے سمندر میں نہیں پھینکا۔ چوں کہ اس نے دو ایک ساتھیوں پر قاتلانہ حملہ کیا تھا انہیں بچانے اور اسے پکڑنے کے لئے دوڑے تو وہ سمندر میں کود گیا اور مر گیا۔ وہ شاید مچھلیوں کی خوراک بن گیا۔"

"اجیت کی نظروں سے میں زیادہ دیر دنوں تک اوجھل نہیں رہ سکتا۔" میں نے کہا۔ "ویسے مجھ زندہ دیکھ کر اس کے کیا تاثرات ہوں گے؟"

"وہ تمہیں تمہاری بدروح سمجھ کر شاید بے ہوش ہو جائے؟" سریتا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ "ویسے تم اس سے کہنا کہ میں بدروح ہوں۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔ "شاید وہ تمہاری بات سچ مان لے...... وہ بھوت پریت کا قائل ہے۔"

"اچھا اب اجازت دو......" میں نے کہا۔ "مجھے بہت سارے کام نمٹانے ہیں۔ میں موقع ملتے ہی تم سے رابطہ کروں گا۔ او کے؟"

روپا چندروتی نے میرا جو سوٹ دھو کر سوکھنے کے لئے رکھ دیا تھا۔ صبح وہ خشک ہو چکے تھے۔ اس نے میرے کپڑوں پر استری کر دی۔ اس نے اپنے ہاں کوئی ملازمہ نہیں رکھی تھی۔ دو نوکر تھے۔ جو اس کی غیر موجودگی میں صفائی وغیرہ کر دیتے تھے۔ اس کے یہ نوکر سرونٹ کوارٹر میں ہوتے تھے۔ اگر اسے ان کی ضرورت ہوتی تو وہ انٹرکوم پر رابطہ کر کے بلاتی۔ انہیں اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ بن بلائے آجائیں۔ وہ اپنا ناشتا خود ہی پکاتی تھی۔ کھانا بھی تیار کرتی تھی۔ باہر شاذونادر ہی کھاتی تھی۔

جب میں جانے کے لئے تیار ہوا تو اس نے میرے گلے میں اپنی باہیں حمائل کر دیں اور میری آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔

"تم اکیلے مت جانا...... میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میرے ساتھ ہونے سے تمہیں بہت ہمت رہے گی۔ میں آج فرصت میں ہوں۔"

"نہیں ڈارلنگ!" میں نے اسے سمجھانے کے انداز سے کہا۔ "تم آرام کرو۔ ایک تو تم نے

ڈیڑھ گھنٹہ رقص کیا اور پھر رات کے آخری پہر تک جاگتی رہی ہو...... تمہیں ٹھیک سے سونے کو نہیں ملا...... یہاں کے تمام بدمعاش میری جان کے بدترین دشمن ہیں...... وہ تمہیں اغوا بھی کر سکتے ہیں یہ سمجھ کر تم میری دوست ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی افتاد نازل ہو جائے۔"

پھر میں نے فون کر کے ٹیکسی منگوائی اور اس سے کہا کہ گرلز اسکول کے عقب میں ٹیکسی روکے اور میرا انتظار کرے۔ جب میں اس کے ہاں سے نکل رہا تھا تب اس نے میرے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں کی مٹھاس سے بھر دیا۔ اس نے جذباتی انداز سے رخصت کیا تھا۔

میں اس کے ہاں سے باہر آیا تو موسم بڑا خوش گوار تھا۔ دھوپ چمک رہی تھی۔ میں بہت محتاط ہو کر اس طرف جا رہا تھا۔ جہاں ٹیکسی میری منتظر تھی۔ حالاں کہ اس قدر محتاط ہونے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ کیوں کہ اجیت کے بدمعاشوں کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔ رات میں نے کہاں اور کس کے ساتھ گزاری اور میں کس کے گھر میں محفوظ تھا اور میں نے رات بڑی یادگار گزاری۔

چنائے کے تمام بدمعاش میرے خون کے پیاسے ہو رہے تھے...... مجھے دیکھتے ہی گولی مارنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے...... مجھے دور وہ ٹیکسی نظر آ گئی تھی۔ میں رات کے لرزہ خیز واقعے کے بارے میں سوچتا جا رہا تھا کہ ایک گاڑی میرے عقب میں آ کر رکی تو اس کے بریک اتنے زور سے چیخے کے ساری فضا گونج کر رہ گئی۔ میرے ذہن میں جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ میں پھر دشمنوں کے نرغے میں آ گیا۔ میں حیران تھا کہ دشمنوں کو میرے بارے میں کیسے اور کیوں کر پتا چل گیا کہ میں یہاں ہوں۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ پارو چندروتی کی مرسڈیز تھی۔

میں نے پارو چندروتی کو دور رہنے کی سختی سے تاکید کی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میری وجہ سے لپیٹ میں آ جائے اور اس کی زندگی میرے کارن تباہ ہو جائے۔ اس کی زندگی بڑی پرسکون تھی۔ مگر اس نے میری بات نہیں مانی۔ اس سے رہا نہیں گیا تھا اس لئے وہ گاڑی لے کر آ گئی تاکہ میں جہاں کہوں اسے لے کر چل سکوں۔ وہ میری خاطر ہر قسم کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار تھی...... یہ عورت بھی کیا عجیب چیز ہوتی ہے۔ سمجھ میں نہ آنے والی...... ایک معمہ...... حالاں کہ ماضی میں، میں نے اس کے ساتھ جو وقت گزارا وہ بھول نہ تھی اور پھر رات بھی اس نے میرا بڑا خیال رکھا اور بے حد خوش رکھا تھا اور پھر مجھ سے محبت کرنے لگی تھی۔ اگر اسے مجھ سے محبت نہ ہوتی تو وہ مجھے اپنے ہاں پناہ نہ دیتی اور نہ مہربان ہوتی۔ اگر وہ مجھ سے محبت کرنے لگی تھی تو اس میں میرا کیا قصور تھا۔

میں نے اس سے بہت کہا کہ وہ واپس جائے لیکن وہ واپس جانے کو تیار نہ ہوئی تو میں نے بادل نخواستہ ساتھ لے لیا۔ اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ میں نے دیکھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک گیا اور اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہو گئی۔" میں نے کہا۔

"سنو جانی! ہم پکنک منانے نہیں جارہے ہیں جو تم اس قدر خوش ہورہی ہو۔ تم بھی بڑی عجیب عورت ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"لیکن میں تو پکنک سمجھ کر آئی ہوں۔" روپا چندروتی شوخی سے بولی۔ "میں تمہارے بغیر رہ نہیں سکتی ہوں۔ اس لئے آ گئی۔"

"میں نے ساری رات تمہارے ساتھ پکنک کی طرح گزاری ہے۔" میں نے کہا۔ "کیا تمہارا دل مجھ سے بھرا نہیں جو تم مزید ساتھ رہنا چاہتی ہو۔"

"اصل بات یہ ہے کہ...... میں نے مہم جو طبیعت پائی ہے۔" روپا چندروتی نے کہا۔ "اس لئے میں بھی ساتھ چل رہی ہوں کہ اس مہم میں شریک رہوں۔"

روپا چندروتی کو میں صرف ایک رقاصہ سمجھتا تھا۔ ایک ایسی عورت جو دولت، شہرت اور اپنے آپ کو نمایاں کرنے والی...... وہ دولت کے پیچھے بے تحاشا بھاگ رہی تھی۔ اندھا دھند دوڑ رہی تھی۔ دولت کے حصول کے لئے اس نے اچھے برے کی تمیز مٹادی تھی۔ شوبزنس کی دنیا ہی ایسی تھی کہ اس میں جو کوئی بھی آتا تھا اس کے نزدیک اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی تھی۔ وہ سب دولت اور شہرت کے لئے آتے تھے۔ شہرت سے زیادہ دولت کی تمنا ہوتی تھی...... اس دنیا کی ایک عورت بھی ایسی نہیں تھی جو دولت اور شہرت کے لئے آلودہ نہیں ہوتی تھی......

روپا چندروتی کا ظاہر باطن ایک تھا۔ اس نے میرے ساتھ چلنے پر اصرار کیا تو لمحے کے لئے میرے دل کے کسی کونے میں شک کی لہر اٹھی۔ آخر وہ کیوں مجھ میں اور اس مشن میں دلچسپی لے رہی ہے۔ کہیں اس نے اجیت سے سازباز تو نہیں کیا ہوا ہے؟ جب میں نے اس کا ذہن پڑھا تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ میری مدد کرنے میں بے غرض اور مخلص تھی۔ اس نے واقعی مہم جو طبیعت پائی تھی۔

میں نے روپا چندروتی کے ہاں سے سریتا کو ٹیلی فون کیا تھا تو اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں نے روپا چندروتی کے ہاں پناہ لی تھی اور رات اس کے ہاں گزاری اور ٹیلی فون بھی اس کے ہاں سے کررہا ہوں۔ اگر میں بتادیتا تو اسے روپا چندروتی سے حسد ہوجاتا۔ جل جاتی اور مجھ سے ناراض ہوجاتی۔ وہ کہتی کہ تم نے رات یقیناً اس کے ساتھ بیڈروم میں بستر میں ساتھ گزار ہوگی...... میں نے روپا چندروتی کو سریتا سے اپنی محبت، دوستی اور تعلقات کے بارے میں نہیں بتایا۔ اس نے مجھ سے سریتا کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ میں نے اسے صرف اتنا بتایا تھا کہ...... سریتا نے مجھ سے ایک پرائیویٹ سراغ رساں کی حیثیت سے میری خدمات حاصل کی ہوئی ہیں تاکہ میں اسے اس کے ظالم شوہر سے نجات دلادوں۔ اگر میں اسے بتادیتا کہ سریتا میری محبت میں گرفتار ہے تو وہ شاید برداشت نہ کرپاتی......

میں نے ٹیکسی کو کرایہ دے کر رخصت کردیا۔ اس کی گاڑی میں اس ہوٹل میں پہنچا۔ جس میں میں نے کمرا لیا ہوا تھا۔ جب ہم کمرے میں پہنچے تو اس نے مجھ سے دریافت کیا۔ "کیا کسی کا انتظار ہے......؟ تم نے کسی کو یہاں ملنے کا وقت دیا ہوا ہے کیا؟ کیا بتاسکتے ہو وہ کون ہے؟"

"بس تم خاموشی سے دیکھتی جاؤ کہ کیا واقعات پیش آتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے یہ کمرا کسی ضرورت کے تحت لیا ہوا ہے۔"

روپا چندروتی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے اچانک ایک خیال آیا تو میں نے ہوٹل کے ڈیسک کلرک سے رابطہ کیا۔

"ہاں دوست...... کوئی نئی تازہ خبر......؟ کیا میرے بارے میں وہ موٹا بدمعاش ابھی تک تحقیق کررہا ہے؟"

"نہیں...... وہ نظر نہیں آیا اور نہ ہی مشکوک لوگ دکھائی دیئے...... ہاں یاد آیا میں آپ کو ایک بات بتانا بھول گیا تھا۔"

"کون سی بات......؟" میں نے پوچھا۔ "کیا کسی کا کوئی فون آیا تھا؟ میرے نام کوئی پیغام کسی کا ہے کیا......؟ کون تھا وہ......؟"

"کل سہ پہر کے وقت آپ کی پتنی آپ کو پوچھتی ہوئی آئی تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "آپ کے نام کوئی کال پیغام نہیں ہے۔"

"میری پتنی......؟" میں اچھل سا پڑا۔ پھر میں نے حیرت آمیز لہجے میں کہا۔ "کیا تم اس کا حلیہ وغیرہ بتاسکتے ہو؟"

ڈیسک کلرک نے جو کچھ بتایا وہ پونم کا حلیہ تھا...... پونم مجھ سے ملنے کے لئے آئی تھی۔ اس نے ڈیسک کلرک کو پتنی ظاہر کیا تھا۔

میں پونم کا حلیہ سنتے ہی اچھل پڑا۔ عین اس لمحے اس کیس کی گمشدہ کڑی مل گئی تھی۔ اس کا خیال آتے ہی میں نے اپنا سر پیٹ لیا کہ مجھ سے کتنی بڑی بھول ہوئی کہ میں نے اس کا ذہن نہیں پڑھا۔ میں اس کے واضح اشارے کو بھی سمجھ نہ سکا تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ میں بازی ہار چکا ہوں۔ مجھے دیر ہوچکی ہے۔ پھر بھی میں نے حوصلہ نہیں ہارا۔ میں نے دو تین مرتبہ سریتا کو فون کیا تو وہ مصروف تھا۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ میں روپا چندروتی کو لے کر سیدھا سریتا کے کاٹیج پہنچا۔ گاڑی اس کے کاٹیج سے کسی قدر دور رکوالی اور اس سے انتظار کرنے کے لئے کہا۔ پھر میں دندناتا ہوا کاٹیج میں گھس گیا۔ اس وقت میں نے اجیت کی کوئی پروا نہیں کی۔ نہ اس سے کسی بات کا ڈر اور خوف تھا۔ اس کا کیا ردعمل ہوگا۔ میری بلا ہے...... سریتا اتفاق سے اکیلی تھی۔ وہ مجھے اچانک اور

غیر متوقع دیکھ کر حیران رہ گئی۔ بہت خوش ہوگئی۔ اس نے فوراً ہی آگے بڑھ کر جذباتی انداز سے میرا والہانہ انداز میں استقبال کیا۔

''تم بہت اچھے موقعے پر آئے...... خواب گاہ میں چلو...... اجیت بہت دیر میں آئے گا۔ میں تمہیں زندہ دیکھ کر جشن منانا چاہتی ہوں...... تم نے جب مجھے فون کیا تو میں بتا نہیں سکتی کہ مارے خوشی کے میرا کیا حال تھا......؟''

''سنو سریتا!'' میں نے اس کی آغوش سے نکل کر کہا۔ ''کسی اور کام سے آیا ہوں۔'' پھر میں نے اسے پونم کا حلیہ بتا کر پوچھا۔ ''کیا یہ لڑکی آئی تھی؟''

''ہاں...... وہ آئی تھی۔'' سریتا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''تمہیں اطلاع دینے کے لئے میں نے کوئی تین چار بار ہوٹل فون کیا تھا۔ تم نہیں تھے۔''

''کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ وہ لڑکی کہاں ہوگی؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''اس نے تمہیں کوئی اپنا اتا پتا بتایا ہے کیا......؟''

''وہ کاٹیج نمبر چھ میں ٹھہری ہوئی ہے۔'' سریتا بتانے لگی۔ ''کوئی آدھا گھنٹہ پہلے کسی نے پروفیسر نارنگ کو فون کر کے کہا تھا کہ...... اگر اسے رگھوناتھ کا تحفہ چاہئے تو پانچ لاکھ کی رقم میں سودا ہو سکتا ہے...... پروفیسر نارنگ نے اجیت کو فون کر کے یہ معاملہ سپرد کیا اور اس کی خدمات حاصل کی ہیں۔ اجیت پروفیسر نارنگ سے مل کر سیدھا یہاں آیا تھا......''

میرے کہنے پر سریتا مجھے برآمدے میں لے آئی۔ پھر اس نے وہاں سے کاٹیج نمبر چھ دکھایا۔ جو یہاں سے قدرے فاصلے پر واقع تھا۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ اس قدر قیمتی تھا کہ میں نے نہ تو سریتا کا شکریہ ادا کیا اور نہ ہی اس کا بوسہ لیا۔ نہ اس سے اجازت لی۔ میں برقی سرعت سے چمکتا ہوا باہر نکلا۔ میں نے روپا چندروتی کی گاڑی میں بیٹھنے میں بھی وقت ضائع نہیں کیا۔ اس وقت میرے حواس جیسے معطل تھے۔ میں ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ میں درختوں کے درمیان سے بھاگنے لگا۔ اندھا دھند بھاگا جا رہا تھا۔ ٹھوکر کھا کر گر بھی سکتا تھا۔ میں پونم کے کاٹیج سے سو گز کے فاصلے پر تھا کہ ایک شخص کو تیزی سے پونم کے کاٹیج سے نکل کر باہر کھڑی گاڑی کی طرف جاتے دیکھا۔ میرے اندیشے درست ثابت ہوئے تھے۔ میں نے پونم کی سلامتی کے لئے دوڑ لگائی۔ لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی۔

پونم کا کاٹیج بھی...... سریتا کے کاٹیج کی طرح تھا۔ دروازے کھلے ہوئے تھے۔ میں جیسے ہی اندر گیا میری نگاہ سامنے والے کمرے پر پڑی جس میں آگ کے شعلے باہر آتے دکھائی دیئے۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ اس بدمعاش نے کاٹیج کو آگ لگائی ہے تاکہ پونم دھوئیں سے گھٹ کر مر جائے۔ وہ خوف زدہ ہو کر رگھوناتھ کا تحفہ اس کے حوالے کر دے۔ دوسرے لمحے گوشت کے جلنے

کی بو محسوس ہوئی جو بہت ناگوار اور تیز تھی۔ میں نے کمرے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر دیکھا۔ کمرے میں گیسولین بھری ہوئی تھی...... اس کے عین اوپر دو انسانی پاؤں لٹک رہے تھے۔ تیز شعلوں اور آگ کی حدت نے انہیں جلا کر سیاہ کر دیا تھا...... یہ پاؤں پونم کے تھے۔ اسے نہ صرف کرسی سے جکڑ کر رکھ دیا گیا تھا بلکہ منہ پر ٹیپ بھی چپکائی ہوئی تھی۔

آگ کے شعلے اس کے نازک اور عریاں جسم پر کئی جگہوں پر نمایاں تھے...... میں نے اس کے منہ سے ٹیپ ہٹایا تو اس کے جسم میں حرکت ہوئی...... اس نے بہت ہی آہستہ آہستہ اپنی پلکیں اوپر اٹھائیں۔ وہ مجھے دیکھتے ہی ٹوٹے پھوٹے اور بے ربط الفاظ میں اٹک اٹک کر کہنے لگی۔

''اس بدمعاش نے اس کا نام پروفیسر نارنگ بتایا...... گل آئی لینڈ...... گل......''

میں نے اسے کہا۔ ''زیادہ مت بولو پونم......! میں ڈاکٹر کو لے کر ابھی آتا ہوں۔''

مگر اسے موت نے مہلت نہیں دی۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

پونم...... رگھوناتھ کی قاتلہ تھی...... لیکن اس وقت میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی کے جذبات تھے...... اب میرے علم میں یہ بات آ گئی تھی کہ پروفیسر نارنگ کا آدمی اس خونی دستاویزات کو لے کر گل آئی لینڈ جا چکا ہے۔ جو سمندر کے اندر قریب جزیرہ ہے۔ اب مجھے ہر قیمت پر اس دستاویز کو حاصل کرنا تھا...... کسی بھی صورت میں اس کا پروفیسر نارنگ تک نہ پہنچنا تھا۔ اس کے لئے کوئی تدبیر کرنا بہت ضروری تھا۔ ورنہ میرا مشن اور میری ساری محنت اکارت چلی جاتی۔

میں نے کسی خیال کے زیر اثر پونم کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار لی اور اسے جیب میں بڑی احتیاط اور حفاظت سے رکھ لیا۔ باہر آیا تو دیکھا۔ ''پارو چندروتی کی گاڑی سریتا کے کاٹیج سے کسی قدر فاصلے پر موجود تھی۔ وہ میرا اشارہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ میں نے گاڑی کی طرف تیزی سے قدم بڑھایا بلکہ ایک طرح سے لپکا تھا۔ جو یہ بدمعاش بھی گاڑی میں گیا تھا میں اسے آئی لینڈ پہنچنے سے پہلے ہی روک سکتا تھا۔ کیوں کہ اسے گئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی اور وہ جو گاڑی چلا کر لے گیا تھا اس کی رفتار بہت تیز نہ تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے چلاتا ہوا لے گیا تھا۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی روپا چندروتی اور اس کی گاڑی کو بھی...... اب تک کسی بدمعاش سے میرا سامنا بھی نہیں ہوا تھا، دن کی روشنی میں مجھے دیکھ کر کوئی بھی پہچان سکتا تھا۔ میرا یہاں موجود رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ روپا چندروتی کی گاڑی تک پہنچنے کی صورت میں خطرہ ٹل جاتا تھا۔ اس لئے میں گاڑی کی طرف لپکا جا رہا تھا۔

میں روپا چندروتی کی گاڑی سے کچھ فاصلے پر تھا کہ سریتا کے کاٹیج کا دروازہ کھلا تو میں ایک دم سے چونک پڑا۔ ویٹر باہر آیا۔ وہ اس قدر ظالم اور سفاک تھا کہ اس کے نزدیک انسان پانی سے بھی ارزاں تھا۔ وہ شاید تھوڑی دیر پہلے آیا تھا۔ نہ جانے کس کام سے...... شاید اجیت سے مل کر پونم کے

بارے میں معلوم کرنے کے لئے...... کیوں کہ اجیت نہیں تھا اس لئے باہر نکل آیا تھا۔

میں نے اسے دیکھ کر گاڑی کی طرف دوڑ لگادی تھی۔ پھر میں نے چندروتی کو چیخ کر مخاطب کیا تھا تاکہ وہ ہوشیار ہوجائے۔

"تم گاڑی لے کر فوراً ہی چلی جاؤ...... ایک منٹ کی بھی دیر نہ کرو۔"

ویٹر کی نگاہ مجھ پر پڑی تو وہ بھونچکا سا ہوگیا تھا کہ میں زندہ کیسے ہوں......؟ پھر میری طرف تیزی سے دوڑا۔ میری اونچی آواز سن کر...... روپا چندروتی نے گاڑی اسٹارٹ کرلی تھی۔ لیکن وہ شیطان برق رفتاری سے گاڑی اور میرے درمیان حائل ہوگیا۔

میں فوراً ہی راستہ بدل کر دوسری سمت بھاگا۔ پھر میں نے چیختے ہوئے روپا چندروتی سے گاڑی لے کر بھاگ جانے کے لئے کہا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ روپا چندروتی سے بھی پونم جیسا سلوک ہو۔ لیکن اب ویٹر سے دو دو ہاتھ کرنے کے سوا چارہ نہیں رہا تھا...... میں اس حرام زادے کو سبق دینا اور اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ بے خبری میں اس کی ایسی درگت بنانا چاہتا تھا کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے...... میں بھاگنے کی اداکاری کر کے اسے دھوکا دے رہا تھا۔ وہ میرے جھانسے میں آ گیا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں ریوالور اور اس کے چہرے پر درندگی دیکھ لی تھی......

اس نے اس خیال سے مجھ پر گولی نہیں چلائی تھی کہ اس کی آواز سن کر اس کے پاس جو کاٹیج تھے اس میں سے لوگ نکل آتے اور وہ ان کی نظروں میں آجاتا...... دوسری بات یہ تھی کہ وہ مجھے گولی سے ہلاک کرنے کے بجائے مجھے پرتشدد موت کا نشانہ بنانا چاہتا تھا تاکہ میں اذیت ناک موت مروں مجھے زندہ دیکھ کر حرام زادہ اور طیش میں آ گیا تھا اور اسے یقین نہ آیا تھا کہ میں موت کے منہ میں جانے سے بچ گیا ہوں۔

جب اس کے اور میرے درمیان فاصلہ نہ رہا تو اس نے اس بات کی بڑی کوشش کی تھی کہ میری کھوپڑی پر ریوالور کا دستہ دے مارے کہ اس کی ضرب سے میں چکرا کر گر پڑوں اور وہ مجھ پر قابو پاکر میرا گلا دبادے۔ لیکن میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔ اس نے یہ کوشش ناکام دیکھ کر مجھے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میں ایک دم سے رک گیا اور پھر میں اس سے فٹ بال کے کھلاڑی کی طرح ٹکرایا۔ بہت ہی بری طرح ٹکرایا تھا وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ بھینسے کی طرح زمین پر گر کر بکھر گیا۔

روپا چندروتی نے اس وقت گاڑی قریب لاکر روکی تو مجھے اس پر سخت غصہ آیا۔ اسے اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ یہ لڑائی زندگی اور موت کی ہے اور مرغوں کی نہیں ہے جو دلچسپ ہوتی ہے۔ تماشہ ہوتی ہے۔ اگر ویٹر نے اسے پہچان لیا تو اس کا انجام کس قدر دردناک ہوگا۔ میں تو اس پر کوئی

معیبت اور آنچ آنے دینا نہیں چاہتا تھا۔ عجیب احمق عورت تھی۔ میں نے پھر اس سے بھاگ جانے کے لئے کہا تھا۔ ادھر ویٹر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے جو ایک ٹکر ماری تھی وہ بڑی زبردست تھی اس کا حشر برا ہوگیا تھا۔ اس نے وہ ریوالور بھی اٹھانے کی کوشش نہیں کی جو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا تھا۔ وہ درد سے کراہا بھی تھا۔

وہ سنبھل کر میری طرف بڑھنے لگا۔ اس کا انداز اس قدر جارحانہ اور تیور ایسے تھے کہ وہ مجھے دبوچ لے گا۔ مجھے قابو میں کرنا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ میں گاجر کے حلوے کی پلیٹ ہوں۔ وہ بغیر ڈکار لئے حلق سے اتار لے گا۔ سامنے والے کو کمزور اور بے وقوف سمجھنا بڑی حماقت کی بات ہوتی ہے۔ ایسا سمجھنے والا خود بڑا بے وقوف ہوتا ہے۔ وہ یہ بات جانتا تھا کہ میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔ کوئی عام آدمی نہیں ہوں۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ میں جوڈو کراٹے میں کس قدر مہارت رکھتا ہوں۔ میں نے اس کے ذہن سے معلوم کرلیا کہ وہ جوڈو کراٹے نہیں جانتا ہے۔ اسے صرف اپنی جسمانی طاقت پر ناز اور گھمنڈ ہے......

آج میں اس کا غرور، ناز، گھمنڈ اور جسمانی طاقت کا بیڑا غرق کردینا چاہتا تھا تاکہ اسے اندازہ ہوجائے کہ استادوں کے استاد بھی ہوتے ہیں...... جس وقت وہ غراتا اور سؤر جیسی آنکھوں سے مجھے گھورتا مجھ پر حملہ آور ہوا میں نے اس کے منہ پر ایک بھرپور وار کیا...... وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں اس پر وار کرنے کی جرأت نہیں کروں گا۔ میرے اس حملے نے اسے بری طرح ڈگمگا دیا تھا۔ میں نے اسے سنبھلنے کی مہلت نہیں دی اور اس کی ناک کی ہڈی کا نشانہ لیا تھا...... اس کے رخسار سے گوشت لٹک گیا...... اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر بل دینا شروع کیا جو ایک طرح سے اس نے حماقت کی تھی۔ یہ میرے حق میں بہت اچھا ہوا تھا۔ میں نے اپنا گھٹنا اس کے جسم کے سب سے نازک حصے پر دے مارا...... وہ کراہ کر دوہرا ہوا...... اور پھر زمین پر آ رہا...... پھر وہ درد سے تڑپنے لگا۔ درد اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ وہ بے ہوش ہوگیا۔

روپا چندروتی جو یہ لڑائی دیکھ رہی تھی ویٹر کو زمین پر بے ہوش اور بے سدھ دیکھ کر گاڑی میرے پاس لے آئی۔

روپا چندروتی...... نہیں چاہتی تھی کہ میں گل آئی لینڈ جاؤں۔ اسے یہ خوف اور اندیشہ لاحق ہوگیا تھا کہ مجھے ہلاک کردیا جائے گا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں وہاں جاکر موت کے منہ میں جاؤں...... اس کے نزدیک یہ خودکشی تھی۔ جب میں نے اسے صورت حال سے آگاہ کیا اور اسے اعتماد میں لیا تو اس کی سمجھ میں آ گیا۔ پھر اس نے میرے کہنے پر ایک ساحلی علاقے میں گاڑی روک لی اور پھر روپا چندروتی نے ایک طویل بوسہ لے کر مجھے رخصت کیا۔

میں نے وہاں اتر کر ایک جدید ترین اور تیز رفتار بوٹ کرائے پر لی۔ میں نے اس کے مالک سے گل آئی لینڈ کی سمت معلوم کی۔ اس طرف تیزی سے روانہ ہوگیا۔ روپا چندروتی اس وقت تک کھڑی ہاتھ ہلاتی رہی جب تک ہم ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے...... مگر وہ میرے دل سے اوجھل نہیں ہوئی تھی۔

''بحیرہ ہند...... اس وقت بڑا پرسکون تھا۔ اس کے غیر معمولی سکون نے فضا کو حسین بنا دیا تھا...... میں نے کچھ دور جانے کے بعد موٹر بوٹ کے عقب میں دیکھا...... موٹر بوٹ کی لہروں کے علاوہ گہرا سکوت طاری تھا۔ جیسے یہ کوئی بہت بڑی جھیل ہو۔ اب مجھے گل آئی لینڈ کے افق نظر آنے لگے تھے...... وہاں کل سات چھوٹے جزیرے تھے۔ ان میں سے اس نے کس جزیرے میں دستاویزات چھپائیں یہ معلوم کرنا بہت دشوار اور ناممکن تھا۔ پونم نے اپنے تیئں بڑی ذہانت اور ہوشیاری سے کام لیا تھا...... وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی ذہین بھی تھی...... اب ہر سمت اندھیرا سا تھا۔

اس اندھیرے کے باوجود میں مایوس نہیں تھا۔ کیوں کہ اندھیرے میں امید کی ایسی کرن تھی جس نے اندھیرے کو دور کر دیا تھا۔ دھند جو تھی وہ چھٹ گئی تھی۔ یوں بھی میں نے کبھی اندھیرے سے ہمت نہیں ہاری تھی۔ کیوں کہ اندھیرا جب ہوتا ہے تو امید کی کرن کسی سمت سے نمودار ہو جاتی ہے۔

پونم کے قاتل نے...... پونم سے جو اگلوایا تھا وہ تشدد سے...... اس نے پہلے اس کی بے حرمتی بھی کی تھی۔ کیوں کہ وہ اس قدر حسین تھی کہ وہ باز نہیں رہا ہوگا۔ ایک نازک اندام عورت پر اس قدر تشدد مردانگی کی توہین تھی۔ یوں بھی ہر عورت نازک اور کمزور ہوتی ہے۔ ڈر، خوف اور زندہ رہنے کی خواہش کے لئے وہ تشدد اور ایذا رسانی کے سامنے بے بس ہو جاتی ہے۔ پونم کو ایسی اذیت ناک موت کا نشانہ بنانے پر میرا دل کانپ گیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میں قاتل سے پونم کا بدلہ کس طرح سے لوں گا۔ اس کے ساتھ کیا کروں گا۔

موٹر بوٹ کی آواز قاتل کو باخبر کر دیتی اور پھر وہ میری گھات میں بیٹھ جاتا۔ اس کے لئے مجھے موت کا نشانہ بنانا کچھ زیادہ مشکل نہ ہوتا۔ کیوں کہ عجلت میں، میں اپنا ریوالور لینا بھول گیا تھا۔ اس طرح قاتل کو مہلت مل جاتی۔ میں اسے کسی قیمت پر کامیاب ہو کر جانے دینا نہیں چاہتا تھا۔

میں بار بار مڑ مڑ کے اپنی تسلی کرتا جا رہا تھا کہ کہیں کوئی میرے تعاقب میں تو نہیں آ رہا ہے۔ دور دور تک کوئی موٹر میں نے اپنے تعاقب میں نہیں دیکھی تھی۔ البتہ مجھے ایک بہت بڑی موٹر پانی کی سطح پر ڈولتی نظر آئی تھی۔ اس کا انجن بند تھا۔ مجھے اس میں کوئی دکھائی نہیں دیا تھا لیکن اس کے ڈولنے سے ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے فرش پر کوئی لیٹا ہوا ہے۔ میں نے اپنے موٹر بوٹ کا انجن بند کر دیا۔ کیوں کہ گل آئی لینڈ پہنچ چکا تھا۔

جب میں اس موٹر بوٹ کے قریب سے اپنی موٹر بوٹ لے کر گزرا تو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک عمر کی عورت ایک نوجوان لڑکے کے ساتھ دنیا و مافیہا سے بے نیاز تھی۔ ان کے ذہنوں نے بتا دیا تھا کہ عورت امیر کبیر اور شکاری اور لڑکا اس کے ہاں ملازم ہے۔ وہ ڈرائیور ہے۔ اسے اس عورت کے ہاں ملازمت کرتے ہوئے صرف دس بارہ دن ہی ہوئے ہیں۔

میں یہ رنگین، جذباتی اور رومانی نظارہ دیکھنے اور اس سے محظوظ ہونے کے بجائے مجھے موٹر بوٹ تلاش کرنی تھی۔ وہ موٹر بوٹ جو پونم کے قاتل کی تھی۔ اسے تلاش کرنا اشد ضروری تھا۔ وہ موٹر بوٹ میں تو یہاں پہنچا تھا۔ میں نے کنارے پہنچ کر موٹر بوٹ روکی۔ میں نے اس کی تلاش میں چلنا شروع کیا۔ ساحل پر بہت سارے درخت اور جھاڑیاں بھی تھیں۔ ان کی آڑ میں موٹر بوٹ کھڑی کی جائے تو وہ نظر نہیں آ سکتی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسے جھاڑیوں کے عقب میں دیکھ لیا۔ قاتل نے اسے وہاں کھڑا کیا ہوا تھا۔

میں قریبی جھاڑیوں کے اوٹ میں اس قاتل کی گھات میں بیٹھ گیا۔ کیوں کہ اس کی تلاش میں جانا، اس سے سامنا کرنا اور ٹکر لینا فضول تھا۔ آمنا سامنا ہونے کی صورت میں وہ ریوالور نکال کر میرا خاتمہ کر دیتا۔ میں اسے اپنی جان حلوے کی پلیٹ کی طرح پیش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں اسے یہاں آسانی سے اس کی بے خبری میں دبوچ سکتا تھا۔ اگر میرے پاس ریوالور ہوتا تو پھر میں اس سے آمنا سامنا کرتا۔

اسے میں دبوچ کر قابو میں کر سکتا تھا یا نہیں...... یہ تو وقت ہی بتاتا۔ ہم دونوں میں سے ایک ہی یہاں سے زندہ سلامت جا سکتا تھا۔ ہم دونوں ہی اپنی زندگی داؤ پر لگا دیتے لیکن مجھے امید تھی کہ میں اس پر قابو پالوں گا کیوں کہ میری رگوں میں لہو ابل رہا تھا۔ اسے کسی قیمت پر زندہ نہیں رہنا تھا۔ میں اس سے اس لئے بھی انتقام لینا چاہتا تھا کہ اس نے پونم کو بے دردی، سفاکی اور بے رحمی سے دردناک موت کا نشانہ بنایا تھا۔ اس کا زندہ رہنا انسانیت کے لئے نقصان دہ تھا۔ زندہ رہنے کی صورت میں پروفیسر نارنگ کو بتا دیتا کہ میں نے دستاویزات حاصل کر لی ہیں...... یوں تو میرے ذہن میں اور بھی باتیں تھیں۔ اسے معذور اور اپاہج کر کے رکھ دوں تاکہ ساری زندگی کسی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بھیک مانگے۔ لیکن اس کا انجام موت ہی تھا اس موذی سانپ کا سر کچلنا ہی بہتر تھا۔

انتظار کے یہ لمحات میرے لئے بڑے اذیت ناک اور روح فرسا تھے۔ ایک خیال اور بھی آیا تھا کہ کہیں اور سمت سے وہ نکل نہ گیا ہو، لیکن وہ جا نہیں سکتا تھا، کیوں کہ صرف یہی ایک راستہ تھا، موٹر بوٹ کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں تھا واپس جانے کا...... کوئی بیس منٹ کے بعد وہ دور سے آتا دکھائی دیا۔ اس وقت مجھے ریوالور کی کمی بڑی محسوس ہوئی۔ میں اس سے اس کا نشانہ لیتا۔ پہلے دو

گولیاں اس کے پیروں پر مارتا...... پھر اس کے دائیں ہاتھ کو نشانہ بناتا...... پھر اس کے سینے پر دل کی جگہ...... اسے تڑپ تڑپ کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتا ہوا دیکھتا...... پھر ایک گولی جو آخری ہوتی اس سے اس کی ایک آنکھ ضائع کر دیتا۔

وہ بہت دور سے آتا دکھائی دیا۔ میں نے اسے قد، جسامت اور اس کی چال سے پہچان لیا تھا۔ وہ جیسے جیسے قریب آتا گیا ویسے ویسے اس کے خدوخال واضح ہونے لگے۔ اب اس کے اور میرے درمیان فاصلہ بہت کم رہ گیا۔ اب زندگی اور موت کا لمحہ آ گیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ ہم دونوں میں سے کون زندہ رہتا ہے۔ پھر میں اپنی کمین گاہ سے باہر نکلا اور اس کی طرف موت کا فرشتہ بن کر بڑھنے لگا۔

وہ بڑے سکون اور اطمینان...... نہایت بے پروائی اور بے فکری سے اس طرح چلا آ رہا تھا جیسے اس کے سوا یہاں کوئی اور نہیں ہے اس حرام زادے کے چہرے پر چمک اور آنکھوں میں ایک فاتحانہ سی چمک تھی جس میں خباثت بھری ہوئی تھی۔ وہ اس طرح خوش ہو رہا تھا جیسے اس نے کوئی بہت بڑا محاذ فتح کر لیا ہو۔ وہ خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا یہ سب کچھ دوسرے لمحے خاک میں مل جائے گا۔

ایک پل کے ہزارویں حصے میں پونم کے جلنے کا منظر میری نظروں میں فلم کی طرح گھوم گیا۔ میں ان مناظر کو کیسے بھول سکتا تھا۔ گوشت جلنے کی بو محسوس ہوئی جو بہت ناگوار اور تیز تھی۔ میں نے کمرے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر دیکھا تھا۔ کمرے میں گیسولین بھری تھی۔ اس کے عین اوپر انسانی برہنہ پاؤں لٹک رہے تھے۔ جو شعلوں اور آگ کی حدت نے انہیں جلا کر سیاہ کر دیا تھا...... یہ پاؤں پونم کے تھے۔ اسے نہ صرف کرسی سے جکڑ کر باندھ دیا گیا تھا بلکہ بری طرح جکڑ دیا گیا تھا اور پھر اس کے منہ پر ٹیپ بھی چپکایا ہوا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر آگ کے تفار کو ایک طرف اس لئے کیا تھا کہ اس سے کچھ حاصل نہیں...... مگر میں کیا کوئی بھی شخص ایک انسان کو جلتے ہوئے کس طرح دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر سے ٹیپ ہٹایا تو اس میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی ٹوٹے ہوئے بے ربط الفاظ میں کہنے لگی۔

''اس نے اس بدمعاش کا نام پروفیسر نارنگ بتایا تھا...... گل آئی لینڈ...... گل......'' میں نے اس سے کہا تھا کہ زیادہ مت بولو۔ میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔ مگر اس کی بے رحم موت نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ میں یہ سب کچھ کیسے بھول سکتا تھا۔ اس واقعہ نے میرے اندر نفرت، غصہ اور انتقام کا اندھا جنون بھر دیا تھا۔ میں ایسے سفاک قاتل کو کیسے بخش سکتا تھا۔ اسے موت کی نیند سلانی تھی۔

جب میں اس کے سامنے اچانک نمودار ہوا تو وہ ایک دم سے بھونچکا ہو گیا۔ اس پر اس طرح سے سکتہ سا چھا گیا کہ جیسے اس پر کوئی بجلی سی آ گری ہو۔ اس کے خیال میں، میں اس جہان فانی سے رخصت ہو چکا ہوں۔ دوسرے لمحے وہ چونکا بری طرح سٹ پٹا گیا۔ میں اس کی حیرت کا فائدہ اٹھا کر اس کی جانب بڑی سرعت سے لپکا...... اس نے جلد ہی اپنی حیرت پر قابو پا لیا اور مجھے قریب پا کر دستاویز والا سیاہ صندوقچہ میرے منہ پر دے مارا۔ اگر میں سرعت سے ایک طرف ہٹ نہ جاتا تو میرے چہرے کا جغرافیہ بدل جاتا۔ میں نے اس کے ذہن سے اس کا ارادہ جان لیا تھا...... میرے ایک طرف ہٹنے کے باوجود میرے شانے سے ٹکراتا ہوا نکل گیا۔

میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی جیب سے ریوالور نکالتا میں نے اسے موقع ہی نہیں دیا۔ میں اس پر کسی تیندوے کی طرح چھلانگ لگا دی اور پھر میں اس سے بری طرح ٹکرا گیا تھا۔ اس کی کھوپڑی ناچ اٹھی ہو گی۔

وہ مجھ سے ٹکراتے ہی تاب نہ لا کر گر گیا تھا۔ لیکن بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہم دونوں کے درمیان زندگی اور موت کی جنگ شروع ہو گئی۔ اب ہم دونوں میں سے صرف ایک زندہ رہ سکتا تھا۔ یہ بات ہم دونوں جانتے اور سمجھتے تھے۔ میں نے پھر اس پر ایک زوردار چھلانگ لگا دی...... اس نے کمال ہشیاری سے اپنے آپ کو بچایا اور ایک طرف ہو کر میرے جبڑے پر اتنے زور سے مکا مارا کہ میری ریڑھ کی ہڈی تک آگ بھر گئی۔ دماغ بری طرح سن سنا گیا۔

میں اس کے حملے سے سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کے مضبوط ہاتھوں کا ایک بھرپور وار میرے گلے سے نیچے پڑا۔ میں درد سے کراہ اٹھا۔ اجیت بھی جوڈو کراٹے میں میری طرح ماہر تھا۔ وہ ایک جرائم پیشہ گروہ کا سرغنہ تھا۔ مافیا تھا۔ اس لئے اس نے ہر قسم کی تربیت حاصل کی ہوئی تھی۔ اس لمحے وہ مجھ پر بھاری پڑ چکا تھا۔ ایسا تو لڑائی اور کھیل کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ دو ماہر جب آپس میں مقابلہ کرتے ہیں تو کسی نہ کسی ایک کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے۔ وقتی طور پر اس کا پلہ مجھ پر بھاری پڑ چکا تھا۔ میرا حریف ماہر جوڈو کراٹے جو تھا۔

بعض اوقات خوش بختی لڑائی میں ساتھ دیتی ہے۔ یہ میری خوش بختی تھی کہ وہ اپنے فن سے کام لینے کے بجائے اپنے ریوالور سے کام لینا چاہتا تھا اسے ریوالور کے بجائے اپنے فن اور بازوؤں سے کام لینا بہتر تھا۔ اس نے مجھے نیم جان جو دیکھا تو اسے یہ غلط فہمی ہو گئی تھی اب میں اس کے مقابلے پر آنے کے قابل نہیں رہا۔ میں نے دانستہ اپنے آپ کو نیم جان ظاہر کیا تھا تا کہ وہ غلط فہمی میں پڑ جائے۔ میری یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی تھی۔ اس نے مجھے جو نیم جان سا محسوس کیا تو اپنی جیب سے ریوالور نکالنے لگا۔

اس وقت وہ میرے قریب تھا تاکہ مجھے سنبھلنے نہ دے۔ اس نے مجھے ادھ موا کرنے کے خیال سے دوسرے ہاتھ سے گھونسا تانا مگر میں اس پر سبقت لے گیا۔ میں نے اس کے سر پر ایک زوردار ہاتھ دے مارا۔ جس سے وہ بری طرح ڈگ مگا گیا، لیکن اس کے باوجود اس نے میری پسلی پر ایک مکا جما دیا۔ میں مداخلت کرنے لگا۔ اس کے گھونسوں میں بڑی طاقت تھی۔ جس کی تاب لانا میرے لئے مشکل سا لگ رہا تھا۔ اگر وہ مجھ پر اسی طرح مکوں کی بوچھاڑ کرتا تو شاید ہی میں بچ پاتا۔ وہ اس لئے بھی مجھ پر خار کھایا ہوا تھا کہ میں نے اس کی پتنی سے پریم کا اظہار تالاب اور ہوٹل میں کیا تھا۔ اسے اس بات کی خبر نہیں تھی کہ سریتا مجھ پر مہربان بھی ہو چکی ہے۔ اگر اس کے علم میں یہ بات آجاتی تو جانے کیا کر بیٹھتا۔ لیکن اسے اس بات کا شک ضرور تھا کہ میں سریتا کے حصول کی کوشش کر رہا ہوں۔

اس نے جو دوبارہ ریوالور نکالنے کی کوشش کی وہ اسے بہت مہنگی پڑی تھی۔ میں خود بھی یہ چاہتا تھا کہ وہ ریوالور نکالنے کی کوشش کرے۔ ویسے مجھے اس سے اس حماقت کی توقع تھی۔ اس نے مجھے مایوس نہیں کیا تھا۔ میں نے پھر اس پر فوراً ہی ایک جست لگا دی۔ ہم دونوں گتھم گتھا ہو کر زمین پر آرہے تھے۔ اب لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا۔ وہ میرے نیچے دبا ہوا تھا۔ میں نے بغیر کسی تاخیر کے اس کے منہ، سینے اور نازک مقامات پر جنونی انداز سے مکے برسانا شروع کر دیئے۔ میرے پاس خنجر ہوتا تو میں اس کے سارے جسم میں ان گنت شگاف ڈال دیتا۔ پھر اس کے بازو کاٹ کر پھینک دیتا۔ دونوں پیر بھی کاٹ دیتا۔ آخر میں اسے ذبح کر دیتا...... اس وقت صورت حال کچھ ایسی تھی کہ میں اس کی جیب سے اس کا ریوالور بھی نکال نہیں پاتا۔ میں کوشش کرتا تو وہ اس سے فائدہ اٹھا پاتا۔

”یہ...... یہ...... تم مجھے کیوں اس طرح مار رہے ہو......؟“ وہ تڑپتے اور کراہتے ہوئے بولا۔ ”تم بچ نہ سکو گے۔ پروفیسر نارنگ سے......“

”کس لئے مار رہا ہوں......؟“ میں نے خشونت بھرے لہجے میں کہا۔ ”اس لئے کہ تم نے پونم کو نذر آتش کیا...... ایک کمزور عورت پر رحم تک نہیں کھایا...... تم خون آشام بھیڑیے ہو...... تم نے اس کی بے حرمتی کی...... حرام زادے...... میں تجھے موت کی نیند سلا رہا ہوں۔“

”ایسا نہ کرو...... ایسا نہ کرو......“ وہ گڑگڑایا...... ”میں تمہیں اپنی ساری دولت دے دوں گا جو میں نے کاٹیج میں رکھی ہے۔“

”مجھے دولت نہیں...... مجھے پونم چاہئے۔“ میں نے اس کے منہ پر ایک مکا رسید کر دیا۔ ”کیا تم اسے زندہ کر کے دے سکتے ہو؟ بولو حرامی...... کتے......؟“

”پونم نے میری بات نہیں مانی۔ میں نے اسے سمجھایا۔ بہت کہا کہ دستاویزات دے دو۔

پروفیسر نارنگ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ تمہیں اس کے عوض بہت بڑی رقم دے گا۔ اس نے میری بات نہیں مانی...... اس نے میری جان لینے کی کوشش کی تو میں نے اس کی بے حرمتی کی۔ راز اگلوانے کے لئے تشدد کرنا پڑا۔ اس کے سوا چارہ نہیں تھا۔ تم میری جگہ ہوتے تو وہی کرتے جو میں نے کیا......“

”نہیں...... میں ایسا ہرگز نہیں کرتا...... میں انسان اور درندوں میں تمیز کرتا ہوں۔ عورت بہت نازک اور خوب صورت شے ہے......“ میں نے حقارت سے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ کاش! گیسولین ہوتا تو تمہیں اس طرح جلا دیتا جس طرح تم نے پونم کو جلایا...... یہ سب کچھ تم نے دولت کے لالچ میں کیا کہ پروفیسر نارنگ ان دستاویزات کی بہت بڑی قیمت دے گا۔ اب تم زندہ نہیں رہو گے۔“

”میں تمہیں سریتا دے دوں گا...... وہ پونم سے بھی کہیں حسین ہے۔ تم اس کے ساتھ عیش کی زندگی گزارنا......“ وہ منت سماجت کرنے لگا۔

اس نے مجھے باتوں میں اس لئے لگایا تھا کہ ذرا سی مہلت پاتے ہی مجھے نیچے گرا دے۔ میں نے تو اس کا حشر نشر کر دیا تھا۔ اس کی آدھی جان لے لی تھی۔ اب جو پونم کا چہرہ نظروں میں لہرایا تو ایسا لگا کہ اس کی روح میری نظروں کے سامنے کھڑی ہوئی ہے...... مجھ سے کہہ رہی ہے۔

”دیوا......! اسے ہرگز ہرگز معاف نہیں کرنا...... زندہ نہیں چھوڑنا...... تم ہٹ جاؤ۔ میں اس سے انتقام لیتی ہوں...... میں نے انتقام لینے کے لئے کالی ماتا سے پرارتھنا کی تھی...... کالی ماتا نے مجھے بھیج دیا...... میں اس سے بہت ہی بھیانک انتقام لوں گی......“

میں نے اسے اپنا تصور...... خیال...... اور واہمہ سمجھا تھا۔ نہیں یہ سب کچھ نہیں تھا۔ حقیقت میں پونم کی روح سامنے موجود تھی۔ میں توہم پرست نہیں تھا۔ میں نے صرف بھوتوں، چڑیلوں اور بدروحوں کی کہانیاں سنی تھیں۔ بچپن میں میری دادی اور نانی اماں نے سنائی تھی۔ میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔ لیکن آج ابھی اور اسی وقت دیکھ رہا تھا۔ وہ واقعی پونم کی روح تھی جو انتقام لینے آئی تھی۔

میں فوراً ہی اجیت کے اوپر سے ہٹ گیا۔ پونم کی روح غرائی، اسے خون خوار نظروں سے گھورتی اور کسی زہریلی ناگن کی طرح اس کی طرف بڑھی۔ اجیت فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا، خوف و دہشت سے اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔ اس نے فوراً ہی ریوالور نکال لیا اور پے درپے پونم کی روح پر فائر کر دیا۔ اس نے چھ گولیاں برسائیں تھیں۔ لیکن ایک گولی بھی اس پر اثر نہ کر سکی۔ پونم نے اس کی طرف ایک پھونک ماری تو اس کے منہ سے ایک شعلہ نکلا۔ دوسرے لمحے اجیت کے کپڑوں میں آگ لگ گئی......

”مجھے بچاؤ...... بچاؤ...... بچاؤ......“ وہ دہشت زدہ ہو کر چلایا۔ وہ جل رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا۔ چیخیں مار رہا تھا۔ پھر اس نے پانی کی طرف بھاگنا چاہا لیکن بھاگ نہ سکا۔ پونم نے اسے ساکت و

جامد سا کر دیا تھا۔ وہ چند لمحوں میں جل کر مر گیا۔ اس کے مرتے ہی پونم کی روح میری نظروں سے غائب ہوگئی۔ اجیت کی لاش جلی ہوئی سیاہ لکڑی کی طرح پڑی تھی۔

یقین نہ آنے والی بات تھی۔ کوئی بات کا یقین بھی نہ کرتا۔ اس کی موت اس طرح دردناک واقع ہوئی تھی جس طرح پونم کی ...... مجھے ایسا لگا تھا جیسے میں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہو۔ سفاک، وحشی اور ظالم...... جس کے نامۂ اعمال کی فہرست میں نجانے کتنے بے گناہوں کا خون تھا۔ اس کی لاش پرندوں کی تعفن آمیز گندگی کے درمیان پڑی تھی۔ ویسے یہ میری غلطی تھی کہ میں نے اسے کمزور سمجھ لیا تھا، وہ ویٹر کی طرح بے وقوف اور بدمعاش نہ تھا۔ میرے دل کو خوشی ہو رہی تھی کہ پونم نے اس سے اپنی دردناک موت کا انتقام لے لیا۔

مجھے گھٹنے میں چوٹ آنے کی وجہ سے چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے دستاویز والا صندوقچہ اٹھا لیا۔ یہ صندوقچہ بڑا خونی ثابت ہوا تھا۔ اب میرے ہاتھ میں تھا۔ میں آہستہ آہستہ چل پڑا۔ صندوقچہ پانے کی خوشی میں میں اپنا درد بھولتا جا رہا تھا۔ میں ایک درخت کے سہارے کھڑا ہوگیا تاکہ تھوڑی دیر ستا لوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ گھٹنے کی تکلیف میں اضافہ ہو جائے۔

میں نے درخت کے سہارے کھڑے ہونے کے بعد غیر ارادی طور پر سمندر کی طرف دیکھا تو میری رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ اب مجھے خیال آیا۔ ویٹر نے ہوش میں آتے ہی پروفیسر نارنگ کو بتا دیا ہوگا کہ میں زندہ ہوں۔ پروفیسر نارنگ کی فوج اس جزیرے کی طرف آ رہی تھی۔ جہاں میں کھڑا تھا۔ میں جانے کیوں اس بات کو بھول گیا تھا کہ ویٹر نے مجھے زندہ سلامت دیکھ لیا ہے۔ وہ باس کو بتا دے گا۔

موٹر بوٹوں کا قافلہ دور سے آتا دکھائی دیا۔ اس میں کل چھ نفر سوار تھے۔ یہ تین موٹر بوٹوں کا قافلہ تھا۔ ہر موٹر بوٹ میں دو دو بدمعاش سوار تھے۔ اب میں پھر اپنا سر پیٹ رہا تھا کہ یہ میں نے کیا حماقت کی جو اپنا ریوالور بھول آیا۔ کاش! ریوالور ہوتا...... اجیت کا ریوالور اس کی لاش کے پاس ہی پڑا ہوا تھا۔ وہ میرے لئے بیکار تھا۔ اس لئے کہ اس میں ایک گولی بھی نہ تھی۔ میں خالی ریوالور لے کر کرتا کیا۔

میری فتح اور کامیابی ناکامی میں بدلنے والی تھی۔ لیکن میں اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہ تھا۔ میں کسی قیمت پر انہیں یہ صندوقچہ دینا نہیں چاہتا تھا۔ نہ پونم کی آتما میری مدد کو آسکتی تھی وہ تو صرف اپنا انتقام لینے آئی تھی اور واپس چلی گئی تھی۔ میں نے انہیں دیکھ لیا تھا لیکن انہوں نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے کہ میں ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہوا تھا۔ میں جزیرے کی وسط کی طرف گرتا پڑتا بھاگا تاکہ اس صندوق کو کہیں چھپا دوں چند لمحوں کی کوشش کے بعد ایک بڑا سہ شاخہ

درخت دکھائی دیا۔ میں نے اسے نشانہ بنایا۔ اس سے بیس قدم دور ایک بڑے نوکیلے پتھر سے زمین کھودنا شروع کر دیا۔ زمین چوں کہ بے حد نرم اور نم تھی اس لئے میں جلد ہی دو فٹ گہرا گڑھا کھودنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ موقع اور وقت نہیں تھا ورنہ میں تین چار فٹ گہرا کر دیتا۔ دو فٹ بھی خاصا ہوتا ہے۔ میں نے اس میں صندوقچہ دفن کر دیا اور مٹی بھر کے سطح اس طرح ہموار کر دی کہ پتا نہیں چلے کہ یہاں گڑھا کھودا گیا تھا اور میں نے اپنے پیروں کے نشانات بھی مٹا دیئے۔

جب میں اس سہ شاخہ درخت کے پاس جا کر اس کی آڑ سے نکلا تو موٹر بوٹیں کنارے کے بہت قریب آ چکی تھیں۔ پہلے تو میں نے یہ سوچا کہ میں وہیں کھڑا رہا ہوں لیکن انہیں شک ہو جاتا کہ میں نے صندوقچہ کہیں آس پاس گڑھا کر کے اس میں چھپایا ہوا ہے۔ انہیں دھوکا دینا اور ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنا بے حد ضروری تھا۔ اس لئے میں مختلف سمتوں میں اس طرح بگٹٹ بھاگنے لگا جیسے ان سے اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ آس پاس اور بھی پیروں کے نشانات تھے جو میں عجلت کے باعث مٹا نہ سکا تھا۔ دشمن یہ سمجھے کہ یہ نشان میرے بھاگنے کے ہیں۔ یوں بھی وہ اتنے ہوشیار نہیں تھے کہ وہ اس گڑھے کا کھوج لگا لیتے۔

اب سیاہ بکس پوری طرح محفوظ ہو چکا تھا اس لئے اب میرے دل کو سکون و اطمینان نصیب ہوگیا تھا۔ میں نے اس کے حصول کے لئے بڑے پاپڑ بیلے تھے۔ پونم شاید یہ بتانے کے لئے آگ سے بری طرح جھلس جانے کے باوجود اس لئے زندہ رہی تھی کہ مجھے قاتل اور گل آئی لینڈ کے بارے میں بتا سکے۔ اگر وہ گل آئی لینڈ کا نام نہ بتاتی تو پھر میں یہاں پہنچ بھی نہ پاتا اور اجیت وہ سیاہ بکس لے جا کر پروفیسر نارنگ کو پہنچا دیتا۔ اس طرح میرا مشن، میری ساری محنت، جدوجہد اور کوشش خاک میں مل چکی ہوتی۔

اور اس بات سے میرے دل کو بڑی خوشی ہوئی تھی کہ پونم نے اپنے قاتل سے بھیانک انتقام لے لیا۔ اس کی روح نے جو انتقام لیا کیا کوئی اس کہانی پر یقین کرے گا......؟ یقین کرے یا نہ کرے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ لیکن میں اس واقعہ کو کبھی نہیں بھلا سکتا تھا۔ اس کی روح نظری سمت میں آئی تھی...... ایسا لگتا تھا کہ وہ سچ مچ کی ہے۔ جس طرح ایک دم سے نظروں کے سامنے آئی اور اسی طرح غائب بھی ہوئی تھی۔ میں مضبوط اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو شاید غش کھا جاتا، بے ہوش ہو جاتا۔ وہ جلدی سے انتقام لے کر چلی گئی تھی۔

میرے لئے فرار ہونا...... ناممکن سا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک تو وہ میری موٹر بوٹ کے پاس تھا موٹر بوٹیں کھڑی کر کے اتر رہے تھے اور اجیت کی موٹر بوٹ بہت دور تھی۔ مجھے اس کی موٹر بوٹ تک پہنچنے کے لئے اس راستے سے گزرنا پڑتا جہاں میری موٹر بوٹ کھڑی تھی اور پھر وہ مجھے

دیکھ لیتے اور تعاقب کرتے کرتے اس صورت میں بھی میں لمبا چکر کاٹ کر جاتا۔ اس کے باوجود میرے لئے فرار کی یہی صورت تھی کہ کسی نہ کسی طرح اجیت کی موٹر بوٹ تک پہنچ جاؤں۔ چھ سات منٹ ملنے پر بھی میں فرار ہوسکتا تھا۔ میں ایک لمبا چکر کاٹ کر اس کی موٹر بوٹ کی طرف بھاگنے لگا۔ تمام بدمعاش خشکی پر اتر چکے تھے۔ جب میں اس موٹر بوٹ کے قریب ہورہا تھا تب میں نے دیکھا کہ اس کے قریب ایک بدمعاش پہرہ دے رہا ہے۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ وہ سمندر کی طرف دیکھے جارہا تھا۔ میں نے زمین پر بکھرے پڑے پتھروں میں سے ایک پتھر اٹھایا جو کرکٹ کی گیند کی سائز کا تھا۔ میں اس کے سر پر اس پتھر کی ضرب لگا کر فرار ہوسکتا تھا۔

میں اس کی طرف دبے قدموں سے بڑھنے لگا۔ میں نے دور سے اس کی کھوپڑی کا نشانہ اس لئے نہیں لیا کہ وہ چوک ہوسکتا تھا۔ اس صورت میں میری مصیبت آجاتی اور میں فرار نہیں ہوپاتا۔ اس لمحے مجھے پونم کی روح بہت یاد آئی۔ کاش! وہ اس وقت تک رک جاتی۔ وہ ان بدمعاشوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر چلی جاتی اور ان بدمعاشوں کی لاشیں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی۔

بعض اوقات آدمی جو سوچتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔ میں اس کے قریب پہنچا ہی تھا اور اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا ہی تھا کہ میری کھوپڑی ریوالور کے بٹ سے گونج اٹھی۔ میرا سر چکرایا تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ میرے ہاتھ سے پتھر چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ پھر میں تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ پھر مجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ میں بے ہوش ہوچکا تھا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں زمین پر چت پڑا ہوا تھا۔ جگہ جزیرے کی ہی تھی۔ کسی اسپتال یا گھر کا کمرا نہ تھا۔ کھلا اور روشن آسمان تھا۔ پرندے محو پرواز تھے۔ میری کھوپڑی کے عقبی حصے میں درد کی ایک لہر اٹھی۔ میں پوری طرح ہوش میں آچکا تھا۔

میں نے اپنا سر گھمایا ہی تھا کہ میرے جبڑے پر ٹھوکر لگی۔ دوسرے لمحے میرے ہونٹوں نے خون کا ذائقہ محسوس کیا۔ ٹھوکر بڑی زبردست تھی۔ معلوم نہیں جبڑا ٹوٹنے سے کیسے بچ گیا اور دانت بھی صحیح سلامت رہے۔ مگر گوشت میں درد کی ایک ایسی ٹیس اٹھی کہ میں کراہ سا گیا۔ ظاہر ہے میں گوشت پوست کا بنا ہوا تھا۔ جس نے بھی مجھے اپنی ٹھوکر سے نشانہ بنایا تھا وہ بڑا بے رحم اور سفاک تھا۔ اس کے نزدیک انسان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ خون آشام ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے میری بے بسی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ یہ مردانگی نہیں تھی۔ اس میں مردانگی اگر ہوتی تو وہ میرے کھڑے ہونے پر دو دو ہاتھ کرتا۔ حرامی قسم کے بدمعاش ایسے ہی ہوتے ہیں۔

''دیوا......'' ایک کرخت آواز خاموش فضا میں گونجی۔ ''ذرا دائیں جانب تو دیکھو...... کس قدر حسین اور دل فریب نظارہ ہے۔''

اس کا لہجہ استہزائیہ تھا۔ اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بڑے زور سے ہنسا بھی تھا۔ میں نے اس کے کہنے کے مطابق دائیں جانب جو سر گھمایا تو پھر میرے دوسرے جبڑے پر ٹھوکر لگی۔ لیکن یہ ٹھوکر پہلے کے مقابلے میں بہت کمزور تھی۔ میں نے اسے بھی سہہ لیا تھا اور کیا کرتا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ تاہم میں نے جبڑے پر ہاتھ رکھ لیا تا کہ دوسری ٹھوکر کا دفاع کرسکوں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ دوسری ٹھوکر سے بھی نوازے گا۔ فضا میں بدمعاشوں کے بھونڈے، بے ہنگم اور زہریلے قہقہے بلند ہوئے جو میرے کانوں میں گرم گرم سیسہ بن کر پگھلنے لگے تھے۔

میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور ذہنی طور پر اس کی ٹھوکر کے لئے تیار ہوگیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اپنی ذلالت سے باز نہیں رہے گا۔

''چلو اٹھو دیوا جی......!'' چند ثانیوں کے بعد اس نے حکم دیا۔ ''تمہاری خاصی تواضع ہوگئی ہے......اب سیدھے ہوکر بیٹھ جاؤ۔''

اب میرے نزدیک اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ وہ مجھ پر تشدد کرکے موت سے ہم کنار کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ میں اٹھ کر نہیں بیٹھتا تو پھر میری زوردار خاطر مدارت شروع ہوجاتی۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا لیکن میں خود سے اٹھ کر اس لئے نہیں بیٹھ سکتا تھا کہ میں ان کے رحم وکرم پر تھا۔ ان کے جال میں پھنس چکا تھا۔

میں نے اٹھ کر بیٹھنے کے بعد دیکھا۔ میں چھ کے چھ بدمعاشوں کے نرغے میں تھا۔ وہ تقریباً سبھی مسلح تھے۔ دو تین ریوالوروں کی نالیں مجھے فرشتہ اجل کی طرح گھور رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی بھی لحہ میں گولیوں کی زد میں آسکتا ہوں۔ ان کے چہروں پر جو سفاکی تھی اور آنکھوں سے جو درندگی جھانک رہی تھی اس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے گولیوں سے بھون کر رکھ دیں گے۔ میرے سارے جسم اور انگلیوں کے پوروں تک سنسنی بجلی کی طرح پھیل گئی۔ اس لمحے مجھے ان کے ذہن پڑھنے کا خیال بھی نہ آیا۔ ورنہ کچھ اندازہ ہوجاتا۔

اس وقت میرے لئے یہ صورت حال بہت نازک، خطرناک اور پیچیدہ سی تھی۔ میں کچھ اس طرح سے ان کے شکنجے میں آگیا تھا کہ اس سے نکلنا ناممکن نہیں رہا تھا۔ میں نے دل میں پکارا......

''پونم......! پونم......! بھگوان کے لئے تھوڑی دیر کے لئے تو آجاؤ۔''

''کھڑے ہوجاؤ......'' اس مرتبہ وہ دوسری مرتبہ بہت ہی بری طرح دہاڑا تھا۔ میں ابھی تک اس آواز کی صورت نہیں دیکھ پایا تھا۔

میں نے کھڑے ہوکر اس کی طرف دیکھا جو مجھ پر مسلسل حکم چلا رہا تھا اور اس حرام زادے نے میرے جبڑوں پر بے دردی سے ٹھوکریں ماری تھیں۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرا دل

اچھل کر حلق میں دھڑکنے لگا۔ رگوں میں لہو سرد پڑنے لگا۔ اسے انسانی مخلوق تو کہا نہیں جاسکتا تھا۔ جنگلی سؤر اور شاید کوئی درندہ بھی ایسا نہیں ہوتا ہوگا۔ وہ پورا گنجا تھا۔ نصف چہرہ سؤر جیسا تھا اور باقی نصف چہرہ ہاتھی سے مشابہہ...... ہاتھی کی طرح چھوٹی چھوٹی گول گول آنکھیں...... اور اس کی مونچھوں کی یہ کیفیت تھی کہ گویا بال نتھنوں میں گھاس کی طرح اگ کر باہر نکل آئے ہوں۔ ایسا ناک نقشہ میں نے شاید کبھی کسی انسان کا دیکھا ہو۔

لحظہ بہ لحظہ اس کا چہرہ خوف ناک اور انتہائی مکروہ دکھائی دینے لگا...... میں نے ایک نظر میں ہی اس منحوس اور خبیث کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔ میں نے دوسرے لمحے اپنے چہرے کا رخ دوسری طرف کرلیا تا کہ یہ منحوس اور مکروہ چہرہ دیکھ نہ سکوں۔

''شاباش!...... دیوا!......!'' اس نے تمسخر سے بھرے لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ ''تم بڑے سعادت مند ہوتے جارہے ہو...... میں نے تو یہ سنا تھا کہ تم کسی کا حکم سننے کے عادی نہیں ہو بلکہ تم اپنا حکم چلاتے ہو۔ لیکن آج یہ بات غلط ثابت ہوگئی۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اگر وہ اکیلا ہوتا اور میں بدمعاشوں کے نرغے میں نہ ہوتا تو اسے ایسا جواب دیتا اور اس پر اپنا حکم چلا کر جواب دیتا۔ وہ کمینہ مجھے بے بس پا کر شیر ہوگیا تھا اور اپنی مردانگی دکھا رہا تھا۔ کتا بھی اپنی گلی میں شیر ہوتا ہے۔

''تم نے میری اس بات کا جواب نہیں دیا کوئی بات نہیں۔'' اس نے پھر تمسخر سے کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم کس وجہ سے مجھ سے الجھنا نہیں چاہتے ہو...... خیر کوئی بات نہیں...... اچھا یہ بتاؤ کہ وہ دستاویزات کہاں ہیں......؟ تم نے انہیں کہاں چھپا کر رکھا ہے؟''

''دستاویزات......؟ کون سی دستاویزات......؟ کیسی دستاویزات......؟'' میں نے مصنوعی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ تم مجھ سے کون سی دستاویزات کے بارے میں دریافت کررہے ہو؟ اور پھر تم نے مجھے بلاوجہ بھی مارا ہے۔''

''سنو دیوا......!'' اس نے تڑختے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم ہمیں بے وقوف اور احمق نہ سمجھو...... میں جو سوال کروں اس کا ٹھیک سے جواب دو...... اگر تم نے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تو میں تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مچھلیوں کو کھلادوں گا۔ شاید تم جانتے ہوگے کہ انسانی گوشت، جانداروں میں سب سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ مچھلیوں کی یہ سب سے مرغوب غذا ہے۔''

یہ محض اس کی خالی خولی دھمکی نہ تھی۔ وہ ان دستاویزات کے حصول کے لئے بربریت کا مظاہرہ بھی کرسکتا تھا کیوں کہ ان کے نزدیک آدمی کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ صرف یہ جانتا تھا کہ ہر صورت میں اس کے حکم کی تعمیل ہو۔ پانسہ میرے خلاف پلٹ چکا تھا۔ بازی میرے ہاتھ سے نکل

گئی تھی۔ موت کا فرشتہ میری نظروں کے سامنے کھڑا تھا۔ لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ خواہ مجھ پر کیسا ہی تشدد کیوں نہ کرے میں ایک لفظ بھی اگل نہیں سکتا تھا لیکن اس شخص کو اگلوانے کا فن آتا تھا...... کیوں کہ یہ ایذا رسانی کا ماہر تھا۔ میں نے اس کے ذہن سے معلوم کرلیا تھا کہ اس نے بڑے بڑے خطرناک دشمن اور بدمعاشوں پر تشدد کرکے ان سے بہت کچھ اگلوا لیا تھا۔ اس کی ایذا رسانی برداشت کرنا ہر کسی کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔ اس لئے بھی وہ اپنے آپ کو بڑا طرم خان سمجھتا تھا۔ اس لئے اس کے خیال میں، میں کچھ نہیں بچتا تھا۔

پروفیسر نارنگ نے میرے تعاقب میں خون خوار شکاری کتوں کو بھیجا تھا۔ اسے اس بات کا احساس ہوگیا تھا کہ میں سیاہ بکس حاصل کرلوں گا...... اسے میرے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوچکا تھا...... میں نے دل میں بھگوان کی سوگند کھائی کہ...... میں مرجاؤں گا مگر اسے اس سیاہ بکس کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ وہ اپنے تمام حربے آزما کر دیکھ لے۔ دل میں جو بھی ارمان ہیں وہ پورے کرلے۔

''تم مجھ سے جس دستاویزات کے بارے میں پوچھ رہے ہو میں اس کے بارے میں بالکل بھی، کچھ بھی نہیں جانتا۔'' میں نے اسے جواب دیا۔

''اجیت کمار کہاں ہے......؟ وہ نظر نہیں آرہا ہے؟'' وہ غرایا۔ ''شرافت سے اس کے بارے میں بتادو۔'' وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اس کے سوال سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ انہیں اجیت کی لاش دکھائی نہیں دی جو یہاں سے کچھ فاصلے پر جھاڑیوں میں پڑی تھی۔

''اجیت کمار......؟'' میں نے اس کی طرف متعجب نظروں سے دیکھا۔ ''مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں ہے؟ مجھے اس سے کیا غرض ہوسکتی ہے؟''

''دیوا......! تم میرا وقت ضائع کررہے ہو؟'' وہ گرجا۔ ''کیا تم یہاں محض وقت گزاری کے لئے آئے ہو؟ یہاں کوئی چھوکری بھی نظر نہیں آرہی ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا۔ ''یہاں آنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ مجھے کسی نوجوان لونڈیا کو ساتھ لانا تھا...... میں یہاں اس لئے بھی آیا ہوں کہ...... ایسے جزیروں پر خوب صورت اور مختلف ممالک کے پرندوں کا بسیرا ہوتا ہے۔ میں انہیں دیکھنے آیا ہوں۔''

میرے جواب پر اسے تاؤ آگیا۔ اس نے اچانک ایک زوردار مکا میرے رسید کردیا۔ چوں کہ میں اس کے لئے تیار نہ تھا میں چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ میں نے بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی کوشش نہیں کی...... کیوں کہ اس طرح زمین پر پڑے رہنے میں میری عافیت تھی۔ مگر وہ مجھے کہاں

بخشنے والا تھا۔ ایک نمبر کا حرامی تھا۔ اس نے جھک کر میرا گریبان پکڑ کر مجھے اٹھایا۔ پھر کھڑا کر دیا۔

"تم جا کر اجیت کمار کو تلاش کرو......" اس نے ایک بدمعاش سے کہا۔ "اس کی موٹر بوٹ ہے تو وہ بھی یقیناً یہیں موجود ہوگا۔"

وہ بدمعاش فوراً ہی ایک سمت چل پڑا۔ میں نے دیکھا نہیں کہ وہ کس سمت جا رہا ہے۔ اگر دیکھتا تو اسے شک سا ہو جاتا۔

"میں تمہیں ایک ہی صورت میں زندگی کی ضمانت دے سکتا ہوں۔" وہ بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔ "جھوٹ سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا...... جھوٹ کا صاف پتا چل جاتا ہے۔ سچ بولو گے تو فائدے میں رہو گے...... ہم جانتے ہیں کہ تم یہاں اجیت کمار کے تعاقب میں آئے ہو...... تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر کوئی عورت تمہارے ساتھ ہوتی تو بھی ہم یہ سمجھتے کہ تم اس سنسان اور ویران جزیرے پر ہنی مون منانے آئے۔ ہم نے یہاں آتے ہوئے ایک جوڑے کو واپس جاتے دیکھا تھا...... تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ میں سچ بول رہا ہوں۔ تم میرے سوالات کا صحیح جواب دے کر ہی واپس ممبئی خیریت سے واپس جا سکتے ہو۔"

وہ مجھے زندگی اور سلامتی کا لالچ دے رہا تھا۔ لیکن اب مجھے احساس ہو گیا تھا اور میں یہ بات بخوبی سمجھ گیا تھا میری زندگی اس وقت تک سلامت ہے جب تک وہ دستاویزات نہیں پا لیتے۔ دستاویزات ان کے حوالے کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش پھینک جاتے تاکہ میں گدھوں کی غذا بن جاؤں......

"پاگل کتے...... تم میری بات کو سچ تسلیم کیوں نہیں کر رہے ہو......!" میں نے تیز و تند لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں کس طرح اپنی سچائی کا یقین دلاؤں؟"

اسے توقع نہیں تھی کہ میں اسے پاگل کتے کہہ کر مخاطب کروں گا وہ مشتعل ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا تھا۔ اس سے میرا لب ولہجہ اور یہ گالی برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے یکے بعد دیگرے مکے رسید کر کے مجھے بے ہوشی کی دنیا میں پہنچا دیا۔

میں کافی دیر بعد ہوش میں آیا تھا۔ انہوں نے مجھے ہوش میں لانے کی خاصی تدبیریں کی ہوں گی۔ جس وقت میں ہوش میں آیا اس وقت وہ میرے سینے پر سوار تھا۔ اس نے مجھے ہوش کی حالت میں دیکھتے ہی میرے منہ پر دو تین تھپڑ لگائے۔ پھر وہ سؤر جیسی آنکھوں سے گھورتے ہوئے غصے سے بولا۔

"میں تمہارے پورے جسم کی تمام ہڈیاں توڑ ڈالوں گا دیوا......! میں کتنا حرامی ہوں......؟ میں کیا ہوں تم نہیں جانتے ہو؟"

میں نے سوچا کہ اس سے کہوں کہ واقعی تم حرامی ہو۔ تمہارا باپ کون ہے تمہاری ماں بھی نہیں جانتی ہوگی۔ تم بھی کیا جانو گے۔ لیکن میں نے یہ بات کہنے سے یہ بہتر سمجھا کہ خاموشی اختیار کر لوں۔ خاموشی سے بہتر جواب کوئی نہیں تھا۔ میں اس کی دھمکی میں نہیں آیا۔ کیوں کہ میں یہ بات جانتا تھا کہ وہ مجھے زندہ سلامت رکھنے پر مجبور ہے۔ اس لئے کہ میری موت سے اسے دستاویزات نہیں مل سکتی تھیں۔ میری خاموشی، بے پرواہی اور اس کی دھمکی کا اثر نہ لینے پر وہ اور غصے میں آ گیا اور میرے سینے سے اترتے ہوئے غرایا۔

"اب تم سیدھی طرح کھڑے ہو جاؤ...... تاکہ میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں...... تم ایک سؤر چیز ہو۔ ایسے نہیں سدھرو گے۔"

میں نے اس کی تعمیل میں لمحے بھر کی بھی دیر نہیں لگائی۔ جتنا جلد ہو سکے میں ان درندہ صفت بدمعاشوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا۔ ورنہ دیگر ہونے کی صورت میں یہ مجھے نقصان پہنچا سکتے تھے۔ میرا ذہن بڑی سرعت سے ایسی تدبیر سوچ رہا تھا کہ انہیں فریب دے کر بے وقوف بنایا جا سکے۔ میرے لئے یہ کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ کیوں کہ یہ عقل سے کورے ہوتے تھے۔ یہ عقل کے بجائے طاقت سے کام لیتے تھے۔

چوں کہ ان کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ میں اس جزیرے پر کس لئے آیا ہوں۔ اس لئے اس بات کا امکان تھا کہ وہ میرے فریب میں آ جائیں۔ انہیں غلط راہ پر ڈالنے کے لئے ایک تدبیر میرے ذہن میں آئی...... جو تدبیر آئی تھی وہ یہ تھی کہ میں اجیت کے تعاقب میں اس جزیرے پر آیا تھا...... مگر وہ میرے پہنچنے سے پیشتر ہی دستاویزات لے کر جا چکا تھا۔ اس کی نیت میں فتور آ گیا تھا۔

انہیں میری اس بات کی سچائی پر یقین آ جاتا۔ کیوں کہ وہ دستاویزات نہ صرف بے حد اہم بلکہ قیمتی بھی تھیں۔ وہ مجھے خشکی پر میرے بیان کی تصدیق تک زندہ رہنے دیتے۔ اجیت کی لاش کا ان کے ہاتھ نہ لگنا میرے بات کی سچائی کی گواہی تھی۔ میں اس مہلت سے فائدہ اٹھا لیتا...... مجھے تھوڑی سی مہلت کی دیر تھی جو مجھے کچھ دیر بعد ہی ملنے والی تھی۔ میں نے اس مردود اور حرامی سے کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ایک بدمعاش نے ہذیانی لہجے میں چیختے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

"وہ دیکھو...... یہ کیا ہے...... کچھ نظر آ رہا ہے......؟ یہ کسی کی لاش ہے...... میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

پھر اس کی آواز سن کر وہ سب اس سمت دیکھنے لگے۔ میں نے بھی دیکھا تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ سر چکرا گیا۔

میری ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ ان کا وہ ساتھی جو اجیت کی تلاش میں گیا تھا وہ اجیت کی لاش کو اس طرح گھسیٹتا ہوا لا رہا تھا جیسے کسی جانور کی لاش ہو۔ اس حرام زادے نے اپنے

مردہ ساتھی کے لاش کا بھی احترام نہیں کیا تھا۔شاید جانور کی لاش کی اس بے دردی سے بے حرمتی نہیں کی جاتی ہوگی۔ان کے نزدیک انسان کی کوئی قدر نہیں تھی اس نے لاش سامنے لا کر ڈال دی۔

سبھی اجیت کمار کی لاش کو دیکھنے لگے۔زمین پر گھسیٹ کر لانے سے اجیت کی لاش کی حالت اور ابتر اور بے حد خستہ ہو گئی تھی۔ایسا لگ رہا تھا جیسے کئی دنوں کی لاش ہو۔چہرے کا گوشہ اور آنکھ کا ایک حصہ رگڑ کی وجہ سے اڑ گیا تھا۔یہ جھلسی ہوئی لاش تھی۔منہ اس کا بھیانک انداز میں کھل گیا تھا۔موت سے اس کی لاش بھیانک بن گئی تھی۔یہ عبرتناک موت تھی۔وہ اس قابل تھا کہ اسے ایسی موت نصیب ہو۔اس کی زندگی تک یہ غنڈے جو اس کے نام سے کانپتے تھے وہی آج اس کی لاش کی بے حرمتی کر رہے تھے۔ایک سفاک قاتل اور جرائم پیشہ کا انجام اور کیا ہو سکتا تھا۔اس نے نجانے کتنوں کو جو بے گناہ تھے موت کی نیند سلایا ہوگا۔

میں اس خیال سے کانپ اٹھا تھا کہ یہ کمینے کہیں میری لاش کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک نہ کریں۔وہ کر بھی سکتے تھے۔کیوں کہ میں ان کا دشمن تھا اور وہ اپنے دشمن کے ساتھ کسی قسم کی رعایت اور نرمی کرنے والے نہ تھے۔ان کا سرغنہ میرے قریب آ کر سفاک لہجے میں بولا۔

’’تم نے جھوٹ کیوں بولا......تم نے یہ نہیں بتایا کہ اجیت کمار کہاں ہے......؟ کیا یہ اس کی حالت ٹھوکر کھانے سے ہوئی......؟ میں سب سے پہلے تمہارے دائیں ہاتھ کی ہڈی توڑ دوں گا...... پھر تمہارا بازو چاقو سے کاٹ کر پھینک دوں گا۔‘‘

’’پہلے تم میری ایک بات سن لو پھر جو جی میں آئے کر لینا۔‘‘ میں نے دلدل میں جیسے تنکے کا سہارا لیا۔میں نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔’’میں واقعی اجیت کمار کے تعاقب میں آیا تھا۔اس کی وجہ اس سے میری ذاتی چپقلش تھی۔اس کا یہ خیال تھا کہ میرے اس کی حسین وجمیل اور نوجوان بیوی سے تعلقات ہیں۔وہ مجھ پر کئی بار مہربان ہو چکی ہے۔یہ ایک حقیقت ہے۔اس کی بیوی مجھ پر مرتی ہے۔ہم دونوں نے تنہائی میں بہت فائدہ اٹھایا۔اس نے مجھے اپنا اسیر بنا لیا۔اس نے مجھ سے کہا کہ......’’میں اگر اس کے شوہر کو ختم کر دوں تو نہ صرف تم سے شادی کر لوں گی بلکہ اس کی ساری دولت بھی دے دوں گی۔پھر ہم اس کی ساری دولت لے کر ہندوستان سے باہر چلے جائیں گے۔ میں اس کا شوہر بننے اور اس کے شوہر کی اس دولت کے پانے کے لئے اس کے تعاقب میں چلا آیا۔ وہ میرے اس جگہ پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے پہنچا تھا۔وہ مجھے دیکھتے ہی حملہ آور ہو گیا تھا لیکن وہ مجھ سے جیت نہ سکا تھا۔زندگی کی بازی ہار گیا۔میں نے اس کی بیوی اور اس کی دولت جیت لی۔‘‘

’’تم پھر جھوٹ بول رہے ہو۔‘‘ وہ برہمی سے بولا۔’’اس کے پاس ایک خطرناک ریوالور تھا اور تم نہتے......تم اسے موت کے گھاٹ کیسے اتار سکتے تھے......وہ استادوں کا استاد تھا۔ہم سب اس

کے سامنے بچے تھے۔اس سے مقابلہ کرنا ناممکن تھا......‘‘

’’ہم دونوں میں کچھ دیر تک تکرار ہوتی رہی......وہ آگ بگولا ہو کر کہتا رہا تھا کہ......تم نے میری بیوی کو ورغلایا۔اس نے اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دیا۔میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔میں نے اسے طیش میں دیکھ کر اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا تھا۔‘‘

’’بہت خوب دیوا......!‘‘ وہ زوردار قہقہہ لگا کر ہنسا۔’’تم نے بڑا اچھا لطیفہ سنایا۔خوب مزا دے گیا۔تم نے جی خوش کر دیا۔گویا تم لطیفہ باز بھی ہو۔سراغ رساں کم...... یہ آج ایک نیا انکشاف ہوا کہ تم ریوالور چھیننے میں بھی مہارت رکھتے ہو......‘‘ پھر اس نے توقف کر کے جیب سے ریوالور نکالا۔پھر اسے انگلیوں پر نچاتے ہوئے بولا۔’’اچھا تم اسے چھین کر دکھاؤ۔تم نے چھین لیا تو تمہیں آزاد کر دوں گا۔‘‘

میں سمجھ گیا کہ وہ میرا مذاق اڑا رہا ہے......میرے ساتھ تفریح کر رہا ہے......بدمعاش اپنے حریف کو موت کے منہ میں اتارنے سے قبل اس سے ایسا ہی استہزا کرتے تھے۔مجھے خاموش اور بے بس و حرکت پا کر اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

’’حیرت کی بات ہے کہ تم نے اب تک مجھ سے ریوالور نہیں چھینا......جب کہ تم ماہر اس کام میں......خاموش کیوں کھڑے ہو۔‘‘

’’میں تمہیں ایک واقعہ سناؤں جو تمہارے اور تمہارے آدمیوں کے آنے سے پہلے پیش آیا تھا۔‘‘ میں نے کہا۔’’کیا تم اسے سچ تسلیم کرو گے؟‘‘

’’کیا واقعہ......؟‘‘ اس نے تجسس سے دریافت کیا۔’’کیا مجھے بے وقوف بنانے کے لئے کوئی کھیل کھیل رہے ہو......؟‘‘

’’ایک سچا اور حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعہ......‘‘ میں نے سنجیدگی سے کہا۔’’تم اپنے باس کی لاش کو ذرا غور سے دیکھو......اس نے چند لمحوں تک اجیت کی لاش کو غور سے دیکھا۔’’یہ تو جلی ہوئی لاش ہے میں نے تو اس پر غور ہی نہیں کیا......‘‘

پھر میں نے اسے بتایا کہ اجیت نے پونم پر کس طرح تشدد کیا سیاہ بکس کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے...... جب پونم نے اسے بتا دیا تو اس کی سزا یہ دی کہ اسے نذر آتش کر دیا۔میں نے اسے آگ سے بچایا۔لیکن وہ چند لمحے زندہ رہی۔اس نے مجھے بتایا کہ اجیت اور گل آئی لینڈ......میں اس کے تعاقب میں آیا تھا کہ اس سے پونم کی اذیت ناک موت کا بدلہ لوں۔اس وقت پونم کی روح آئی اور اس نے مجھ سے کہا کہ تم ہٹ جاؤ۔میں اس سے انتقام لوں گی۔اجیت نے اسے دیکھ کر ریوالور نکال کر اس پر پے در پے فائر کیا۔اس روح کا کچھ نہیں بگڑا۔پھر اس نے

اجیت کی طرف ایک پھونک ماری۔ پھونک شعلہ بن گئی اور اس نے اجیت کو جلادیا۔ اگر میری بات کا یقین نہیں آرہا ہے تو جہاں اس کی لاش تھی وہاں اس کا ریوالور بھی پڑا ہوا ہے۔ اس میں ایک گولی بھی موجود نہیں ہے۔ نال سونگھ کر دیکھو تو اس میں بارود کی بو آئے گی۔ پونم کی روح انتقام لے کر پرلوک واپس چلی گئی۔

"دیوا.....! تم سراغ رسانی چھوڑ کر فلم اسٹوری لکھنا شروع کردو۔" وہ تمسخر سے بولا۔ "تم میں بہترین اسٹوری رائٹر بننے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔"

"اس طرف دیکھو....." ایک بدمعاش نے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ کیا حسین نظارہ ہے۔ جی خوش ہوگیا۔"

سبھی اس جانب دیکھنے لگے۔ ایک خاص بڑی سفید موٹر لانچ سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی ہماری سمت آرہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہ سمندری کشتی پولیس کی لانچ ہوگی مگر وہ لانچ ساحل سے پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر سے دوسری طرف مڑگئی۔ اس میں دو آدمی بیٹھے تھے جو ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ ساحل سے دوسو گز دور جاکر ہماری طرف مڑتی دکھائی دی۔ یہ دیکھ کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"ہمیں یہاں سے ہٹ کر اندر چلنا چاہئے۔ اس طرح یہاں کھڑے رہنے سے انہیں شک ہوسکتا ہے۔ کہیں وہ پولیس کے آدمی نہ ہوں۔"

پھر اس نے مجھ سے کہا۔ "تمہارا دماغ ابھی درست نہیں ہوا ہے..... تم دستاویزات کے بارے میں بتاؤ..... تم نہیں بتاؤ گے تو تمہارا حشر اجیت سے بھی بدتر ہوسکتا ہے..... پونم کی روح تمہیں بچانے آنے سے رہی۔"

"وہ میرے پاس نہیں ہے۔" میں نے زہر خند سے کہا۔ "میں اسے آسمان سے لاکر تمہاری خدمت میں نہایت ادب سے پیش کروں؟"

وہ کمینہ شیطان اور حرام زادہ پہلے ہی سے اندر ہی اندر بری طرح کھول رہا تھا۔ میرے اس جواب نے اسے اور تپادیا تھا۔ جیسے میں نے اس کے وجود پر دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا ہو۔ اس نے مجھے پھر گھونسا مار کر گرادیا۔ میں جیسے ہی زمین پر گرا فوراً ہی جھک کر میرا گریبان پکڑلیا..... تب میں نے دل میں سوچا کہ یہ بدمعاش اس طرح میرے سارے بدن کی ساری ہڈیاں توڑ دے گا۔ مجھے اس وقت شیر میسور..... ٹیپو سلطان شہید کا مقولہ یاد آیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی..... تب میں نے سوچا کہ گیدڑ کی طرح مرنے سے بہتر ہے کہ اس سے مقابلہ کروں۔ اب مجھے اپنے بازوؤں اور صلاحیتوں کو آزمانے کے سوا چارہ نہیں رہا

تھا۔ بہت ہوچکا تھا۔ اپنے مسلح ساتھیوں کی موجودگی میں شیر ہوکر میری خاصی درگت بناچکا تھا۔

"ارے یہ دیکھو..... یہ کیا ہے.....؟" ایک بدمعاش نے پرجوش لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے میں سرشاری سی تھی۔

یہ بدمعاش جو مجھ پر جھکا ہوا تھا اپنے ساتھی کی آواز سنتے ہی سر گھما کر سمندر کی طرف دیکھا اور پھر پوری طرح متوجہ ہوکر دیکھنے لگا۔ لانچ شور کرتی ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی اور کنارے سے ذرا دور ہوکر سمندر کی طرف مڑگئی۔ اس وقت جو منظر دکھائی دیا وہ ناقابل یقین تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ میرے حواس معطل سے ہورہے تھے..... لیکن یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ اسے کسی طور جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔ ایسا منظر ہماری ہندوستانی فلموں میں نہیں دکھایا جاسکتا تھا اور نہ دکھایا گیا تھا جبکہ ہماری فلموں میں بڑے بولڈ سین دکھائے جانے لگے ہیں لیکن ایسا منظر مغربی فلموں کا حصہ ہوتے ہیں۔

یہ ایک رنگین خواب تھا۔ لانچ کے پیچھے ایک رسی بندھی ہوئی تھی اور اس رسی کے آخری سرے کو ایک جوان عورت تھامے ہوئے اسکیٹنگ کررہی تھی..... یہ کوئی نئی یا حیرت کی یا معیوب بات نہ تھی۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی..... عورت کے بدن پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ایک دھجی تک نہ تھی..... وہ اس حالت میں اسکیٹنگ کرتی..... اسکیٹنگ کے جوتے نما لمبے تختوں پر کھڑی ہوئی پانی میں ادھر ادھر سے شارک مچھلی کی طرح تیرتی جارہی تھی۔ ساحل کے قریب سے مڑتے وقت اس نے ایک بار ہماری طرف مڑ کے دیکھا۔ دوسرے لمحے میں نے اسے فوراً ہی پہچان لیا تھا۔

میں اسے کیسے نہیں پہچانتا..... میں تو اسے ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں پہچانتا تھا..... یہ روپا چندروتی تھی..... وہ میرے لئے ایک عجیب وغریب عورت تھی۔ معلوم نہیں اسے اس وقت کیا سوجھی تھی کہ وہ ایسے وقت میں اس فطری حالت میں اس جزیرے کے پاس اسکیٹنگ کرتی پھر رہی تھی۔ اس نے ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے اپنا ایک ہاتھ فضا میں بلند کیا تو ایک بدمعاش نے جیسے سرکاری اعلان کیا۔

"ایں..... یہ لڑکی تو بغیر لباس کے ہے..... کیا اس کا چہرہ جانا پہچانا نہیں لگ رہا ہے.....؟ یہ کون ہوسکتی ہے؟"

تمام بدمعاش روپا چندروتی کے بے لباس جسم کے نظارے سے محفوظ ہونے لگے۔ اس کا جسم خوب صورت اور کشش کے خزانوں سے بھرا ہوا تھا کہ وہ سب کے سب اس ہیجان خیز اور رنگین نظارے میں ایسے کھوگئے کہ انہیں دنیا ومافیہا کی جیسے کچھ خبر ہی نہیں رہی۔ عورت سے حسین اور

دلکش نظارہ دنیا میں کوئی ہے بھی نہیں۔

یہ لمحہ میرے لئے بہت اہم اور بے حد قیمتی بھی تھا۔ وہ خبیث ابھی تک مجھ پر جھکا ہوا اور میرا گریبان پکڑے ہوئے تھا...... اور وہ اس قیامت روپا چندروتی کو ندیدی نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنی زندگی میں آج تک کوئی عورت نہیں دیکھی اور یہ نظارہ اس کے لئے نیا اور انوکھا ہے۔ میں نے اس لمحے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو کچھ کیا شاید وہ ایک گھنٹے میں بھی ممکن نہیں تھا۔ میرے گھٹنے کی زوردار ضرب نے اسے بے حال کر دیا اور حلق سے دل خراش آواز نکالتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔ میں نے اس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ پھر میں برق سرعت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے ڈھال بنالیا۔ اب اس کا ریوالور میرے ہاتھ میں تھا۔

اس خبیث کا سر میرے شانے پر جھول رہا تھا۔ وہ میری ضرب کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ میری یہ حرکت نازیبا، نامناسب اور اوچھی قسم کی تھی۔ جنگ اور محبت میں ہر چیز جائز ہوتی ہے اور پھر وہ سفاک ترین اور ایذا رسانی سے مجھے موت کے منہ میں دھکیلنے پر تلا ہوا تھا۔ میں ایک بدمعاش سے کیسے شرافت سے پیش آتا۔ وہ مجھے نہیں بخشتا۔ میں کیوں اور کس لئے رعایت کرتا۔

''تم سب اپنے اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو......'' میں گرجا...... ''ورنہ تم سب کو ایک ایک کر کے بھون دوں گا۔ کھوپڑیوں میں سوراخ کر دوں گا۔''

میں نے اپنا جملہ پورا کیا ہی تھا کہ ان میں سے ایک بدمعاش پر نگاہ پڑی۔ وہ مجھ پر فائر کرنے کے لئے پر تول رہا تھا۔ وہ پرلے درجے کا بے وقوف تھا۔ اس کی مت جیسے ماری گئی تھی۔ کیوں کہ اس حرکت سے صرف یہ خبیث ہی نشانہ بن سکتا تھا جسے میں نے ڈھال بنا رکھا تھا۔ تاہم میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ اس پر فائر جھونک دیا۔ پھر وہ تین چار قدم لڑکھڑاتا ہوا گیا۔ کٹے ہوئے درخت کی طرح نیچے گرا۔ پھر اس نے دم توڑ دیا۔ اس کی موت نے اس کے ساتھیوں کو خوف زدہ کر دیا۔ انہوں نے اپنے اپنے ریوالور پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھالئے۔

''شاباش!...... تم لوگ واقعی بہت ہی سمجھ دار ہو...... اپنی جگہ سے ہلنا نہیں......'' میں نے انہیں وارننگ دی۔ ''ورنہ اڑا دوں گا۔'' میں ان کے خبیث سرغنہ کو گھسیٹتا ہوا سمندر کے پانی میں اتر گیا۔ پھر تحکمانہ لہجے میں چیخ کر ان بدمعاشوں سے کہا۔

''اگر تم لوگ زندہ رہنا چاہتے ہو...... اپنی زندگی عزیز ہے تو بھاگ جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنا ارادہ بدل دوں۔''

وہ بھاگنے کے لئے پر تول رہے تھے۔ ویسے انہیں امید نہیں تھی کہ میں انہیں معاف کر دوں گا۔ وہ اپنی زندگی سے ناامید ہو چکے تھے ان کے چہروں پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ میرا حکم سنتے ہی سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ وہ مختلف سمتوں کی طرف اندھا دھند جا رہے تھے۔ میں نے اس خبیث کو پانی میں چھوڑ دیا۔ پھر میں لانچ کی طرف تیزی سے تیرنے لگا۔ پھر وہ لانچ مڑ کے تیزی سے میری طرف آنے لگی۔

چند لمحوں کے بعد لانچ قریب آ کر رکی...... تھوڑی دیر کے بعد میں لانچ میں روپا چندروتی کی سڈول اور مرمریں اور گداز باہنوں میں تھا...... وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی...... حقیقت یہ تھی کہ اس کی وجہ سے مجھے ایک نئی زندگی ملی تھی۔ میں اس کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں جتنا بھی احسان مانوں کم تھا۔ یہ عورت میرے لئے دیوی ثابت ہوئی تھی۔ بڑی سندر اور انمول سی عورت تھی۔

لانچ ساٹھ برس کا ایک صحت مند شخص چلا رہا تھا۔ وہ نیلی وردی میں ملبوس تھا۔ وہ ہم سے لاتعلق اور بے نیاز سا تھا۔ وہ کاک پٹ میں تھا۔ اس نے اپنی ساری توجہ سمندر پر مرکوز کر رکھی۔ وہ نہ تو ہماری گفتگو سن سکتا تھا اور نہ ہماری حرکات وسکنات...... کیوں کھڑکی جس میں صرف آئینہ لگا ہوا تھا بند تھی اور اس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ تنہائی تھی اور آزادی تھی۔ بے فکری اور ہر طرح کا اطمینان وسکون تھا۔

''تمہیں یہ نادر تدبیر کیسے سوجھی......؟'' میں نے اس کی مخمور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''مجھے ابھی تک چین نہیں آیا۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں۔''

اس کے رسیلے، بھرے بھرے، سرخ اور گداز ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم رقصاں تھی۔ وہ رسیلی آواز میں بولی۔

''جس وقت تم موٹر بوٹ پر روانہ ہوئے میں واپس نہیں گئی تھی۔ ڈوک پر کھڑی ہوئی تھی۔ تمہیں اس وقت تک دیکھتی رہی تھی جب تک تم نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔ میں تمہاری سلامتی اور کامیابی کے لئے دل میں بھگوان سے پرارتھنا کرتی رہی۔ میں نے سوچا کہ واپس جا کر کیا کروں۔ کیوں نہ تمہارا انتظار کروں...... تھوڑی دیر کے بعد چھ آدمی ڈوک پر آئے۔ وہ اپنی وضع قطع اور چہرے مہروں سے چھٹے ہوئے غنڈے اور بدمعاش لگ رہے تھے۔ ان کا سرغنہ ایسی خوفناک شکل کا تھا میرے سارے بدن پر جھرجھری سی آ گئی۔ تم نے مجھے جو کچھ بتایا تھا اس سے اور ان کے اشارے کنایوں اور گفتگو سے میں نے اندازہ کر لیا کہ معاملہ کچھ گھمبیر ہے۔ مجھے ایک ان جانا سا خوف محسوس ہوا۔ معاملہ بہت سنگین، نازک اور خطرناک نوعیت کا ہے۔ میں نے ہر قیمت پر تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اتم کمار کی لانچ ہے۔ میرے اس سے دیرینہ مراسم ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے مہربان دوست بھی ہیں۔ پھر میں نکل پڑی۔ میں سوچنے لگی کہ تمہاری کس طرح مدد کی جا سکتی ہے۔ میں نے اس جزیرے پر تین موٹر بوٹیں دیکھیں جس میں یہ بدمعاش سوار ہو کر گل آئی لینڈ کی طرف جا رہے تھے۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ مجھے فوراً ہی اسکیٹنگ کا خیال آیا۔ اس کا لباس

میرے پاس نہیں تھا۔ میں ملبوس لباس میں اسکیٹنگ کرتی تو انہیں شک ہوجاتا۔ انہوں نے مجھے ڈوک پر اس لئے نہیں دیکھا تھا کہ میں اس وقت ٹیلی فون بوتھ میں فون پر ہوٹل بات کررہی تھی۔ میرے لئے بے لباس ہونا کوئی مسئلہ نہیں...... تم یہ بات جانتے ہو کہ میں حجابی کی عادی ہوں۔ زر پرستوں نے مجھے دولت کا لالچ دے کر...... اور میں خود دولت کے حصول کے لئے ہر حالت میں نجی محفلوں میں رقص کرتی رہی ہوں۔ مرد ہوس پرست ہوتے ہیں۔ جانے کیوں وہ کسی دوسری عورت کو بے حجاب دیکھ کر بہت خوش اور محظوظ ہوتے ہیں۔ اتم کمار اور میرے درمیان بھی کوئی پردہ نہیں رہا ہے۔ پھر میں نے اتم کمار سے اور...... جو لانچ چلا رہا ہے اس سے بھی مشورہ کیا اور اپنا خیال ظاہر کیا۔ اس نے میری تائید کی۔ پھر میں نے لباس سے آزاد ہو کر اسکیٹنگ کی۔ میں نے بہت دور سے دوربین سے دیکھ لیا تھا کہ وہ مکروہ اور خوف ناک شکل کا بدمعاش تمہارے ساتھ کیا سلوک کررہا ہے اور تم چھ عدد بدمعاشوں کے نرغے میں ہو۔ ان کے رحم و کرم پر ہو اور وہ مسلح بھی ہیں۔ میری تدبیر کامیاب رہی۔ وہ مجھے بے لباس دیکھ کر میری طرف پوری طرح متوجہ ہوگئے۔ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ پانسہ فوراً ہی پلٹ گیا اور وہ غنڈے بازی ہار گئے۔ بھگوان نے بڑی کرپا کی۔ تم صحیح سلامت میرے پاس ہو۔"

"میں تمہاری ذہانت پر جتنا عش عش کروں اور اس کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔" میں نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا۔ "تم میرے لئے دیوی ہو۔"

"یہ تعریف تو تم میرے ہاں چل کر بھی کرسکتے ہو۔" وہ بولی۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں دستاویزات مل گئیں جس کے لیے تم نے جان کی بازی لگائی؟"

"نہیں...... ابھی وہ میری ملکیت میں نہیں ہے۔" میں نے اس کے بالوں کو ہٹاتے اور سہلاتے ہوئے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں قید کرلیا۔ اس لمحے ایک خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح آیا کہ میرے آنے کے بعد وہ بدمعاش پھر سے دستاویزات کی تلاش کریں۔ شاید وہ سیاہ بکس تلاش کرنے میں کامیاب بھی ہوجائیں۔ مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوگئی تھی۔ مجھے ان بدمعاشوں کو موٹر بوٹ میں سوار کروا کر بھیج دینا تھا۔ اب کوتاہی پر پچھتانے کا یہ وقت نہیں تھا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا تھا۔ میں اب بھی بہت کچھ کرسکتا تھا اور ان غنڈوں سے نمٹ سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ انہیں پہلی فرصت میں جزیرے سے بھگا دینا چاہئے۔ میرے ذہن میں جو تدبیر آئی تھی وہ میں نے روپا چندروتی کو بتادی۔ ہماری لانچ دوسرے جزیروں کی طرف رخ کرکے جارہی تھی۔ اب غنڈوں سے سامنا ہونے کا خوف و خدشہ نہیں رہا تھا اور پھر ہماری لانچ انتہائی تیز رفتار تھی۔ ان کی موٹر بوٹیں اس کی گرد کو بھی نہیں پاسکتی تھیں اور انہیں تعاقب کرنے سے

کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

سب سے پہلے مجھے ان بدمعاشوں کے سرغنہ کو پانی سے نکالنا تھا جسے میں پانی میں چھوڑ آیا تھا۔ ہماری لانچ کا رخ اس جزیرے کی طرف نہیں تھا جس پر بدمعاش ابھی تک موجود تھے۔ اس جزیرے کی طرف جارہی تھی جو اس جزیرے سے تین سو گز کے فاصلے پر واقع تھا تھوڑی ہی دیر کے بعد ہماری لانچ اس جزیرے کے گرد چکر کاٹنے لگی۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ جزیرے پر موجود بدمعاش ہماری نقل و حرکت کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ایک تو ان کے پاس دوربین موجود تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ ہماری لانچ دور سے ہی دکھائی دیتی تھی۔ جب ایک پورا چکر لگ گیا تب میں نے لانچ رکوائی۔ ادھر کنارے پر گھنے درختوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔

لانچ کے رکتے ہی میں نے خشکی پر چھلانگ لگائی...... پھر برق رفتاری سے اندر کی طرف لپکا۔ دراصل میں نے انہیں فریب دینے کے لئے چال چلی تھی کہ دستاویزات اس جزیرے پر موجود ہیں اور میں انہیں لینے جارہا ہوں تاکہ وہ اس جزیرے پر دستاویزات کی تلاش ترک کردیں اور پھر نا امید اور مایوس ہو کر لوٹ جائیں۔ پھر میں کسی مناسب وقت پر ان دستاویزات کو آکر نکال کرلے جاؤں...... اس تدبیر کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں تھی اور میں عجلت بازی کرکے ساری محنت پر پانی پھیرنا نہیں چاہتا تھا۔

میں نے بدمعاشوں کے سرغنہ کو پانی سے نکالنے کا خیال ترک کردیا۔ کیوں کہ اس کے ساتھیوں نے میرے جانے کے بعد اسے پانی سے نکال لیا ہوگا۔ جب وہ وہاں سے رخصت ہوں گے تو اجیت اور اس کے ساتھی کی لاش بھی شاید جزیرے پر چھوڑ جائیں۔ انہیں انسانوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب لانچ واپس جانے لگی تو روپا چندروتی جو عرشہ پر میرے ساتھ کھڑی اس جزیرے کی طرف دیکھ رہی تھی اس نے پوچھا۔ "جانی!...... کیا تمہارے خیال میں بدمعاش دھوکا کھا گئے ہوں گے...... جبکہ وہ بڑے عیار اور شاطر اور چالاک معلوم ہوتے ہیں؟"

"ہاں۔" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کی نازک کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اور قریب کرلیا۔ "اس کے علاوہ یہ حرام زادے کف افسوس بھی مل رہے ہوں گے...... اس بات سے بھی خوف زدہ، ہراساں اور پریشان ہوں گے کہ وہ پروفیسر کو کیا جواب دیں گے؟"

"تم نے ان بدمعاشوں کے سرغنہ کی جو درگت بنائی اس نے مجھے بہت خوش کردیا۔" روپا چندروتی بولی۔ "میں تمہاری جگہ ہوتی تو میں اسے شوٹ کردیتی...... اس نے تم پر کس قدر تشدد کیا۔ بربریت کی اور تمہارا کیا حال کردیا...... تم نے اسے بخش کیوں دیا؟"

''میں نے جو اس کا حشر نشر کیا وہ اسے ساری زندگی بھلا نہیں سکے گا۔'' میں نے کہا۔ ''وہ شاید اب ہفتہ دس دن بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔''

''اگر ایسی بات ہے تو تم نے بہت اچھا کیا جو اس سے بدلہ لے لیا۔'' روپا چندروتی خوش ہو کر بولی۔ ''درندوں کا ایسا ہی دردناک انجام ہونا چاہئے۔''

ڈوک پر پہنچنے کے بعد میں نے اور روپا چندروتی نے اتم کمار کا شکریہ ادا کیا جب وہ اپنی لانچ لے کر رخصت ہو گیا تو اس نے پوچھا۔

''دیوا......! اب تمہارا کیا پروگرام ہے......؟ اب ہم کہاں جائیں گے......؟ کیا تم سریتا کو خوش خبری سنانے جاؤ گے......؟''

''کیا تم میرے ساتھ چلو گی......؟'' میں نے اس کی بات کی تہہ میں پہنچ کر حیرت سے پوچھا۔ ''میں سریتا کے پاس نہیں جا رہا ہوں۔''

''ہاں میری جان!...... میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' اس نے میرے گلے میں باہیں حمائل کر کے میٹھے لہجے میں جواب دیا۔ محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اگر ایسی بات ہے تو ہم ہوٹل چندریکا چلیں گے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

''ہوٹل چندریکا کیوں......؟'' اس کی نظریں سوالیہ نشان بن گئیں۔ ''تم اپنے ہوٹل کیوں نہیں چلتے......؟ وہاں چل کر آرام کرتے ہیں۔''

''اس لئے کہ اس سے زیادہ محفوظ مقام کوئی اور نہیں ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''یہ اس شہر کے غیر معروف علاقے میں ہے اور مجھے ابھی پروفیسر نارنگ کے لوگوں کی نظروں سے بچ کر رہنا ہے۔ وہ خون خوار شکاری کتوں کی طرح مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔''

روپا چندروتی کی گاڑی چوں کہ دوسرے ڈوک پر پارک تھی اور وہ یہاں سے خاصے فاصلے پر تھا اس لئے ہمیں ایک ٹیکسی کرنی پڑی، ہم ہوٹل چندریکا سے نصف فرلانگ پہلے ہی اتر گئے۔ چلتے چلتے کوئی چھ سات دکانوں میں ہم داخل ہوئے تھے...... کیوں کہ مجھے فوری طور پر کچھ اشیا کی سخت ضرورت تھی۔ میں نے انہیں خریدنے کے بجائے چرایا۔ کیوں کہ ان اشیا کے خریدنے میں خطرے کا اندیشہ تھا اور میں روپا چندروتی کو خرید کر دینے کے لئے بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے اس کے سر پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے۔

مجھے ایک نقلی سیاہ بکس تیار کرنا تھا جو پونم کے بکس سے ملتا جلتا ہو۔ اس طرح ایک بکس ایک کباڑیے کی دکان پر مل گیا۔ اتفاق سے ہو بہو اس طرح اور سائز کا بھی تھا اور بہت اچھی حالت

میں بھی تھا۔ اس کا مالک بہت بوڑھا تھا اور اس کی بینائی بھی بہت کمزور تھی۔ میں نے اسے باتوں میں لگا کر اس بکس کو چرا لیا تھا۔ میں نے کسی اور چیز کا سودا کیا۔ رقم دی، دانستہ وہ چیزیں میں بھول آیا۔ بوڑھے کو معلوم بھی نہ ہو سکا۔ پھر دوسری دکانوں سے سیلنگ، لاکھ، موم اور کچھ کاغذات حاصل کئے۔ پھر ہوٹل کی طرف چل دیئے۔

ہوٹل پہنچ کر میں نے ڈیسک کاؤنٹر سے کمرہ نمبر دس کی چابی لی اور کمرے میں داخل ہوا۔ ایک شخص ریوالور تھامے ہمارا منتظر تھا۔ روپا چندروتی خوف زدہ ہو کر میرے جسم سے چپک گئی۔ پھر وہ مرتعش آواز میں بولی۔ ''یہ بن بلایا مہمان یہاں کر کیا رہا ہے؟''

میں نے اس کی کمر تھپتھپائی۔ اسے اپنے سینے سے الگ کر کے دروازہ بند کیا اور اس سے دریافت کیا۔ ''کیا تم جام پی رہے ہو؟''

''ہاں......'' اس نے اثباتی انداز میں سر ہلایا۔ پھر اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''الیکشن میں کون کامیاب ہوگا؟''

''کانگریس پارٹی کا نریندرا......!'' میں نے اسے مخصوص لہجے میں جواب دیا۔ ''تم نے ہمیں ڈرا ہی دیا تھا۔ تم سے اس انداز میں ملنے کی امید نہیں تھی۔''

''آپ کی مطلوبہ اشیا اس بریف کیس میں موجود ہیں۔'' اس نے مسکرا کر ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور اس بریف کیس کی طرف اشارہ کیا جو میز پر رکھا ہوا تھا۔ ''مجھے یہاں تک پہنچنے کے لئے رشوت دینا پڑی۔ آپ کے ساتھ کوئی لڑکی ہوگی آپ نے بتایا نہیں۔''

''یہ محض اتفاق ہے۔'' میں نے اسے جواب دیا۔ ''آپ نے اس لڑکی کو پہچان لیا ہوگا۔ یہ مشہور و معروف رقاصہ روپا چندروتی ہے اور آپ نے اس کا رقص دیکھا ہوگا۔ یہ میری دیرینہ اور با اعتماد دوست ہے۔ آپ اس کی موجودگی سے مطمئن رہیں...... بریف کیس...... ہوٹل تک پہنچانے کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کو بڑی زحمت ہوئی...... میں آپ کی کیا خاطر کروں؟ وہسکی یا کوئی اور ڈرنکس......؟''

''میں مس روپا چندروتی کے مداحوں میں سے ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں نے ان کے بہت سے رقص کے پروگرام دیکھے۔ میرے پاس ان کا آٹو گراف ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ان سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ان سے اتفاقی ملاقات ہو جائے گی۔'' پھر اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر روپا چندروتی سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ دونوں میں چند رسمی کلمات کا تبادلہ ہوا۔ پھر اس نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ مجھے اس زحمت کا معقول معاوضہ ادا کیا گیا ہے۔ ڈرنکس رہنے دیں۔''

وہ تھوڑی دیر روپا چندروتی سے باتیں کرتا اور اس کے حسن اور رقص کی تعریف کرتا رہا۔ جب وہ رخصت ہونے کے لئے اٹھا تو میں نے اس سے اس کا ریوالور مانگا تو اس نے بغیر کسی سوال اور تذبذب کے میرے حوالے کر دیا۔ مجھے ریوالور کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے اس خبیث کا ریوالور پانی میں پھینک دیا تھا۔

اس کے رخصت ہونے کے بعد میں نے دروازہ بند کیا تو روپا چندروتی نے پوچھا۔ ”جان من!...... آخر یہ سب کیا ہے؟ بتانا پسند کرو گے؟“

”میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اس لئے کہ تم نے میرے لئے جو ایثار و قربانی دی میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا ہوں۔“

پھر میں نے بریف کیس کھولا...... اس میں مختلف چیزیں موجود تھیں۔ انہیں نکال کر میز پر رکھنے لگا۔ ٹیپ ریلی...... فوٹو اسٹیٹ فوٹو...... اور دیگر دستاویزات جو ایک طرح سے جعلی تھیں لیکن دیکھنے میں بالکل اصلی دکھائی دیتی تھیں۔ اس کے لئے غارت گری ہو رہی تھی۔

میں نے روپا چندروتی کے پوچھنے پر اسے اصل بات بتائی۔ ”اصل دستاویزات تو جزیرے پر موجود ہیں...... یہ جعلی دستاویزات تو پروفیسر نارنگ کو دھوکا دینے کے لئے ہیں۔“

پھر میں نے ایک ایک کر کے تمام چیزوں کو بستر پر پھیلایا۔ ایک طرح سے انہیں سجا دیا تھا۔ پھر پونم کی انگلی سے اتاری ہوئی انگوٹھی جس میں P کا حرف کندہ تھا وہ...... اور سر بمہر کرنے والی لاکھ...... ماچس اور دیگر چیزیں...... ان کا بہ غور جائزہ لیا۔ پھر اس کے بعد ان کی گنتی کی...... جب ان کی گنتی کر چکا تو...... پھر اس سیاہ بکس میں رکھا جسے میں نے چوری کیا ہوا تھا اسے مقفل کر کے بڑی احتیاط سے سر بمہر کر دیا...... میں نے لاکھ پر انگوٹھی سے مہر لگانے کے بعد اسے جیب میں رکھ لیا۔

روپا چندروتی کرسی پر بیٹھی بڑی حیرانی سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ وہ الجھی بھی گئی تھی کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ میں نے اس کے چہرے کے تاثرات بھانپتے ہوئے کہا۔ ”تم تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کر لو کہ یہ جزیرہ گل آئی لینڈ سے لایا ہوا بکس ہے۔“

”تم بکس کہاں لائے...... ؟ وہ تو کچھ جھاڑیاں تھیں...... جن پر تم نے کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔“ روپا چندروتی حیرانی سے بولی۔ ”میں کچھ سمجھی نہیں۔“

”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے دشمن کو دھوکا دینے کے لئے یہ ڈراما رچایا تھا۔“ میں نے اس کی حیرانی دور کرتے ہوئے کہا۔ ”تم نہیں جانتیں دشمن اس سیاہ بکس کے لئے کیسا پاگل ہو رہا ہے۔ اسے ہر قیمت پر یہ سیاہ بکس چاہئے۔ جب تک اس کے ہاتھ بکس نہیں لگ جاتا اس وقت تک اسے چین نہیں آئے گا۔ اسے تو شاید رات کو نیند بھی نہیں آتی ہو گی۔“

”کیا تمہارے خیال میں دشمن دھوکا کھا جائے گا...... ؟“ روپا چندروتی نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ”جب کہ وہ بہت ہی ہوشیار ہے۔“

”جو عقل کل ہوتے ہیں وہ دوسروں کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ جو دوسروں کو بے وقوف سمجھتا ہے وہ خود بے وقوف ہوتا ہے۔“ میں نے کہا۔

میں نے پروفیسر نارنگ کے لئے ایک جال بچھایا تھا۔ اسے یہ اطلاع ملنے والی تھی کہ میں جزیرے سے دستاویزات لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ میں نے نہ صرف اجیت کو بلکہ ایک اور ساتھی کو موت کی نذر کر دیا ہے۔ سرغنہ کی بھی ایسی تیسی کر دی۔

اب جو اس کا ردعمل ہو سکتا تھا اس کا مجھے اندازہ ہو سکتا تھا اور تھا بھی کہ...... وہ پیشہ ور قاتلوں کو یہ حکم صادر کرے گا کہ میری بیخ کنی کی جائے...... ان جعلی دستاویزات کو پانے کے بعد سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اصل دستاویزات میرے پاس ہوں گی۔ اس سے سیاہ بکس کو حاصل کرنے کے بعد میرے لئے میدان صاف ہو جاتا...... میں کسی روک ٹوک کے بغیر ممبئی جا سکتا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی اور نہ ہی صدمہ ہوتا کہ میں نے اجیت، اس کے ساتھی اور گرگوں کے سرغنہ کا تیا پانچہ کر دیا...... تب کسی کے فرشتے کے علم میں یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ اصلی دستاویزات کو میں ساتھ لے جا رہا ہوں۔

جب وہ ان جعلی دستاویزات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا تو وہ موردالزام رگھوناتھ کو ٹھہرائے گا کہ اس نے دھوکا دیا...... پونم نے یہ رگھوناتھ سے حاصل کیا تھا۔ پھر مجھ تک یہ دستاویزات پہنچ گئیں۔ دیوا نہیں جانتا تھا اور نہ اسے علم تھا کہ یہ دستاویزات جعلی ہیں۔

پونم نے رگھوناتھ سے یہ دستاویزات کیسے حاصل کیں...... سریتا نے مجھے اس کا پس منظر بتایا تھا۔ پونم روسی ایجنٹ تھی۔ اسے روسی سراغ رسانی کے ایک افسر نے بتایا تھا کہ رگوناتھ کے پاس ایک سیاہ بکس ہے۔ اس سیاہ بکس میں ایسی دستاویزات ہیں جس سے وہ لاکھوں ڈالر کما سکتی ہے...... اس افسر نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ رگھوناتھ کی نوجوان اور حسین لڑکیاں بہت بڑی کمزوری ہیں۔ وہ تمہیں دیکھے گا تو تم پر ریشہ خطمی ہو جائے گا۔ وہ روسی افسر کی محبوبہ تھی۔ اس کے بستر کی زینت بنتی رہتی تھی۔ روسی افسر نے اس سے کہا تھا کہ ان دستاویزات کو فروخت کرنے سے جو رقم حاصل ہو گی اس میں اس کا پچاس فیصد حصہ ہو گا۔ پونم نے رگھوناتھ سے ایک سیاح لڑکی کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا۔ رگھوناتھ اسے ہوٹل لے گیا۔ رگھوناتھ کو خبر نہیں تھی کہ یہ روسی ایجنٹ ہے۔ اس نے رگھوناتھ کو تین دن اور تین راتیں خوش کیا ایک روز اس کی شراب میں بے ہوشی کی دوا ملا دی۔ روسی افسر کو اطلاع دینے سے پیشتر وہ سیاہ بکس لے گئی۔ روسی افسر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ پروفیسر

نارنگ سے رابطہ کرے۔ رگھوناتھ نے چنائے کے ہوٹل میں کمرہ بک کرایا تھا۔ روسی افسر نے رگھوناتھ کو قتل کر دیا اور اسے چنائے پہنچنے نہیں دیا۔ پونم کی قسمت اچھی تھی۔ روسی افسر دہلی میں گاڑی کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا۔ پونم نے ایک روز پروفیسر نارنگ سے ٹیلی فون پر رابطہ کر کے ان دستاویزات کے بارے میں سودے بازی کی تھی۔ رگھوناتھ کی پراسرار گمشدگی اس کے لئے ایک معمہ بن گئی تھی۔

اس نم آلود کمرے میں یہ جعلی بلیک میل دستاویزات اس وقت میرے لئے ایک اثاثے سے کم نہیں تھیں...... اور پھر میں یہ چاہتا تھا کہ اس کھیل کا جتنا جلد ہو سکے ڈراپ سین ہو جائے۔ یہ میرے لئے اتنا ہی سودمند ثابت ہوگا...... میں نے جو منصوبہ بنایا ہوا تھا اس کے لئے مجھے ویٹر جیسے بدمعاش کی اشد ضرورت تھی۔ ویٹر نے نہ صرف میرا ریوالور قبضے میں کر لیا تھا بلکہ مجھے سمندر میں پھینک کر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اس سے حساب بے باق کرنا تھا۔ اس نے نہ جانے کتنے بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہوئے تھے۔

میں پہلی فرصت میں ویٹر کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ اس کا اصل نام جوکر تھا۔ اسے جونی بھی کہہ کر پکارتے تھے۔ میری بلا سے اس کا جو بھی نام تھا۔ اس وقت روپا چندروتی بے حد جذباتی ہو رہی تھی اور محبت بھری باتوں سے میرے کانوں میں رس ٹپکا رہی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ ہم دونوں کو عارضی جدائی کی فوری ضرورت ہے۔ کیوں کہ ایک گھنٹہ کے بعد یہ کمرہ ہنگامے کا مرکز بن جائے گا۔ میں اس سے پھر ملوں گا۔

روپا چندروتی کو اس بات پر سخت حیرت تھی کہ...... میں نے اس سیاہ بکس کو سربمہر کیوں کر دیا......؟ میں نے اسے سمجھایا کہ...... سربمہر ہونے سے پروفیسر نارنگ یہ سمجھے گا کہ یہ وہ بکس ہے جو پونم نے رگھوناتھ سے حاصل کیا تھا۔ اس کی انگوٹھی کی مہر اس کی تصدیق کر دے گی کہ یہ اصل دستاویزات ہیں۔ میں نے سوچا کہ میں کوئی عیب، بھول اور خامی نہ رہنے دوں۔ ورنہ کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

پھر مجھے یک لخت یہ خیال آیا کہ...... پونم کو بے رحمی اور سفاکی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ اب وہ اس کی نعش کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں گے۔ جب وہ اس کے ہاتھ میں انگوٹھی نہیں دیکھیں گے تو انہیں شک ہو جائے گا کہ...... اس کی موت کے بعد اس کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار لی گئی ہے۔ پھر بنا بنایا سارا کھیل بگڑ جائے گا...... اب مجھے کوئی نہ کوئی تدبیر فوری طور پر کرنی تھی۔

روپا چندروتی جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تو میں بھی اسے رخصت کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ وہ چند لمحوں کے بعد کمرے سے نکل گئی۔

روپا چندروتی بڑے جذباتی انداز میں رخصت ہوئی تھی۔ وہ اپنی خوشبو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد میں ہوٹل سے نکلا تو میرے ذہن پر اس کا جادو چھایا ہوا تھا۔ لیکن یہ وقت اس کے جادو سے کیف حاصل کرنے کا نہیں تھا...... دراصل میں جتنا جلد ہو سکے پونم کے کاٹیج پہنچ کر پونم کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا دینا چاہتا تھا۔

میں جلد ہی وہاں پہنچ گیا...... اور اپنی گاڑی اس کاٹیج سے قدرے دور کھڑی کر دی۔ اس وقت رات کا اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں دبے پاؤں اور بڑے محتاط انداز سے بڑھا۔ اس لئے کہ دشمن کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ تب مجھے ایک لمحے کے لئے ایک آوارہ سا خیال آیا تھا کہ کہیں یہاں پونم کی روح تو نہیں ہوگی......؟ میں نے اپنے اس خیال کو جھٹک دیا۔ اب اس کا یہاں کیا کام......؟ اس نے اپنے قاتل سے بدلہ لینا تھا لے لیا...... پھر وہ جیسے آئی تھی ویسے واپس چلی گئی تھی۔

میں اپنے دشمن کو دھوکا دینے کے لئے اپنی گاڑی میں نہیں آیا تھا۔ میں ایک گاڑی چرا کے پہنچا تھا۔ کیوں کہ ٹیکسی میں آنے سے اس کا ڈرائیور بدمعاشوں کے لئے گواہ بن جاتا...... مجھے ان بدمعاشوں کا بھی خیال آ رہا تھا جو جزیرے پر رہ گئے تھے۔ وہ وہاں سے واپس آئے کہ نہیں اس کی کوئی اطلاع نہیں تھی اور پھر مجھے اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ پونم کی لاش کاٹیج میں موجود بھی ہے یا نہیں...... کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے ٹھکانے لگا دیا گیا ہو۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں تھا۔ کیوں کہ بدمعاش میرے تعاقب میں تھے۔

میں نے کاٹیج کے پاس پہنچ کر یہ اطمینان کیا کہ...... وہاں کوئی بدمعاش موجود ہے یا نہیں...... ویسے اس کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا۔ پھر بھی میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا...... جب میں نے بیرونی دروازہ کھولا تو گوشت جلنے کی کراہت انگیز بو نے میرا استقبال کیا۔ کمرا بند ہونے کی وجہ سے اس بو کی تیزی ابھی تک برقرار تھی...... مجھے بڑے زور کی ابکائی آئی تھی۔

میں اس کمرے کی طرف تیزی سے بڑھ گیا تھا جس میں پونم کی لاش تھی...... میری آنکھیں چوں کہ اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں اس لئے مجھے پونم کی لاش نظر آ گئی۔ میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا تھا کہ وہاں پونم کی روح موجود ہوگی...... پونم کی لاش موجود تھی...... اسے ابھی تک لے جایا نہیں گیا تھا...... پھر میں نے جلدی سے انگوٹھی والے ہاتھ کی اس انگلی میں جس میں سے انگوٹھی اتاری گئی تھی پہنا دی۔ تب مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے سر سے منوں بوجھ اتر گیا اور میرے اعصاب ہلکے ہو گئے۔

میں کمرے سے باہر نکلنے والا ہی تھا کہ چاپیں سنیں جو بیرونی دروازے کے باہر سنائی دے

رہی تھیں۔اب میرے لئے پونم کے پلنگ کے نیچے چھپنے کے سوا چارہ نہیں رہا تھا...... میرے لئے موقع نہیں رہا تھا کہ میں کسی دوسرے کمرے میں جا کر چھپ جاؤں۔

مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ یہ لوگ کیسے وارد ہوئے...... کیوں کہ مجھے نہ تو ان کی گاڑی کی آواز سنائی دی تھی اور نہ ہی روشنی نظر آئی تھی۔یہ تو بدروحوں کی طرح آدھمکے تھے۔کہیں ایسا تو نہیں کہ پونم کی روح نے ان بدروحوں کو بھیجا ہو کہ اس کی لاش کو وہاں سے غائب کر دی جائے...... اگر وہ پونم کو بری طرح نہ کوستے تو میں یہی سمجھتا کہ پونم کی روح نے اس بدروحوں کو بھیجا ہے۔وہ اس لئے پونم کو کوس رہے تھے کہ انہیں اس ناوقت ایک ناگوار کام انجام دینا پڑ رہا ہے۔ان کے ذمے یہ کام اس لئے ڈالا گیا تھا کہ اجیت کے جرم پر پردہ ڈالا جا سکے......لیکن اب وہ خود اس دنیا میں کہاں رہا تھا جس نے بہیمانہ طور پر پونم کو موت سے ہم کنار کیا تھا۔شاید ابھی تک پروفیسر نارنگ کو اجیت کی خبر نہیں ملی ہو۔ورنہ وہ پونم کی لاش کو ٹھکانے لگانے یہاں نہیں بھیجتا۔

ایک آواز کمرے کے سکوت میں گونجی۔''یار! جلدی سے روشنی کر دو...... نجانے کیوں مجھے ہول سا آ رہا ہے۔دل بیٹھا جا رہا ہے۔''

میں نے دل میں سوچا کہ...... آخر یہ بھی انسان ہیں...... انہوں نے دولت کے لالچ میں اپنا ضمیر مردہ کر لیا۔انسان سے بعض اوقات آدمی کتنا مجبور اور بے بس ہو جاتا ہے...... ظاہر تھا کہ اس تعفن اور بو سے متاثر ہونا فطری امر تھا۔

دوسرے لمحے روشنی ہوگئی۔مجھے صرف چار پاؤں دکھائی دیئے۔شاید ان کے اور ساتھی باہر موجود ہوں۔وہ کمرے میں آ کر پونم کی لاش کو چادر میں لپیٹ کر لے گئے۔یہ چادر وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔میں نے پلنگ کے نیچے سے نکلنے میں عجلت نہیں دکھائی۔اس لئے بھی کہ انہوں نے کمرے سے نکلتے وقت روشنی گل نہیں کی تھی۔

کوئی چار پانچ منٹ کے بعد میں نے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تو باہر نکل آیا۔پھر کاٹیج سے نکل کر میں نے ادھر ادھر دیکھا شاید کوئی بدمعاش موجود نہ ہو۔احتیاط لازم تھا۔پہلے تو سوچا کہ سریتا کے پاس جاؤں۔اسے خوش خبری سناؤں کہ اب وہ آزاد ہو چکی ہے۔اسے اپنے سفاک، ظالم، بے رحم اور خبیث پتی سے نجات مل چکی ہے۔اسے ساری کہانی سناؤں کہ اجیت نے پونم کو کس بربریت اور بہیمانہ طریقے سے قتل کیا۔اس کی زندگی کو ارزاں سمجھا۔اسے نذر آتش کر دیا...... پونم کی روح نے کس طرح اس سے انتقام لیا۔اگر میں جا کر اسے یہ خوش خبری سناتا تو مجھے جانے نہ دیتی۔ساری رات جشن مناتی۔اس لئے میں نے اس کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

میں کاٹیج کے برآمدے سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔اسے میں نے ایک کاٹیج کے

سامنے کھڑا کیا تھا۔اس کاٹیج میں روشنی ہو رہی تھی۔وہ شک نہیں کر سکتے تھے۔انہیں یہ تاثر ملتا کہ یہ گاڑی اس کاٹیج والے کی ہے۔کاٹیج کے پورچ میں اور باہر کوئی گاڑی نہ تھی۔

اب میں خطرناک حد تک تیز رفتاری سے گاڑی چلاتا ہوا جو کر یعنی ویٹر سے دو دو ہاتھ کرنے جا رہا تھا۔مجھے سریتا سے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ پدما ہوٹل میں مقیم ہے...... میں خیر و عافیت سے ہوٹل پہنچ گیا۔میں نے اس گاڑی کو خاصی دور اندھیرے میں کھڑا کیا تاکہ پولیس کی نظر نہ پڑ سکے۔کیوں کہ اس کے مالک نے چوری کی رپورٹ درج کرادی ہوگی اور پولیس سرگرمی سے تلاش کر رہی ہوگی۔میں نہیں چاہتا تھا کہ ابھی گاڑی پولیس کے اور مالک کے ہاتھ لگ جائے ابھی مجھے اس کی سخت ضرورت تھی۔میں ہوٹل کی طرف پیدل چل پڑا۔

میرے سینے میں ویٹر سے جو انتقام لینے کی حسرت تھی وہ اس وقت آگ کی صورت میں بھڑک رہی تھی۔اب وقت آ گیا تھا کہ اس سے حساب بے باق کر کے اس سرزمین کو اس کے ناپاک وجود سے صاف کر دوں۔وہ ننگ انسانیت تھا۔انسانیت کے نام پر کلنک کا ٹیکہ...... ایسے ظالموں کو اس معاشرے میں زندہ رہنے کا حق نہیں تھا...... اس نے اپنے خون آشامی سے نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو موت کی نیند سلایا تھا۔زندہ رہنے کی صورت میں نجانے اور کتنے بے گناہ اس کے ہاتھوں زندگی سے محروم ہو جاتے۔

وہ اب پروفیسر نارنگ جیسے ظالم، جرائم پیشہ مافیا سے مل کر خون کی ہولی کھیل رہا تھا۔میں نے ایک ویٹر کی مٹھی گرم کر کے ویٹر کے بارے میں معلوم کر لیا تھا۔وہ اس وقت کہیں جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا اور اپنے کمرے میں موجود تھا۔میں نے اس کے دروازے پر دستک دینے سے پہلے ریوالور کو مضبوطی سے پکڑ لیا تاکہ میں اس کے قابو میں نہ آ جاؤں۔

دستک دینے پر چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔مجھے دیکھ کر وہ بھونچکا ہو گیا اور اسے جیسے یقین نہیں آیا۔اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا اور کچھ کہتا میں نے اس لمحے سے فائدہ اٹھا کر ریوالور کے دستے سے ضرب لگائی اور اس کے پیٹ پر لات رسید کی تو وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا کمرے کے وسط میں جا گرا۔میں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا۔اس کی پیشانی پر ایک گومڑ نکل آیا۔

جب وہ کراہتا ہوا سنبھل کر کھڑا ہوا تو پیٹ پکڑے ہوئے تھا۔لات زوردار لگی تھی۔میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔''بچو! دیوار کی طرف گھوم جاؤ۔''

''کیوں......؟'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے پوچھا۔''کیا میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں جو حکم دے رہے ہو؟''

''خبیث کی اولاد......'' میں نے دہاڑتے ہوئے کہا۔''میں جو کہہ رہا ہوں اس پر سیدھی طرح

عمل کرو۔ زیادہ اکڑ دکھانے کی ضرورت نہیں......"

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف گھومنے لگا۔ لیکن کن انکھیوں سے میری حرکات وسکنات کو دیکھے جارہا تھا۔ میں نے جب ریوالور کو اوپر اٹھایا تب اس نے برق سرعت سے میرے حملے سے بچنے کی کوشش کی...... مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے بچاؤ کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ وہ ایک چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ میرے ریوالور کے بٹ نے اس کی کھوپڑی بجادی۔ اگر میں مستعد اور چوکنا نہ ہوتا تو پانسہ پلٹ جاتا...... وہ بے حال ہو کر فرش پر میرے قدموں کی طرف گرنے لگا۔ یہ اس کی اداکاری تھی تاکہ میری ٹانگوں کو پکڑ کر گرادے۔ مگر میں تو اس کے باپ کا باپ نکلا۔ اس نے مجھے شاید الو کا پٹھا سمجھا ہوا تھا۔ میں فوراً ہی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی یہ کوشش اس کا منہ چڑانے لگی۔ وہ منہ کے بل فرش پر آرہا۔

اس جیسے سخت جان سؤر کو بے ہوش کرنے کے لئے ایک ضرب ناکافی تھی۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے اس کی کھوپڑی کی پشت پر دو زبردست ضربیں ریوالور کے بٹ سے لگائیں۔ اب وہ پوری طرح بے ہوش ہو کر فرش پر بکھر چکا تھا۔

میں نے پہلے تو اچھی طرح سے اپنا اطمینان کرلیا کہ یہ واقعی بے ہوش ہو چکا ہے یا نہیں...... اس پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ اب واقعی بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے اپنی تسلی کرنے کے لئے اس کی پسلی میں ایک زبردست ٹھوکر ماری تھی۔

پھر میں نے اس کے کمرے کی تلاشی لینا شروع کیا۔ اس کی میز کی دراز میں میرا محبوب ترین دیرینہ ساتھی میرا ریوالور موجود تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر پہلے تو رومال سے صاف کیا۔ پھر اسے ایک لڑکی کی طرح چوم کر جیب میں رکھ لیا۔ مجھے اس کے پانے کی ایسی خوشی ہوئی جیسے کسی بچھڑے دوست کو پاکر ہوتی ہے۔ یہ میرا دوست اور ہمدم بھی تو تھا۔ وہ بہت سے مواقع پر بہت کام آیا تھا۔

وہ چوں کہ کسی سؤر کی طرح سخت جان تھا اس لئے مجھے زیادہ دیر تک بے ہوش نہیں رہا تھا۔ اس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر میری طرف دیکھا۔ پھر اس نے بے جان سے لہجے میں پوچھا۔ "تم کس لئے آئے؟ تم کیا چاہتے ہو......؟"

"میں تمہارے سر کی درگت بنانا چاہتا ہوں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہاری کھوپڑی جو ہے......"

اس نے درمیان میں کہا...... "تم میری کھوپڑی کے دشمن کیوں ہو رہے ہو......؟ یہ تم اچھا نہیں کرو گے؟"

"تم نے کلب میں میرے ساتھ جو حرکت کی تھی جانتے ہو اس کی سزا کیا ہے......؟" میں نے اس کی کمر پر لات مار کر کہا۔

"تو تم اس روز کا بدلہ لینے آئے ہو۔" اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں نے اس کے منہ پر ایک زوردار لات رسید کردی۔

"تم نے میرے ساتھ جو حرکت کی اس کی سزا موت ہے۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "تم نے مجھے موت کے منہ میں دھکیلا تھا...... میری قسمت اچھی تھی جو میں بچ گیا تھا...... موت کا بدلہ موت...... میں تم سے اس حرکت کا بدلہ لینے آیا ہوں۔ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ......"

اس سے پہلے کہ وہ میری بات کا جواب دیتا میں نے پھر اس کی کھوپڑی بجادی۔ وہ بے ہوش ہو کر ساکت و جامد ہو گیا۔

تھوڑی دیر تک اس پر بے ہوشی طاری رہی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے کہا۔ "تم مجھے مارنا چاہتے ہو تو مار کیوں نہیں رہے؟"

"میں تمہیں ابھی مارنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔ "میں تم پر اس صورت میں رحم کھا سکتا ہوں کہ...... تم میرے پارٹنر بن کر ہر اس جگہ چلو گے جہاں میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا...... انکار کی صورت میں تمہاری لاش اس کمرے میں سڑتی رہے گی۔"

میں نے اس کی جو اچھی طرح سے مزاج پرسی کی تھی اس نے اس کے مزاج درست کردیئے تھے اور وہ زخمی بھی ہو گیا تھا۔ اس کے لئے انکار اور میری بات نہ ماننے کی گنجائش نہ رہی تھی۔ اب اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں کیا چیز ہوں۔ وہ دل میں مجھ سے خائف بھی ہو گیا تھا شاید...... اس نے میرے حکم کی بلا چوں و چرا تعمیل کی۔ وہ میری گاڑی تک بڑی شرافت اور خاموشی سے چلا آیا تھا۔ میں چوکنا تھا کہ کہیں وہ شرارت نہ کرے اور بدمعاشی پر نہ اتر آئے۔ لیکن وہ سدھائے ہوئے جانور کی طرح رہا تھا۔ جب وہ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھا تو میں نے اس کے سر پر پھر ضرب لگا کر بے ہوش کردیا۔ اسے بے ہوش کرنا اشد ضروری تھا۔ کیوں کہ وہ مار آستین کی مانند تھا۔

ہوٹل چندریکا میں، میں نے بے ہوش ویٹر کو کھڑکی سے اپنے کمرے میں گرادیا۔ اس کام کے لئے مجھے پورا زور صرف کرنا پڑا تھا۔ چوں کہ زندگی اور موت کا سوال تھا...... اس لئے ہر قسم کی تکلیف اور مشقت کو سہہ رہا تھا...... اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں تھی۔ بعض اوقات وہ کچھ کرنا پڑتا ہے جو بڑا اذیت ناک ہوتا ہے۔ جان تو ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔ میں اس سے یہاں بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔

اس نے ہوش میں آنے کے بعد پانی مانگا۔ میں نے پانی کے بجائے اسے گرم گرم کافی

پلائی۔ پھراس نے میرے پوچھنے پر قدرے تفصیل سے بتایا۔

اس نے مجھے جو بتایا وہ یہ تھا...... اس نے مجھ سے کاٹیج کے باہر لڑائی کے بعد پروفیسر نارنگ کو ٹیلی فون کر کے بتایا تھا...... پروفیسر نارنگ نہ صرف اسے بلکہ اپنے آدمیوں سے بھی میری نگرانی کے لئے کہہ دیا تھا۔ اس نے چھ عدد غنڈوں کو اجیت کی حفاظت کے لئے گل آئی لینڈ کے جزیرے پر بھیجا تھا......اس کا خیال تھا کہ میں ایک عام قسم کا جاسوس ہوں۔ اجیت مجھ سے باآسانی نمٹ لے گا......

پھراس نے ویٹر سے رابطہ کر کے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا...... ویٹر چوں کہ لاعلم تھا اس لئے اس نے پروفیسر نارنگ کو بتادیا کہ اسے ان لوگوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے...... پھر پروفیسر نارنگ نے آخری ہدایت یہ دی تھی کہ وہ ایک گھنٹہ تک نہیں لوٹیں تو وہ خود جاکر ان کے بارے میں معلوم کرے اور اسے رپورٹ دے۔ پروفیسر نارنگ کے خیال میں معاملہ بے حد سنگین ہو گیا تھا۔

میں نے ویٹر سے پروفیسر نارنگ کو اس لئے ٹیلی فون کرایا تھا کہ...... وہ جان لے کہ کاغذات دیوا کمار کے پاس ہیں تاکہ وہ اپنے آدمیوں کو جزیرے سے واپس بلالے...... پھر وہ دستاویزات مجھ سے چھیننے کے لئے اپنے آدمیوں کو روانہ کر دے گا......اس طرح اصل دستاویزات ان کے ہاتھ لگنے سے محفوظ رہیں گے...... دراصل مجھے ایک خوف دامن گیر تھا کہ ان کی تلاش سے اتفاقیہ اصل دستاویزات ہاتھ نہ لگ جائیں۔

پھر میں نے ایک گھنٹہ کے بعد...... ویٹر سے کہا کہ...... وہ پروفیسر نارنگ کو ٹیلی فون کر کے کہے کہ......اس کا ٹکراؤ ساحل پر دیوا کمار سے ہو گیا تھا......اس کے ہمراہ ایک حسین لڑکی تھی وہ اس کے ساتھ دستاویزات حاصل کرنے کی خوشی میں جشن منانے جارہا تھا۔ اس کے پاس دستاویزات بھی تھیں جو ایک سیاہ بکس میں تھیں...... اس نے دیوا سے گن پوائنٹ پر دستاویزات چھین لیں...... مگر وہ ان دستاویزات کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایک لاکھ ڈالر دے...... وہ پروفیسر نارنگ کو ہرگز نہ بتائے کہ وہ کہاں سے بول رہا ہے۔

ویٹر نے میری ہدایت پر بہت اچھی طرح سے عمل کیا تھا...... اس نے بڑی سمجھ داری سے بات کی تھی...... لیکن پروفیسر نارنگ اپنے زرخرید غلام سے کاروباری بات سن کر بہت بری طرح چراغ پا ہو گیا تھا...... پھر دوسرے لمحے کچھ سوچ کر ایک دم سے ٹھنڈا ہو گیا...... پھر اس نے ویٹر سے کہا کہ وہ کچھ سوچ کر جواب دے گا۔ اس سے کہا کہ وہ ایک گھنٹہ کے بعد ٹیلی فون کرے تاکہ وہ کوئی فیصلہ کر سکے۔

پروفیسر نارنگ کا چراغ پا ہو جانا فطری امر تھا...... ہماری بلی ہم سے میاؤں...... بہرحال اس نے تدبر سے کام لیا تھا اس لئے کہ وہ دستاویزات اس کے لئے کس قدر قیمتی ہیں وہ جانتا تھا۔ وہ

اس کے لئے ایک لاکھ کیا دو لاکھ ڈالر بھی دے سکتا تھا۔

ویٹر کے چہرے پر گہرا استعجاب تھا، وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا کہ میں کس لئے پروفیسر نارنگ کے ساتھ یہ کھیل...... کھیل رہا ہوں، ویسے وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں پروفیسر نارنگ سے مذاق کر رہا ہوں۔ اسے بے وقوف بنا رہا ہوں۔ تفریح لے رہا ہوں۔

اس میں اتنی عقل کہاں تھی کہ وہ میرے منصوبے کی تہہ میں پہنچ سکے۔ اگر اس میں عقل ہوتی تو وہ جرائم پیشہ نہ ہوتا اور نہ ہی اس راستے پر آنکھیں بند کر کے چلتا۔ کوئی اچھا آدمی بن جاتا۔ شریفانہ زندگی گزارتا۔ وہ صرف غلامی کرنا اور سرغنوں کا احکام بجالانا جانتا تھا۔

میں نے اس کے لئے وہسکی کی بوتل منگوائی۔ اس کا پیگ بنا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ بوتل اس لئے کہ وہ پیتا رہے۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

"تم جوکر...... جونی جو بھی ہو یہاں بیٹھے رہو۔ میں ہوٹل کے کلرک سے مل کر آرہا ہوں۔ مجھے ٹیلی فون اور پیغامات کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔"

پھر میں نے نیچے جاکر ٹیلی فون بوتھ سے پروفیسر نارنگ کو فون کیا۔ اس کے آدمی نے کہا کہ چند منٹ صبر کرو۔ پھر پروفیسر نارنگ سے رابطہ ہو گیا...... میں نے اس سے کہا۔ "پروفیسر نارنگ!...... میں دیوا کمار بول رہا ہوں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ دستاویزات آپ کے آدمی جو ویٹر ہے اس کا نام جوکر یا جونی ہے اس کے پاس ہیں۔ میں نے یہ دستاویزات اجیت سے چھین لیے تھے۔ میں ایک لڑکی کے ساتھ اسے پانے کے بعد ہوٹل جشن منانے جارہا تھا کہ ساحل پر اس سے میرا ٹکراؤ ہو گیا اور اس نے گن پوائنٹ پر سیاہ بکس جس میں کاغذات ہیں چھین لیا...... اب میرے پاس نہیں ہے۔ میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ آپ کے آدمی میری جان کے درپے ہیں۔"

"اگر تمہاری بات سچ ہوئی تو میرا کوئی آدمی تمہیں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔" پروفیسر نارنگ نے مجھے یقین دلایا۔ "وہ کہاں ہے؟"

"وہ آپ کو بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔" میں نے جلتی پر تیل چھڑکا۔ "اگر مجھے علم ہوتا کہ اس کا تعلق آپ سے ہے تو میں اس معاملے میں اپنی ٹانگ نہیں اڑاتا...... میں تو یہ سمجھتا تھا کہ اس کا تعلق اجیت کمار سے ہے...... وہ اس وقت ہوٹل چندریکا میں کمرا نمبر دس میں موجود ہے اور وہسکی سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ آپ فوراً ہی اپنے آدمی کو بھیج دیں۔ آپ میرا نام بیچ میں نہ لائیں۔"

"یہ اطلاعات فراہم کرنے کا بہت بہت شکریہ!" پروفیسر نارنگ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "دستاویزات مل جانے پر تمہیں انعام دوں گا۔"

"میں نے انعام کے لالچ میں یہ اطلاعات فراہم نہیں کی ہیں۔" میں نے کہا۔ "میں نے

آپ کی غلط فہمی دور کرنے کی غرض سے کہا ہے۔"

پھر میں نے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ اب مجھے مزید کچھ کہنا اور سننا فضول ہی تھا۔ مجھے جو کام کرنا تھا وہ میں نے کر دیا تھا۔ پروفیسر نارنگ نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ سیاہ بکس ملنے کے بعد مجھ سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا...... وہ ایک عالمی غنڈہ اور جرائم پیشہ تھا۔ اس کے جہاز میں جو بھی لوگ تھے۔ ملاح، ڈرائیور، اور کپتان وغیرہ بھی پیشہ ور قاتل اور مجرم تھے۔

میں نے یہ راہ اس لئے اختیار کی تھی کہ...... لوہے کو لوہا کاٹتا ہے...... اگر میں کسی شریف اور بے گناہ شخص کے ساتھ یہ حرکت کرتا تو انتہائی ذلالت اور کمینے پن کی بات ہوتی...... ایک مذموم اور گھناؤنی حرکت...... میں نہیں جانتا تھا کہ ان بھیڑیوں کے ہاتھوں مارا جاؤں...... اتنی اہم دستاویزات ان کے حوالے کر کے دنیا سے رخصت ہو جاؤں...... میں پروفیسر نارنگ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ جسے معمولی جاسوس سمجھ رہا ہے اس کے برعکس ہے۔ ویسے میں اس کے خلاف بھی منصوبہ سوچ رہا تھا۔ دکھ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ سفاک قاتل اور مافیا قانون کے ہاتھوں سے بچا ہوا تھا۔ اسے ابھی تک کوئی سزا نہیں ملی تھی۔ یہ انسانیت پر ایک داغ تھا۔

میں کمرے میں پہنچا تو ویٹر کسی سعادت مند بچے کی طرح بیٹھا ہسکی حلق سے اتار رہا تھا۔ وہ میرے ہاتھوں سے بہت بری طرح پٹ چکا تھا۔ کسی نے اس کا ایسا حشر نشر نہیں کیا اور میں نے اس کی جو درگت بنائی تھی وہ آخری سانس تک بھول نہیں سکتا تھا نہ بھولنا چاہئے تھا۔ مجھے اس پر قطعی ترس نہیں آیا۔ اس پر ترس کھانا ایسا ہی تھا جیسے مار آستین پر...... اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ مجھ پر تشدد کر کے موت کی نیند سلا دیتا...... زخمی ہونے کے باعث خاموش تھا۔

"دیوا......!" اس نے غراتے ہوئے میری آنکھوں میں قہر آلود نظروں سے جھانکا۔ "تم اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ میں تمہیں بخش دوں گا۔"

"تم کہتے ہو تو میں تمہاری بات کا یقین کئے لیتا ہوں۔" میں مسکرا دیا۔ "تمہارے دل میں میرے خلاف کیا حسرت ہے بتا تو دو......!"

"میں تم سے گن گن کر بدلہ لوں گا دیوا......" اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔ "تم نے مجھے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ میں دشمن کو معاف نہیں کرتا۔"

"تم نے میرے ساتھ کیا کیا یہ تم کیا بھول گئے ہو؟" میں نے کہا۔ "میں بھی اپنے دشمن کو معاف نہیں کر سکتا...... اس سے ایسا بدلہ لیتا ہوں کہ وہ آخری سانس تک نہیں بھولتا ہے۔ اب تم اپنی چونچ بند رکھو...... میں تمہاری کیا کسی کی بھی بکواس سننے کا عادی نہیں ہوں۔"

"اب تم مجھے جانے دو۔" اس نے بگڑ کر برہمی سے کہا۔ "تم نے بہت گت بنا دی ہے۔ میں

اپنے ہوٹل میں جا کر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"لگتا ہے کہ تمہارا دماغ ابھی تک ٹھکانے نہیں آیا ہے۔" میں نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "کہو تو اسے درست کر دوں؟"

"نہیں...... نہیں......" وہ گڑگڑایا۔ "اب مجھے مت مارنا۔ اب مجھ میں مار کھانے کی سکت نہیں رہی۔ تم نے مار مار کر میرا بھرتہ بنا دیا ہے۔"

"تو پھر خاموشی سے بیٹھو۔" میں نے اسے ڈانٹا۔ "تم نے مزید بکواس کی تو تمہیں مار مار کر سور بنا دوں گا۔ تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں کیسا سنگ دل ہوں۔"

پھر میں نے ڈرامے کے ڈراپ سین کی تیاری شروع کر دی۔ میرے خیال میں پروفیسر نارنگ نے اپنے آدمیوں کو احکامات صادر کر دیئے ہوں گے کیوں کہ اس شبھ کام میں وہ لمحوں کی بھی دیر نہیں کرتا۔ یہ دستاویزات جس کے لئے وہ دور دراز کا سفر کر کے آیا تھا۔ وہ کیسے چاہ سکتا تھا کہ اس کے پانے میں تاخیر کرے۔ کیا معلوم تاخیر کرنے کی صورت میں وہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھے...... ویٹر کسی اور سے ان کا سودا کر لے۔ وہ کسی قیمت پر ان سے محروم ہونا نہیں چاہتا تھا۔ پھر اس کے آدمی اس جانب نکل پڑے ہوں گے۔

میں نے جعلی دستاویزات کے سیاہ بکس کو ایک ایسی جگہ رکھ دیا کہ وہ دروازے اور کھڑکی میں سے نظر آ سکے۔ میں نے کھڑکی کا پردہ گرا کر وہاں کرسی رکھ دی۔ پھر ویٹر کو کرسی پر بٹھایا۔ کھڑکی کے پردے پر اس کی پرچھائیاں پڑ رہی تھیں۔

ویٹر نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ...... یہ احمقانہ حرکت کیوں اور کس لئے ہے؟ وہ مجھے ہونقوں کی طرح دیکھتا رہا۔ جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آخر یہ سب کچھ کیا مقصد رکھتا ہے...... میں نے چند لمحوں کے بعد تالی بجائی۔ میں نے اس سے چند لمحے پہلے سخت لہجے میں کہا تھا کہ...... میں تالی بجاؤں تو تم ایک چکر لگا کر اس پر بیٹھ جانا...... میں نے تالی بجاتے ہی اس نے فوراً ہی میری ہدایت پر عمل کیا...... اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے کا ایک چکر لگا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس دوران میں اسے ریوالور کی زد میں لے رہا...... کیوں کہ وہ ایک دھوکے باز کی طرح تھا جو موقع ملتے ہی فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

اس وقت ویٹر کی حالت بڑی غیر ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس نے جب کسی بھی بے گناہ کو نشانہ بنانا چاہا...... نشانہ بنایا...... اس پر ظلم تشدد کیا ہو گا اور اس نے منت سماجت کی...... گڑگڑایا...... اور رحم کی بھیک مانگی تو ترس کھایا ہو گا؟ اب شاید اسے احساس ہو رہا تھا کہ تشدد سے کسی پر کیا گزرتی تھی۔ وہ ایک موذی سانپ کی طرح تھا۔ ذرا سی مہلت ملنے پر ڈس سکتا تھا...... میرے

ہاتھ سے بچ جانے کی صوت میں پہلے سے زیادہ جرائم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکتا تھا..... اس لئے وہ ہرگز ہرگز قابل معافی نہیں تھا۔

اور پھر ہم دونوں ایک ایسے دوراہے پر کھڑے ہوئے تھے کہ ہم میں سے ایک زندہ رہے..... اس کی زندگی اہم اور قیمتی نہ تھی کیوں کہ وہ ایک زہریلا سانپ تھا۔ اس کا سر کچل دینا اس لئے بھی ضروری تھا کہ وہ معصوموں کو ڈستا رہے گا۔

ویٹر ابھی تک میرے منصوبے کی تہہ میں نہیں پہنچ سکا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے یہی اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ ذہنی کش مکش میں مبتلا تھا۔ سوچ سوچ کر الجھتا جا رہا تھا۔ میرا منصوبہ جان لینے کے باوجود اس کا فرار ہونا بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ کیوں کہ میں اسے ریوالور کی زد میں لئے ہوئے تھا اور میری انگلی ٹریگر پر تھی۔ انتظار میں خاصا وقت بیت چکا تھا۔ میری بے تابی نے اسے چوکنا اور ہوشیار کر دیا تھا..... اور اس کے چہرے سے بوریت ظاہر ہونے لگی تھی۔

میرے اندازے کے مطابق اس ڈرامے کا کلائمکس جلد ہی ہونے والا تھا۔ میرے اندر ایک بے چینی سی ہونے لگی۔ کیوں کہ میں اسے ریوالور دینا چاہتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور آنے کی صورت میں وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا میں نہیں جانتا تھا۔ ریوالور نہ دینے کی صورت میں وہ لوگ مشکوک ہو سکتے تھے۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا کہ وہ کس راستے سے آئیں گے۔ کمرے کے دروازے یا کھڑکی سے.....؟

چند لمحوں کے بعد میں نے ریوالور اس کی طرف اچھال دیا۔ یہ ریوالور اس کا اپنا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا۔ اس کا چہرہ دمک سا گیا تھا۔ لیکن جب اس نے میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھا تو اس کا چہرہ متغیر سا ہو گیا۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا کہ میرے پاس بھی ریوالور ہو سکتا ہے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ میں نے اس کی بے ہوشی کے دوران اپنا ریوالور تلاش کر کے نکال لیا تھا۔ یہ میرا عزیز ترین اور باوقار دوست تھا۔ اس نے مجھے دھوکا نہیں دیا تھا۔ یہ ایک بااعتماد رفیق کار تھا۔

''یہ ریوالور تم نے مجھے کس لئے اور کیوں دیا.....؟'' ویٹر نے ششدر ہو کر پلکیں جھپکائیں۔
''تمہارے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ تم نے سوچا؟''
''اس لئے کہ یہ تمہارا ریوالور ہے اس لئے اسے اپنے پاس رکھو۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میرا ریوالور میری حفاظت کرنا خوب جانتا ہے۔''

اس نے مجھے اور میرے ریوالور کو دیکھا۔ میرے ریوالور کی نالی اسے گھور رہی تھی اور میں مستعد اور چوکنا تھا۔ اس نے ریوالور اپنی ران پر رکھ لیا۔

میں نے پہلے ہی سے ایک فولادی الماری کا انتخاب کر لیا تھا تاکہ اس کے پیچھے اپنے آپ کو اس طرح چھپالوں کہ پوری طرح محفوظ رہوں۔ یہ اس کمرے میں تھی۔ میں اس کے پاس کھڑا تھا..... میں دروازے اور کھڑکی سے دیکھنے والے کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔

لیکن ویٹر میرے عین سامنے اور میں اس کے دوبدو موجود تھا۔ ہم دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے کو اپنی گرفت میں لئے ہوئی تھیں۔

دو تین منٹ گزر گئے۔ میرے کان ہر قسم کی آواز سننے کے لئے باہر کی طرف لگے ہوئے تھے۔ کوئی آہٹ قریب سنائی نہیں دی تھی..... رات کے اندھیرے اور خاموشی میں کبھی کبھار کسی گاڑی کے گزرنے کی آواز آ جاتی تھی۔ پھر ایک سناٹا چھا جاتا تھا۔

''کیا ساری رات مجھے بت کی طرح کرسی پر بیٹھے رہنا ہوگا؟'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا یہ مجھے سزا مل رہی ہے؟''

''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اپنی چونچ بند رکھو.....؟'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تمہیں جو سزا ملنی ہے وہ مل کر رہے گی۔ تم بچ نہیں سکتے۔''

اچانک ایک گاڑی بے آوازسی آ کر رکی تھی۔ اس کی آہٹ ویٹر سن نہیں سکتا تھا..... اب مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کا حملہ کس سمت سے ہوگا..... ویٹر ابھی بھی کرسی پر براجمان تھا۔ تب میں نے فوراً تالی بجائی..... وہ فوراً ہی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے کمرے کا ایک چکر لگایا۔ پھر کرسی پر بیٹھا تو اس کی پرچھائیں کھڑکی کے پردے پر تیرنے لگی۔

ایک لمحے میں جو کچھ ہوا وہ ناقابل یقین نہیں تھا..... کھڑکی کے پردے میں دو سوراخ ہو گئے۔ سائی لینسر والے ریوالور نے ویٹر کا خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ فرش پر گر کر دم توڑ چکا تھا۔ دوسروں کی جان لینے والا خود اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔ جس طرح بے گناہوں کو قتل کرتا تھا آج وہ خود اسی طرح قتل ہو گیا تھا۔ وہ یہ جان نہ سکا کہ اس کا قاتل کون تھا۔

میں جلدی سے الماری کی اوٹ میں ہو گیا۔ کمرے کا دروازہ بے آواز کھلا۔ کسی نے کمرے میں قدم رکھا..... اس کی صورت مجھے دکھائی نہیں دی اور نہ ہی میں نے دیکھنے کی کوشش کی..... اور نہ ہی میں اسے دکھائی دیا تھا اور دے سکتا تھا۔

اس کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔ میں نے چاپوں سے اندازہ کیا تھا۔ اس مہم پر دو بدمعاش آئے تھے۔

''اس نے ہماری مشکل آسان کر دی اور ہمارا وقت بھی بچا دیا۔'' دوسرے نے کہا۔
''لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس نے سیاہ بکس یہاں کیوں رکھ چھوڑا تھا.....؟'' پہلے

نے حیرت سے پوچھا۔

''شاید وہ یہاں سے جانے والا تھا'' دوسرے نے جواب دیا۔ ''شاید اسے اطلاع مل گئی ہوگی ہم آنے والے ہیں...... اس لئے وہ ریوالور بھی لئے بیٹھا۔ شکار کرنے والا خود شکار ہوگیا۔''

''اچھا اب بکس اٹھاؤ چل پڑو...... یہ وقت باتوں کا نہیں ہے۔'' پہلے والے نے کہا۔

پھر وہ بکس لے کر نکل گئے۔ جب تک چاپیں معدوم نہیں ہوگئیں میں الماری کے پیچھے ہی کھڑا رہا تھا۔ میں نے جو ڈراما اسٹیج کیا تھا وہ فطری انداز میں ختم ہو چکا تھا۔ اس کا کلائمکس بے حد سنسنی خیز اور تحیر انگیز بھی تھا۔

ویٹر اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں نشانہ بن چکا تھا...... انہوں نے اس پر ذرہ برابر بھی رحم نہیں کھایا تھا اسے موت کا نسانہ بناتے ہوئے۔ کوئی افسوس اور صدمہ تک نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے اس طرح مار دیا تھا جیسے وہ کوئی کتا یا درندہ ہو۔ یہ ان کا برسوں کا ساتھی تھا۔ ہم نوالہ ہم پیالہ...... وہ ان کے ساتھ مل کر غارت گری اور خون خرابا کیا کرتا تھا۔ شراب پیتے تھے۔ لڑکیاں اور عورتیں اغوا کرکے ان کی اجتماعی آبروریزی کرتے تھے۔ جرائم پیشہ میں کوئی دوست اور ہمدرد نہیں ہوتا۔ انہیں صرف دولت سے غرض ہوتی ہے۔ بے ضمیر اور خون آشامی کے دلوں میں رحم کی رمق تک نہیں ہوتی۔ آخر ان کا ایک دن عبرتناک انجام ہو جاتا ہے۔

میں اس ہوٹل میں فرضی نام سے ٹھہرا ہوا تھا۔ میں اس ہوٹل میں روپا چندر وتی کو عقبی راستے سے لے گیا تھا۔ اسے وہاں کھڑا کرکے ڈیسک کلرک سے چابی لے کر گیا تھا۔ اس لئے کہ اس قتل کی واردات تحقیقات کی صورت میں اس کا نام نہ آئے اور اسے شامل نہ کرلیا جائے تفتیش میں، میں نے اپنے حلیہ میں ایسی تبدیلی کی ہوئی تھی ڈیسک کلرک پہچان نہیں سکتا تھا۔ میرے لئے راستہ صاف تھا۔

میں نے ویٹر کی لاش پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈالی۔ وہ کتے کی موت مرا تھا۔ وہ اسی قابل تھا۔

میں عقبی راستے سے نکل کر سریتا کے کاٹیج کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک ٹیلی فون بوتھ پر گاڑی روک کر ایک قریبی پولیس اسٹیشن کو فون کیا...... میں نے انہیں بتایا کہ ویٹر جس کا نام جونی اور جوکر بھی تھا اس کی لاش ہوٹل چندریکا کے کمرا نمبر دس میں پڑی۔ اسے اس کے ساتھیوں نے رقم کے تنازعہ پر قتل کیا ہے جو وہ کسی گھر پر ڈاکا مار کر لائے تھے۔ یہ کمرہ سری ناتھ مسافر کا تھا۔ ان لوگوں نے اسے بھی ٹھکانے لگا کر اس کی لاش کسی ویرانے کے گڑھے میں دفن کردی تھی۔ اس واردات کو صرف بیس منٹ ہی ہوئے ہیں۔

میں سریتا کے کاٹیج پر پہنچا...... وہ میرے انتظار میں بڑی بے چین ہو رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بے تابانہ میری طرف بڑھی۔ وہ میری بانہوں میں اس طرح سے سما گئی جیسے میں اس کا پتی ہوں۔

برسوں کی جدائی کے بعد ملا ہوں۔ اس پر ایک سرشاری سی طاری تھی۔

''دیوا......!'' وہ پرمسرت لہجے میں بولی۔ ''تمہیں ایک خوشخبری سناؤں......؟ میں بیوہ ہو چکی ہوں۔ میں آزاد ہوگئی ہوں۔''

''تم آزاد ہوگئی ہو بڑی خوشی کی بات ہے۔'' میں نے کہا۔ پھر میں نے انجان بن کر اس سے پوچھا۔ ''اتنی بڑی خوش خبری تمہیں کس نے سنائی کہ...... کہ تم آزاد ہوگئی ہو۔ تم سونے کے پنجرے سے نکل آئی ہو۔ مبارک ہو میری جان!''

''اجیت کے ایک ساتھی نے فون کرکے بتایا تھا'' وہ فرطِ خوشی سے بولی۔ ''مجھے کچھ دیر تک اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا......؟''

''یقین کیوں نہیں آیا......؟'' میں نے اس کی مخمور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''ہر آدمی کو مرنا ہوتا ہے ایک دن......''

''اس کے ساتھی نے مجھے صرف اتنا بتایا تھا کہ اجیت کو کسی نے قتل کردیا؟ کس نے؟ اس نے نہیں بتایا اور نہ میں نے پوچھا...... اس لئے کہ اس نے جیسے ہی اجیت کی موت کی، قتل کی اطلاع دی تھی میں نے خوشی سے پاگل ہو کر ریسیور رکھ دیا تھا۔'' وہ بولی۔ ''یقین اس لئے نہیں آیا کہ اسے قتل کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ کہتا تھا کہ دنیا میں کوئی ایسا پیدا نہیں ہوا جو اسے قتل کرسکے۔ اسے کس نے قتل کیا ہوگا؟''

''پونم ہے......'' میں نے کہا۔ میری نظروں میں پونم کی جلی نعش اور اس کی روح گھوم گئی۔ میرا سینہ کٹ گیا۔

''پونم نے......؟'' اس کے چہرے پر تحیر سا چھا گیا۔ ''وہ کیسے......؟ اجیت نے تو اس کے کاٹیج میں آگ لگا دی تھی۔ وہ بھی جل گئی تھی۔''

پھر میں نے شروع سے لے کر اجیت کی عبرتناک موت تک کا واقعہ تفصیل سے سنا دیا۔ وہ سن کر ششدر سی رہ گئی۔

''پونم کی آتما آئی تھی اس سے انتقام لینے......؟'' وہ حیرانی سے بولی۔ ''مجھے یہ سن کر کتنی حیرت اور خوشی ہو رہی ہے میں بتا نہیں سکتی...... میں نے پونم کو صرف ایک بار دیکھا تھا۔ جب وہ اپنے کاٹیج کی طرف جا رہی تھی۔ وہ بہت حسین تھی۔''

''اس کی دردناک موت کا مجھے بہت افسوس ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ ورنہ میں اسے اجیت اور موت سے بچا لیتا۔''

اجیت کی موت کی خبر سن کر اور بیوہ ہو جانے اور ایک شیطان کے پنجے سے آزاد ہونے پر اس

پر جوسرشاری طاری تھی۔ مجھے دیکھ کر اور سامنے موجود پا کر وہ دو چند ہو گئی تھی۔ اس پر شادیٔ مرگ کی جو کیفیت طاری تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی جھولی میں جیسے ساری دنیا کی خوشیاں بھر گئی تھیں...... ایک خوشی جو اس کے لئے ان سب سے بڑھ کر تھی وہ یہ تھی کہ...... اجیت کی موت کے بعد اس کا تعلق اب پروفیسر نارنگ سے نہیں رہا۔ وہ یہ سمجھتی تھی کہ اسے بھی کہیں اس گروہ میں شامل نہ سمجھا جائے۔ میں نے اسے دلاسا دیا کہ وہ بے فکر ہو جائے۔

ہماری آج کی رات ہنی مون کی رات سے کہیں حسین و رنگین تھی۔ ایسی پرجوش، والہانہ اور وارفتگی کی تھی کہ ہم جذبات کی افراتفری میں اپنے آپ کو اور دنیا و مافیہا کو بھی فراموش کر بیٹھے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ ایسی رات پھر کبھی نہیں آئے گی...... اور پھر مجھے زخموں کی بھی پروا نہیں رہی تھی۔ میں نشاط انگیز لمحات میں اپنا سارا درد بھول چکا تھا۔

تاہم اس نے اس کے بعد میری مرہم پٹی کر دی تھی۔ صبح تک ہم دونوں باتیں کرتے اور مستیوں کے طوفانوں کی زد میں رہے تھے۔ ناشتے کی میز پر مجھے اچانک یاد آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔ ''اجیت نے مرنے سے قبل اپنی جان بخشی کے لئے مجھ سے کہا تھا کہ تم نہ صرف سریتا کو لے لو بلکہ میری دولت بھی...... جو کاٹیج میں موجود ہے...... کیا اس نے اپنی دولت کاٹیج میں رکھی ہے؟''

''ہاں ہے تو...... لیکن کتنی ہے میں نہیں جانتی...... کتنی ہوگی؟'' اس نے جواب دیا۔ ''شاید تجوری میں ہے...... نہیں بھی ہو سکتی...... تجوری کوڈ نمبر سے ہی کھل سکتی ہے۔ لیکن میں یہ نمبر نہیں جانتی۔''

میرے لئے تجوری کا کھولنا مشکل نہ تھا۔ میں نے جو اجیت کا ذہن پڑھ لیا تھا اس میں کوڈ نمبر بھی تھا۔ میں نے جب تجوری کھولی تو ہم دونوں اچھل پڑے۔ ہمیں یقین نہیں آیا۔ ہم بھونچکا ہو کر ایک دوسرے کو اور تجوری کے خانوں کو دیکھنے لگے تھے......

تجوری میں جو تین خانے اور ایک دراز تھی اس میں کیا کچھ نہیں تھا۔ ایک خانے میں ڈالر، برٹش پاؤنڈ اور یورو کرنسی کے نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ دوسرے خانے میں ہیرے جواہرات اور سونے کے زیورات موجود تھے۔ تیسرے خانے میں صرف ہندوستانی کرنسی تھی۔

اتنی ساری دولت کو دیکھ کر سریتا کا حسین چہرہ کسی بلب کی طرح فیوز ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ بات کیا ہے۔ وہ کیوں افسردہ ہو گئی ہے۔

''کیا تمہیں اتنی ساری دولت دیکھ کر کوئی خوشی نہیں ہوئی؟'' میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کر لیا تھا۔ اس کی طرف دیکھا۔

''بہت خوشی ہوئی۔'' سریتا نے ٹوٹے لہجے میں جواب دیا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں

اداسی تیر گئی۔ ''تمہیں یہ دولت مبارک ہو۔''

''مجھے کیوں سریتا!'' میں نے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے اس کے پھول سے رخسار کو تھپ تھپایا۔ ''یہ دولت تمہاری ہے۔ تمہیں مبارک ہو۔''

''میری......؟'' اس کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا! ''نہیں جانی! یہ دولت میری نہیں ہے بلکہ تم اس کے مالک ہو۔ حقدار ہو۔''

مجھے اندازہ نہ تھا کہ سریتا کا دل اتنا بڑا ہے۔ اس میں لالچ بالکل نہیں ہے۔ اس بات نے مجھے متاثر کیا۔ ''یہ دولت میری کیسے ہے؟''

''وہ ایسے کہ میرا پتی اجیت تمہاری جان کا دشمن تھا۔ جب تم نے اپنے دشمن کو اس دنیا سے پاک کر دیا تو اس کی ساری دولت تمہاری ہوئی۔''

سریتا نے جواب دیا۔ ''جب دو ملکوں کے درمیان جنگ ہوتی ہے تو علاقہ اور دولت فاتح کی ہو جاتی ہے۔ تم کیا فاتح نہیں ہو؟''

''یہ جنگ دو ملکوں کے درمیان نہیں بلکہ دو آدمیوں کے درمیان تھی۔'' میں نے اس کی منجمد آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''پتی کی دولت اور جائیداد پتنی کی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ وارث ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ساری دولت تمہاری اپنی ہے۔ میری نہیں ہے۔''

''کیا......؟'' اس کی حیرت دو چند ہو گئی۔ اسے جیسے میری بات کا یقین نہیں آیا۔ ''اگر تم سچے دل سے کہہ رہے ہو تو احمق آدمی ہو۔''

''اچھا...... مخلص...... اور بے غرض...... اور انسان دوست اس دنیا میں احمق ہوتا ہے۔ کیا تم میرے احمقانہ پن کی وضاحت کرو گی؟''

''اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ مجھے قتل کر کے ساری دولت لے کر فرار ہو جاتا۔ تم نے مجھے قتل کیوں نہیں کیا اور دولت نہیں لے گئے۔''

''جو مقتول ہو وہ قتل کیسے کر سکتا ہے!'' میں نے شوخ لہجے میں کہا۔ ''میں مقتول نہ ہو گیا ہوتا تو شاید تمہیں قتل کر دیتا۔''

''مقتول......؟'' اس نے چونک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''تم کب سے مقتول ہو گئے......؟ تم زندہ سلامت ہو، تمہیں کس نے قتل کیا؟''

''تم نے میری جان!'' میں نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔ ''تم نے...... تمہارا چہرہ، حسن و شباب، یہ سب قتل کا سامان ہیں...... ان سے مہلک ہتھیار دنیا میں کوئی نہیں ہے...... بہر حال یہ ساری دولت تمہاری ہے۔ میں اس میں سے ایک کوڑی نہیں لوں گا لیکن اپنی فیس ضرور لوں

گا۔ کیوں کہ گھوڑا گھاس سے یاری کرے گا تو کھائے گا کیا۔ تم مجھے میری فیس دے دو۔''

''سچ دیوا......!'' اس نے فرطِ خوشی سے مجھے چوم لیا۔ ''یہ سب کچھ میرا ہے...... کہیں میں سپنا تو نہیں دیکھ رہی ہوں دیوا؟''

''یہ سپنا نہیں سریتا!'' میں نے کہا۔ ''تم نے اب تک اپنے پتی کی وجہ سے جو تکلیفیں اٹھائیں۔ اذیت سہی، یہ اس کے صبر کا پھل ہے۔''

''میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گی۔ دیوا......'' وہ وہ جذباتی ہوگئی۔ ''تم بہت عظیم انسان ہو۔ ایک دیوتا ہو۔ اوتار ہو۔''

''مجھے انسان ہی رہنے دو دیوتا نہ بناؤ۔'' میں نے کہا۔ ''میں بہت برا بھی ہوں۔ تم مجھے میری فیس دے دو۔ مجھے کچھ اور نہیں چاہئے۔''

''میں تمہاری فیس کیا دوں دیوا؟'' اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ 'یہ جو دولت ہے اس سے دگنی بھی دے دوں تو وہ کم ہے۔ کیوں؟''

''نہیں...... یہ رقم بہت زیادہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اب تم کروڑ پتی ہو۔ تم مجھے دس ہزار ڈالر اس میں سے بطور فیس دے دو۔''

سریتا نے تجوری میں سے دس ہزار ڈالر نکال کر مجھے دے دیئے۔ پھر میں نے اور سریتا نے غیر ملکی اور ہندوستانی کرنسی کے نوٹ نکال کر میز پر رکھے، میز جو کھانے کی تھی وہ نوٹوں کی گڈیوں سے تقریباً بھر گئی۔ وہ ایک کروڑ نوے لاکھ کی رقم تھی۔ یعنی غیر ملکی کرنسی...... ہندوستانی کرنسی ستر لاکھ...... ہیرے جواہرات اور زیورات کی مالیت بھی ایک کروڑ سے زیادہ ہی تھی۔ تجوری میں مرد اور عورتوں کی ایسی تصویریں نیگیٹوز بھی ملے جنہیں اجیت بلیک میل کر رہا تھا۔ اس نے یہ ساری دولت کالے دھندوں سے کمائی تھی۔ سریتا نے یہ بھی بتایا کہ اجیت کے تین بینکوں میں اکاؤنٹ ہیں لیکن وہ ان کی طرف نہیں دیکھے گی۔ یہ دولت اس کے لئے بہت کافی ہے۔

میں نے اس کی ساری رقم اور زیورات ایک بہت بڑے بریف کیس میں رکھ دیئے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔ ''اب تم ممبئی جا کر کیا کرو گی؟''

''میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ وہاں میرا اپنا ایک چھوٹا اور خوب صورت فلیٹ ہے۔ تم سے شادی کر کے اسے بسالوں گی۔'' وہ شوخی سے بولی۔

''آئی ایم ساری بے بی!'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''میں نہ تم سے شادی کر سکتا اور نہ ہی اپنا گھر بساؤں گا؟''

''وہ کس لئے......؟'' اس کے حسین چہرے پر ایک گھٹا سی چھا گئی۔ ''تم شاید روپا چندروتی

کے ساتھ شادی کر کے گھر بساؤ گے؟''

''اس لئے کہ میں شادی کا قائل ہی نہیں ہوں کیوں کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔'' میں کہنے لگا۔ ''تمہیں کچھ باتیں سچ سچ بتا دوں۔ میری زندگی میں لڑکیاں اور عورتیں بہار کے جھونکوں کی طرح آتی جاتی رہی ہیں...... ہنوز یہ سلسلہ ابھی جاری ہے اور جاری رہے گا۔ میرا تم سے ایک طرح سے غیر قانونی بیاہ ہوا اور ہم نے خوب دل بھر کے ہنی مون منایا اور تم بھی ایک دل نواز محبوبہ بنی رہیں، تم میں جو محبت، گرم جوشی اور خود سپردگی تھی وہ بیویوں میں نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اجیت نے تمہیں محبت نہیں دی اور تمہیں انجانے راستے پر بھی چلایا۔ اگر وہ تم سے سچی محبت کرتا تو تم مجھ پر اپنی محبت اور تن من نچھاور نہیں کرتی۔ اس میں تمہاری کوئی غرض نہیں تھی۔ تم مجھ سے محبت کرنے لگی تھی۔ بس تم یہ چاہتی تھی کہ کسی طرح اجیت سے نجات مل جائے۔ بیوہ ہو جاؤں...... روپا چندروتی بھی مجھ سے محبت کرنے لگی۔ دراصل ماضی میں، میں نے اسے ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات دلائی تھی۔ اب تم ممبئی جا کر ایک اچھی زندگی گزارو، گھر بسالو۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو دیوا......!'' وہ بولی۔ ''لیکن میں کس سے شادی کروں؟ وہ میری دولت کے حصول کے لالچ میں کہیں مجھے ختم نہ کر دے۔ آج کل کتنی ریاکاری اور منافقت ہے، ہر شخص دولت کا بھوکا ہے، وہ دولت کے حصول کے لئے ماں باپ اور بھائی کو بھی مار ڈالتا ہے۔''

''ایسا بھی ہے اور ایسا نہیں بھی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں۔ میرے خیال میں دیپک تمہارا بہترین شوہر بن سکتا ہے۔ تم اس سے شادی کر کے گھر بسالو...... وہ تم سے سچی محبت کرتا ہے۔ وہ بڑا بے غرض اور پر خلوص دوست بھی رہا ہے تمہارا...... کیوں؟''

''دیپک......؟'' سریتا بڑے زور سے چونکی، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''تم اس کے بارے میں کیسے جانتے ہو! مجھے ابھی ابھی اس کا خیال آیا تھا۔''

''بعض سوال ایسے ہوتے ہیں جس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔'' میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم چلنے کی تیاری کرو۔ میں تمہیں ہوائی جہاز میں سوار کرادوں۔ ایک ضروری کام درپیش ہے۔ ورنہ ساتھ چلتا۔ تمہارا یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ شاید اجیت کے گرگے تمہیں تنگ اور ہراساں نہ کریں۔ گو کہ اس کا امکان نہیں ہے۔ پھر بھی حفظ ماتقدم کا تقاضا ہے کہ تم احتیاط برتو۔ اب یہاں رہ کر کرنا بھی کیا ہے۔''

روانگی سے قبل سریتا اور میں نے زبردست جشن منایا۔ جانے سے پہلے میں نے تجوری میں کاٹ کباڑ بھر کے اسے سابقہ کوڈ نمبر سے مقفل کر دیا۔ اس بات کا امکان تھا کہ اس کے ساتھی دولت کے چکر میں اس تجوری کے لئے آئیں گے۔ جب میں اور سریتا ایئرپورٹ جانے کے لئے

نکلے تھے تب ہم نے انہیں ایک گاڑی میں اجیت کے کاٹیج کی طرف تیزی سے جاتے دیکھا تھا۔ اس میں سات عدد بدمعاش بیٹھے ہوئے تھے۔

سریتا کے دل میں دیپک کی محبت جاگ اٹھی تھی۔ دیپک کے ساتھ وہ بے رخی سے پیش آتی رہی تھی جبکہ وہ جانتی تھی کہ دیپک اس سے سچی محبت کرتا ہے۔ وہ مخلص، بے لوث اور خوددار ہے۔ سریتا کا میں نے ذہن پڑھ کر دیپک کے بارے میں جان لیا تھا۔ وہ بڑی حیران تھی کہ میں دیپک کو کیسے جانتا ہوں جبکہ اس نے مجھے کیا کسی کو بھی دیپک کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ سریتا ایئرپورٹ پر بڑے جذباتی انداز سے رخصت ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے لپٹ کر رو بھی پڑی تھی۔

میں سریتا کو رخصت کرکے جزیرے پر گیا اور وہ سیاہ صندوقچہ لے آیا جس میں اصل دستاویزات محفوظ تھیں۔ میں نے ایجنٹ سے باقی رقم وصول کرکے یہ صندوقچہ اس کے حوالے کردیا۔ ایک مشن ختم ہوا تھا اور دوسرا شروع ہوگیا تھا۔

پروفیسر نارنگ کی دوسرے دن کسی نامعلوم ملک کی طرف روانگی تھی۔ اس نے ابھی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اسے کس ملک جانا ہے وہ جعلی دستاویزات سے خوش اور مطمئن ہوگیا تھا۔ دوسرے دن جب اس کا جہاز روزانہ ہوا تو اس میں ملاح سے لے کر کپتان تک قاتل اور درندہ صفت موجود تھے۔ جن سے انسانیت کو خطرہ لاحق تھا۔ جہاز چنائے کی بندرگاہ سے دس کلومیٹر پر تھا کہ اس جہاز میں تین زبردست دھماکے یکے بعد دیگرے ہوئے۔ جہاز کے پرخچے اڑ گئے۔ اس میں ایک بدمعاش بھی نہیں بچا۔

نہ صرف لوگ بلکہ پولیس بھی حیران تھی کہ یہ کس کا کارنامہ تھا......؟ کس نے انسانیت پر احسان عظیم کیا تھا۔ لوگ پروفیسر نارنگ اور اس کے تمام گروہ کے بدمعاش مرجانے پر، دنیا سے نیست و نابود ہوجانے پر......لوگوں نے سکھ و چین کا سانس لیا تھا۔ پولیس نے بھی زیادہ دلچسپی اس لئے نہیں دکھائی تھی کہ خس کم جہاں پاک......پروفیسر نارنگ اور اس کے ساتھیوں کو جو سزا ملی تھی وہ ضروری بھی تھی۔

میں نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ میں نے یہ کارنامہ کس طرح انجام دیا۔ روپا چندروتی کو بھی نہیں۔ اسے اعتماد میں لینے سے کچھ حاصل نہ تھا۔ یوں بھی اسے زیر زمین دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ صرف ایک شخص ہمراز تھا۔ با اعتماد تھا۔ جس کی مدد اور تعاون اور منصوبے سے کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ سریتا نے مجھے پانچ ہزار ڈالر مزید دیئے تھے کہ میں پروفیسر نارنگ اور اس کے جہاز اور گروہ کو ختم کردوں۔ میں نے یہ ساری رقم لکھنؤ سوامی کو دے دی تھی تا کہ وہ جرائم کی دنیا سے نکل کر باعزت زندگی گزار سکے۔ اس نے یہ کام بغیر کسی غرض اور لالچ کے کیا تھا۔

میرے دونوں مشن بخیر وخوبی انجام پا گئے تھے۔ اب میں فرصت میں تھا۔ روپا چندروتی کے اب یہاں شو نہیں تھے۔ دو دن بعد وہ بنگلور جانے والی تھی، جہاں اسے کئی شو کرنے تھے، اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں دو دن اس کے ساتھ گزاروں۔ میں کیسے انکار کرسکتا تھا۔ وہ میری محسن تھی۔ ہم دونوں نے یہ دو دن ایک دوسرے کی معیت میں گزارے تھے۔ محبت بھری باتوں میں، قرب میں......اس میں جو کیف تھا وہ جذبات کی رو میں بہکنے میں نہیں تھا۔ یہ دو راتیں دو دن ہم آغوش اور ہربان میں نہیں گزرے تھے۔ روپا چندروتی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بنگلور میں شو کرنے کے بعد شادی کرکے اپنا گھر بسالے گی۔ اس کا منیجر جو ہے وہ ایک اچھا ہے۔ ایمان دار اور مخلص بھی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں بہت آلودہ ہوچکی ہوں اور اس شرط پر شادی کرنے کے لئے تیار ہے کہ میں پھر کبھی پلٹ کر اس زندگی اور پیشے کی طرف نہیں جاؤں گی۔ مجھے دولت تو بہت مل رہی ہے۔ لیکن اچھا دوست نہیں ملا۔ نہ ہی جیون ساتھی۔ اب میرا منیجر سدھو میرے دل کو لگا......میں دولت کے حصول کے لئے ناچتی ہوں۔ جو امیر لوگ وہ میرا ناچ دیکھ کر راتوں کو بلاتے ہیں۔ وہ راتیں کالی کرنے کے لئے منہ مانگی رقم دیتے ہیں۔ میرا ناچ بے لباس دیکھتے ہیں۔ بستر گرم کرتے ہیں میں نے ان کی کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اتنی دولت جمع کرلی ہے کہ بڑھاپا سکون سے گزر سکے۔ جوانی، حسن اور بدن کی دلکشی کب تک ساتھ دے سکتی ہے۔ تم نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ تم شادی نہیں کروگے۔ میں تمہیں ایک اچھے دوست کی طرح یاد رکھوں گی۔

میں دہلی جارہا تھا تو روپا چندروتی مجھے رخصت کرنے آئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ بے حد غمزدہ تھی۔ بہرحال وہ ایک عجیب عورت تھی۔

☆......☆......☆
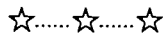
انیل پرکاش کی لاش کو کسی وجہ سے چتا پر جلایا نہیں گیا تھا۔ اس کی ایک قبر بنا کر اس میں اسے دفن کردیا گیا تا کہ پھر اس کی لاش کو جلا کر اس کی راکھ کو سمادھی بنادی جائے۔ اس نے یہ وصیت کی تھی۔ اس لئے اس کی وصیت پر عمل کیا گیا تھا۔ لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ کیوں کہ وہی قبر کھود کر انیل پرکاش کی لاش قبر سے اس طرح نکالی گئی جیسے وہ کسی کتے کی لاش ہو۔

شمشان گھاٹ میں کم وبیش دو ہزار سے زائد مشتعل اور بپھرے ہوئے لوگوں کا ہجوم تھا۔ اس کی لاش کی جو بے حرمتی کی گئی اس کا تصور کوئی بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس کا لباس اتار کر اس کے پرزے اڑادیئے گئے۔ پھر تابوت سے اس کی لاش نکال کر اس پر تھوکا گیا۔ لاتوں اور جوتوں سے اس کا جسم نشانہ بنایا گیا۔ پھر اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے گئے۔ اب انیل پرکاش کا جسم جو چیتھڑے چیتھڑے ہوچکا تھا وہ جلانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ لہٰذا اس کا گوشت کتوں کو اور گدھوں کو

کھلا دیا گیا تھا۔

پھر وہ تمام لوگ شمشان گھاٹ سے نکل کر پولنگ اسٹیشن چلے گئے تھے تاکہ وہ اپنے ووٹ ڈال سکیں۔ اس عبرتناک واقعہ کو تین دن ہوئے تھے۔ اس کی لاش کے بخیے ان لوگوں نے ادھیڑے تھے جو اس کے پرستار رہ چکے تھے۔

ان لوگوں نے اسے ایسی الفت بخشی جو بے پناہ محبت سے کہیں زیادہ تھی۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ اسے مرنے کے بعد راس نہیں آئی۔ لیکن اب وہی لوگ اس سے ایسی نفرت کرنے لگے تھے جو نفرت سے بھی زیادہ تھی۔ اس کی کوئی انتہا نہ تھی۔

جہنم کے شعلے بھی اتنے تیز وتند اور فلک پیما نہیں ہوں گے۔ جتنے اس قوم کی نفرت اور غضب کے شعلے سے انیل پرکاش نے ایک عجیب وغریب دھوکا کھایا تھا۔ وہ پوری قوم کو بے وقوف بناتا رہا تھا۔ اس کے فریب کا پول اس دن کھلا تو لوگ غیض وغضب سے جلتی سوکھی گھاس کی طرح بھڑک اٹھے اور اس کی لاش جو امانتاً دفن تھی اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔

اگر وہ شخص اس کا پول نہ کھولتا۔ وہ بدستور انیل پرکاش کو اپنے خیالات اور من کے نہاں خانوں میں دیوتا بنا رکھا تھا اور اس کی پوجا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک وہ بھگوان کا درجہ رکھتا تھا۔ لیکن اس کے فریب کا پول کھولنے والا کون تھا؟

میرے سوا کون ہو سکتا ہے...... بے شک یہ میں تھا...... میں یعنی...... آپ کا خادم دیوا کمار۔

میری ذات کسی سے خصوصاً جو میرے کارنامے پڑھتے تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ میں ایک ایسا شخص ہوں جو ٹیلی پیتھی کا ماہر ہوں۔ میں نے انسانیت کی، دیش کی اور ستائے ہوئے لوگوں کے سیوا کے لئے پرائیویٹ سراغ رساں بن گیا ہوں۔

میرا دفتر وہیں ہوتا ہے جہاں میں ہوتا ہوں۔ میں کبھی ایک شہر میں نہیں رہتا۔ میں چنائے سے دہلی گیا تھا۔ پھر کولکتہ بھی گیا تھا۔ سیر وتفریح کرتا رہتا ہوں۔ لیکن میرا اصل شہر ممبئی ہے۔ وہیں میرا دفتر بھی...... میری رہائش ایک ایسی جگہ ہے جسے بالی ووڈ کی رنگین بستی کہا جاتا ہے۔ ممبئی کا مطلب تو آپ بخوبی جانتے ہیں۔ اس شہر میں دولت مند، صنعت کار، جرائم پیشہ اور مافیا بھی ہے اور زیر زمین کی دنیا بھی ہے۔ یہاں جتنے بڑے دولت مند ہیں وہاں اتنے ہی غریب بھی ہیں۔ مفلس، تنگ دست اور بے حد غریب بھی جنہیں ایک وقت کا کھانا بھی بہ مشکل ملتا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ شیطانوں کا شہر ہے۔ جہاں دولت کی ریل پیل وہاں شیطان ہی ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود فرشتے بھی ہیں جن کے باعث شریف لوگ بھی رہ رہے ہیں۔ فرشتے نہ ہوتے بھگوان جانے کیا ہوتا۔

اب اسے قسمت کی ستم ظریفی کہیے کہ انہی تین دنوں میں دنیا کی خطرناک ترین جماعت مافیا

کے ایک اعلیٰ کارکن اور اس کے خون آشام بدمعاشوں نے اس غریب شہر کو میرے لئے جہنم بنا کر رکھ دیا تھا۔ مافیا کا یہ بڑا گرگا ایک ایسی طاقت ور ایجنسی کا مالک تھا جس میں آرٹسٹ، مصنف، صناع، شاطر اور ایک سیاسی پارٹی کا مخالف ڈاکٹر اور دو لڑکیاں بھی شامل تھیں، انہی دنوں میری دو امیدواروں سے ملاقات ہوئی جو الیکشن میں بھرپور حصہ لے رہے تھے...... ان میں ایک نے مجھے حرامی کا خطاب دیا۔ دوسرے نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ اس کی خوش اخلاقی نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ آدمی میں اخلاق ہونا چاہئے۔

میں انیل پرکاش سے بھی ملا تھا جو تین دن پہلے تک بقید حیات تھا۔ اس بات میں کوئی شک یا مبالغہ نہیں کہ وہ مردانہ وجاہت اور حسن کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔ اسے دیکھ کر نہ صرف کنواری لڑکیوں بلکہ شادی شدہ عورتوں کے دل بھی دھک سے رہ جاتے ہوں گے۔ وہ عورتوں کا آئیڈیل تھا۔ ان کے سپنوں کے راج کمار کی طرح تھا۔ ایسا خوب صورت شخص پہلے کبھی میری نظروں سے نہ گزرا تھا۔

میرا قد چھ فٹ دو انچ اور وزن دو سو چھ پونڈ ہے۔ مضبوط اور ٹھوس جسم...... انیل پرکاش مجھ سے بھی دو انچ لمبا اور وزن میں شاید پانچ چھ پونڈ زیادہ ہوگا۔ اس کی عمر اٹھائیس برس کی تھی۔

یہ مبالغہ...... یا داستان گوئی نہیں...... درحقیقت اس کا حسن کسی یونانی دیوتا کا سا تھا۔ سونے پر سہاگہ کہ وہ ایک گلوکار تھا۔ اس کے حسن کی طرح اس کی آواز بھی بے مثال تھی جو دل کے تاروں کو جھن جھنا دیتی تھی۔ نوجوان لڑکوں، لڑکیوں سے لے کر بوڑھے مرد اور عورتیں...... سب پر اس کی ملکوتی آواز جادو کا سا اثر رکھتی تھی۔ جوان عورتیں اور جوان مرد تو یکساں طور پر اس کی آواز سن کر وجد میں آ جاتے تھے۔ لڑکے لڑکیاں بے قابو ہو کر ناچتے اور تھرکنے لگتی تھیں۔ ترنگ میں آ جاتیں، انہیں جیسے اپنا ہوش نہیں رہتا تھا۔ اس کی آواز کے زیر وبم اور مٹھاس سے خود میرا جی گھنٹوں نہ بھرتا تھا۔ میں اس کے بہت سارے گانے فرصت کے اوقات میں سنتا تھا۔

جانے کیا بات تھی کہ اس نے پلے بیک سنگر بننا پسند نہیں کیا۔ فلمی دنیا سے وہ دور تھا۔ اسے بڑی زبردست آفر ملی۔ لیکن اس نے قبول نہیں کیا اور فلم سازوں سے معذرت کر لی تھی۔ ہر فلم ساز اس سے اپنے فلم گانے کو گوانا چاہتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے فلم سے نفرت تھی۔

ہندوستان کا یہ نامور اور مشہور گویا جب اپنی سوز وگداز آواز میں گیت چھیڑتا تو فرط اضطراب و کیف سے سینے میں دم گھٹتا محسوس ہوتا۔ وہ صرف محبت کے نغمے اور گیت ہی نہیں بکھیرتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی نسل اور قوم کے لئے حمد اور نعت بھی گائے تھے۔ جو روحانی ہوتے تھے بھجن بھی گائے تھے۔ ہندوستان کے ہر مذہب وقوم کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کا وہ فن جانتا تھا۔ اس کے کوئی تین چار کروڑ کیسٹ ہاتھوں ہاتھ بک گئے تھے۔ اس کے شیدائی اس کے نئے کیسٹ کے

لئے بے چینی سے منتظر ہوتے تھے۔ اس کے ورائٹی شو کے ٹکٹ بلیک میں فروخت ہوتے تھے۔ ہندوستان کا مائیکل جیکسن بنا ہوا تھا۔ لڑکیاں اور عورتیں اس کی ایک جھلک دیکھنے اور ہاتھ ملانے کے لئے تڑپتی تھیں۔ وہ لڑکیاں اور عورتیں جو اس کے بستر کی زینت بنی تھیں وہ بڑے فخر سے اپنی ہم راز سہیلیوں کو فخر سے بتاتی تھی۔ سہیلیاں ان پر رشک کرتی تھیں۔

میرے لئے ان تین ڈراؤنے اور ناقابل یقین ایام کا آغاز اس وقت ہوا جب انیل پرکاش کے کاروباری رفیق اور دم ساز گوپی ناتھ کی گڑیا سی بہن رتنا ناتھ مجھ سے ملنے آئی۔ گوپی ناتھ...... انیل پرکاش کا جگری دوست تصور ہوتا تھا۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ اس کا دیہانت جمعرات کے روز ہوا تھا۔ اس کی بہن ایک دن کے وقفے کے بعد مجھ سے ملنے آئی تھی۔ اس ملاقات کے بعد ہی میرے لئے ابلیس کا سفاک اور بے رحم ہاتھ حرکت میں آگیا جس کی مجھے کوئی توقع نہیں تھی۔

ہفتے کے دن میں دفتر نہ جاؤں اور کسی وجہ سے جلد بیدار ہو جاؤں تو بستر پر دیر تک کروٹیں بدلتا سوچتا رہتا ہوں کہ آج کا کیا پروگرام ہوتا رہا ہے۔ ایک طرح سے شب بیداری کی تھکن اتارتا رہتا ہوں۔ اس ہفتے کی صبح اگرچہ دیر تک جاگنے کے باوجود میں جلد بیدار ہو گیا تھا۔ ہر طرح تر و تازہ اور ہشاش بشاش تھا۔ دیر تک بستر پر پڑا میں سجاتا کو یاد کرتا رہا۔ گزشتہ روز وہ مجھے ڈنر پر لے گئی تھی۔ اس سے دو دن پہلے میری ملاقات ایک ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی۔ وہ ایک فرم میں ایم ڈی کی پرائیویٹ سیکریٹری تھی اور ماڈلنگ بھی کرتی تھی۔ وہ اپنی میز پر بیٹھی چکن سوپ پی رہی تھی۔ میں نے مشکوک افراد کو دیکھا جو اسے اغوا کرنے کے ارادے سے دوسری میز پر موجود تھے۔ قصہ یہ تھا کہ اس نے اپنی منگنی توڑ لی تھی۔ اس کا منگیتر اس کی کالی راتوں کی آمدنی میں نصف حصہ مانگتا تھا۔ وہی اس کا تعارف اور معاملات عیاش دولت مندوں سے کراتا تھا۔ ماڈل گرل ایک کرنسی ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو کیش کراتی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹتی ہے کیوں کہ جانتی ہے کہ عورت کا حسن، شباب اور شہرت چار دن کی چاندنی ہوتی ہے۔ وہ منگیتر کو پچیس فیصد کمیشن ادا کرتی تھی۔ ان دونوں میں کمیشن کے معاملے میں تلخی و تکرار ہو گئی۔ جس پر سجاتا نے منگنی توڑ دی اور پھر اس نے ایم ڈی کو بے وقوف بنایا ہوا تھا کہ آج تک اسے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا۔ منگیتر کو بوسہ تک لینے نہیں دیا۔ اس کا باس بہت سیدھا سادا آدمی تھا۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ سجاتا نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اپنے منگیتر سے شادی نہیں کرے گی۔ کیوں کہ وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ پینگیں بڑھا رہا ہے۔ جب اس نے اپنے باس کو منگنی ٹوٹنے کی خبر سنائی تو وہ بہت خوش ہوا۔ ان کے درمیان طے پایا کہ وہ دونوں شادی کرلیں گے۔ اس کے پچاس برس کی عمر کے باس نے

اس کے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی پہنا دی۔ اس خوشی میں وہ سجاتا کے چہرے پر جھکا تو وہ بولی کہ تم پہلے مرد ہو جسے میں نے اپنے چہرے پر جھکنے دیا۔ وہ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوا۔ اس کے سابق منگیتر نے اسے اغوا کر کے بلیک میل کرنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔

میں نے سجاتا اور ان دونوں بدمعاشوں کا ذہن پڑھ لیا تھا۔ جب میں سجاتا کی میز پر گیا تو اس نے مجھے حیرت سے دیکھا تھا۔

''میرا نام دیوا کمار ہے۔'' میں نے اس کی اجازت لئے بغیر کرسی کھینچی اور بیٹھ گیا۔ ''میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔ شاید تم نے سنا ہو۔''

''شاید...... سنا تو ہے۔'' وہ بولی۔ ''تم پرائیویٹ سراغ رساں کم ہیرو زیادہ دکھائی دیتے ہو۔ کیا تم میرے خلاف کوئی کام کر رہے ہو۔''

''تمہارے خلاف نہیں بلکہ تمہارے حق میں کچھ مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن میں اس کی فیس لوں گا جو تمہیں مہنگی نہیں پڑے گی۔''

''تم میری کیا مدد کرنا چاہتے ہو؟'' اس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور بولی۔ ''ویسے مجھے تمہاری خدمات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شکریہ۔''

''تم اس وقت بہت بڑی مصیبت بلکہ افتاد کا شکار ہونے والی ہو'' میں نے کہا۔ ''میں اس لئے میز پر آیا ہوں کہ تمہیں آگاہ کروں اور بچاؤں۔''

''کیسی مصیبت...... کیسی افتاد......؟'' اس کا حسین چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے...... ہاں تم مجھ سے بات کرنا چاہتے ہو اس لئے کہ میں ماڈل گرل ہوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تم میرے ساتھ ڈنر لے سکتے ہو۔ کیا کھانا پسند کرو گے؟''

''بے بی...... ذرا میری بات غور سے سنو۔'' میں نے کہا۔ ''دائیں جانب جو میز ہے اس پر دو بدمعاش بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک نے سفید شرٹ اور براؤن پتلون پہن رکھی ہے۔ دوسرا شرٹ اور کالی پتلون میں ہے۔ یہ دونوں تمہیں باہر نکلتے ہی اغوا کرلیں گے۔ باہر ایک گاڑی ہے جس میں دو بدمعاش موجود ہیں۔ میں تمہیں اغوا ہونے سے بچانا چاہتا ہوں۔ بچالوں گا۔ بشرطیکہ تم میری فیس ادا کر دو۔''

''لیکن یہ بدمعاش کیا مجھے اس لئے اغوا کرنا چاہتے ہیں کہ میں بہت حسین ہوں اور معروف ماڈل گرل ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''کیا میں پولیس کو خبر کر دوں۔''

''اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہاری ایسی تصویریں اور ویڈیو فلم بنائیں گے کہ تمہیں بلیک میل کیا جاسکے اور تم اپنے باس سے شادی نہ کر سکو۔''

"کیا......؟" ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ پھر وہ سنبھل کر بولی۔ "میں باس سے شادی کرنے والی ہوں انہیں کیا پتا......! یہ تو راز ہے۔"

"سنو بے بی......!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "تمہارا سابق منگیتر نریش اس نے یہ منصوبہ بنایا ہوا ہے کہ تمہیں اغوا کر کے ایسی تصویر اور فلم بنائی جائے کہ تمہارا باس تم سے شادی نہ کر سکے۔ تم اس کے اشاروں پر کٹھ پتلی بنی رہو۔ وہ تمہیں ذریعہ آمدنی بنا لے۔"

"ایں!......تم تو سب کچھ جانتے ہو؟"

"کیا تم بھینٹ چڑھنا چاہو گی اس منصوبے پر......؟ میں تمہاری مدد نہ کروں۔ اس اغوا سے نہ بچاؤں۔"

"نہیں......نہیں......" وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔ "مجھے تمہاری خدمات چاہئے۔ یہ بتاؤ کہ میں تمہاری کیا فیس ہے؟ وہ میں ادا کر دوں گی کیا فیس ہو گی؟"

"تمہیں ایک ڈنر اور ایک رات میرے ساتھ گزارنی ہو گی......" میں نے کہا۔ "تم بہت حسین ہو۔ میں حسن کا بڑا پرستار ہوں۔ یہ معمولی فیس ہے۔"

"میں تمہیں ایک نہیں دس ڈنر کھلاؤں گی۔" وہ بولی۔ "دوسری شرط کڑی ہے۔ کیوں کہ میں اپنی راتیں کالی نہیں کرتی ہوں۔"

"سنو......ستی ساوتری نہ بنو......میں تمہارے بارے میں اتنا جانتا ہوں کہ کوئی نہیں بلکہ تم خود بھی نہیں جانتی ہو گی۔" میں نے کہا۔ "میں تمہاری کالی راتوں اور ان لوگوں کے بارے میں بھی بتا سکتا ہوں جو تمہاری زندگی میں آئے۔ تم مجھے دوست سمجھو۔ دوستی میں ہر بات جائز ہے۔"

جب میں نے کچھ باتیں اسے بتائیں تو اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور وہ راہ راست پر آ گئی۔ میں نے اسے اپنا منصوبہ بتایا۔ پھر میں اس ریسٹورنٹ سے باہر نکل گیا۔ سجاتا نے میری ہدایات پر پوری طرح عمل کیا تھا۔ جب وہ ڈنر سے فارغ ہو کر نکلی تو اسے گن پوائنٹ پر اغوا کر کے نریش کے فلیٹ پر لے گئے۔ میں انسپکٹر کے روپ میں نریش کے فلیٹ پر پہنچا۔ دروازے پر دستک دی تو ایک بدمعاش نے دروازہ کھولا۔ جیسے ہی اس نے مجھے دیکھا اس کی سٹی گم ہو گئی۔ میں نے ایک لات اس کے پیٹ پر رسید کی تو کئی فٹ دور جا گرا۔ میں نے دروازہ بند کر کے ریوالور نکال لیا۔

یہ نشست گاہ تھی جسے بیڈ روم بنایا گیا تھا تاکہ عکس بندی کی جا سکے۔ اس میں لائٹنگ بھی تھی۔ ایک ویڈیو کیمرا بھی......کیمرا مین نریش بنا ہوا تھا۔ ایک بدمعاش ہیرو کا کردار ادا کرنے کو تیار تھا۔ اس کے اور سجاتا کے کپڑے فرش پر ایک طرف پڑے ہوئے تھے۔ سجاتا کو پلنگ سے باندھا ہوا تھا۔ اس کمرے میں کل چار بدمعاش اور نریش تھا۔ ایک بدمعاش سجاتا کی مشکیں کھول رہا تھا۔ ایک

بدمعاش سگریٹ کے کش لیتا رہا۔

بستر کے پاس کھڑا بدمعاش سجاتا سے استہزائیہ لہجے میں کہہ رہا تھا......"اگر تم نے نخرے دکھائے تو سگریٹ سے تمہارا جسم داغ......"

وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا۔ ان سب کی نظروں میں، میں آ گیا تھا......نریش کے ہاتھ سے کیمرا چھوٹ کر فرش پر گر پڑا تھا۔ میں نے نریش سے کہا۔

"باہر پولیس وین کھڑی ہوئی ہے......؟ تم کیا جیل کی ہوا کھانا چاہتے ہو یا معاملات طے کرنا......لڑکی تم کپڑے پہن لو۔"

سجاتا نے کپڑے پہن لئے......میں نے ریوالور کی نال پر سائی لینسر نصب کر کے ان سے کہا تھا۔ "اس میں کل چھ گولیاں ہیں۔ ایک کے لئے ایک گولی کافی ہے......میں نے ان چاروں بدمعاشوں کو واش روم میں بند کر دیا۔ ریوالور کی زد پر میں نریش کو لئے کھڑا رہا۔ سجاتا نے اس کی الماری میرے کہنے پر چیک کی۔ اس میں ساٹھ ہزار کی رقم، دو ریوالور جو بغیر لائسنس کے تھے نکلے۔ پھر میں نے نریش سے کہا کہ تم دو دن کے اندر اندر یہ شہر چھوڑ دو۔ ورنہ تمہیں اندر کر دوں گا۔ تمہارے پاس سے غیر قانونی اسلحہ برآمد ہوا ہے۔ میں کے این سہگل ہوں۔ تھانے میں ایس ایچ او......باندرہ تھانے میں......میں نہیں چاہتا کہ تمہیں جیل میں سڑا دوں۔"

ساٹھ ہزار کی رقم میری ملکیت تھی۔ میں نے ریسٹورنٹ میں جو منصوبہ بنایا تھا اس میں سجاتا سے یہ طے کیا تھا کہ نریش کے ہاں سے جتنی رقم اور زیورات برآمد ہوں گے وہ میرے ہوں گے۔ اس لئے سجاتا نے اس میں سے حصہ طلب نہیں کیا۔ وہ تو اس بات سے بہت خوش تھی کہ میری وجہ سے وہ بلیک میل ہونے سے بچ گئی۔ اپنے باس سے شادی کر کے گھر بسائے گی۔

یوں میرے نصیب میں ساٹھ ہزار کی رقم......ڈنر اور سجاتا آئی تھی۔ رات ہماری تھی۔ ہم بہت دیر تک جاگتے رہے تھے۔ وہ ایک کال گرل بھی تھی۔ اگر وہ اچھی لڑکی ہوتی تو میں اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ صبح کب گئی مجھے کچھ خبر نہ ہو سکی۔ نہ تو وہ واش روم میں تھی نہ کمرے میں......البتہ اس کی خوشبو سے بستر مہک رہا تھا۔ پھل کی مٹھاس ہونٹوں سے چپکی ہوئی تھی۔ بھگوان نے ہر عورت الگ الگ بنائی ہے۔ ہر عورت میں اپنی ایک انفرادیت ہوتی ہے جو دوسری عورت میں نہیں پائی جاتی ہے۔ ہر ایک کا اپنا مزا اور ذائقہ ہے۔ سجاتا میرے دل و دماغ کو بھی معطر کر گئی تھی۔ میں نے سوچا۔ کاش! وہ جلدی نہ جاتی۔ رک جاتی۔

میں کافی دیر تک سجاتا کے قرب، اس کی مہکتی سانسوں اور بدن سے پھوٹتی سوندھی سوندھی خوشبو اور گداز سراپا کے تصور سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ سجاتا نے مجھے اپنا فون نمبر دیا تھا کہ میں بھی

اسے مدعو کرسکوں۔اس نے مجھ سے ایک بات کہی تھی کہ جب تک اس کی شادی نہیں ہوجاتی۔وہ مہربان اور کال گرل رہے گی۔لیکن شادی کے بعد وہ گھر کی چار دیواری میں قید ہوجائے گی۔

میں نے اٹھ کر واش روم میں جاکر شیو بنائی۔غسل کیا۔مچھلیوں کو چارہ ڈال کر سینڈوچز بنائے۔کافی کے لئے کیتلی چولہے پر رکھی تھی کہ میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔بہت کم لوگ اطلاعی گھنٹی بجاتے تھے۔میں نے کسی وجہ سے ہوٹل میں ایک اپارٹمنٹ میں رہائش اختیار کی ہوئی تھی۔وی آئی پی لگژری اپارٹمنٹ میرے ایک دوست کا تھا جوان دنوں یورپ کے بزنس ٹور پر گیا ہوا تھا۔

میں نے کچن سے نکل کر دروازے کے پاس جاکر اسے کھولا۔ایک چینی گڑیا ایسی لڑکی نے چھوٹتے ہی دریافت کیا۔"آپ مسٹر دیوا......؟"

پہلی نظر میں میں نے اسے نو دس برس کی بچی سمجھا تھا اس کے پھول سے اور معصوم چہرے پر نظر ڈالنے کے بعد میری نظر اس کے جسم کے فراز پر پڑی تو میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا تھا۔وہ بیس اکیس برس کی بھرپور دوشیزہ تھی۔وہ پانچ فٹ سے دو انچ کم ہوگی۔

"جی ہاں...... میں دیوا کمار ہوں۔" میں نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔"اندر آجاؤ۔باتیں اندر ہی ہوں گی۔"

وہ قدرے تذبذب اور جھجکتے ہوئے اندر آگئی۔"میں نے پہلے آپ کو دفتر جاکر دیکھا تو وہ بند تھا۔میرا خیال ہے کہ میرا یہاں آنا آپ کو......"

"ہرگز ناگوار نہیں گزرا......" میں نے اس کا فقرہ اس انداز سے مکمل کیا۔"تمہیں اس بات کا علم ہوگا کہ میں ایک جاسوس ہوں۔"

"ہاں......" اس نے اپنا خوش نما سر دلکش انداز سے ہلایا۔"میں اس لئے تو یہاں آئی ہوں۔بات کچھ ایسی ہے کہ یہاں آنا پڑا۔"

ہم دونوں چاکلیٹی بھاری دیوان پر بیٹھ گئے۔مجھے دیکھ کر وہ کچھ حیران اور مرعوب سی تھی۔اس لئے کہ میں سائز میں اس سے آٹھ گنا جسیم تھا۔یا پھر میرے سر کے ایک انچ لمبے تنے اور سیدھے کھڑے بالوں کی وجہ سے ہوسکتا ہے......اور پھر اس کی حیرت کا باعث شاید میری خوب صورتی اور وجاہت ہو......شاید اس کے خیال میں جاسوس اتنے خوبصورت نہ ہوں گے۔میں نے اس کے ذہن میں جھانکا نہیں تھا۔

"میرے ساتھ گہری سیاہ آنکھوں، لمبی لمبی پلکوں اور سیاہ لمبے بالوں کا خوب صورت جوڑا...... گورے بدن کی وہ چینی گڑیا جیسی لڑکی بیٹھی تھی۔اس کے چہرے کے نقوش دلکش تھے

اور ہونٹ بھرے بھرے رسیلے اور سرخ تھے۔آواز میں جل ترنگ کی کھنک تھی۔

اپنے شوخ، نیلے پیلے اور لال رنگ کے لباس کو ہاتھوں سے ہموار کرتے ہوئے اس نے میری طرف دیکھا اور ہموار لہجے میں بولی۔

"میں آپ سے اپنا تعارف کرادوں...... میرا نام رتنا ہے...... میں رتنا ناتھ...... آن جہانی گوپی ناتھ کی بہن ہوں۔"

"تمہارے بھائی کی موت کی خبریں سن چکا ہوں۔" میں نے کہا۔"شاید دو دن پہلے دیہانت ہوا تھا۔مجھے افسوس ہوا۔آپ غم نہ کریں۔"

"میرا بھائی گوپی ناتھ......انیل پرکاش کا یار غار تھا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگی۔

"میں کئی برسوں کی جدائی کے بعد چند ماہ پہلے اپنے بھائی سے ملی تھی......ہم دونوں پونا میں پیدا ہوئے۔پھر جب میں گیارہ برس کی اور گوپی ناتھ سترہ برس کا تھا تو میرے پتا جی نے کسی خانگی جھگڑے کے باعث میری ماں کو طلاق دے دی۔اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ پتا جی کسی اور عورت کے چکر میں پڑ گئے تھے۔جب کہ میری ماں حسین اور بے حد پرکشش تھی۔مردوں کی پسند اور ان کے مزاج کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔میں اپنی ماں کے ساتھ چلی گئی۔اس لئے کہ مجھے اپنی ماں سے بڑی محبت تھی۔وہ میرا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی۔پھر میری ماں نے دوسری شادی کرلی۔میں نے بتایا تھا کہ وہ بہت خوب صورت تھی۔اس سے شادی کرنے کے لئے بہت سارے امیدوار تھے۔لیکن اس نے جس شخص سے شادی کی وہ بردبار تھا۔پھر ساس اور سوتیلے باپ کے ساتھ میسور شہر چلی گئی۔پھر وہاں سے الہ آباد...... پھر کولکتا......کولکتا میں قیام کے دوران بہن بھائی کی خط و کتابت جاری رہی تھی۔پھر میں ممبئی میں گزشتہ جولائی میں بھائی سے ملی تھی۔یہ ملاقات دس برس کے ایک طویل عرصے کے بعد ہوئی تھی۔ملاقات کے ابتدائی لمحات میں کچھ اجنبی اجنبی سے رہے تھے۔اجنبیت کی دیوار جلد ہی گرگئی۔پھر ہم بہن بھائیوں کی طرح گھل مل گئے۔اس وقت گوپی ناتھ رائل کولیٹ ہوٹل کے ایک سوٹ میں رہائش پزیر تھا۔ایک شاہانہ زندگی بسر کررہا تھا۔لیکن......"

یہاں تک بتانے کے بعد رتنا پر ایک رقت سی طاری ہوگئی تو وہ خاموش سی ہوگئی۔میرے علم میں یہ بات تھی کہ گزشتہ جمعرات کو گوپی ناتھ آٹھ منزلوں کی بلندی پر واقع اپنے سوٹ سے گر کر چل بسا تھا۔اخبار میں اس اتفاقی موت کی خبر میں نے خود پڑھی تھی۔

پھر رتنا خود پر قابو پاکر کہہ رہی تھی......"وہ ہر ماہ میں دو تین مرتبہ میرے اور ممی کے ساتھ چند گھنٹے گزارتا تھا۔اس وقت وہ بہت خوش اور بڑے خوش گوار موڈ میں ہوتا تھا......لیکن پچھلے مہینے وہ بڑا ہی الجھا ہوا اور اکھڑا اکھڑا سا لگ رہا تھا۔جیسے کوئی نہ کوئی بات ہو۔اس کے لئے پریشان کن

تھی۔ جب آدمی کسی وجہ سے بہت پریشان ہوجاتا ہے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔''

''اس نے کیا کچھ بتایا نہیں......؟'' میں نے پوچھا۔ ''اگر اس نے بتایا تھا تو کیا بتایا تھا؟ تمہیں اچھی طرح سے یاد ہے؟''

''نہیں......'' رتنا نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔ 'میں نے اس سے پوچھا ہی تھا کہ...... بھائی کیا بات ہے؟ تم بہت پریشان دکھائی دیتے ہو جبکہ پہلے ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میری بات سن کر وہ کہنے لگا۔'' یہ معاملہ اس کے اپنے سلجھانے کا ہے اور وہ خود ہی کوئی آخری فیصلہ کرے گا...... نہ جانے کیا فیصلہ تھا جس کے لئے اس کے اعصاب پر کافی دباؤ پڑ رہا تھا...... لیکن جب اس نے مجھے یہ بتایا کہ وہ دو تین ہفتے سے ڈاکٹر مکر جی کے زیر علاج ہے تو مجھے ذرہ برابر بھی حیرت نہیں ہوئی کیوں کہ اس کی ذہنی حالت اچھی نہ تھی۔''

''تو کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اس نے دماغی خلجان کی وجہ سے خودکشی کی ہے؟'' میں نے کہا۔ ''ڈاکٹر مکر جی ایک بہت بڑا ماہر نفسیات ہے۔''

''نہیں...... ہرگز نہیں مسٹر دیوا!'' وہ کہنے لگی۔ ''اس کی موت سے ایک گھنٹہ پہلے فون پر اس سے میری بات ہوئی تھی۔ اس گفتگو کے دوران وہ بڑا مسرور اور خوش وخرم تھا۔ اسے خوش پا کر میرا دل بھی بہت خوش ہوگیا۔ میں نے اس سے مسرت کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ...... اس نے آخری فیصلہ کرلیا ہے...... اور اب وہ آزاد ہوگا...... پھر اس نے مزید کہا کہ فیصلہ اسے کافی مدت پہلے کرلینا چاہئے تھا...... اب یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس کے سینے پر سے چٹان ہٹ گئی ہے...... اس گفتگو کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ...... اس نے خودکشی کی ہو۔ یہ بات دل تسلیم نہیں کرتا ہے۔ خودکشی کرنی ہوتی تو وہ ایسی بات چیت نہ کرتا۔''

میرے نزدیک رتنا کی کوئی وزنی دلیل نہیں تھی...... کیوں کہ اکثر اوقات یہ دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ خودکشی سے پہلے مایوس لوگ بڑے شاد ماں اور مطمئن ہوجاتے ہیں۔ جیسے کوئی دیا، چراغ اور شمع گل ہونے سے پہلے آخری بار بھڑک اٹھتے ہیں...... نیز آزاد ہونے کا مطلب زندگی سے بھی آزاد ہونا ہے۔ ہوسکتا ہے اور ہوسکتا تھا۔ میں نے اس پہلو پر سوچا تھا۔ میں نے اپنے یہ خیالات رتنا پر ظاہر نہیں کئے۔ کیوں کہ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتی اور پھر یہ موقع بحث یہ سمجھانے کا نہیں تھا۔

''پولیس نے اس کی موت کو حادثاتی قرار دیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تمہیں پولیس کے اس فیصلے سے اتفاق نہیں ہے......؟''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتی......؟'' اس نے اپنی گردن ہلائی۔ ''کیوں کہ وہ بڑا ہنس رہا تھا جیسے کسی نے اسے ایسا لطیفہ سنایا ہے جو اپنی ہنسی پر قابو نہیں پا رہا ہو۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ شام کو ہمارے ہاں

ذر پر سب کچھ بتادے گا...... پھر اس نے خلاف توقع ایک عجیب سی بات کہی۔ جو چونکا دینے والی تھی جسے سن کر رگوں میں لہو منجمد ہوگیا۔ کہنے لگا۔'' سب کچھ بتادوں گا۔ کسی نے مجھے قتل نہ کیا تو۔''

میں نے اس کی بات سن کر حیرت کا اظہار زبان سے نہیں چہرے سے کیا اور پلکیں جھپکائیں۔

''کیا واقعی تمہارے بھائی نے یہ بات کہی تھی؟''

''ہاں...... اس نے یہ بات کہی تھی صاف اور واضح الفاظ میں...... یہ سماعت کا فتور نہ تھا...... لیکن وہ یہ بات کہہ کر پھر سے ہنسنے لگا تھا اور بعد میں بتانے لگا تھا کہ...... وہ محض مذاق کررہا تھا...... اسے کوئی قتل نہیں کرسکتا...... کیوں کہ وہ قتل ہونے سے مستثنیٰ ہے...... پتا نہیں مستثنیٰ سے کیا مطلب تھا اس کے......؟''

بات کچھ کچھ پلے پڑنے لگی تھی۔ شاید اس نے اس وقت خوب چڑھا رکھی ہوگی۔ اس لئے وہ نشے کی ترنگ میں تھا۔ ایسے عالم میں آدمی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے...... پل میں تولہ پل میں ماشہ...... وہ کیا کہہ رہا ہے خود نہیں جانتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو قتل سے مستثنیٰ قرار دے رہا تھا۔ وہ نشے میں دھت نہ ہوتا تو اس قسم کی باتیں نہیں کرتا۔ صرف ایک بات کہتا۔ سنجیدہ ہوجاتا۔

''یہ تمام باتیں دیوانوں کی سی لگتی ہیں مسٹر دیوا......!'' رتنا کہنے لگی۔ ''مگر مجھے معلوم ہے کہ وہ دیوانہ نہیں تھا۔ کیوں کہ اس نے اس سے پیشتر اس انداز کی گفتگو کبھی نہیں کی تھی۔ نہ ہی اس سے اس بات کی توقع تھی...... اس نے فون رکھنے سے پہلے کہا تھا کہ جب وہ شام کو آئے گا تو سب کچھ سچ سچ بتادے گا...... اور پھر دنیا کو معلوم ہوجائے گی کہ سچ کیا ہے۔ جھوٹ کیا ہے...... اصل حقیقت کیا ہے۔''

ان باتوں سے میں اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ گوپی ناتھ نے یہ ساری باتیں دیوانگی کے عالم میں کی تھیں لیکن میں نے رتنا کے احساسات کا پاس کیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری کسی بات سے اس کی دل شکنی ہو۔ دکھ محسوس کرے۔ کیوں کہ اس کے بھائی کو مرے ہوئے تیسرا دن تھا۔

''تم نے جو جو باتیں اپنے بھائی کے بارے میں بتائیں۔ وہ میں نے سن لیں۔'' میں نے کہا۔ ''اب تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہو؟''

''میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اسے کس نے قتل کیا ہے......؟'' رتنا نے جوش کے عالم میں کہا۔ اس کے چہرے پر سرخی سی آگئی۔ ''میں آپ کو پانچ ہزار دوں گی...... شاید رقم کم ہے...... مگر میں آپ کو مزید رقم دوں گی...... اسے آپ پہلی قسط سمجھ لیں...... مجھے ایک جگہ سے رقم ملنے والی ہے۔ وہ رقم جیسے ہی میرے ہاتھ آئی میں آپ کو اور رقم دوں گی...... مجھے گوپی ناتھ سے بڑی محبت تھی...... وہ میرا بھائی تھا...... اور......'' وہ اچانک سسکیاں لے کر رونے لگی۔ اس کے کرب آلود چہرے پر آنسو تیزی سے بہنے لگے۔

کسی لڑکی اور عورت کو روتے دیکھنا میرے لئے بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ گو کہ میں بڑے دل گردے کا آدمی تھا اور میرے اعصاب بہت مضبوط اعصاب تھے۔ جانے کیسے کیسے خونیں تناظر دیکھ کر میرا دل دہلتا نہیں تھا۔ لیکن جب کوئی عورت روتی تو ایسے مواقع پر اکثر میں بوکھلا جاتا۔ چنانچہ سٹ پٹا کر بولا۔

”رتنا دیکھو...... دیکھو مت روؤ...... سب ٹھیک ہو جائے گا...... تم اطمینان رکھو...... پریشان اور متفکر نہ ہو...... میں اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کروں گا کہ جو حقیقت ہے وہ سامنے آ جائے...... اچھا اب رونا دھونا چھوڑ دو...... کیوں کہ اس سے کچھ حاصل نہیں۔“

میں نے پہلے تو اس کا شانہ تھپتھپایا۔ پھر جیب سے اپنا رومال نکال کر اس کے موتیوں جیسے آنسوؤں کو اس میں جذب کیا۔

چند لمحوں کے بعد رونا موقوف کر کے وہ پرسکون ہوئی تو میری جان میں جان آئی۔ اس نے میرا رومال لے کر گالوں سے آنسو پونچھے تو میں نے کہا۔

”انیل پرکاش کے تمہارے بھائی کے ساتھ بڑے خوش گوار تعلقات تھے...... کیا تم بتا سکتی ہو کہ ان کی پہلی ملاقات کیسے ہوئی تھی؟“

”ایک روز گوپی ناتھ نے مجھے بتایا تھا کہ...... سب سے پہلے اس نے انیل پرکاش کے گلے کی خداداد صلاحیت دریافت کی تھی...... گوپی ناتھ خود ہی گانے بجانے کا بے حد دلدادہ تھا۔ وہ صبح سویرے ریاض بھی کیا کرتا تھا۔ پڑوس میں ایک استاد ولی شاہد رہتے تھے جو گائیکی میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ اس نے ان کی شاگردی بھی کی تھی۔ نوجوانی میں کچھ کلبوں میں گاتا بھی رہا تھا...... اس وقت وہ بیس برس کی عمر کا تھا...... اس نے اس بات کی بڑی کوشش کی تھی کہ اسے فلموں میں گلوکار کی حیثیت سے لے لیا جائے۔ لیکن وہ ناکام رہا۔ اس نے یہ بات خط میں لکھی تھی۔“

گویا گوپی ناتھ اور انیل پرکاش دونوں گانے کے شوقین تھے۔ یہ بات کام کی تھی۔ رتنا کہہ رہی تھی۔ ”میں نے بتایا تھا کہ...... گوپی ناتھ موسیقی سے کافی شغف رکھتا تھا۔ اس نے انیل پرکاش کے تین مقبول ترین نغمے بھی لکھے تھے۔ شاید آپ کو اس کا علم ہو۔“

”نہیں...... مجھے نہیں معلوم۔“ میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ”اس لئے کہ مجھے صرف انیل پرکاش کی آواز سے دلچسپی تھی۔ میں اسے سنتا تھا۔“

”خیر تو...... چھ برس پہلے گوپی ناتھ کے علم میں یہ بات آئی کہ انیل پرکاش نے ممبئی، کولک اور بنگلور کے نائٹ کلبوں سے معاہدہ کر رکھا ہے وہ ان دونوں بڑے شہروں میں مقررہ تاریخوں میں جا کر اپنے فن کا جادو جگاتا ہے۔ زیادہ تر وقت وہ ممبئی کے کلب کو دیتا تھا۔ پھر ان کی ملاقاتیں

ہوئیں پھر وہ گوپی ناتھ کو لے کر جگدیپ کے پاس آ گیا۔ باقی باتیں ہر ایک کو معلوم ہیں۔“

حقیقت بھی یہی تھی کہ جگ دیپ...... جس کا حوالہ رتنا نے دیا تھا اس کا پورا نام جگ دیپ موہن تھا۔ وہ گلوکاروں اور دوسرے فنکاروں کی انجمن کا کرتا دھرتا تھا...... یہ شخص کروڑ پتی تھا۔ جگ دیپ اینڈ سنس کا مالک...... ملک کے نامور اس ایجنسی کی فہرست میں تھے۔

چار برس پہلے کی بات ہے۔ جگ دیپ موہن نے انیل پرکاش کو ایک نئے ستارے کے نام سے متعارف کرایا تھا۔ وہ ایک ورائٹی پروگرام تھا جس میں شو بزنس کے بڑے بڑے نامور گلوکاروں نے بھی اپنے فن کا مظاہرہ کیا تھا۔ سب سے پہلے دو گلوکاروں اور گلوکاراؤں نے اپنے نغمے اور گیت گا کر ایک سماں باندھ دیا تھا۔ ان کا سحر سامعین کو مبہوت کر گیا تھا۔ سب سے آخر میں انیل پرکاش کو جگدیپ موہن نے اس تعارف کے ساتھ پیش کیا تھا کہ...... اب میں جس فنکار کو گانے کی دعوت دے رہا ہوں وہ ایک نوجوان اور شوقیہ فنکار ہے۔ اس نے آج تک کسی پروگرام میں حصہ نہیں لیا۔ اسے پہلی بار سامعین کے سامنے لانے کا اعزاز میں حاصل کر رہا ہوں۔ یہ ایک نئی اور اچھی آواز ہے۔ آپ اسے اور مجھے بھی یقیناً سراہیں گے۔ یہ نگینہ میں نے کہاں سے دریافت کیا ہے۔ مجھے کہاں سے ملا ہے۔ بہرکیف آپ سنیں۔ دیکھیں۔

جب انیل پرکاش اسٹیج پر پردے کے پیچھے سے نوارد ہو کر سامنے آیا تو وہ کسی یونانی دیوتا کی طرح بڑی شان اور تمکنت سے کھڑا ہوا تھا۔ جب اس نے ایک گیت سنانا شروع کیا تو تمام سامعین مسحور ہو گئے۔ اس نے تمام گلوکاروں کا سحر ماند کر دیا تھا۔ جب اس نے اپنا گیت ختم کیا تو وہ سب کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے پرجوش تالیوں سے اسے داد دی۔ اس کی پذیرائی اور ونس مور ونس مور کی آوازیں گونجنے لگیں۔ جب پروگرام کے اختتام پر وہ اسٹیج سے نیچے آیا تو اسے لڑکیوں اور عورتوں نے گھیر لیا۔ اس سے آٹو گراف لئے۔ ایک نوجوان لڑکی جو امریکہ میں دس برس رہ کر لوٹی تھی اس نے سب کی موجودگی میں انیل پرکاش کو چوم لیا۔ دو ایک اور لڑکیوں نے یہ حرکت کی تو ایک شادی شدہ عورت بھی باز نہ رکھ سکی تھی اپنے آپ کو...... پھر دیکھتے ہی دیکھتے انیل پرکاش نے دولت، شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں کو چھو لیا تھا۔ پھر اس نے کئی لافانی نغمے عوام کو دیئے اور لوگ اسے دیوتا کی طرح پوجنے لگے تھے۔

انیل پرکاش ایک تو بہت خوب صورت اور وجیہہ تھا۔ دوسرا اس کی شہرت کا چرچا تھا۔ لڑکیاں اور عورتیں ایسے فنکاروں پر مرتی ہیں۔ اپنا دل ہی نہیں اپنا تن من بھی نچھاور کر دیتی ہیں۔ وہ کفران نعمت کیوں کرتا؟ بہتی گنگا میں ہاتھ کیوں نہ دھوتا۔ یہ بے وقوف لڑکیاں اور عورتیں اس پر خوب مہربان ہوتی تھیں۔ وہ ان سے اور ان کی فیاضی سے خوب فائدہ اٹھاتا لیکن ان سے محبت نہ کرتا۔

اس عرصے میں گوپی ناتھ بدستور اس کے ساتھ نتھی رہا۔ وہ بھی ایک خوب صورت اور پرکشش نوجوان شخص تھا۔ گوپی ناتھ اور انیل پرکاش اس لئے بھی یک جان دو قالب بن گئے تھے کہ گوپی ناتھ نے اسے لافانی گیت اور نغمے لکھ کر دیئے تھے۔ انیل پرکاش کی بے پناہ آمدنی تھی۔ وہ فلیٹ میں اس لئے نہیں رہتا تھا کہ اس کے پرستار اور لڑکیاں دن رات تنگ کرتی تھیں اور اس سے ملنے اور وقت گزاری کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپتی تھیں۔ وہ ٹیکس بچانے کے لئے بھی کولیٹ ہوٹل میں رہائش پذیر تھا۔ گوپی ناتھ کا سوٹ بھی اس کے سوٹ سے منسلک تھا۔ گوپی ناتھ کو بھی اس کے نغمے کی بے پناہ رائلٹی ملتی تھی۔ ان کی مثالی دوستی کو دیکھتے ہوئے لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ غسل خانے میں بھی اکٹھے ہی غسل کرتے ہیں۔

رتنا کی باتوں سے بھی ان دونوں کی بے مثال دوستی ظاہر ہوتی تھی۔ تاہم مجھے حیرت تھی کہ ناکامی کے بعد بھی گوپی ناتھ کے دل میں انیل پرکاش کی لاثانی کامیابی کے خلاف غم وغصے یا رشک کے جذبات کیوں پیدا نہیں ہوئے؟ کیا انیل پرکاش کوئی جادوگر تھا جو اس نے گوپی ناتھ پر جادو کر رکھا تھا...... یا گوپی ناتھ ان لڑکیوں سے فائدہ اٹھاتا تھا جو انیل پرکاش کے ساتھ وقت گزاری کرتی تھیں۔

میں جب اس گڑیا سی رتنا کو ناشتے کی میز پر لے گیا تو اس نے سینڈوچز کھانے کے بعد کافی بنائی۔ میں نے جو کافی بنائی تھی وہ اس کے آنے سے ٹھنڈی ہو چکی تھی کیوں کہ باتوں میں خاصا وقت صرف ہو گیا تھا۔ جب وہ کافی پی کر رخصت ہونے لگی تو میں نے اس سے وعدہ کیا کہ...... آج رات یا کل صبح اپنی تحقیقات کے نتائج سے اسے مطلع کر دوں گا۔ جانے سے پہلے میری نہ نہ کے باوجود پانچ ہزار کی رقم ادا کر گئی۔ صاف وشفاف اور پاکیزہ لہر سے نواز گئی۔ اس طرح اس نے مجھے گوپی ناتھ کی موت کی تفتیش کے لئے پابند کر دیا تھا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ فی الحال میرے پاس کوئی کام نہ تھا۔ اس کیس میں کسی سنسنی خیزی کا شائبہ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ بہت ہی آسان اور سیدھا سادا سا کیس معلوم دیتا تھا۔ تاہم دو ہفتوں کے بعد ایک کیس ہاتھ میں لے کر مجھے خوشی ہو رہی تھی۔ یوں تو میرے لئے روپے پیسوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ میں دس برس بھی پرتعیش زندگی گزار سکتا تھا۔ چنائے میں، میں نے لاکھوں کمائے تھے اور سریتا نے دس ہزار ڈالر دیئے تھے۔ دو ایک کیسوں میں اور بھی میری چاندی ہوئی تھی۔ سجاتا کیس جو تھوڑی دیر کا تھا اس میں ساٹھ ہزار کی رقم ہاتھ لگی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے تو میں سارا وقت تین دن اور ہونے والے الیکشن کی سرگرمیوں میں گزار دیا تھا۔ یعنی اس کی تفصیلات جانتا پھر رہا تھا۔ سجاتا کے ساتھ جو وقت گزرا اس نے میری بوریت دور کر دی تھی۔ اب الیکشن کی سرگرمیوں کے ساتھ

ساتھ ایک کیس منہ کا مزا بدلنے کے لئے بہت تھا۔

دو امیدواروں کے درمیان سخت مقابلہ ہو رہا تھا۔ عموماً ہر الیکشن میں ایسا ہوتا ہے۔ ہر طرف کرشنا اور گوپال کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ فضا میں وہی تناؤ اور کشیدگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی جو انتخابات کے زمانے میں ماحول پر مسلط رہتی تھی۔ سیاسی پارٹی کے کارکنوں اور ان کے شیدائی جو ہوتے تھے وہ بے حد جذباتی ہوتے تھے۔ ان کے جوش وخروش کا جو عالم ہوتا تھا انتخابات کا نتیجہ آنے تک قائم رہتا تھا۔ وہ مخالف کی جان لینے اور اپنی جان نذر کرنے پر تیار ہوتے تھے۔ یہ ایک ایسا اندھا جنون تھا جو نقصان کا باعث بھی بن جاتا تھا۔ وہ جوش اور جذبات کے عالم میں یہ بات بھول جاتے تھے کہ جب ان کا امیدوار کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ ان کی طرف دیکھتا بھی نہیں ہے ملتا بھی نہیں ہے۔ الیکشن کے دنوں جو دروازے کھلے رہتے ہیں وہ بند ہو جاتے ہیں۔ انہیں صرف الیکشن کے دوران اچھا کھانا پینا اور کچھ رقم مل جاتی تھی بعد میں ٹائیں ٹائیں فش......

یوں تو کئی پارٹیاں تھیں۔ کئی امیدوار تھے۔ اصل مقابلہ تو دیش کی سب سے بڑی دو سیاسی پارٹیوں کے درمیان تھا۔ ایک امیدوار کا نام بسل رائے تھا۔ وہ ایک چوٹی کا وکیل تھا۔ اس نے بہت بڑے بڑے کیس جیت کر اپنا نام پیدا کیا ہوا تھا۔ وہ ہر کیس کی فیس بھی ایک فلمی ہیرو کی طرح لیتا تھا۔ وہ کیس جیتنے کی ضمانت بھی دیتا تھا۔ لیکن یہ شخص بڑا چرب زبان اور طرار تھا اور عوام کو ایسے ایسے خوب صورت باغ دکھا رہا تھا جو عملی طور پر ناممکن ہونے کے باوجود عوام کے لئے دل فریب اور پرکشش تھے۔ گو کہ عوام میں سیاسی شعور اور بیداری موجود تھی لیکن اس کے باوجود وہ سادہ لوح اور جذباتی تھے۔ وہ اس لئے چکنی چپڑی باتوں میں آجاتے تھے کہ انہیں احساس محرومی اور مالی مشکلات اور مہنگائی نے دبوچ رکھا تھا۔

دوسری طرف چندر سنگھ تھا...... جو بسل رائے کی طرح لچھے دار تقریر کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کی طرح خوب صورت اور فریب کارانہ وعدوں کے محل تعمیر کر سکتا تھا۔ نہ اسے سبز باغ دکھانے کا فن آتا تھا اور نہ ہی وہ عوام کے جذبات سے کھیلتا تھا۔ وہ عوام سے جھوٹے وعدے کرنا اور دھوکا دینا بہت بڑا پاپ سمجھتا تھا۔ وہ معمولی شکل وصورت کا مسکین سا شخص تھا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہوتا تھا وہ کس قدر سیدھا سادا اور بے لوث سا آدمی ہے۔ آدمی کیا ہے چہرے اور بات چیت سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

عوام کی غربت کے سوا اسے بسل رائے سے ہر معاملے میں اختلاف تھا۔ اس نے عوام سے جھوٹے وعدے نہیں کئے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے ہاتھ میں الہ دین کا چراغ اور دیو نہیں ہے لیکن عوام کا ساتھ ہو تو کوئی بات ناممکن نہیں۔ عوام سے بڑی طاقت کوئی نہیں ہے۔ عوام تعاون کریں تو اس کی حکومت ان کے سپنوں اور امیدوں کو پورا کر سکتی ہے لیکن یہ ایک دن میں ممکن نہیں۔

وہ دونوں امیدوار ملک کے طوفانی دورے پر نکلے ہوئے تھے۔ آج وہ ممبئی کا دورہ کر رہے تھے۔ کیوں کہ اس حلقے کے رائے دہندگان انتخابات کے نتائج پر فیصلہ کن اثر انداز ہو سکتے تھے۔ اتوار کو دہلی کا دورہ کرنا تھا...... اور پھر سوموار یعنی الیکشن سے ایک دن پہلے انہیں آخری انتخابی تقریریں کرنی تھیں۔ یہ انتخابی الیکشن کا شیڈول تھا۔

مختلف موضوعات پر طرفین کی طرف سے دھواں دھار تقریروں کے بم بلکہ ایٹم بم داغے جا رہے تھے۔ فریقین دلائل و براہین کے اسلحہ سے لیس ہو کر ایک دوسرے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ کچھ شواہد پیش کئے جا رہے تھے۔ کیچڑ اچھال رہے تھے۔ کردار کشی کی جا رہی تھی۔ مثالیں دی جا رہی تھیں۔ ذاتیات پر حملے ہو رہے تھے۔ ایک طرح سے کھلی چھوٹ ملی ہوئی تھی۔ آج پانی کا مسئلہ گرما گرم اور جوشیلی تقریروں کا موضوع بنا ہوا تھا۔
بنیادی اختلاف ایک حد تک مضحکہ خیز اور عجیب سا تھا...... بسل رائے کا یہ بیان تھا کہ...... سائنس دانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ پانی میں فلورین دوا ملانے سے دانتوں کی بیماریاں ختم کی جا سکتی ہیں...... دوسری طرف چندر سنگھ اس بات پر زور دے رہا تھا کہ اگر پانی میں فلورین کی آمیزش کی گئی تو اس سے معصوم بچوں اور ضعیفوں کے دانتوں سے نا قابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے فلورین کی آمیزش لازمی نہ ہونی چاہئے۔ اپنی اپنی بات کی صداقت ثابت کرنے کے لئے ہر فریق کو بڑی دور کی سوجھ رہی تھی۔ سننے والے جیسے دوراہے پر کھڑے ہو گئے تھے۔

میں ذاتی طور پر چندر سنگھ کا طرف دار تھا...... اور مجھے اگر کسی اجتماع میں تقریر کے لئے دعوت دی جاتی تو میں سب سے پہلے یہی کہتا...... بھائیو!...... نت نئی بیماریوں کو عالم وجود میں لا رہی ہیں۔ انسان کے دکھ اور روگ آئے دن کم ہونے کے بجائے بڑھتے جا رہے ہیں...... لہٰذا سادہ پانی کو سادہ پانی ہی رہنے دیا جائے اور اسے کم از کم ملاوٹ سے آلودہ تو نہ کرو۔

ایسی ہی رقت خیز تقریر کو ذہن میں ترتیب دیتا ہوا میں اوبھر سا گیا۔ پھر میں نے کیس پر توجہ دی اور پھر کچھ یادداشتوں کے سہارے اور کچھ پرانے اخباروں کی مدد سے اپنے کیس پر سر کھپایا...... پولیس کا بیان تھا کہ...... گوپی ناتھ کی موت کو حادثاتی موت ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسے قتل کی واردات کہنا احمقانہ سی بات ہوگی۔ کیوں کہ وہ بالکونی کی ریلنگ پر سے پھسلا اور آٹھ منزلیں نیچے آیا...... اس روداد میں گوپی ناتھ کی بے تحاشا ہنسنے کی کوئی خبر نہ تھی۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ موت سے قبل دیوانگی کے عالم میں تھا۔ چنانچہ یہ ضروری تھا کہ میں اس کے معالج ڈاکٹر مکرجی سے رجوع کروں جو اس کا دماغی معالج تھا جس کا رتنا نے ذکر کیا تھا اور جس سے گوپی ناتھ اپنا ذہنی علاج کرا رہا تھا۔ وہ گوپی ناتھ کی ذہنی بیماری کے متعلق ٹھیک ٹھیک بتا سکتا تھا۔

میں نے ٹیلی فون ڈائرکٹری سے ڈاکٹر مکرجی کا فون نمبر نوٹ کیا۔ وہ بہت مصروف ترین ڈاکٹر تھا۔ اس سے ملاقات کے لئے کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا تھا۔ میں اس سے وقت لینے میں کامیاب ہو گیا تھا کیونکہ ایک مریض نے اپنا وقت ملاقات منسوخ کروا لیا تھا۔ وہ وقت مجھے دے دیا گیا تھا۔ میں نے اسے اپنا نام صرف مسٹر دیوا کمار بتایا تھا اور اس پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں اور گوپی ناتھ کے کیس پر کام کر رہا ہوں اگر میں اسے یہ بات بتا دیتا تو ڈاکٹر مکرجی مجھے ملاقات کا وقت ہرگز نہ دیتا۔

اس کے بعد میں نے جگ دیپ موہن اینڈ سنس کو فون کیا۔ جواب میں اس کی سکریٹری دلکش اور اٹھلاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس آواز سے تصور میں اس کا ایک حسین خاکہ ابھرا۔ یہ بہت خوب صورت اور طرح دار معلوم ہوتی تھی اور پھر وہ قدرے شوخ مزاج لڑکی لگتی تھی۔ ایسی لڑکی جلد راغب ہو جاتی تھی۔ ویسے بہت تیز اور طرح دار تھی۔ یہاں مجھے اپنا پورا نام...... پیشہ اور اختصار سے حالات زندگی اور اپنا حلیہ بتانے کے بعد بھی یہ واضح کرنا پڑا کہ...... میں گوپی ناتھ کی موت کے سلسلے میں مسٹر جگ دیپ موہن سے ملنا چاہتا ہوں...... بڑی مین میخ اور رد و قدح کے بعد اسی دن یعنی ہفتہ کی سہ پہر ڈیڑھ بجے کا وقت دیا گیا۔ پھر میں نے انیل پرکاش کو فون کیا مگر یہاں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اس کی سکریٹری نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ کئی دنوں تک مل نہیں سکتے۔

ایک بجے کے فوراً بعد میں...... جگدیپ موہن سنس کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ ایک ایجنسی تھی جو ہندوستان میں بڑی متمول اور بااثرات شمار ہوتی تھی اور اس کا اثر و رسوخ ملک بھر میں پنجے پھیلائے ہوئے تھا۔ اس کی وجہ فنکار ہی نہیں تھے بلکہ خود جگ دیپ موہن تھا جو چوٹی کے سیاست دانوں...... نمائش کنندگان...... ناشرین...... ممتاز عالموں اور ایک سیاسی جماعت کے کارکنوں میں یکساں مقبول اور معروف تھا۔ اس کی بڑی عزت اور پذیرائی کی جاتی تھی۔

اس کی ایجنسی کی خدمات صرف فنکاروں کی حد تک محدود نہ تھیں بلکہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والے ذہین افراد اس ایجنسی کے موکل تھے۔ ایجنسی نے درجن کے قریب موکلوں سے کام کا آغاز کیا تھا۔ جن میں آدھی درجن کے قریب پہلے ہی نام پیدا کر چکے تھے۔ ان میں دو ناولسٹ بھی تھے۔ ایک نے انگریزی زبان میں ناولیں لکھ کر نہ صرف نام پیدا کیا تھا بلکہ دولت بھی کمائی تھی۔ دوسرا ہندی زبان میں...... ان کی ناولیں ہندوستان کی تمام زبان ہاٹ کیک کی طرح فروخت ہوئی تھیں بلکہ آج بھی ہو رہی تھیں۔ ان کی متعدد ناولیں، فرنچ اور روسی زبان کے علاوہ امریکہ اور یورپ میں بھی شائع ہوئی تھیں۔ ایک ڈراما نگار تھا جو ٹی وی کے لئے سلسلہ وار ڈرامے لکھ رہا تھا...... ایک سیاسی رہنما جو کمیونسٹ تھا۔ وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ آسام اور مغربی بنگال

میں بھی بے حد مقبول تھا۔ اسے سال میں دو مرتبہ روسی حکومت سرکاری سطح پر مدعو کرتی تھی۔ ایک اداکارہ جو حسینہ عالم بنی تھی۔ پھر اسے فلموں میں لیا گیا تھا۔ جگدیپ موہن کو خوش کر کے اسے مقابلہ حسن میں ہندوستان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ جو لڑکیاں اسے خوش نہیں کرتی تھیں وہ نہ تو مقابلہ عالمی حسن میں حصہ لے پاتی تھیں اور نہ ہی اسے فلموں میں چانس ملتا تھا۔ اس کی ایجنسی جو اثر و رسوخ رکھتی تھی وہ ناقابل یقین تھا۔ اس کے علاوہ وہ بچوں میں بہت مقبول تھا۔ وہ ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا تھا۔ اس نے ایک دس برس کے لڑکے کو فن منصوری کی تحقیقات میں سر فہرست کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ بچوں کو کھیلوں میں بھی رہنمائی کرتا تھا۔

دیگر گوں حالات سے ایجنسی نے کام شروع کیا تھا لیکن آج تیرہ برس کے بعد ایجنسی کے پاس درجنوں کے حساب سے منصف، اداکار اور اداکارائیں...... شاعرہ، تصور، مجسمہ ساز اور کلاسیکل رقص کرنے والی رقاصائیں اور بیلٹ ڈانسر وغیرہ بھی تھے۔ اس ایجنسی کی طویل فہرست میں نام درج کرانے یعنی ممبرشپ حاصل کرنے والے کامیابی کی زریں سیڑھی پر پہلا قدم سمجھا جانے لگا۔ جب کوئی ایجنسی سے معاہدہ کر کے رکنیت کے فامر پر دستخط کر دیتا تو مختلف اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن غرضیکہ ہر ذریعہ ابلاغ کو استعمال کر کے اس کے نام کا ڈنکا بجا دیا جاتا۔ یہاں تک اس کا نام صوبہ کرناٹک، بہار اور بنگال تک تشہیر کیا جاتا...... مثال کے طور پر انیل پرکاش کا نام لیا جا سکتا ہے جس نے اس ایجنسی کے وساطت سے ہی دن دونی رات وگنی شہرت حاصل کی تھی۔

جگدیپ اینڈ سنس ایجنسی نے بالی ووڈ سن سیٹ بلیووارڈ کی ایک سات منزلہ عمارت میں آدھی منزل گھیر رکھی تھی۔ باقی دوسری منزل ٹاٹا انٹر پرائز کے تصرف میں تھی۔ جہاں انیل پرکاش کی تصاویر، پرستاروں کی ڈاک اور اس کی آمدنی کا حساب کتاب کے علاوہ دوسرے امور بھی انجام پاتے تھے۔ میں نے سن سیٹ بلیووارڈ سے ذرا آگے مین ڈرائیو میں اپنی گاڑی پارک کی اور پھر پیدل دفتر کی طرف چل دیا۔ ایجنسی کا دفتر یہاں سے پانچ سات منٹ کی مسافت پر تھا۔ اس کے دفتر کے پاس کار پارکنگ ایک مسئلہ تھا۔

پٹیل بلڈنگ کے سامنے میرے دائیں ہاتھ پر جگدیپ موہن سنس ایجنسی کی عمارت تھی۔ جگدیپ موہن نے اس عمارت میں سب سے پہلے اپنا دفتر لیا تھا۔ جس کا رنگ و روغن پرانا ہو چکا تھا۔ اب وہ اس قسم کی بیسوں عمارت خریدنے پر قادر تھا۔ مگر شاید نیا نو دن پرانا سو دن...... کے مصداق یا پھر عہد وفا نبھانے کے تقاضے کے مدنظر وہ ابھی تک اس میں قائم تھا۔ میرے بائیں ہاتھ اسٹیٹ بینک بلڈنگ کی دس منزلہ عمارت پرانی ہو جانے کے باعث گرائی جا رہی تھی۔ اسے زور و شور سے منہدم کیا جا رہا تھا۔ صرف اسٹیٹ بینک کی عمارت ہی نہیں بلکہ اس علاقے میں جتنی بھی

پرانی، شکستہ اور بوسیدہ عمارتیں تھیں وہ سب کی سب منہدم کی جا رہی تھیں۔ انہدام کے لئے کرین استعمال کیا جا رہا تھا اور اسٹیٹ بینک کی عمارت کا ایک حصہ جو رہ گیا تھا وہ زمین بوس کیا جا رہا تھا۔ کرین کی تھوتھنی سے ایک آہنی رسہ لٹک رہا تھا جس کے سرے پر ناشپاتی جیسا ایک ضخیم عریض گیند لٹک رہا تھا۔ تعمیراتی کاموں میں اس گیند کو مضارب کہا جاتا ہے۔ یعنی ضرب رسید کرنے والا...... ایک بج کر اٹھائیس منٹ ہو چکے تھے۔ اگر میں ڈیڑھ بجے میں جگدیپ موہن سے ملنے نہ پہنچتا تو ممکن تھا کہ اس کی نکتہ چینی اور سرد مہر سیکریٹری کسی فریج سے زیادہ سرد، ایک جوان لڑکی جو لب و لہجے سے اس کی عمر کا اندازہ ہوتا تھا۔ میں دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

چوتھی منزل پر ایلیویٹر سے اترا۔ غالیچے اور راہ داری کے کنارے شفاف شیشوں کے دروازے والے کمرے بار بار کھل اور بند ہو رہے تھے۔ میں اس دروازے کی طرف بڑھ گیا جس کی پیشانی پر جگ دیپ موہن ایجنسی کے پریذیڈنٹ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ ناب گھما کر دستک دیئے بغیر اندر چلا گیا۔ جس دروازے کی پیشانی پر جو بورڈ تھا اس دروازے پر پیون دکھائی نہیں دیا۔ شاید لنچ کرنے گیا تھا۔ بڑے وسیع و عریض کمرے میں تپلی کمر...... تکونی فراک اور ماڈل گرل جیسے چہرے والی خوب صورت لڑکی بڑی چھوٹی نظر آ رہی تھی۔ وہ کم بخت مجھے فوراً ہی سیکریٹری کے اندرونی کمرے میں لے گئی۔ جب کہ میں پوری طرح اس کا چہرہ اور جسمانی نشیب و فراز کو نظروں میں جذب کر نہیں پایا تھا۔ میں اس کے قرب میں خوشبو سے معطر ہو گیا تھا۔ اسے کسی خوشبو کی کیا ضرورت تھی جو اس نے اپنے لباس پر اسپرے کیا ہوا تھا۔ وہ خود خوشبو تھی۔ یہاں ایک سیکریٹری کے قریب سوئچ بورڈ پر ایک اور لڑکی موجود تھی۔ سیکریٹری خود بھی باسی روٹی کی طرح سوکھی ہوئی تھی۔

''مسٹر دیوا......'' اس کی مترنم خیز آواز فضا میں لہرائی۔ ''سوری سر! مسٹر دیوا کمار......!''

''مسٹر جگ دیپ موہن آپ کے منتظر ہیں۔'' اتنا کہہ کر اس نے دستی گھڑی میں وقت دیکھا۔

اور اگلے لمحے میں جگ دیپ موہن کی حضوری میں پہنچ گیا...... جگ دیپ موہن کا لمبا چوڑا کمرا نہایت نفاست سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ سبز رنگ کی دیواریں اور دیواروں پر ایجنسی کے موکلوں کے گروپ فوٹو...... ایک دیوار پر انیل پرکاش کی ابوالہوس انداز کی رنگین تصویر سجی ہوئی تھی...... دائیں بائیں اس کے وہ چودہ ریکارڈ ٹنگے ہوئے تھے جو انیل پرکاش کے ماسٹر پیس تھے۔

ایک تصویر کے نیچے سیاہ میز کے عقب میں جگ دیپ موہن بیٹھا ہوا تھا...... مجھے اعتراف ہے کہ کمرے کے گوناگوں، رنگوں کے باوجود ان سب سے زیادہ لشکارے مار رہا تھا۔ اپنے لباس کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی شخصیت کی وجہ سے...... اخباروں اور ٹیلی ویژن پر نہ جانے اسے کتنی مرتبہ دیکھ چکا تھا مگر ملاقات تو پہلی مرتبہ ہوئی تھی۔ اس کی ہر ادا سے حرارت اور زندگی ٹپک رہی تھی۔ جو تصویر اور فلم

میں کبھی محسوس نہ ہوئی تھی جیسے ہی میں اندر داخل ہوا وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور میز کے گرد چکر لگاتے ہوئے میری طرف بڑھا تو اس عزت، پذیرائی اور پر جوش اقدام پر مجھے حیرت اور خوشی ہوئی۔

''خوش آمدید مسٹر دیواکمار!'' وہ پرجوش لہجے میں بولا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ میں ملک کے نامور سراغ رساں سے مل رہا ہوں۔''

''ہیلو مسٹر جگدیپ موہن!......'' میں نے بھی خوش دلی سے کہا۔ ''آپ نے اپنا قیمتی وقت ملاقات کے لئے دیا ہے اس کا شکر گزار ہوں۔''

میں نے اس سے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے دیکھا...... عمر پچاس برس کے قریب...... قامت میں میرے برابر مگر جسم میں مجھ سے دبلا...... بھوری پتلون...... زردی مائل نیلگوں قمیض اور موزوں طور پر فٹ کوٹ...... سچے بال، کنپٹیوں کے قریب سے بھورے ہو رہے تھے...... ایک بات عجیب سی تھی...... متواضع اور خلیق انداز کے باوجود مجھے گمان ہوا جیسے وہ ساری دنیا کو اور مجھے حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہو۔ میں ایسی نظروں اور باتوں کا عادی تھا۔

''آؤ بیٹھو مسٹر دیواکمار!......'' میرے نام کا حرف......... ادا کرتے ہوئے اس کی زبان قدرے تلملائی۔ ''میری سیکریٹری نے بتایا ہے کہ آپ گوپی ناتھ کے سلسلے میں آئے ہیں...... کیا آپ اس کے وارثوں کے نمائندے ہیں......؟''

''وارث!......؟'' مجھے یہ خیال بھی نہیں آیا تھا اور نہ ہی رتنا نے بتایا تھا۔ میں نے اس سے سوال کیا؟ ''تو کیا وہ کچھ ترکہ چھوڑ گیا ہے۔''

''ہاں...... میرا خیال ہے کہ پچیس تیس لاکھ کے قریب......'' اس نے یوں کہا گویا اس کے نزدیک پچیس تیس لاکھ معمولی سی رقم ہو۔

''فی الحال میں اس سلسلے میں حاضر نہیں ہوا'' میں نے اسے جواب دیا۔

''تو آپ کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں، مسٹر دیواکمار!......؟'' اس نے پوچھا۔

''میں آنجہانی گوپی ناتھ کی موت کے متعلق کچھ معلوم کرنے آیا ہوں۔''

''اچھا......'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟''

''آپ کی اس سے کافی گہری شناسائی تھی۔ یہ سچ ہے نا؟'' میں نے کہا۔

''جی ہاں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ہماری دوستی بہت عرصے سے تھی۔ یہ حقیقت ہے۔''

''دراصل میں آپ کو یہ بتانے کی زحمت دینے حاضر ہوا ہوا کہ کوئی ایسی بات ہو جس سے یہ گمان ہو سکے کہ اس کی موت حادثاتی طور پر واقع نہ ہوئی تھی۔'' میں نے اس سے کہا۔

اس کی موت ایک حادثے کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔'' اس نے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

''پولیس نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔''

''دراصل موت چار وجوہات کی رہن منت ہوتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کیوں......؟''

''وہ چار وجوہات کیا ہیں......؟'' کیا آپ بتائیں گے مسٹر دیواکمار......؟'' وہ بولا۔

''قدرتی وجوہات میں بیماری وغیرہ......'' میں نے جواب دیا۔ ''حادثہ...... خودکشی اور قتل...... میں آخری تین وجوہات پر تفتیش کر رہا ہوں۔''

''کیا...... تم اس کے کسی رشتہ دار کی نمائندگی کر رہے ہو؟'' اس نے کہا۔

''آہستہ آہستہ مجھ پر راضی ہونے لگا تھا کہ میں اس معاملے کی تہ تک نہیں پہنچ رہا۔ جگ دیپ موہن مجھے نئی نئی باتیں سمجھا جا رہا تھا۔

''میں ایک موکل کی نمائندگی کر رہا ہوں۔ جس کا نام......'' میں چپ ہو گیا۔

''نامعلوم بنا پر میں اسے رتنا کا نام بتاتے بتاتے رہ گیا۔ ''بس...... آپ اسے ایک موکل ہی کہہ لیں۔'' میں نے کہا۔

''میں نام جاننے کی کوشش نہیں کروں گا مسٹر دیواکمار! تمہارے موکل کا نام میرے لئے کسی دلچسپی کا حامل نہیں۔'' وہ بولا۔

''جگ دیپ موہن نے برا منائے بغیر خوش دلی سے کہا تھا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں ایک نامعلوم سی چمک نمودار ہو گئی تھی۔

''پولیس کو یقین ہے کہ مسٹر گوپی ناتھ کی موت اتفاقیہ یا حادثاتی طور پر واقع ہوئی تھی۔'' میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ''مگر جو بات میرے علم میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ڈاکٹر مکرجی کے زیر علاج تھا۔ ڈاکٹر مکرجی جو ماہر نفسیات ہے۔''

''کیا......؟'' جگ دیپ موہن اس طرح سے اچھل پڑا جیسے اسے زبردست برقی جھٹکا لگا ہو۔

''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اپنی جگہ سولہ آنے درست ہے۔'' میں بولا۔

''آپ......؟'' اس کے چہرے پر حیرت چسپاں ہو گئی تھی۔ ''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ ڈاکٹر مکرجی کے زیر علاج تھا؟''

''آپ جانتے ہیں کہ میں ایک سراغ رساں ہوں اس لئے یہ بات میرے......''

''لیکن اس نے تیزی سے درمیان میں کہا۔ ''اس کی کیا ضرورت تھی؟''

''میرا تو یہ خیال تھا کہ...... یہ بات آپ کے علم میں یقیناً ہو گی؟''

''میں کیا بتا سکتا ہوں...... میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔'' وہ بولا۔

''حیرت کی بات ہے کہ آپ ایسی اہم بات سے بے خبر تھے؟'' میں نے کہا۔

"آوہ......!" اس کے لہجے میں تاسف سا تھا۔" غالباً آپ یہ سمجھتے ہیں کہ گوپی ناتھ نے خودکشی کی ہے۔ کیوں! یہی بات ہے نا......؟"

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا......؟" میں نے کہا۔" کیوں کہ میں اندھیرے میں کھڑا ہوا ہوں۔ ویسے آپ کی اس سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔"

"ہاں...... میری اس سے روزانہ ہی ملاقات رہتی تھی...... میں آپ کے سوال کی غرض و غایت جان گیا ہوں۔ میرا جواب یہ ہے کہ وہ کسی طرح بھی مایوسی یا خلجان کا شکار نہیں تھا۔ مجھے یقین ہے بلکہ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی موت اتفاقی حادثہ تھی۔"

"جب وہ اپنی بات کہہ چکا تو میں نے پوچھا۔" قتل کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"قتل......؟" اس نے آنکھیں جھپکا کر بند کرلیں۔ اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔

اس لفظ قتل پر اکثر لوگوں کا ردعمل بڑا عجیب اور مضحکہ خیز ہوتا ہے۔

"بڑا عجیب سوال ہے۔" اس نے چندلمحوں کے بعد آنکھیں کھول کر کہا۔" کسی کو آخر کیا پڑی تھی کہ اسے قتل کردے۔ راستے سے ہٹادے۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی اچانک بج اٹھی تو وہ جو کوئی اور بات کہنے والا تھا اس نے نہیں کہا۔ اس نے مجھ سے معذرت کرکے ریسیور اٹھایا۔

معلوم نہیں دوسری طرف کون تھا وہ اس سے باتیں کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس دوران میں اس کے خوب صورت دفتر کا غائر جائزہ لینے لگا۔

جگ دیپ موہن کے پیچھے دو وسیع و عریض کھڑکیاں تھیں جن کی درمیانی دیوار پر ایک بنگالی مصور کا مشہور شاہکار زندگی اور موت آویزاں تھا۔ یہ تصویر جگ دیپ موہن نے اس وقت خریدی تھی جب وہ مصور اس کی ایجنسی کا رکن نہیں بنا تھا۔ اس نے یہ تصویر پچاس ہزار روپے میں خریدی تھی......

یوں تو میں بھی مصوری کا تھوڑا بہت ذوق رکھتا ہوں اور اکثر تصویری نمائشوں میں جاتا رہتا ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس تصویر میں ایسی کوئی بات دکھائی نہ دے رہی تھی جو اسے اتنی گراں قیمت پر خریدا جاتا۔ شاید آرٹ کے نقادوں اور جاننے والوں کے لئے اس میں ایسی کوئی بات ہوگی......اس تجریدی شاہکار پر مجھے یوں گمان ہورہا تھا جیسے مصور رنگوں سے برش بھر بھر کر وارفتگی سے ادھر ادھر چھینٹے مارتا رہا ہو۔ چوبیس مربع فٹ کی تصویر مجھے نہ تو کہیں زندگی نظر آرہی تھی اور نہ کہیں موت......

چینی آنکھوں والے پروفیسر داس گپتا کی پورٹریٹ بھی ان میں شامل تھی۔ جو دہلی یونیورسٹی میں آج کل جدید معاشی نظریات بکھیر دیا کرتا تھا۔ میں نے اس کی مختلف کتابوں میں سے کسی کا مطالعہ نہ کیا تھا۔ کیوں کہ مجھے اس موضوع سے دلچسپی بالکل نہ تھی۔

جگ دیپ موہن نے خاصی دیر تک فون پر بات کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔

"گوپی ناتھ کی موت چاہے جس طرح بھی واقع ہوئی ہو میرا فرض ہے کہ میں تمام امکانات کی تفتیش کروں۔" میں نے کہا۔" اس لئے بھی کہ قتل بھی ایک ایسا امکان ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے......" اس نے تیزی سے سرہلایا۔" لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے گوپی ناتھ کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ وہ بڑا نفیس، شائستہ اور خلیق انسان تھا۔ ہر کسی سے محبت اور خندہ پیشانی اور خلوص سے پیش آتا تھا۔"

اپنی بات ختم کرکے وہ چندلمحوں تک گوپی ناتھ کی شرافت کے گن گاتا رہا۔ میں سنتا رہا اور خاموش تھا اس کے سوا چارہ بھی تو نہیں تھا۔

"کیا گوپی ناتھ اور انیل پرکاش کارپوریشنوں میں شراکت رکھتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں وہ دونوں پرتھوی انٹرپرائزز بیشتر حصص کے مالک تھے۔ باقی حصے میری ایجنسی کے تھے۔ گوپی ناتھ نے تین چار جگہ انفرادی سرمایہ کاری کررکھی تھی جس سے اسے خاصا مالی فائدہ ہوتا تھا۔

"ایک بات اور...... کیا مسٹر انیل پرکاش سے ملاقات کا بندوبست ہوسکتا ہے......؟"

"ہو کیوں نہیں سکتا......؟" اس نے جواب دیا۔" ذرا مشکل ہے۔ آپ کچھ خیال نہ کریں۔"

"مشکل کیوں اور کس لئے؟" میں نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔" آپ بتائیں گے؟"

"اس لئے کہ وہ بڑا احساس شخص ہے۔" اس نے جواب دیا۔" گوپی ناتھ کی موت کے بعد سے آج کل ذہنی پراگندگی کا شکار ہورہا ہے۔ کیوں کہ یہ صدمہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اس لئے اس نے ہر کسی سے ملنا جلنا بند کیا ہوا ہے۔"

حقیقت بھی یہی تھی۔ گوپی ناتھ کی موت سے انیل پرکاش نے بڑا اثر لیا ہوا تھا...... اور پھر یہ سنا گیا تھا اور یہ خبر عام تھی کہ وہ اکثر سکتے کے عالم میں رہتا ہے۔ اخبارات میں اس کا یہ بیان بھی چھپا تھا کہ وہ صدمے سے بیمار ہوگیا ہے۔

اس کا بیمار ہونا ایک فطری امر بھی تھا۔ کیوں کہ گوپی ناتھ کی زندگی میں ان کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا ایک ساتھ تھا۔ اسٹوڈیو میں ریکارڈنگ کے لئے بھی وہ اس وقت تک نغمہ سرا نہیں ہوسکتا تھا جب تک گوپی ناتھ اس کے سامنے موجود نہ ہوتا ہو۔

میں کہتا ہوں کہ پس منظر کی تھوڑی سی وضاحت کردوں تو زیادہ مناسب ہے۔

انیل پرکاش اپنے وقت کا بہترین گلوکار تھا...... یہ وہ زمانہ ہے کہ جب ایک پتھر اٹھاؤ تو دس گلوکار کلبلاتے نظر آتے ہیں۔ جو گونج دار پالوں...... جدید مائیکروفونوں اور زیرو بم بڑھانے

والے آلات کی مدد سے ایک کیسٹ کو بیسوں مرتبہ ٹیپ ریکارڈ کراتے ہیں...... پھر اس ٹیپ کئے
ہوئے کو سینکڑوں مرتبہ سنا جاتا ہے۔ کانٹ چھانٹ کی جاتی ہے اور پھر بیس مرتبہ گائے ہوئے ایک
ہی گیت کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑ کر ماسٹر پیس نغمہ عالم وجود میں آ جاتا ہے۔ اگر ان نام نہاد گلوکاروں
کو ٹی وی پر گانے کے لئے پیش کیا جائے تو شاید ایک فیصد ہی کامیاب ہوں...... اور اگر انہیں اسٹیج
پر لایا جائے تو یقین ہے کہ سو فیصد کا پھلکا اڑ جائے گا...... یہی نہیں فلموں میں تو ستم ظریفی بھی روا
ہے کہ لب کسی کے حرکت کر رہے ہیں۔ گانے والا کوئی اور ہوتا ہے۔

انیل پرکاش بھی جدید ایجادات سے مدد لیتا تھا...... لیکن اس کی آواز کے سوز و گداز سے ان
نام نہاد گویوں اور گلوکاروں سے منفرد اور ممتاز بنائے ہوئے تھا...... گونج دار ہال، مائیکروفون اور
آواز کا زیروبم بڑھانے اور گھٹانے والے آلات سے اس کی رسیلی آواز کے لئے یہی درجہ رکھتے
تھے جو کسی نادر شاہکار تصویر کے لئے سونے کا فریم رکھتا ہو۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ کسی شاہکار کے
بغیر سونے کا چوکٹا بیکار ہو جائے۔

کئی برس پہلے کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ ان دنوں انیل پرکاش جگدیپ موہن کی ایجنسی کا رکن
نہیں بنا تھا...... انیل پرکاش کو ایک نائٹ کلب میں جم غفیر کے سامنے گانا پڑا۔ مگر وہ بری طرح
ناکام رہا۔ اس کا منہ کھلا۔ مگر ایک بےسری چیخ کے سوا کچھ برآمد نہ ہوا۔ ایک ماہ تک وہ بالکل گا نہیں
سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پورا مہینہ گوپی ناتھ اس سے جدا رہا تھا۔ گوپی ناتھ جو سر کی خفیف
حرکات...... ہاتھوں کے ستائشی انداز سے ہلا کر اور چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی
حوصلہ افزائی کرتا رہتا تھا گوپی ناتھ ایک بیماری کے باعث سارا مہینہ اسپتال میں زیر علاج رہا تھا۔

ظاہر ہے ان حالات میں گوپی ناتھ کی موت انیل پرکاش کے لئے ایک عظیم حادثہ تھی۔ اس
عظیم حادثے اور اس کے رد عمل کے متعلق لوگوں کو خوب معلوم تھا کہ انیل پرکاش کیسے عظیم صدمے
سے دوچار ہے۔ لوگوں کی ہمدردیاں انیل پرکاش کے لئے کچھ اور بڑھ گئی تھیں۔ مجھے اچانک ایک
خیال آیا کہ اگر گوپی ناتھ کی موت مستقل ثابت ہوئی تو انیل پرکاش کا مستقبل کیا ہوگا؟ کیا وہ اب
کبھی گانا گا سکے گا......؟ اس پہلو پر کیا کسی نے غور کیا ہوگا......؟

میں نے سر اٹھا کر جگ دیپ موہن کی طرف دیکھا...... اس کے چہرے پر سوچ کی
پرچھائیاں تھیں۔ وہ بھی شاید اسی قسم کی کوئی بات سوچ رہا تھا۔

''میرے لئے بڑی الجھن پیدا ہوگئی ہے۔'' جگ دیپ موہن کہنے لگا۔ ''اگر انیل پرکاش
نے اس صدمے کا مستقل اثر لے لیا تو ہندوستان ایک بہترین فنکار سے محروم ہو جائے گا اور میں
لاکھوں کی آمدنی سے محروم ہو جاؤں گا۔''

''ہاں...... یہ بات تو ہے۔'' میں نے تائیدی انداز میں سر ہلا کر اسے دیکھا۔

''مجھے یہ خدشہ اس وقت لاحق ہو گیا تھا جب میں نے انیل پرکاش کے پہلے البم کی ریلیز سے
چند، ماہ پیشتر ایک موقع پر اسے اسٹیج پر پیش کیا تھا۔ یہ ایک قصبے کا اسٹیج تھا...... نہ جانے کیوں اس پر
اسٹیج کا خوف بری طرح طاری تھا۔ کسی آسیب کی طرح مسلط تھا۔ تاہم وہ خاصی حد تک کامیاب
رہا...... پھر اس دوران وہ بری طرح ناکام ہو گیا۔ اس دن دراصل گوپی ناتھ غیر حاضر تھا۔''

اس کے اس فون کی گھنٹی بج اٹھی جس کا نمبر براہ راست تھا اور یہ نمبر وہ خاص خاص لوگوں کو دیتا
تھا ہر عام و خاص کے پاس یہ نمبر نہیں ہوتا تھا۔

جگ دیپ موہن نے توقف کر کے شانے اچکا کر متفکر انداز سے فون کی طرف دیکھتے ہوئے
ریسیور اٹھا لیا۔ وہ بے حد اہم اور معروف شخص جو تھا۔

مجھے احساس ندامت ہونے لگی اس کا قیمتی وقت میری وجہ سے ضائع ہو رہا تھا۔ لیکن اس مرتبہ
چند سی باتیں کر کے جلد ہی فارغ ہو گیا تھا۔

اچھا آپ انیل پرکاش سے ملاقات کا انتظام نہیں کر سکتے تو کوئی بات نہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں دوبارہ اپنے طور پر کوشش کروں گا۔''

''مسٹر دیوا کمار......!'' اس نے اپنی ایک انگلی چٹخاتے ہوئے کہا۔ ''یہ انیل پرکاش کی مرضی
پر منحصر ہے۔ میں کوشش کر کے دیکھتا ہوں مجھے امید ہے کہ وہ میری بات رد نہیں کرے گا اور نہ ہی
اسے کرنا چاہئے۔ اس نے کبھی میری کوئی بات رد نہیں کی۔''

میں نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''شاید آپ کی ملاقات اس حق میں سود مند ہو'' اس نے قدرے تامل کے بعد کہا۔ ''اگر
آپ اسے اس بات کی حقیقت کا احساس کرا دیں کہ ہونی ہو کر رہتی ہے تو وہ شاید سنبھل جائے۔
ہوسکتا ہے کہ آپ کے ساتھ گوپی ناتھ کی خودکشی یا قتل کے متعلق گفتگو کے بعد اس کے دل و دماغ پر
جو پھیلا ہوا غبار ہے وہ صاف ہو جائے۔ پھر سے اپنی سابقہ حالات میں آ جائے۔

اچانک اس کی میز پر ایک انٹرکوم بج اٹھا۔ جگ دیپ موہن کے چہرے پر کبیدگی پھیل گئی اور ا
س نے بٹن دبا کر چیختے ہوئے کہا۔

''میں نے کہا ہے کہ مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ رجنی! آخر تم......''

دوسرے فون کا ریسیور اس کے کانوں سے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ بات کئے بغیر وہ چپ ہو گیا۔
کچھ سننے کے بعد وہ ریسیور رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''مسٹر دیوار کمار!'' وہ معذرت خواہانہ انداز سے بولا۔ ''میں ابھی آتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ جانے اس کی سیکریٹری نے اس سے کیا بات کہی تھی جو وہ میرے سامنے گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں چند لمحوں تک انتظار کرنے کے بعد میں اٹھا اور تصویر...... زندگی اور موت کے سامنے جا کھڑا ہوا...... اب بھی اس میں کوئی خاص بات دکھائی نہ دی۔ میں نے بہت دماغ کھپایا۔ تجریدی آرٹ کوئی آرٹ نہ تھا۔ یہ مغرب والوں کو کیا کہا جائے یہ اور نثری شاعری دونوں فنون وظیفہ میں شامل کر کے اس کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ واپس مڑتے ہوئے جگ دیپ موہن کی میز کے نیچے گھٹنوں کے قریب ایک سفید بٹن دکھائی دیا۔ اس قسم کا بٹن میرے لئے نیا نہیں تھا...... ایک بدمعاش گھٹنے سے ایسا بٹن دبا کر اپنے ساتھیوں کی مدد طلب کیا کرتا تھا۔ ایک اور گرگا ایسے ہی بٹن کو فولادی دروازہ مقفل کرنے کے لئے استعمال کیا کرتا تھا۔ یہاں یہ بٹن دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ جگ دیپ موہن جیسی معزز ہستی بٹن کو کس لئے استعمال کرتی ہے۔ اپنی تجسس پسند طبیعت سے مجبور ہو کر میں نے آگے بڑھ کر بٹن دبا دیا۔

بٹن دبتے ہی اس ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی جس پر جگ دیپ موہن لاکھوں کے سودے کرتا تھا۔ میں اچھل کر اپنی سیٹ پر جا بیٹھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ جگ دیپ موہن اس بات سے واقف ہو جائے کہ یہ میری شرارت تھی۔ جگ دیپ موہن تیزی سے اندر آیا۔ میں سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ ہیلو ہیلو کر کے رکھ دیا۔

''فون پر تو کوئی نہیں ہے......؟'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے الجھ کر کہا۔

''میں اسی اثنا میں معاملے کی تہہ کو پہنچ چکا تھا۔ اس فون کو ملاقات کے وقت کے دوران ٹنٹنانا اور اٹھنے کی بری عادت تھی۔ جب اس کے پاس کوئی ملاقاتی بیٹھا ہوتا تھا تاکہ فون پر لاکھوں اور کروڑوں کی باتیں کر کے وہ اپنے ملاقاتی کو مرعوب اور متاثر کر سکے اس سے جگ دیپ سہنا کو اس موضوع کے متعلق سوچنے کی کافی مہلت مل جاتی تھی۔ جس سے ملاقاتی سے وہ بات کر رہا ہو۔

''ممکن ہے اس شخص نے فون کیا ہو جس سے تھوڑی دیر پہلے بات ہوئی تھی۔'' میں نے کہا۔

''اس نے شاید کسی وجہ سے سلسلہ منقطع کر دیا ہو؟''

اس نے چند لمحوں تک سوچا مگر کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ میری رمزیہ بات اس کی عقل رسائی سے پار تھی۔ وہ دل میں حیران تھا کہ یہ گھنٹی کیسے بجی۔ چند لمحوں کے بعد اس کی مخصوص مسکراہٹ لوٹ آئی۔

''آپ مسٹر انیل پرکاش سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں نا؟'' اس نے کہا۔

''ہاں میرے لئے یہ خوشی اور اعزاز کی بات ہوگی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

''اچھا......'' اس نے لمحے کے لئے سوچا اور پھر پوچھا۔ ''کون سا وقت موزوں رہے گا؟''

''چار بجے کے بعد کیوں کہ تین بجے مجھے کسی اور سے ملنا ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' جگدیپ موہن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''چار بجے کے بعد آپ اس سے مل لیں۔ وہ آپ سے ملاقات کے لئے آمادہ ہے۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' میں نے کھڑے ہو کر اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔''

پھر میں اس سے رخصت ہو کر کمرے سے باہر آیا۔ میں نے استقبالیہ کے کاؤنٹر پر ماڈل گرل جیسی سیکریٹری پر نظر ڈالی۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔ میں نے سوچا۔ کیا اسے لنچ کی دعوت دوں۔ میرے پاس وقت کم تھا۔ ورنہ میں اس بلبل کو اپنی طرف راغب کر لیتا۔

عمارت سے باہر جاتے وقت مجھے خیال آیا۔ اگر وہ مجھ سے گفتگو کے وقت ڈسٹرب ہونا نہیں چاہتا تھا تو اس نے پہلے ہی اپنی نازک اندام حسینہ کو یہ ہدایت کیوں نہ دے دی کہ فون کا رابطہ اس سے نہ ملایا جائے۔ مگر شاید وہ دونوں فون جو اس نے میری موجودگی میں وصول کئے تھے اس سفید بٹن کا کرشمہ تھا جو گھٹنے سے دب کر فون کی گھنٹی کو حرکت میں لے آتا تھا۔

ڈاکٹر مکرجی کے کلینک تک جانے کے لئے ٹریفک اژدہام سے نکلنا پڑتا ہے۔ میں وہاں کسی نہ کسی طرح جلد ہی پہنچ گیا جس کی مجھے توقع نہ تھی۔ وہ چوپائی کے قریب بلندی کے ایک مقام پر تھا۔ جہاں سے سمندر اور اعلیٰ رہائشی علاقہ دکھائی دیتا تھا۔

میں اس مقام پر پہلے بھی کئی بار آ چکا تھا۔ مگر کبھی ڈاکٹر مکرجی کے کلینک میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ میں گاڑی چلاتے ہوئے اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اس کے متعلق سننے میں آیا تھا کہ دماغی علاج کے سلسلے میں اس نے لکھنو فرائڈ کے قطعی متضاد اصولوں پر عمل کر کے بے شمار مریضوں پر کامیاب تجربے کئے تھے...... اور اس سلسلے میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ گزشتہ چالیس برسوں میں فرائڈ کے جنسی نظریات کا زوال شروع ہو گیا تھا اور یہ کہا جانے لگا تھا کہ دماغی امراض کے سلسلے میں فرائڈ کے نظریات کتابی ہیں...... اور ان سے کوئی مدد نہیں لی جا سکتی۔ فرائڈ کے نظریہ کو بھی جھٹلایا جانے لگا تھا کہ بچہ محض اس لئے ماں کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے کہ جنسی ضمن میں وہ والد کو اپنا رقیب تصور کرتا ہے۔ نفسیاتی امراض کے سلسلے میں لوگ فرائڈ کے تصورات اور عقائد سے بدظن ہو چکے تھے اور پھر فرائڈ کا یہ مقولہ بھی رد کیا جانے لگا تھا کہ فرد اپنے گناہوں کے لئے قابل الزام نہیں ہوتا۔

فرائڈ کے زوال میں دیکھا جائے تو ڈاکٹر مکرجی کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے فرائڈ کو محض فراڈ قرار دیا تھا اور فرائڈ کے برعکس عقائد اور تصورات پیش کئے۔ ان کا نام ڈیارف رکھ دیا جو فرائڈ کا الٹ تھا۔ لوگ نئی لڑکی، کوئی نئی چیز پر گرما گرم پکوڑوں کی طرح لپکتے ہیں۔ چنانچہ اب ہر طرف ڈیارف کا چرچا ہونے لگا۔ فرائڈ کے اصولوں پر عمل کرنے والے معالجوں کی فیس اور اہمیت گھٹنے لگی۔

ڈیارف دور کے معالج کی بڑھتی چلی گئی تھی۔اب ہر طرف مکر جی کا طوطی بولنے لگا۔وہ کل تک فرائڈ کے گن گاتے تھے۔اس دور کی مدح سرائی کرنے لگے۔اور وہ ہیرو بن گیا۔اس نے مختلف طبی کتابیں لکھیں جنہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔طبی رسائل نے ان کتابوں کو خوب اچھالا اور مکر جی اب صرف ایک گھنٹے کی فیس کے طور پر ہزار روپے وصول کرنے لگا۔

یہ وہ شخص تھا جس سے میں ملنے جارہا تھا۔تین بجے میں نے کار پارک کے بورڈ کے پاس کھڑی کی اور عمارت کی طرف تیزی سے چل دیا۔

بیرون دفتر میں ایک صوفہ...... چند خمیدہ کرسیاں...... ایک میز جس پر متعدد رسائل و جرائد بکھرے ہوئے تھے اور ایک ڈیسک تھی جس پر ٹائپ کی جگہ کمپیوٹر تھا۔

میں نے ریسپشن کے پاس جاکر اپنا تعارف کرایا تو لڑکی نے میری طرف دیکھے بغیر بدستور ٹائپ کرتے ہوئے رکھائی سے کہا۔''بیٹھ جاؤ۔''

میں نے ڈرتے ڈرتے ایک نازک اندام اور نازک مزاج کرسی پر بیٹھ گیا۔میرے بیٹھنے پر کرسی نے ہلکی سی صدائے احتجاج بلند کی مگر خیر رہی کہ مجھے نیچے نہیں پٹخ دیا۔تھوڑی دیر بعد اس خشک مزاج سیکریٹری کے ڈیسک پر ایک گھنٹی بجی۔

اس نے تھوتھنی اٹھا کر میری طرف دیکھا اور بولی۔''اندر جائیں مسٹر دیوا کمار!......''

اس نے کچھ اور بھی کہا تھا لیکن میں سن نہ سکا۔چند لمحوں میں ہی میں اتنا اکتا چکا تھا کہ وہاں سے اٹھ کر بھاگا۔دروازے کی مٹی پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ پیچھے سے ایک سرد کرخت آواز سنائی دی۔

''ابھی نہیں......''میں نے کہا...... پلیز! ایک منٹ۔''

مگر میں یہ بات بھی ان سنی کرکے دروازہ کھول چکا تھا۔دروازہ کھولتے ہی جو میں نے منظر دیکھا اس نے مجھے بے حس وحرکت اور جامد کرکے بت بنا دیا۔میرے پاؤں وہیں گڑ کر فرش کا حصہ بن گئے تھے۔میری آنکھیں بھی منجمد ہوگئی تھیں۔

میرے حلق میں سے زاہ...... باز جیسی کوئی آواز نکلی...... یا شاید یہ آواز غرور...... جیسے کسی کا گلا بند ہورہا ہو۔اندر کوئی .... بن مانس یا بھوت یا چڑیل نہیں تھی بلکہ ایک کافر ادا جوان حسینہ بالکل فطری حالت میں دوسری سمت جارہی تھی۔اس کے بدن پر ایک تار بھی نہیں تھا...... یقین نہیں آیا تھا کہ وہ اس حالت میں ہوسکتی ہے۔

یہاں تک تو ٹھیک تھا مگر خرابی یہ تھی کہ وہ میری طرف نہیں بلکہ دوسری طرف گامزن تھی۔اس المیے اور زیادتی پر میرے منہ سے نکلا کہ...... یہ کیا......؟ صدائے احتجاج بلند ہوئی۔اس نے یہ آواز سنی اور یک لخت رک گئی۔پھر اس نے مڑ کر چند ثانیوں تک مجھے دیکھا اور اس کے مرمریں

حلقوم سے...... روئی...... کی باریک اور مترنم آواز ابھری۔

اس روئی کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔میں نے بلند آواز میں پوچھا۔''کیا مطلب......؟''

اس کا منہ پھر گول دائرہ بن گیا۔اس کے چہرہ پر ایک دمک اٹھی۔''اوئی......!''

اس کے بالوں کا رنگ بہت ہی گہرا سیاہ تھا۔جیسے اس میں شراب بھری ہو۔جیسے زلفوں میں انگارے بھرے ہوں۔

میں ابھی اس دوسری طویل...... اوئی کا مطلب سوچنے میں مصروف تھا کہ وہ جھپاکے سے ایک اندرونی کمرے میں چلی گئی۔مڑی اور آہستہ آہستہ دروازہ بند کرنے لگی۔دروازہ بند کرنے کے آخری مراحل میں اس نے ایک طویل لمحے تک توقف کیا اور پھر آہستگی سے اسے بند کردیا۔میرا خیال ہے کہ اس توقف کے دوران وہ مسکرا رہی تھی۔

اور یوں ڈاکٹر مکر جی سے آج تعارف ہوا جس کا بڑا شہرہ تھا۔

یہ لڑکی ڈاکٹر مکر جی نہیں تھی۔وہ کم بخت تو ان سب صبر آزما مرحلوں میں احمقوں کی طرح منہ کھولے ایک طرف بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا۔

وہ قد میں پانچ فٹ نو انچ سے زیادہ نہیں تھا...... خوش گوار گلابی چہرہ...... باریک بھورے بال...... کسی قدر بڑی بڑی زرد آنکھیں جو سینگوں کے بنے ہوئے فریم والی عینک میں سے جھانک رہی تھیں۔گردن میں ارغوانی رنگ کا اسکارف بندھا ہوا تھا۔بھورے رنگ کی قمیص اور زرد رنگ پتلون کے نیچے سیاہ سواری کے بوٹوں میں پاؤں پھنسے ہوئے تھے۔یوں لگتا تھا...... جیسے بالی ووڈ کی کسی شان دار تقریب میں شریک ہونے کے لئے تیار بیٹھا ہو۔

کاغذ کا پیڈ اس کی آغوش میں تھا اور ہاتھ میں پنسل پکڑ رکھی تھی۔پنسل سے پیڈ کو تھپکتے ہوئے بولا۔''کپڑے اتار دو......''

''میں نہیں اتاروں گا......''میں نے تیزی سے کہا۔''کس لئے کپڑے اتاروں؟''

''کیا تمہیں میری سیکریٹری نے طریقہ کار نہیں بتایا؟''وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

''نہیں......''میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔''وہ تو کمپیوٹر پر کمپوزنگ کرتی رہی تھی۔''

''بہرحال کپڑے اتارنے بہت ضروری ہیں؟''ڈاکٹر مکر جی نے زور دے کر کہا۔

''وہ کیوں......؟''میں نے تکرار کے انداز میں پوچھا۔''بہتر ہے وضاحت کرو۔''

''اوہ بند کرو...... یہ چپڑ چپڑ باتیں......''وہ رکا اور پھر اپنی اصلاح کی۔''میرا مطلب ہے کہ چپڑ چپڑ باتوں سے......''

"میں بچڑ بچڑ باتیں...... میرا مطلب ہے کہ چپڑ چپڑ باتیں نہیں کر رہا ہوں؟" میں نے کہا۔

"یہ حسین مخلوق کون تھی جس کے تم نے کپڑے اتروا دیئے۔"

"مس شمیتا...... اس سے تمہارا کیا مطلب؟" ڈاکٹر تلخی سے بولا۔ "کپڑے اتار کر کاؤچ پر لیٹ جاؤ۔ طبی معائنے کے لئے یہ ضروری ہے۔"

"کہیں تم لوطی تو نہیں ہو جو میرے کپڑے اتارنے پر تل گئے ہو؟"

"لوطی کیا ہوتا ہے......؟" ڈاکٹر نے سوالیہ نظروں سے گھورا۔ "بتاؤ......"

"یہ ایک قوم ہے جو...... اچھا چھوڑو...... یہ بتاؤ کہ اب کپڑے اتارنے کیوں ضروری ہیں جبکہ شمیتا چلی گئی ہے؟" میں نے کہا۔

"مسٹر چانگ! اگر تم تعاون نہیں کرو گے تو یہ ملاقات کینسل کر دوں گا۔" وہ بگڑ کر بولا۔ "کیا تم تندرست ہونا نہیں چاہتے......؟"

"ڈاکٹر مکر جی!...... آپ کی اطلاعات کے لئے عرض ہے کہ میں نہ تو چانگ ہوں نہ بیمار ہوں۔" میں نے کہا۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے؟"

بیمار نہیں ہو......؟" یہ کیسے ممکن ہے کہ؟ کرہ ارض کا کوئی آدمی تندرست......؟ اس کا مطلب کیا ہے کہ تم چانگ نہیں ہو؟"

"میں دیوا کمار ہوں...... طبی معائنے کی غرض سے نہیں آیا ہوں۔" میں نے اس کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔ "میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں...... میں دراصل گوپی ناتھ کی موت کی تحقیقات کے لئے آیا ہوں۔" میں نے تفصیلات بتائیں۔

"تم دیوا کمار ہو......؟" اس نے ناقدانہ نظروں سے جائزہ لیا جیسے میری شناخت کر رہا ہو۔

"اگر تم طبی معائنے کے لئے نہیں آئے ہو تو میں تم سے معذرت طلب کرتا ہوں۔ میری سیکریٹری نے مسٹر چانگ کے بجائے تمہیں بھیج دیا۔ وہ ابھی سے سٹھیا گئی ہے۔"

"آپ معذرت خواہ ہیں تو اس میں آپ کا نہیں سیکریٹری کا دوش ہے۔"

"میں ابھی آتا ہوں۔" وہ اٹھا اور بولا۔ "آپ انتظار کی زحمت کریں۔"

پھر وہ اس کمرے میں چلا گیا جس میں گل بدن گئی تھی۔ میں ڈاکٹر مکر جی پر رشک کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ لڑکیاں اور عورتیں بھی اس کے حکم کی تعمیل کرتی تھیں۔ اس نے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔ دو تین منٹ کے بعد واپس آیا اور کرسی پر بیٹھ کر کاؤچ پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "مجھے افسوس ہے۔ میں تین بجے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ آپ گوپی ناتھ کے بارے میں معلوم کرنے آئے ہیں نا؟"

"ہاں......" سر ہلا دیا۔ "وہ آپ کا ایک زیر علاج مریض تھا۔"

"ہاں...... ایک مختصر سے عرصے کے لئے...... حقیقت یہ ہے کہ علاج ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ آپ کو معلوم ہو گا طبی معائنے میں سالہا سال لگ سکتے ہیں۔"

"کیا فرائڈ کے طریق معائنہ میں بھی سالہا سال......؟" میں سوال کیا۔

"میرا طریق کار فرائڈ سے قطعی مختلف ہے۔" ڈاکٹر مکر جی نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"بلکہ اس کے متضاد ہے۔ وہ تو محض ایک فراڈ تھا۔"

"آپ کے جو بھی طریق کار ہیں...... گوپی ناتھ کے متعلق......" میں نے کہا۔

"آپ کو شاید معلوم ہو کہ میں خود کئی برسوں تک فرائڈ کا پیروکار رہا ہوں اور لوگوں کا علاج کرتا رہا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ لوگوں کی بیماری بڑھتی جا رہی ہیں۔ طبی اصول یہ ہے کہ اگر ایک طریق علاج کوئی خاص نتائج مرتب کرتا ہے تو طریق علاج کو الٹنے سے قطعی برعکس نتائج حاصل ہوتے ہیں...... مثال کے طور پر بچوں ہی کو لے لو...... جب وہ کھیلتے ہیں تو......"

میں نے اکتا کر تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "گوپی ناتھ کے متعلق......؟"

"بچوں کا ایک کھیل......" آدھا گھنٹہ تک وہ بلا تکان بولتا رہا اور فرائڈ کے اور اپنے طریق علاج کے فرق کی وضاحت کرتا رہا۔ میرے لئے اس جھکی ڈاکٹر کی باتیں سننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ مجبوراً میں اس کی بک بک جھک جھک سنتا رہا۔

اتنے میں ساتھ والا دروازہ کھلا۔ مس شمیتا باہر آئی۔ اب وہ پورے لباس میں تھی۔ فٹنگ کیا ہوا سوٹ جس میں شیری کلر کی دھاریاں کھینچی ہوئی تھیں۔ اونچی ایڑی والے سفید جوتے جن میں اس کی لمبی لمبی ٹانگیں اور بھی دیدہ زیب لگ رہی تھیں۔

مجھے تو وہ بڑی سوہنی اور سندر لگ رہی تھی۔ ڈاکٹر مکر جی نے اسے یوں جیسے اسے صدمہ ہوا ہو۔ شاید وہ لباس سے محروم حسیناؤں کو دیکھ کر ترنگ میں آتا تھا...... شاید وہ خود بھی ایک مریض تھا۔

مس شمیتا ایک لمحے تک دروازے میں کھڑی رہی۔ پھر میری طرف دیکھ کر ایک رسیلی مسکراہٹ پھینکنے کے بعد ڈاکٹر سے مخاطب ہوئی۔

"شکریہ ڈاکٹر!...... اگر دوبارہ اپائنٹمنٹ کی ضرورت ہوئی تو میں فون کر لوں گی۔ یہی وقت مناسب رہے گا۔ کیوں۔ ٹھیک ہے؟"

"ہاں...... ہاں...... بالکل ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے قدرے بوکھلا کر کہا۔

"وہ میری طرف مڑی اور مدھم لہجے میں ہولے سے بولی۔ "اوئی......"

اس اوئی کا کچھ مطلب ضرور تھا لیکن کیا......؟ مطلب پانے کے لئے مجھے یقیناً کئی راتوں تک مسلسل سوچنا پڑے گا۔

اس بت غماز کے رخصت ہونے کے بعد میں ڈاکٹر کی طرف مڑا اور ...... پھر کہا۔ ''اب تو گوپی ناتھ کے متعلق بتاؤ؟''

''اچھا...... اچھا...... گوپی ناتھ...... اس کے متعلق کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''اس کے ساتھ کیا خرابی تھی......؟'' میں اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہ پیڈو کا شدید مریض تھا اور اس کے ساتھ ہی سایو نائٹو۔''

''معاف کرنا ڈاکٹر! میں سادہ سا آدمی ہوں۔ یہ تفصیل طبی اور اصطلاحیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔'' میں نے قدرے نرمی سے کہا۔ ''کیا یہ زیادہ مناسب اور بہتر نہیں اسے سادہ الفاظ میں بتاؤ۔ گوپی ناتھ نے کیا شکایات بیان کی تھیں؟''

''بس یہ کہ وہ ذہنی طور پر مایوسی کی کیفیت محسوس کرتا تھا۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔ ''برے برے خواب دیکھتا تھا اور بعض اوقات سر میں شدید درد محسوس کرتا تھا...... اس نے ہر ملاقات میں یہی بتایا تھا۔''

''کیا اس کے آثار سے یہ ظاہر تھا کہ وہ خودکشی کا مرتکب ہوسکتا ہے؟''

یہ سن کر اسے کوئی حیرت نہ ہوئی۔ ہونٹ دبا کر سر کو ہلکا سا خم دیا اور عینک کے بالائی حصے میں مجھے گھور کر دیکھا۔

ایسا کوئی آثار نہیں تھا۔ تاہم اس کا امکان کسی وقت بھی تھا...... مجھے افسوس ہے کہ میں وہ سب کچھ نہیں بتا سکتا جو اس نے مجھے بتایا تھا۔ پیشہ ورانہ راز داری میرا اصول ہے۔ لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس کا مرض بتدریج اضافہ پذیر تھا...... اگر وہ چند برس یا چند ماہ تک میرا علاج کرا لیتا تو وہ روبہ اصلاح ہوسکتا تھا۔ میں اسے صرف یہ بتا سکا کہ اس کی حالت کی ایک وجہ تو مایوسی اور انتشار ہے...... دوسری وجہ اسے اپنے والد سے اس کی بے پناہ محبت ہے......؟''

''ہاں...... شکریہ ڈاکٹر!...... آپ سے کام کی بے شمار باتیں معلوم ہوئی ہیں۔'' میں اٹھ کھڑا ہوا۔ کیوں کہ ایک طویل تقریر سننے کی مجھے تاب نہ تھی۔ میں یہاں اس کا لیکچر سننے تو نہیں آیا تھا، نہ وقت برباد کرنا تھا۔

''رخصت ہونے سے قبل میں آپ کی سیکریٹری کو ایک گھنٹے کی فیس ادا کرتا جاؤں گا۔''

میں سیکریٹری کو فیس دے کر تیزی سے باہر نکلا تھا اس امید پر شاید مس شمیتا مل جائے۔ لیکن وہ موجود نہ تھی۔

میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا...... دیوا کمار...... پرائیویٹ سراغ رساں ہوشیار......! موت تمہارے تعاقب میں ہے۔ چھٹی حس ہمیشہ میری رہنمائی کرتی آئی تھی اور آج بھی کر رہی تھی۔

اب میں قدرے محتاط ہوگیا تھا۔ کیونکہ ایک انجانے خطرے نے مجھے محتاط ہونے پر مجبور کیا تھا۔ میری چھٹی حس جب بھی کسی خطرے سے آگاہ کرتی تھی میں محتاط ہو جایا کرتا تھا۔ اس وقت سردی کچھ بڑھ چکی تھی۔ پہاڑی سڑک پر گاڑی چلاتے ہوئے میرا ذہن ڈاکٹر کی بتائی ہوئی باتوں کے متعلق ادھیڑ بن میں مصروف رہا۔ میں اسے نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔

گاڑی کی کھڑکیاں چڑھا کر میں اگلے چوراہے پر مڑ گیا پھر چوپاٹی کی طرف مڑ گیا۔ پھر تیزی سے اس جانب بڑھنے لگا۔ بارش کی مجھے چنداں فکر نہ تھی۔ بھیگ جانے کا ڈر اور خوف اس لیے بھی نہیں تھا کہ رین کوٹ میرے قریب سیٹ پر موجود تھا۔ اور پھر آسمان قدرے صاف ہو رہا تھا۔ بارش بھی کم ہوگئی تھی۔ موسم تو شوق کے مزاج کی طرح بدلتا رہتا ہے۔ اس کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ورنہ پھر انہیں بڑی ذہنی کوفت اور پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لیے میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

مجھے اچانک سڑک پر ایک سیاہ فیٹ گاڑی کھڑی دکھائی دی۔ یہاں سے آگے جانے کے لیے ایک بغلی سڑک نکلتی تھی۔ اس سیاہ گاڑی میں ایک شخص ڈرائیونگ وہیل کے پیچھے بیٹھا دکھائی دیا...... اور دوسرا شخص بھی تھا جو گاڑی کے باہر اٹھے ہوئے بونٹ کے قریب کھڑا تھا۔ شاید انجن میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ جسے وہ مرمت کرنے کے لیے انجن دیکھ رہا تھا۔

اس مقام پر سڑک کے دونوں طرف خودرو جھاڑیاں اور پودے بکثرت تھے۔ جو جنگلی معلوم دیتے تھے۔ جیسے ہی میں گاڑی کے قریب پہنچا تو مجھے آنکھوں کے گوشے سے بائیں جانب درختوں اور گنجان جھاڑیوں میں کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ میں نے فوراً ہی چونک کر سر اٹھا کر اس سمت دیکھا۔ تاکہ اپنا شک دور کروں مگر کوئی غیر معمولی شے دکھائی نہ دی۔

تاہم اس سے میرے حواس ضرور چوکنے ہوگئے تھے۔ میں نے محتاط ہو کر اسٹیئرنگ وہیل سنبھال لیا تھا۔ میرے چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ چمک تھی یا...... آگے کھڑی ہوئی گاڑی...... ورنہ پھر اس شخص کا ڈیل ڈول اور حلیہ تھا جو بونٹ کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ میرے قریب پہنچتے ہی اس نے بونٹ گرایا اور ڈرائیور سیٹ کی طرف بڑھا۔ اگر اسے گاڑی میں بیٹھنا تھا۔ تو اسے دوسری طرف جانا چاہئے تھا۔ اس کی یہ قریبی سمت نقل و حرکت خلاف معمول تھی جس کے باعث میں چونکا تھا۔

میں نے غیر ارادی طور پر کوٹ تھپک کر اپنے ریوالور کی تسلی کر لی اور ریس پیڈل پر پاؤں کا دباؤ کم کر دیا لیکن میں محتاط ضرور تھا۔ کوئی بات بظاہر مخدوش نہ تھی۔ سالہا سال تک بدمعاشوں اور غنڈوں کے ساتھ نبرد آزمائی کے بعد ریوالور تھپکانے کا یہ ردعمل میرا معمول بن چکا تھا...... یہ وہ لوگ تھے جو ریت کی تھیلی...... چابک...... ریوالور اور جسمانی قوت کی زبان سے بات کرنے کے

عادی تھے اور کسی بھی مقام پر وارد ہوسکتے تھے۔ان سے نمٹنے کے لیے ضروری تھا کہ انہی کی زبان میں انہیں جواب دیا جائے۔ورنہ دردناک موت کو گلے لگالیا جائے جو ایک طرح سے خودکشی کے مترادف تھا۔

اب تک ہر چیز نارمل لگ رہی تھی......مگر اچانک ہی ہر چیز تبدیل ہو کر رہ گئی۔خطرے کا بروقت احساس مجھے اس حماقت سے ہوا جب سیاہ فیٹ گاڑی حرکت میں آئی۔اس نے آگے بڑھ کر میرا راستہ روک لیا۔میں نے تیزی سے بریکیں لگائیں اور پھر ہاتھ بڑھا کر اپنا ریوالور نکال لیا جو ایسے وقت اور حالات میں بڑا کام آتا تھا۔ساتھ دیتا تھا۔عین اسی وقت گاڑی کے باہر کھڑا ہوا آدمی میری طرف لپکا۔پھر معاً مجھے بائیں طرف واضح نقل وحرکت محسوس ہوئی۔

تیسرا شخص جو جھاڑیوں میں تھا وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا یا پھر آگے بڑھ آیا تھا۔وہ جو جھاڑیوں میں جھکا ہوا تھا اب تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔اس کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی کسی چیز کی چمک میں دوچند اضافہ ہو گیا تھا۔مجھے اس طرف غور سے دیکھنے کی ذرا بھی مہلت نہ تھی کیونکہ اب میری گاڑی رکنے والی تھی۔میں نے عجلت سے اپنا بایاں پاؤں ایمرجنسی بریک پر دبایا اور گاڑی کے دائیں ہاتھ والے دروازے کی طرف جھکا۔ایمرجنسی بریک لگنے سے چیخ اٹھے۔گاڑی رک جانے کو تھی ابھی یہ پوری طرح رکنے بھی نہ پائی تھی کہ میں نے دروازہ کھول لیا۔

پھر میں سرک کر اترنے لگا۔جیسے ہی میں نے زمین پر قدم رکھے۔خود کار رائفل کی ......ٹھاٹھاٹھا......سے فضا گونج اٹھی۔اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ بائیں جھاڑیوں میں ایک مستور شخص نے مشین گن سنبھال رکھی تھی۔بھاری گولیاں گاڑی میں اتر گئیں۔یعنی اس کی باڈی چھلنی کر دی تھی۔ایک گولی نے کھڑکی کا شیشہ چبالیا اور ہر طرف شیشے کے ریزے پروانوں کی طرح اڑتے چمکتے دکھائی دیئے۔اندھیرے کے باعث وہ دکھائی دے گئے تھے۔

میں ریوالور ہاتھ میں لیے گاڑی کی آڑ میں گھٹنوں کے بل ہو بیٹھا۔اگر ایسا نہ کرتا تو گولی کھوپڑی اور سینے میں اتر سکتی تھی۔اب میں اس کے نشانے کی زد میں نہیں تھا۔گاڑی کی آڑ میں ہونے کے سبب وہ مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا۔یوں بھی رات کا وقت تھا۔گاڑی اور رات کا وقت اندھیرا مسلط تھا۔پھر میں نے اس سیاہ گاڑی کی طرف دیکھا جو اب تک سڑک کے وسط میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی اور اس نے سارا راستہ روک لیا تھا۔وہ سڑک کے وسط میں کھڑی تھی۔پھر مجھے اس کا ڈرائیور اترتا دکھائی دیا۔وہ بڑے محتاط انداز سے اتر رہا تھا۔جسیم ڈیل ڈول والا شخص مجھ سے دس فٹ دور تھا۔پھر وہ میری طرف بھاگ اٹھا۔مشین گن کی فائرنگ لمحاتی طور پر رک چکی تھی۔ان کا خیال یہ تھا۔شاید میں زخمی ہو چکا ہوں یا پھر سور گباشی ہو گیا ہوں۔

سرکتے وقت رین کوٹ بھی میرے ساتھ یوں کھنچتا چلا آیا تھا جیسے وہ میری مدد کرنے پر کمر بستہ ہو۔یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا تھا۔اب اسے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔میں نے اس کا ایک پلو پکڑتے ہوئے ریوالور سے قریبی آدمی پر گولی چلا دی۔تاکہ اس بات کا علم ہو جائے کہ میں صحیح سلامت ہوں ان کی تمنا پوری نہ ہو سکی۔

جسیم ڈیل ڈول والے شخص کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔بھاگنے کی وجہ سے وہ میرا نشانہ نہ لے سکا۔گو کہ اس نے فائر تو جھونک دیا تھا،نہ صرف اس کا بلکہ میرا نشانہ بھی خطا ہو گیا تھا۔پہلی گولی خطا ہونے پر میں نے گاڑی کی آڑ میں ہو کر......اسے ڈھال بنا کر میں نے اس پر ایک اور گولی داغ دی۔اس بار میرا نشانہ خطا نہیں ہوا کیونکہ فائر کے بعد اس کا دایاں ہاتھ لرزا......دوسرے لمحے اس کا ریوالور فضا میں اڑتا دکھائی دیا۔یہ دیکھ کر مشین گن کی ایک اور باڑھ ماری گئی۔میرا غریب رین کوٹ اس کی زد میں آ کر چھلنی ہو گیا تھا۔

میں گھٹنوں کے بل......رکوع کی حالت میں کیڈلک کے کھلے دروازے میں سے جھانکنے لگا۔میں اپنی گاڑی کو ہندوستانی کیڈلک کہتا تھا۔مشین کی پہلی باڑھ نے میری گاڑی کے ونڈ شیلڈ میں بھی ایک بڑا شگاف ڈال دیا تھا۔اور اس شگاف میں سے جھاڑیوں میں کھڑا مشین گن والا شخص مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔میں نے ریوالور اٹھایا اور پھر لگاتار دو گولیاں اس پر داغ دیں۔میرا نشانہ شاذ و نادر ہی خطا ہوتا تھا اور اس وقت خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔دونوں گولیاں اس کے سینے پر پڑیں۔میں اس کا حشر نہ دیکھ سکا کیونکہ وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں تھا۔جھاڑیوں نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

دوسرے لمحے قدموں کی آہٹ قریب تر سنائی دینے لگی۔تیزی سے مڑتے ہوئے میں نے بایاں پاؤں پوری قوت سے جارحانہ انداز میں اٹھا دیا......اور ایسا کرتے وقت اپنا ریوالور دائیں ہاتھ سے اچھال کر بائیں ہاتھ میں بڑی پھرتی سے تھام لیا۔جسیم ڈیل ڈول والا شخص مجھ پر کودنے والا ہی تھا......اور اس کے عقب میں پستہ قد ڈرائیور بھاگا چلا آ رہا تھا۔میری اچھالی ہوئی ٹانگ سے اتنا فائدہ ہوا کہ زخمی بازو والا جسیم شخص قدرے لڑکھڑایا اور مجھے مہلت مل گئی۔اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھاتا تو پھر میری خیر نہ ہوتی۔میں نے اس کی ٹھوڑی پر زناٹے دار مکا رسید کر دیا۔ایسا لگا کہ میری مٹھی چکنا چور ہو گئی ہو۔وہ تو کسی آندھی کی طرح زوروں پر آ رہا تھا کہ بھرپور مکا پڑنے کے باوجود مجھ پر آن پڑا۔

پھر ہم دونوں گتھم گتھا ہو کر سڑک پر جا پڑے۔میرا سر تارکول کی بنی ہوئی سڑک پر اس زور سے ٹکرایا کہ آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔اس دوران جسیم تن شخص مجھ پر سے لڑھک کر

سڑک پر گر چکا تھا۔

میں لڑکھڑاتے ہوئے اٹھا تو پستہ قد شخص کو سڑک کے درمیان کھڑا پایا۔ اس نے ریوالور اٹھا کر ایک گولی داغی جو میرا کوٹ چھیدتی ہوئی نکل گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے ابھی تک دھند سی پھیلی ہوئی تھی...... اس حالت میں میں نے ریوالور والا ہاتھ اٹھایا تو اسے کتے کی طرح دم دبا کر بھاگتے دیکھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے مجھ پر دوسرا فائر کیوں نہیں کیا؟ اس نے راہ فرار اختیار کر لی تھی۔ وہ اپنی سیاہ گاڑی کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ میں نے کوشش کر کے اس کی کمر کا نشانہ لینے کی کوشش کی تا کہ وہ گاڑی کے پاس پہنچنے سے پہلے خاک چاٹتا نظر آئے۔ مگر گولی بہک گئی۔ نشانہ خطا ہو گیا۔ وہ اپنی گاڑی کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اتنے میں مجھے عقب سے کوٹ کا دامن کھنچتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ جسیم تن شخص میرے کوٹ کا سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے کوئی اور چیز نہیں ملی تھی جس کے سہارے وہ کھڑا ہوتا۔ میرا ریوالور خالی ہو چکا تھا۔ اسے لوڈ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے خالی ریوالور کو نالی سے پکڑ کر اور پوری قوت سے ریوالور کا دستہ اس کی پیشانی پر مارا۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی پھر وہ آرام سے سڑک پر اس طرح سے دراز ہو گیا جیسے بستر پر دراز ہوا جاتا ہے۔ وہ زیر ہو چکا تھا۔

سیاہ گاڑی کا دروازہ بند ہوتے ہی اس کے دوسرے لمحے گاڑی کا انجن گھر گھر کرنے لگا۔ پر ربڑ کے ٹائروں کی چیخ سنائی دی اور گاڑی تیزی سے مڑ کر ہوا ہو گئی۔ وہ اپنے ساتھی کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ جسیم تن شخص کا ریوالور مجھ سے چند گز دور پڑا تھا۔ میں اس کی طرف قدم بڑھاتے بڑھاتے رک گیا تا کہ قریب کا جائزہ لے لوں۔ اب مجھے جلدی نہیں تھی۔

ماحول پر گاڑی کی آواز کے باوجود عجیب طرح کا سناٹا مسلط تھا۔ وہ آسیب کی طرح محسوس ہوتا تھا۔ سناٹا ویسا ہی تھا جیسا کہ قبر میں مدفون شخص کو سنائی دے۔ میں ابھی زندہ تھا۔ یہ میری سمادھی نہ تھی۔ پھر میں نے اس جسیم تن شخص کی طرف دیکھا۔ وہ کسی بن مانس کی طرح سانس لے رہا تھا۔ اس میں جان اور سکت بالکل بھی نہ رہی تھی۔ پھر میں نے بڑھ کر اس کا ریوالور اٹھا لیا واپس مڑ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

ہاتھ میں ریوالور لیے میں مستعد تھا اور تیار سا ہو کر اب میں جھاڑیوں والے شخص کی طرف بڑھا۔ اس کے پاس جانے کے بعد اس کا کالر پکڑ کر اسے الٹ دیا۔ اس کے کوٹ کے بٹن کھل گئے اور نیچے اس کی سفید براق قمیص پر دو سرخ سوراخ بے ترتیب سے آٹھ کے انگریزی ہندسے کی طرح دکھائی دیئے...... میری ایک گولی اس کی ہنسلی کے عین وسط میں لگی تھی...... اور دوسری ایک انچ کے قریب دائیں طرف۔ ایسا بہترین نشانہ کبھی کبھی ہوتا تھا۔ میں یوں بھی ایک طرح سے ماہر

نشانہ باز تھا۔ میں نے باقاعدہ اس کی تربیت لی ہوئی تھی۔ اس لیے میرا نشانہ بہت کم خطا ہوتا تھا۔

اس کی صورت مجھے جانی پہچانی سی لگی۔ میں کسی سے ایک بار مل لیتا تھا تو برسوں بعد اس کی شکل یاد رہتی تھی۔ اس جسیم تن شخص کو بھی میں جانتا تھا۔ مگر اس اچانک حملے کی غرض و غایت پر مزید غور کیے بغیر میں تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف لپک گیا۔ میری گاڑی میں ملکی پیغامات نشر کرنے والا موبائل تھا جس سے میں نے پولیس سے رابطہ کیا۔

میں پولیس ہیڈ کوارٹر سے پولیس کی آمد سے پہلے ہی عارضی طور پر بے ہوش آدمیوں کی تلاشی لے چکا تھا...... مجھے صرف اسلحہ ملا تھا...... نہ ہی کوئی کاغذ...... برآمد ہوا تھا۔ لیکن میں ان دونوں سے خوب واقف تھا...... مشین گن والا بدمعاش سری رام تھا...... اس کی شناخت کا سب سے بڑا ذریعہ نکلا ہوا دانت تھا جو منہ سے باہر آ کر اس کے چہرے کو متبسم رکھا کرتا تھا۔ یہ دانت اب بھی منہ سے باہر ابھرا ہوا تھا۔ وہ مرنے کے باوجود ہنستا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

دوسرے بدمعاش کو عرف عام میں بوبی کہا جاتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس کا اصلی نام بادل تھا لیکن اسے کالا بادل کہا جاتا تھا۔ چونکہ اس کا رنگ اتنا گہرا سیاہ تھا کہ چاند سے محروم رات میں بھی چمکتا تھا۔ وہ کالا بادل کے نام سے چڑتا تھا۔ اس نے اپنا نام بوبی رکھ لیا تھا۔ اگر کوئی اسے کالا بادل کہتا، مذاق میں بھی تو اسے سخت برا لگتا تھا۔ غصے میں آ جاتا تھا۔ بعض کے تو وہ ہاتھ بھی جڑ دیتا تھا۔ اس لیے اسے ہر کوئی بوبی کہنے پر مجبور تھا۔ اسے بوبی کہا جانے لگا۔ چونکہ وہ احمق اور گاؤدی بھی تھا اس لیے بھی یہ عرفیت اس پر بخوبی بیٹھتی تھی۔ تمام بدمعاش اسے بھولے سے بھی کالا بادل نہ کہتے تھے۔

نہ تو مجھے بوبی سے توقع تھی اور نہ ہی سری رام سے کہ مجھ پر حملے ان کے ذہن کی اختراع ہو گی۔ وہ کیوں یہ حماقت کرنے لگے۔ میرے علم میں یہ بات تھی کہ بوبی کولکتا گیا ہوا ہے۔ دراصل ایک بنگالی عورت جو اس کی طرح کالی تھی لیکن اس قدر پرکشش تھی کہ وہ اس کے ساتھ تفریح یا ہنی مون منانے گیا ہوا ہے۔ سری رام نو دس ماہ پونا جیل میں سزا بھگت کر حال ہی میں رہا ہوا تھا۔

بہرحال یہ حملہ بظاہر ان کا منصوبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ بوبی دو تین دن پہلے ہی اپنی بنگالن داشتہ کے بغیر آیا تھا۔ اس کی داشتہ ایک نوجوان امیر کبیر مرد کے ساتھ چلی گئی تھی۔ اس کالی حسینہ میں اتنی جاذبیت تھی اور اس کا جوان گداز بدن ایسا ہیجان خیز تھا کہ ایک امیر زادہ اس کا اسیر ہو گیا تھا۔ اسے اچک لیا تھا۔ وہ بھی کوئی ایسی توپ چیز تھا کہ بوبی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تھا۔

پھر یہ منصوبہ کس کا ہو سکتا تھا...... یہ اس تیسرے شخص کا تھا جو موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے فرار ہو گیا تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر محسوس کر لیا تھا کہ بازی اس کے ہاتھ سے جا رہی ہے۔ بساط الٹ

چکی ہے لیکن نہیں......اس بات کا امکان بھی کم ہی تھا کیونکہ منصوبہ ساز عموماً پس پردہ رہ کر دوسروں سے ایسے گندے، مجرمانہ اور غیر قانونی کام کراتے ہیں۔ انہیں اجرت دیتے ہیں تاکہ ان کے متعلق کوئی کچھ معلوم نہ کر سکے۔ وہ کٹھ پتلیوں سے کام لیتے ہیں......وہ جائے واردات سے کوسوں دور رہتے ہیں لیکن ڈوریاں ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔ یہ تینوں کٹھ پتلیاں ہی تھیں۔

پھر معاً مجھے یہ احساس ہوا کہ میں اس فرار ہونے والے تیسرے شخص سے بھی واقف تھا۔ جب اسے پہلی بار دیکھا تو اس وقت ذہن کہیں اور بھٹکا ہوا تھا اور اس وقت میں اپنا دفاع اور جان بچانے پر مجبور تھا۔ اسے میں نے کم و بیش پندرہ گز کے فاصلے سے دیکھا تھا۔ اندھیرے میں اسے شناخت کرنا کچھ زیادہ مشکل بھی نہ تھا۔ اس کی شکل یاد رہ گئی تھی۔

اس وقت فرار ہونے والے بدمعاش کا نام یقینی طور پر سمجھ نہیں آیا تھا۔ تاہم میرا خیال تھا کہ اس کا نام پرتھوی تھا۔ اور اسے عرف عام میں شاید ٹونی کمار کہتے تھے۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ وہ کس کے لیے کام کرتا ہے اور کیا کام کرتا ہے۔ وہ ایک خطرناک بدمعاش تھا۔ وہ قتل کی منصوبہ سازی بڑی مہارت سے کرتا تھا۔ کسی کو قتل کرنا ہو تو اس سے منصوبہ بنوا لیجئے۔ وہ بڑا بے عیب منصوبہ بناتا تھا۔ جس میں خامی اور جھول نہیں ہوتا تھا۔ مہلک حادثات، مثلاً خطرناک ایکسی ڈنٹ یا کوئی اور ایسا حادثہ ظاہر کر سکتا تھا۔ قتل کو خودکشی کا رنگ دے دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ پولیس تاپتی رہ جائے......کچھ سراغ اور ثبوت نہ ملے۔ شاٹ گن کا دھماکا ہو یا پھر زہر خورانی کا کیس......وہ ہر قسم کا منصوبہ کامیابی سے بنا لیتا تھا۔

مجھے علم تھا کہ وہ چوپڑہ کا کارندہ ہے۔ چوپڑہ بہت بڑا سٹہ باز تھا اور سٹہ بازوں کی ایک جماعت کا سربراہ تھا۔ دوسرے الفاظ میں وہ ایک مافیا جماعت کا ایک خطرناک گرگا تھا۔ اس مافیا کی جماعت کا نام کمار تھا۔ یہ تو صرف ہندوستان اور ایشیا کی نہیں بلکہ دنیا کی مانی ہوئی بے حد خطرناک تھی۔ ہندوستان میں اور بھی مافیا جماعتیں تھیں لیکن اس کا برابر کی نہیں تھیں۔

لیکن میں یہ بات سوچے بغیر نہیں رہ سکا تھا کہ مافیا کا اس معاملے سے کیا تعلق......کیوں اور کس لیے ہو سکتا ہے؟ چوپڑہ اور میں دوست نہیں تھے تو ایک دوسرے کے لیے اجنبی بھی نہیں تھے۔ ماضی میں دو مرتبہ دو مختلف مافیا کے گرگوں کو جیل بھجوا چکا تھا......دونوں مواقع پر چوپڑہ اتنے فاصلے پر رہا تھا کہ اس پر کوئی حرف نہ آ سکا تھا۔

سچائی کا علم رکھنا......سچائی کو ثابت کرنا دو مختلف باتیں ہیں۔ مجھے علم تھا کہ ان دونوں مواقع پر پس پردہ چوپڑہ کا ہاتھ تھا لیکن میں اس کے خلاف عدالت میں ثابت نہ کر سکا تھا۔

چوپڑہ جیسے ذہین اور خطرناک ٹولے کے خلاف کوئی آسان کام نہیں تھا......مضبوط اور ٹھوس

شہادتوں پر مبنی ثبوت......پھر قدم قدم پر اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ کہیں عدالت میں پیش ہونے سے پہلے ہی کوئی اہم گواہ یوں غائب ہو جائے جیسے اسے زمین نے نگل لیا ہو یا آسمان نے اچک لیا ہو......یا پھر گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب......

دونوں متذکرہ کیسوں میں سے ایک کیس تو بالی وڈ کی نصف درجن کے قریب معزز ہستیوں کو بلیک میل کرنے کا تھا۔ جس کیس میں کئی کٹھ پتلیاں تو پکڑ لی گئی تھیں۔ مگر نچانے والے پر کوئی آنچ نہ آ سکی......دوسرا کیس منشیات کی اسمگلنگ کا تھا......افغانستان سے بیس کلو خالص ہیروئن بمبئی لائی گئی میری طرح بہت سے لوگوں کو معلوم تھا کہ پردے کے پیچھے چوپڑہ چھپا بیٹھا ہے۔ مگر اس کیس میں بھی چوپڑہ ملوث نہ کیا جا سکا۔ اس کا دامن پہلے کی طرح صاف ہی رہا تھا۔ یہ تو ماضی کی باتیں تھیں جو مجھے یاد آ گئی تھیں۔ حال میں تو میں نے ایسا کوئی کیس نہیں لیا تھا جس سے چوپڑہ میرے خلاف حرکت میں آ جاتا......حال میں تو یہی گوپی ناتھ کی موت کی تفتیش کر رہا تھا مگر اس سادہ سے کیس میں مافیا اور چوپڑہ کہاں فٹ بیٹھا تھا......؟ یہ ایک سوال تھا......اس کا جواب......؟

☆......☆......☆

چار بجے کے قریب کہیں پولیس کی کارروائیوں سے نجات نصیب ہو سکی۔ پولیس جس قدر تنگ و ہراساں اور پریشان کرتی ہے......بال کی کھال اتارتی ہے، اپنی قابلیت اور حاکمیت جتاتی ہے وہ کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا ہے۔ ورنہ یہ کارروائی آدھے گھنٹے سے زیادہ کی نہ تھی۔ پولیس کب کس کی سنتی ہے اس کی تو مرغی کی ایک ٹانگ ہوتی ہے۔

اس کارروائی کے دوران بوبی ہوش میں آ گیا تھا۔ لیکن ہوش میں آنے کے بعد حسب توقع وہ کوئی کام کی بات نہ بتا سکا۔ اس نے بس یہی بیان دیا کہ......وہ سری رام کی ہدایت پر کام کر رہا تھا۔ اسے مزید کچھ معلوم نہ تھا......وہ دیوا کمار کو قتل کرنا نہیں چاہتے تھے محض زخمی کرنا چاہتے تھے......کیونکہ اسے پرائیوٹ سراغ رساں سے سخت نفرت تھی۔ وہ ٹونی نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا تھا......وہ جانے کہاں سے آن ٹپکا تھا یا کیوں آیا تھا......

میں نے کبھی پولیس یا دشمن پر اپنے ٹیلی پیتھی کے علم کو ظاہر نہیں کیا تھا اور نہ کرنا چاہتا تھا......ظاہر کروں تو پولیس نہ مانے......اگر اس بات کا علم پولیس یا کسی اور کو ہو جائے تو پھر اتنا مزہ نہیں آئے کیس کو حل کرنے میں......میں اس لیے انجان سا رہتا تھا اور پھر ہر وقت موقع بے موقع اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا تھا۔ اس لیے کہ میں اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکوں۔ میں کسی کا ذہن ایک پل میں پڑھ سکتا تھا اور اس کی گہرائیوں میں جا سکتا تھا۔ اور جب اس کی اشد ضرورت محسوس ہو۔ میں بوبی کی باتیں سنتا رہا تھا۔ میں نے اس کا ذہن پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ دیکھنے کے لیے

کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔

سری رام کی لاش سرکاری اسپتال کے سرد خانے بھجوا دی گئی۔ بوبی کو پولیس وین میں تھانے بھیج دیا گیا تا کہ اسے حوالات کی ہوا کھلائی جائے اور مزید تفتیش کے لیے اس کے بیانات لیے جائیں۔ پولیس اس کی باتوں سے مطمئن نہیں ہوئی تھی پھر مجھے بھی تھانے جانا پڑا تا کہ کاغذی کارروائی مکمل کی جاسکے۔ جب کاغذی کارروائی مکمل ہوگئی تو پھر میں وہاں سے پولیس ہیڈ کوارٹر کی تیسری منزل پر گیا جہاں سی آئی ڈی کا دفتر تھا۔ کمرا نمبر تین سو دس میں انسپکٹر رام دیال جو میرا بہترین اور مخلص دوست تھا۔ اس کے ساتھ ناشتا کیا اور کافی پیتے ہوئے میں نے رات کا واقعہ ناشتے کے دوران سنایا۔

رام دیال بہت مضبوط اور قوی ہیکل پولیس افسر تھا۔ اسے دیکھ کر بدمعاشوں اور مجرموں کی ہوا خراب ہوتی تھی۔ لیکن دل کا بہت اچھا آدمی تھا۔ پولیس میں مجرموں سے زیادہ برائیاں موجود ہوتی ہیں وہ کیا کچھ نہیں کرتے اور فائدہ اٹھاتے لیکن رام دیال جیسے پولیس کے محکمے میں آٹے کے نمک کے برابر تھے۔ وہ نہایت دیانت داری، محنت اور انتھک جدو جہد سے اس عہدے تک پہنچا تھا۔ اسے بڑے عہدے کی کوئی خواہش بھی نہیں تھی وہ کسی بھی بے قصور شخص کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ جبکہ مجرموں کا وہ بدترین دشمن تھا۔ انہیں کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کرتا تھا۔ انہیں بخشا یا ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اس کی ڈکشنری میں نہیں تھا۔ مجرم چاہے کتنا ہی بڑا خطرناک، با اثر اور دولت مند کیوں نہ ہو۔

ایک غریب ماں اور اس کی ایک نوجوان بیٹی تھی۔ ماں بوڑھی تھی۔ بیٹی سولہ برس کی عمر کی تھی۔ نہایت حسین، پرکشش اور دل کش تھی۔ غربت اور تنگ دستی کے ماحول میں پلنے کے باوجود جوانی کے خمار اور اٹھان نے اسے قیامت بنا دیا تھا۔ لڑکی کو للچائی نظروں سے اس طرح دیکھتے تھے جیسے مفت کا مال ہو۔ لڑکی کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے ہوس پرستوں نے بہت چارہ ڈالا لڑکی کو سبز باغ دکھائے۔ گھڑی دو گھڑی کے لیے سو سو کے نوٹوں کی جھلک دکھائی۔ لڑکی چونکہ بہت شریف اور عام غریب نوجوان لڑکیوں سے مختلف تھی اس لیے وہ ان کے جال میں نہیں پھنسی۔ اس کی ماں بھی جو جوانی میں بہت حسین رہی تھی وہ اس وقت بھی ایک پرکشش عورت تھی اس کی عمر چھتیس برس کی ہوگی۔ وہ دونوں چھوٹی اور بڑی بہنیں لگتی تھیں۔

ماں نے لڑکی کی شادی کی بہت کوشش کی تھی کیونکہ اس کی بیٹی ایک خزانے کی مانند تھی جس کی حفاظت کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ اسے خود بھی اپنی حفاظت بہت مشکل دکھائی دیتی تھی۔ ماں بیٹی ان جانے راستوں پر چلتیں تو زندگی بڑی آسودگی سے گزرتی لیکن وہ ایسی نہ تھیں۔ ماں بیٹی کا

بیاہ اس لیے نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کے پاس جہیز نہیں تھا۔ جہیز ہوتا تو وہ اس کی شادی کر چکی ہوتی۔ ہندوستان میں شادی لڑکی سے نہیں جہیز سے کی جاتی ہے دو ایک لڑکوں نے بغیر جہیز سے شادی کی پیش کش کی لیکن وہ جانتی تھی کہ جب مردوں کا دل بھر جائے گا تو لڑکی کو طلاق دے دی جائے گی...... یا پھر ساس نندیں اسے جلا کر مار دیں گی۔ ایسے واقعات روز پیش آتے تھے۔

ماں بیٹی گزر اوقات کے لیے کوٹھیوں میں نوکرانیوں کا کام کرتی تھیں۔ بچا کھچا کھانا، اترن کپڑے اور جو تنخواہ ملتی تھی اس سے گزارہ ہوتا تھا۔ ایک کوٹھی کے مالک کا بیٹا جو چار برس بعد لندن سے آیا تو وہ لڑکی کو دیکھ کر چونک اٹھا۔ ایک بھیڑیئے کی طرح اس کی رال ٹپک پڑی۔ اس نے پہلے تو نوٹوں کی اور زیورات کی جھلک دکھائی۔ محبت کے فریب کے جال میں پھانسنا چاہا۔ جب لڑکی اس کے جال میں نہیں آئی اور ماں بیٹی نے خطرے کی بو سونگھ کر وہاں کام چھوڑ دیا۔ تو اس لڑکے نے اجرتی بدمعاشوں کی مدد سے ماں بیٹی کو اغوا کر لیا۔

ماں بیٹی کو کئی دنوں تک رکھا وہ اور اس کے ایک دوست ان کی بے حرمتی کرتے رہے۔ ان کی ایسی تصویریں بنائیں کہ انہیں بلیک میل کیا جاسکے۔ ماں بیٹی نے جب اس لڑکے اور اس کے دوست کے خلاف تھانے میں رپورٹ درج کرانے کی کوشش کی تو رپورٹ درج کرنے کے بجائے حوالدار نے الٹا انہیں خوب دھمکیاں دیں کیونکہ لڑکا پولیس کمشنر کا بھتیجا تھا اور اس کا باپ کروڑ پتی تھا۔ اس کا دوست ہوم سیکریٹری کا بیٹا تھا۔ اس تھانے کا انچارج، ایس ایچ او اور انسپکٹر رام دیال تھا۔ جب ماں بیٹی رپورٹ درج نہ ہونے پر روتی دھوتی ہوئی تھانے سے باہر آرہی تھیں اس وقت رام دیال جیپ میں کسی کام سے ہو کر آیا تھا۔ جب اس نے ماں بیٹی سے ماجرا پوچھا تو انہوں نے بتا دیا۔ پہلے تو اس نے ایف آئی آر درج کی۔ حوالدار کو معطل کیا۔ پھر اس نے ایک طوفان کھڑا کر دیا۔

ایک پریس کانفرنس میں ان دونوں ماں بیٹی کو پیش کیا۔ اس نے اجرتی بدمعاشوں کو تلاش کیا جنہوں نے ماں بیٹی کو اغوا کیا تھا۔ پھر ان دونوں لڑکوں کو وہ عدالت میں لے آیا۔ چونکہ معاملہ پریس میں آ گیا تھا اس لیے لڑکوں کے ماں باپ اس طوفان کی زد میں آ گئے تھے۔ اس نے ماں بیٹی کو چالیس لاکھ کی رقم دلائی اور لڑکوں کو سزا...... پھر اس نے ماں بیٹی سے کہا کہ وہ اندرون ہندوستان کے کسی شہر میں جا کر زندگی گزاریں۔ اس کیس کے دوران اس پر وزیر اعلیٰ تک نے دباؤ ڈالا تھا لیکن وہ ڈٹا رہا تھا۔ ایسے کئی واقعات ہیں جس میں اس نے بے قصوروں کی ہر ممکن مدد کی۔ میری نظر میں وہ ایک عظیم اور مثالی پولیس افسر تھا۔ پولیس کا محکمہ ایک گندا تالاب بن چکا تھا اور اس میں کالی بھیڑوں کی بہتات تھی۔ وہ جب تک اس محکمے میں تھا وہ اپنا فرض نیک نیتی سے بجالانے کا عہد کر چکا تھا۔ اس نے ایسے پولیس افسروں کے خلاف بھی ایکشن لیا تھا جنہوں نے عورتوں کو ہوس کا نشانہ بنایا تھا۔

وہ اکثر بجھے ہوئے سگار کے ساتھ مصروف نظر آتا تھا یعنی اس کی جگالی کرتا تھا۔ وہ جیسے ہی کوئی سگار سلگاتا کوئی نہ کوئی مصروفیت نازل ہو جاتی۔ پھر سگار بجھ جاتا۔ وہ چائے پینے کے بعد سگار کو ایک گال سے دوسرے گال میں منتقل کرتے ہوئے بولا۔

”بوبی سے ہمیں کچھ معلوم نہ ہو سکے گا...... اس قسم کے لوگ چٹان کی طرح ہوتے ہیں اور ان پر کوئی تشدد بھی کارگر نہیں ہوتا۔“

”ہاں...... میں جانتا ہوں۔“ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”لیکن ٹونی کی زبان تو کھلوائی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے کوشش کرو۔“

”مگر تم نے ٹونی کو فرار ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے تو وہ کسی چوہے کی طرح کسی بل میں رہے گا۔ جانے وہ کب اس بل سے باہر آئے؟“

حقیقت بھی یہی تھی۔ میں نے اس کی بات کا تبصرہ نہیں کیا تو اس نے چند لمحوں کی بعد کہا۔ ”تاہم میں اس کی گرفتاری کی کوشش کروں گا۔“

بوبی اور سری رام کا چوپڑہ سے کوئی تعلق ظاہر ہی نہیں ہوا تھا۔ گوپی ناتھ کی موت کے متعلق بھی اس سے کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی تھی۔ میں تو اس سے زیادہ جانتا تھا۔ اس نے دوبارہ کافی منگوائی تھی۔ میں نے اسے گوپی ناتھ کی بہن سے ملاقات اور جو بات چیت ہوئی تھی وہ اسے بتائی۔ اس رام کہانی کو وہ سنتا اور درمیان میں کچھ سوالات کرتا رہا۔ پھر میں وہاں سے چلا آیا۔

میں اس سے رخصت ہو کر انیل پرکاش سے ملنے چل دیا۔ مجھے ایک گھنٹہ کی تاخیر ہو چکی تھی۔ اس بات کا امکان تھا کہ انیل پرکاش ملاقات سے انکار کر دے کیونکہ وہ بہت مصروف شخص تھا۔ اس سے وقت ملنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

انیل پرکاش کی رہائش گاہ عام قسم کی ہونے سے رہی۔ وہ ایک رہائشی ہوٹل میں قیام پذیر تھا۔ جو سرسبز و شاداب درختوں اور لانوں سے گھرا کھڑا تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ لابی میں شاندار گداز صوفے اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے اس ہوٹل کی منزل پر لفٹ سے پہنچ کر اس کے سوٹ کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک ہی دستک پر دروازہ کھل گیا۔ ایک لڑکے نے دروازہ کھولا۔ جب میں نے اسے اپنا نام بتایا تو اس نے ایک طرف ہٹ کر میرے لیے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

میرے اندر داخل ہونے کے بعد لڑکے نے دروازہ بند کیا اور پھر مجھے لے کر بڑھا۔ جیسے ہی میں اس کے ساتھ چلا وہ ایک سرخ ساٹن منڈھے ایک بڑے صوفے پر جا دراز ہوا۔ صوفے کے قریب ٹی شرٹ اور نیلی پتلون میں ملبوس ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس شخص کو شیو کرنے کی فرصت بھی

نہیں ملی تھی۔ مصروفیت کے باعث اس کی بھی مہلت نہیں ملتی ہے۔ اس نے لڑکے کو ایسی ہوس آلود نگاہوں سے مسکرا کر دیکھا جو ظاہر کر رہی تھیں کہ ان دونوں کے آپس میں کتنے گہرے تعلقات ہیں۔ دوستی ہے۔ ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں۔ انیل پرکاش کا ایک پرانا ریکارڈ بج رہا تھا۔ اس گیت کے جو بول تھے وہ یہ تھے۔ یہ بڑا مقبول گیت رہا تھا۔

”میں نے تم سے وہ محبت کی ہے...... جو محبت سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے...... کیا وہ محبت تمہیں یاد ہے؟“

یہ کیسٹ نہ تھا بلکہ یہ ریکارڈ تھا جو پلییئر پر لگا ہوا تھا۔ اس کی سرسراہٹ سے گمان ہوتا تھا کہ ریکارڈ کافی گھسا پٹا ہے۔ ان دونوں کی انجانی اور گرم جوش مسکراہٹوں کا تبادلہ کرتے چھوڑ کر میں اگلے بڑے کمرے میں داخل ہوا۔ یہ کمرہ کسی شان دار ہوٹل کی شان دار لابی کی طرح تھا۔ فرش پر جو قالین بچھے ہوئے تھے ایسے شاندار تھے جو بہت کم ہوٹلوں میں دیکھنے میں آتے تھے اور نرم نرم گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے نصف درجن اشخاص خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر کوئی توجہ نہیں دی۔ میرے دائیں ہاتھ سنہرے کپڑے میں ملبوس ایک پستہ قد صوفے پر تین آدمی براجمان تھے۔

انیل پرکاش ایک طرف چھوٹے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ کمرے میں بارہ تیرہ اشخاص موجود تھے...... لیکن انیل پرکاش کی شخصیت کے سامنے سب ماند تھے۔ انیل پرکاش نے نیلا کوٹ، سفید قمیص، ٹائی اور کریم کلر پتلون زیب تن کر رکھی تھی۔ لیکن وہ اپنے لباس کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی سحر آگیں اور پرکشش شخصیت کی وجہ سے ان سب میں ممتاز تھا۔ چھ فٹ کے قریب قامت...... خوبصورت چہرہ، وہ کسی یونانی دیوتا کی طرح حسین دکھائی دے رہا تھا۔ بات کرتے وقت جب وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے پائپ کو حرکت میں لاتا تو اس حرکت میں حسن پیدا ہو جاتا۔ حسین آدمی کی ہر ادا میں ایک حسن ہی تو ہوتا ہے۔

مجھے دیکھتے ہی وہ مڑا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میری طرف تیزی سے بڑھا اور گرم جوشی سے مصافحہ کے لیے ہاتھ پھیلا دیا۔ ”مسٹر دیوا...... پولیس نے بتایا تھا کہ تم آنے والے ہو، میں تمہارے انتظار میں مایوس ہو چلا تھا۔ میرے پاس تمہارا نہ تو فون نمبر اور نہ موبائل نمبر...... پتا ہوتا تم اس وقت آ رہے ہو تو تمہارا دروازے پر استقبال کرتا......“

”مجھے افسوس ہے......“ میں نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ”میں وقت کی بڑی پابندی کرتا ہوں...... دراصل بعض اوقات کوئی بات ایسی ہو جاتی ہے جن کے سبب وقت پر نہ پہنچ سکا...... سڑک پر اچانک اور ایک غیر متوقع سی الجھ پیش آنے کی وجہ سے دیر

ہوگئی۔ پلیز! آپ کوئی خیال نہ کریں......"

"اوہ......کوئی بات نہیں......" انیل پرکاش دل کش انداز میں مسکرا دیا۔" مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کی موجودگی تمہیں ناگوار نہ گزرے گی؟"

"نہیں...... ہرگز نہیں......" میں جواباً مسکرایا۔" مجھے ان سے کیا لینا دینا......"

"یہ سب میرے دوست ہیں!" اس نے ان کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔" بیشتر ان میں سے جگ دیپ ایجنسی کے موکل ہیں......ان میں میرے پرستار بھی ہیں......میرا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر کو تم جانتے ہوگے......اور وہ تمہیں......"

جب میں نے ان کی طرف غور ارو توجہ سے دیکھا تو کچھ چہرے دیکھے بھالے تھے......سنہرے صوفے پر دوردرشن ٹیلی ویژن کا اناؤنسر اور جز وقتی مصنف اچاریہ بھانو بے سیاہ بالوں میں چاندی کے تاروں سے باآسانی پہچانا جاسکتا تھا......اپنی سرد مہر آنکھوں کے باوجود ہر کام کی خبر کو کسی باز کی نگاہ سے دیکھ کر دس بجے کی خبروں میں......شہ سرخی کے نام سے پیش کیا کرتا تھا۔ ...اس کے ساتھ دبلا پتلا، زرد اور شاطر شخص سنیل آکاش تھا۔ وہ ناول نویس تھا۔ اور حال ہی میں ایک معرکے کا ناول پیش کرچکا تھا۔ اس نے بڑی مقبولیت حاصل کی تھی۔ اس کی مقبولیت میں دخل اس کی بے پناہ پبلسٹی کا تھا۔ جس پبلشر نے اس کے ناول کو شائع کیا تھا اس کے مختلف زبانوں میں فلمی رسائل، جرائد بھی تھے۔ یہ ناول چھ ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ ہوکر شائع ہوا تھا۔ اگر اس کی ان رسائل وجرائد میں پبلسٹی نہ کی جاتی تو شاید اتنا فروخت نہ ہوتا۔

اس ناول کا نام بڑا عجیب اور سنسنی خیز بھی تھا......لیٹو اور مرجاؤ......میں نے بھی اس کی پبلسٹی اور نام سے متاثر ہوکر یہ ناول پڑھا تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ یہ ناول مجھے بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔ ایک واقعہ جسے اس نے ناول کا موضوع بنایا تھا۔ کول کتا میں ایک بنگالی طوائف تھی جس کی عمر چھپن برس کی تھی۔ وہ ایک سترہ برس کے نوجوان لڑکے کو جو فٹ بال کا کھلاڑی تھا۔ وہ اپنی ٹیم میں سب سے بلند قامت تھا۔ بنگالیوں میں ایسے قدآور بہت کم ہوتے ہیں۔ وہ ایک امیر کبیر طوائف تھی۔ نوجوانی میں وہ نہایت ہی پرکشش عورت تھی۔ اس نے اپنے حسن وشباب اور جسم سے طوفان اٹھا رکھا تھا۔ اس نے فلموں اور کالی راتوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بے پناہ دولت کمائی۔ پانچ شادیاں کی تھیں۔ اپنے حسن وجسم کا خیال رکھا تھا اور اسے ڈھلنے نہیں دیا تھا آج بھی اس کی راتیں کالی ہوتی تھیں۔ صاحب جائیداد بھی تھی۔ وہ اس فٹ بالر پر ایسی مرمٹی تھی کہ اس نے اسے اپنا اسیر بنالیا تھا اور اس کے ساتھ رنگ رلیاں منانے شملہ کے پرفضا مقام پر گئی تھی۔

اس ناول میں......کالی راتوں کے علاوہ کوئی کہانی نہیں تھی۔ یہ ناول ایک طرح سے کوک

شاستر بن کر رہ گیا تھا۔ اس ناول پر خوب لے دے ہوئی اور کچھ نقادوں نے اس ناول کی کہانی کی دھجیاں اڑا کے رکھ دیں تھیں۔ یہ ناول ایسی ہی کڑی تنقید کے قابل تھا۔ ہندوستان میں ایسی غلاظت زدہ کہانی کا کوئی ناول نہیں چھپتا تھا۔ یوں تو ہندوستان میں بہت سارا فحش مواد اور تصویروں والی کتابیں چھپتی تھیں جو نمونہ ہوتی تھیں۔ یہ ناول کسی دن قانون کی گرفت میں آسکتا تھا۔ لیکن اس کے خلاف کسی صوبے کی حکومت کا ایکشن نہ لینا تعجب خیز تھا اور پھر اس کی پذیرائی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اب ہندوستانی اور امریکی اور یورپی اقدار میں کوئی تمیز نہیں رہی۔ لیڈی چیٹر لو جیسا ناول ہندوستان میں لکھا جارہا ہے۔ نئی نسل خوب دل لگا کر پڑھ رہی ہے۔ آج کا دور ایسے ہی ناولوں کا تھا۔

جب میں دستک دینے کے بعد اندر داخل ہوا تھا تو ایک شخص کو دیکھا جو دروازہ کھولنے والے لڑکے کو دزدیدہ اور ان جانی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے شاعر لگتا تھا۔ مگر درحقیقت وہ ایک سنگ تراش تھا۔ اس کے بنائے ہوئے مجسموں کی دو ایک تصویریں میں نے بھی دیکھی تھیں چند دنوں پہلے کی بات ہوگی......ایک ہرن......ایک ٹوٹی ہوئی گڑیا...... ایک عورت بے لباس ہوکرنل کے نیچے بیٹھی نہا رہی تھی......ان مجسموں نے انعام بھی جیتا تھا۔ مگر اب مجھے یاد نہیں تھا کہ اس کے کس بنائے ہوئے مجسمے کو انعام ملا تھا۔ کوئی خاص بات ہوتی تو میں شاید یاد بھی رکھتا۔ لیکن یاد رکھ کر کرنا بھی کیا تھا۔

"ایک اور جام پینے کے بعد میں تمہاری کوئی خدمت کرسکوں گا مسٹر دیوا کمار!" انیل پرکاش نے میرا خالی گلاس دیکھ کر کہا۔ ابھی جو جام ہم نے پیا تھا وہ وہسکی تھی۔" تم کیا پیو گے؟ میرے پاس امریکی اسکاچ، بربن اور روسی واڈکا بھی ہے۔"

"سوڈے کے بجائے بربن پانی کے ساتھ پینا پسند کروں گا......" میں نے جواب دیا۔" اس خاطر مدارت کا بہت بہت شکریہ......"

انیل پرکاش مجھے لے کر ایک گوشے کی طرف بڑھ گیا جہاں بار بنا ہوا تھا۔ مہمانوں کی چہ میگوئیاں اور خوش گپیاں بند ہوگئی تھیں۔ وہ سب مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے اور ان کی نظروں میں نکتہ چینی کا سا انداز تھا۔ شاید اس لیے کہ میں ان کے گروہ کا فرد نہ تھا یا ان کے ماحول کا بندہ نہ تھا۔ انیل پرکاش نے مجھے جو عزت اور اہمیت دی تھی اس نے انہیں حسد میں مبتلا کردیا تھا۔

"عام طور پر جمگھٹا نہیں ہوتا مسٹر دیوا کمار!" اس نے بربن سے بھرا ہوا گلاس مجھے تھمانے کے بعد کہا۔" مگر جب سے......" اس کی زبان لمحاتی طور پر رکی۔ پھر وہ بولا۔" جب سے گوپی ناتھ کا دیہانت ہوا ہے مجھے تنہائی سے وحشت ہونے لگی ہے اور ہر طرف خلا محسوس ہوتا ہے......میرا

خیال ہے......تم میری کیفیت سمجھ گئے ہو گے......؟''

پھر اس نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔ ''دیوا کمار! تم گوپی ناتھ کے متعلق کچھ معلوم کرنے آئے ہو؟''

''ہاں......'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے امید ہے کہ تمہیں ناگوار نہ گزرے گا۔ یہ ایک رسمی کارروائی ہے کچھ خیال نہ کرنا......''

''ہاں مسٹر دیوا کمار!......'' اس کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''ناگوار تو یقیناً گزرے گا......کیونکہ میں اس حادثے کے متعلق کچھ سوچنا نہیں چاہتا۔ اس لیے بھی کہ یہ بڑا اذیت ناک بن جاتا ہے۔ روح فرسا ہو جاتا ہے۔ لیکن پولیس کیا کہتی ہے؟ کہتی ہے کہ ہونی تو ہو کر رہتی ہے لیکن میں کسی فریب میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو دھوکا دینا نہیں چاہتا کہ یہ حادثہ پیش ہی نہیں آیا۔ گوپی ناتھ زندہ ہے......زندہ ہے......زندہ رہے گا......''

اس نے توقف کیا۔ اس نے واڈکا کے تین بڑے بڑے گھونٹ لیے جس سے اس کے چہرے پر طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔ ''ہاں......تو کیا معلوم کرنے کی زحمت کی ہے......'' اس نے پوچھا۔

''پہلے تو میں گوپی ناتھ کی رہائش گاہ پر ایک نظر ڈالوں گا......'' میں نے جواب دیا۔ ''پھر وہ بالکونی دیکھوں گا جہاں سے وہ گرا تھا......''

''تم جو دیکھنا چاہتے ہو اور پوچھنا چاہتے ہو میں اس کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے اپنے گلاس کو منہ سے لگایا اور بڑا سا گھونٹ لے کر رکھ دیا۔

اس نے مجھے ساتھ لیا۔ لیونگ روم سے نکل کر بیڈ روم میں سے ہوتا ہوا ہال وے میں جا پہنچا۔ ہال وے میں اس نے ایک دروازے کا قفل کھولا پھر ہم لوگ گوپی ناتھ کے سوٹ میں داخل ہو گئے۔ گوپی ناتھ کا سوٹ بھی اسی طرح سجا ہوا تھا جیسا کہ انیل پرکاش کا......فرق یہ تھا کہ انیل پرکاش کے لیونگ روم سے بالی وڈ کے فنکاروں کی جو رہائش گاہیں ایک کالونی میں تھیں وہ بائیں سمت سے دکھائی دیتی تھیں۔ جبکہ گوپی ناتھ کا سوٹ عمارت کے آخر میں تھا......یہاں سے دوسری بلند عمارتیں دائیں سمت دکھائی دیتی تھیں۔ گوپی ناتھ کے بیڈ روم میں متعدد خوبصورت اور متناسب جسم والی دوشیزاؤں کی تصاویر آویزاں تھیں۔ ان میں دو ایک تو قدرے بے حجابی کی حالت میں تھیں جو دل کو برمانے والی تھیں۔ گوپی ناتھ کی ایک تنہا تصویر اور باقی انیل پرکاش کے ساتھ اتاری گئی تھیں۔ انیل پرکاش کے ساتھ ایک تصویر میں وہ ایک نائٹ کلب کے سامنے کھڑا تھا۔ انیل پرکاش کا بازو اس کے کندھے پر تھا۔

گوپی ناتھ کا قد چھ فٹ دو انچ تھا۔ اس تصویر میں انیل پرکاش کے ساتھ ایسی بلندی ایسی پستی

کا صحیح مرقع پیش کر رہا تھا۔ اپنے حسن اور قد کی وجہ سے انیل پرکاش اس پر پوری طرح غالب دکھائی دیتا تھا۔ گوپی ناتھ درحقیقت حسن سے عاری تھا گول مٹول سے چہرے پر گنواروں جیسی آنکھیں اور کھڑا ہوا انداز......ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی دیہاتی ہو۔

مجھے ایک مرتبہ پھر وہی خیال آیا جو صبح گوپی ناتھ کی بہن رتنا کی موجودگی میں میرے ذہن میں وارد ہوا تھا کہ......اس تضاد کے باوجود یہ کیسے ممکن ہے کہ......گوپی ناتھ کے دل میں انیل پرکاش کے لیے حسد و رشک کے جزبات پیدا نہ ہوں......خالی لیونگ روم سے ہوتے ہوئے ہم مغربی رخ پر واقع بالکونی میں پہنچے......سورج افق میں روپوش ہو رہا تھا......اور اس کی گہری سرخ شعاعوں میں شہر کا منظر دیدنی تھا۔ دن ڈوبتے ہی سردی میں اضافہ ہو رہا تھا اور آسمان گدلا گدلا دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ ہے وہ جگہ جہاں حادثہ ہوا......'' انیل پرکاش نے اشارے سے بتایا۔ ''وہ......وہاں......نیچے گرا تھا......اس طرف......''

میں نے لوہے کے مضبوط جنگلے پر سے جھک کر آٹھ منزلوں کی بلندی سے نیچے سائڈ واک پر ایک نگاہ ڈالی۔ جنگلا میری بیلٹ سے بلند تھا......واضح رہے میرا قد چھ فٹ ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھ سے آٹھ انچ چھوٹے قد کا شخص اس جنگلے پر سے حادثاتی طور پر مشکل سے ہی گر سکتا تھا۔ تاوقتیکہ اسے اٹھا کر نیچے پھینک نہ دیا جائے یا دھکا دے کر گرا دیا جائے۔

''کچھ اور بھی دیکھنا چاہتے ہو مسٹر دیوا کمار!'' انیل پرکاش نے دریافت کیا۔

''نہیں......میں نے نفی میں سر ہلا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''البتہ کچھ پوچھنا چاہتا ہوں......''

''چلو......واپس چلیں۔'' اتنا کہہ کر وہ مڑا اور تیزی سے لیونگ روم میں گھس گیا۔

میں بھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کے پیچھے پہنچ گیا۔ میں نے اسے جالیا۔ وہ رک گیا اور اس نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''مسٹر انیل پرکاش......'' میں نے کہا۔ ''میرے خیال میں یہاں ٹھہرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لیے کہ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''یہاں مجھے وحشت ہوتی ہے مسٹر دیوا کمار!'' اس نے بالکونی کی طرف مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نیچے چل کر جو پوچھنا ہو پوچھ لیں۔''

''دیکھو......'' اس نے قدم آگے بڑھائے تو میں نے کہا۔ ''کچھ باتیں ایسی ہیں جو دوسروں کو سنوانا نہیں چاہتا۔ پلیز......مسٹر انیل پرکاش......اگر ناگوار نہ گزرے تو......چند لمحے عنایت فرما دیں۔ میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔''

''مجھے یقیناً سخت ناگوار گزر رہا ہے۔'' وہ پھر قدم اٹھانے لگا۔ اس کے لہجے میں اور چہرے پر

بڑی ناگواری اور تندی عود آئی تھی۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر روکنے سے رہا۔ زبردستی میں کر نہیں سکتا تھا۔ اور نہ ہی میرے بس میں تھا۔ میں چار و ناچار اس کے پیچھے چل دیا۔ وہ کسی قدر کبیدہ خاطر دکھائی دینے لگا تھا اور اس کی آنکھوں میں اداسی تیرنے لگی تھی۔

انیل پرکاش کے کمرے میں پہنچنے پر موجود لوگوں نے خشمگیں نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ وہ اندر ہی اندر خار کھا رہے تھے کہ انیل پرکاش مجھے بہت اہمیت دے رہا ہے۔ ایک لاغر اور نحیف سے نامعلوم شخص نے میری طرف دیکھ کر اپنے ساتھی سے سرگوشی کی اور دونوں ہنسنے لگے۔ ایک خصوصیت ان لوگوں میں یہ تھی کہ سنگ تراش کے سوا...... باقی سب اجلے اور صاف ستھرے نظر آ رہے تھے۔ سنگ تراش کی نسبت ان کا لباس بھی نفیس اور قیمتی تھا۔ ان کی عمدہ جامہ زیبی متاثر کرنے والی تھی۔ داڑھی کے جھاڑ جھنکار سے محروم چمکتے ہوئے چہرے...... ملبوسات اور طرح طرح کی خوشبویات سے مہکتے ہوئے اشخاص تھے۔

یہاں آنے کے بعد مجھے یہ تلخ احساس ہوا کہ...... جلد یہاں پہنچنے کے خیال سے اپنے فلیٹ میں لباس بدلنے کے لیے نہ رک کر میں نے غلطی کی تھی۔ وہ گولی جو مجھے چھو کر گزری تھی اس نے میرے کوٹ میں دو واضح اور نمایاں سوراخ بنا دیئے تھے۔ گھٹنے پر سے پتلون بھی چھد گئی تھی...... اور کوٹ اور پتلون پر بھی جگہ جگہ مٹی لگی رہ گئی تھی۔

انیل پرکاش نے اپنے لیے ایک اور جام بناتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا...... میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس نے اپنا جام ہاتھ میں لیا اور پھر اس نے صوفے کے قریب جا کر ''...... لیٹو اور مر جاؤ......'' کے مصنف سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اچاریہ بھانوے...... مسٹر دیوا کمار کو جگہ دو...... اور خود فرش پر چلے جاؤ......''

میرا خیال تھا کہ اچاریہ بھانوے کو اس کی بات ناگوار گزرے گی۔ ایسا نہ ہوا اس نے بڑی فرماں برداری سے حکم کی تعمیل کی اور میں اور انیل پرکاش صوفے پر بیٹھ گئے۔ اچاریہ بھانوے میرے دائیں ہاتھ پر موجود تھا۔ اس قسم کے مجمعے میں کچھ پوچھ گچھ کرنا مناسب نہیں تھا۔ چونکہ انیل پرکاش تنہائی میں بات کرنے پر تیار نہیں تھا اس لیے مجبوری تھی۔ مجھے چونکہ اب رسمی کارروائی پوری کرنے کے سوا چارہ نہیں تھا اس لیے میں نے اس سے وہی باتیں پوچھیں جو پولیس اس سے پوچھ چکی تھی...... آیا کیا گوپی ناتھ مایوسی کا شکار تھا...... یا اس کی موت ایک اتفاقی حادثہ تھی...... کیا گوپی ناتھ نے خودکشی کی تھی...... اس کی خودکشی محبت میں ناکامی تو نہیں تھی۔

بھانت بھانت کے ان لوگوں کی موجودگی میں مجھے تفتیش کرتے ہوئے بڑی الجھن سی ہو رہی تھی۔ مجھے جو کوفت ہو رہی تھی اس کا اندازہ صرف میں ہی کر سکتا تھا۔ اس کوفت کی وجہ یہ تھی کہ وہ

مجمع اپنی گفتگو بند کر کے ہماری طرف ہمہ تن گوش ہو کر دیکھ رہے تھے...... ان میں سے کچھ تو اور قریب سرک آئے تھے۔ ان کی دلچسپی اور تجسس میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس لیے بھی قریب آئے تھے کہ زیادہ خوبی اور وضاحت سے سن سکیں تاکہ فرصت کے اوقات موضوع بحث بنا سکیں۔ چونکہ ان کے پاس وقت کی کمی نہ تھی۔

اچاریہ بھانوے جو قریب اور ہمارے پیروں کے قریب فرش پر بیٹھا ہوا تھا اس نے اچانک مداخلت کی۔ شاید اس لیے کہ انیل پرکاش نے خودکشی کی تردید کی...... اور میں نے اس سے ڈاکٹر مکرجی سے ملاقات کا ذکر کیا تو اس نے ہنس کر کہا تھا کہ ''ہاں...... گوپی ناتھ دو ایک مرتبہ اس کے پاس گیا تھا...... وہ ڈاکٹر مکرجی بھی عجیب و غریب نفسیاتی معالج ہے۔ کوئی بھی مریض اس کے پاس جاتا ہے وہ کسی بھی عمر کا مرد ہو یا عورت اس کے کپڑے اتار کر اس کا معائنہ کرتا ہے۔ اس کا یہ طریقہ کار ہے۔ لیکن اس کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ خودکشی کر لیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کی حرکات و سکنات سے ظاہر ہو جاتا۔'' یہ سن کر اچاریہ بھانوے بولا۔

''میں خود بھی ڈاکٹر مکرجی سے معائنہ کرا چکا ہوں...... اور یہ میری زندگی کا نچوڑ تھا۔ ایک شاندار تجربہ کہہ لیں۔ اگر میں اس سے علاج کرا کے اپنی قوت ارادی کو مضبوط نہ کرتا تو ناممکن تھا کہ میرا ناول...... لیٹو اور مر جاؤ...... عظیم تخلیق نہ بنتا۔''

میں نے اس میاں مٹھو کی بات نظر انداز کر دی۔ اس نے اپنی تخلیق کو عظیم قرار دیا تھا۔ وہ عظیم ناول ہرگز نہ تھا۔ وہ جتنا فروخت ہونا تھا ہو چکا تھا اب تو اسے کوئی خرید بھی نہیں رہا تھا۔ وہ بک اسٹالوں پر دھرا ہوا تھا۔ لوگ اس کا رنگین سرورق ضرور دیکھتے تھے جس پر ایک نیم عریاں عورت آرٹ کی تصویر میں تھی۔ میں اس وقت بحث کے موڈ میں نہ تھا اور یہاں سے جلد از جلد چل دینا چاہتا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو اس کی طبیعت ایسی صاف کرتا کہ وہ لکھنا بھول جاتا۔ بہرحال میں نے انیل پرکاش سے کہا۔ ''پولیس کو معلوم ہوا ہے کہ خودکشی کے وقت گوپی ناتھ اپنے سوٹ میں تنہا تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس وقت اس کے پاس کوئی موجود نہ ہو؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں......'' انیل پرکاش نے اپنے کندھے اچکا کر سرگوشی کے سے انداز میں جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ اکیلا ہی تھا۔ ممکن ہے کوئی اور بھی موجود ہو۔ کوئی دوست لڑکی یا لڑکا...... مجھے اس بات کی اس لیے بھی خبر نہیں کہ میں اپنے سوٹ میں موجود تھا۔ اس حادثے کے فوراً بعد ہی مجھے مطلع کیا گیا تھا...... بس اتنا جانتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ کافی پوچھ گچھ ہو چکی ہے...... یہ تفتیش تو شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہوتی جا رہی ہے۔'' یہ کرن سنگھ تھا جو میرے بائیں طرف بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کی طرف تیز نظروں

سے دیکھا۔

"تمہیں کیا اعتراض ہے؟" میرا لہجہ سخت ہو گیا۔

"اعتراض......" وہ بولا۔ "ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ تمہاری تفتیش حد سے تجاوز کر رہی ہے۔ گوپی ناتھ کے پاس کوئی اور بھی موجود تھا...... کوئی عورت جس سے اس کے تعلقات تھے۔ اس عورت کے شوہر نے ان دونوں کو غلاظت کے دلدل میں دیکھا اور گوپی ناتھ کو قتل کر دیا...... تم دراصل یہ کہنا چاہتے ہو کہ گوپی ناتھ کو قتل کیا گیا ہے؟"

"مسٹر کرن سنگھ! تم جو چاہے نتیجہ اخذ کرو۔" میں نے تلخ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ "میں گوپی ناتھ کی موت کی تحقیقات کر رہا ہوں...... میں مسٹر انیل پرکاش سے یہ دریافت کرنے نہیں آیا ہوں کہ اس کے تعلقات تمہارے دوست کی کسی بہن، بیوی، یا کسی لڑکی سے تھے جس کے شوہر یا بھائی نے مشتعل ہو کر قتل کر دیا...... ان میں سے جو یہاں موجود ہیں ان کی پتنی، بہن، بیوی یا بیٹی سے تھے...... بظاہر اس کی موت ایک حادثہ تھی...... لیکن خودکشی یا قتل بھی تو ممکن ہے۔ تیسری صورت کیا ہو سکتی ہے؟"

کرن سنگھ اور دوسرے حاضرین کے چہرے زرد پڑ گئے کیونکہ ان کی بیوی، بیٹی اور بہنیں آزاد خیال ہوں گی اور گوپی ناتھ سے شاید تعلقات رہے ہوں گے۔ شاید ان کی آمد و رفت رہتی ہو۔ میری یہ بات ان کے دلوں پر چابک بن کر لگی تھی۔ شاید ان لوگوں نے ایک لمحے کے لیے تصور میں اپنی عورتوں کو گوپی ناتھ کے ساتھ غلاظت کے دلدل میں دھنسا ہوا دیکھا ہو۔

سب سے زیادہ حالت خراب کرن سنگھ کی تھی۔ اس کی بیوی کو میں جانتا تھا۔ وہ بیوی کم شمع محفل زیادہ تھی۔ اس کی یہاں آمد و رفت بھی زیادہ تھی۔ وہ مذاق اڑانے کے انداز میں ہنس دیا۔

پھر اس نے بلند آواز میں طنزیہ لہجے میں کہا۔ "معزز سامعین! ہمارے پرائیوٹ جاسوس مسٹر دیوا کمار! اب ایک مفروضہ قتل کے سلسلے میں اپنے قیاسات کی روئداد بیان کریں گے...... کیونکہ انہیں بڑا زعم ہے کہ ان کے جیسا جاسوس ہندوستان میں نہیں ہے۔ یہ ہندوستانی شرلاک ہومز ہیں۔"

"مسٹر کرن سنگھ!" میرا پارہ چڑھنے لگا۔ "تمہارے لیے یہ بہتر ہوگا کہ تم دخل در معقولات بند کرو۔ یہاں تم اور جو بھی موجود ہیں وہ اپنے کام سے کام رکھیں۔ اپنی اوقات اور جامے میں رہیں مجھے اپنا کام کرنے دیں۔"

میں جب سے یہاں آیا تھا مجھ پر آدھا درجن سے زیادہ فقرے چست کیے جا چکے تھے۔ جنہیں میں نے ان سنا کر دیا تھا۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ بکواس اور فضول باتیں میں سننے کے لیے نہیں بلکہ تحقیقات کرنے آیا تھا۔ لاغر شخص نے اب کرن سنگھ کو میرے خلاف محاذ آرا پا

کر کوئی بات کہی جس سے بلند آواز سے یوں ادا کیا کہ سبھی لوگ سن لیں۔

"بالکل جانور ہے...... ہے نا...... کیا میری بات غلط ہے......؟"

اس تمسخرانہ بات پر دو تین آدمیوں کی ہنسی چھوٹ پڑی...... وہ کھی کھی کر کے ہنسنے اور اس طرح دیکھنے لگے جیسے میں واقعی جانور ہوں۔ کرن سنگھ نے بھی یہ جملہ سن لیا تھا۔ وہ شیر ہو کر بولا۔ "مسٹر دیوا کمار! بھڑک اٹھے ہیں اب تم لوگ اس کا مزا چکھو گے......"

"یہ کیا مزہ چکھائیں گے......" نحیف اور لاغر شخص نے کرن سنگھ کی طرف استہزائیہ نظروں سے دیکھا۔ "اتنی ہمت ہے ان میں......؟"

"مزا یہ ہے کہ وہ آپ سب کو دخل در معقولات پر ایک نامعقول سا لیکچر دیں گے۔" کرن سنگھ نے کہا۔ "اس کا مزہ چکھنا ہے۔"

کرن سنگھ کا یہ استہزائیہ انداز کا تبصرہ سن کر حاظرین میں سے متعدد لوگ اپنی ہنسی نہ روک سکے۔ وہ بڑے زور زور سے کھی کھی کرنے لگے۔ اب مجھے اس طرح دیکھنے لگے جیسے میں کوئی جوکر ہوں اور انہیں ہنسانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

"میں شرافت سے کہہ رہا ہوں کہ تم اپنی بکواس بند کرو۔" میں نے غرا کر اور اس کے قریب ہو کر کہا۔ "کیا تم تماشا بننا چاہتے ہو...... اور میں تمہاری پتنی کے بارے میں کچھ کہوں تو محفل زعفران زار بن جائے گی...... کیا میں تمہاری پتنی سے واقف نہیں ہوں؟"

کرن سنگھ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ "سوری!" وہ میری دھمکی سن کر خاموش ہو گیا۔ مجھ سے نظریں ملانے کی اس میں تاب نہ رہی۔

"مسٹر دیوا کمار...... یہ کیا ہے......؟" اس لحہ اچاریہ بھانوے نے اپنی ٹانگ اڑائی تھی۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں اس پر اس لیے دباؤ نہ ڈال سکوں گا کہ وہ ایک عظیم ناول نگار ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میری پتلون کے چھدرے ہوئے گھٹنے چھوتے ہوئے کہا۔ "تمہاری پتلون میں سوراخ......؟ کیا تم نے نئے ڈیزائن کی پتلون پہنی ہے...... کیا کسی فیشن شو سے ہو کر آ رہے ہو۔"

اس کے بیکار اور بے ہودہ اور ناشائستہ مذاق پر حاظرین بڑے بھونڈے اور بے ہنگم قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ مجھے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ اس کے پیٹ میں بھی درد ہوگا۔ اس قسم کی بات کہنے کی کوئی تک نہیں تھی۔

"یہ تمہارے کوٹ میں بھی دیمک نے سوراخ کر رکھے ہیں۔" وہ ان قہقہوں کے مزید توانائی اور حوصلہ افزائی پا کر بولا۔ پھر اس نے اپنی بتیسی نکال دی۔ "ان سوراخوں نے کتنا اچھا اور خوبصورت ڈیزائن کر دیا ہے......"

اس موقع پر مشتعل ہو کر جواب دینے سے میں تماشا بن کر رہ جاتا۔ انیل پرکاش کا یہ سوٹ نہ ہوتا تو میں اس کی بتیسی نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیتا۔ انیل پرکاش کو بھی میری آمد ناگوار لگ رہی تھی۔ میں اسے اور بدظن کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ''دوست......'' میں نے اسے بڑی نرمی اور شیریں آواز میں مخاطب کیا۔ اس نے میرے گھٹنے پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ ''کیا یہ بہتر نہیں کہ اپنے گندے اور مکروہ پنجے میرے گھٹنے پر سے اٹھا لو......''

''آخر تمہارے لباس کو ہو کیا گیا ہے......؟'' اس نے ہاتھ تو اٹھا لیا لیکن وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ سوال پوچھنے کا انداز ایسا تھا جیسے اپنے مذاق سے بے حال ہو رہا ہو۔ اس میں استہزائیہ انداز تھا۔ وہ کمینے پن پر اترا ہوا تھا۔

''بدمعاشوں کے ساتھ ایک جھڑپ میں میرے لباس کا یہ حشر ہوا ہے۔'' میں نے اپنی آواز بدستور نرم اور خوشگوار رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے کوٹ میں جو سوراخ دیکھ رہے ہو اسے اچھی طرح دیکھ لو...... یہ گولی کا سوراخ ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے بندوق کی گولی کا......؟'' اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہوئے۔ ''تم زخمی بھی نہیں ہوئے؟''

''بندوق کی گولی نہیں...... ریوالور کی گولی تھی......'' میں نے اسے جواب دیا۔ ''پرآتما نے بچا لیا...... ورنہ میں یہاں نہیں ہوتا......''

''ریوالور کی گولی...... حاضرین...... اس پر گولی داغی گئی۔'' اس سادہ سی وضاحت پر اسے غالباً دھچکا سا لگا تھا۔

''گویا ہم اس وقت ایک ہیرو کی حضوری میں ہیں دوستو! اس کے کارنامے فلمی ہیروئنوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔'' اچاریہ بھانوے نے جس استہزائیہ انداز میں میرا مذاق اڑایا تھا اس پر حلق کھل گئے اور واشگاف قہقہے لگنے لگے۔

مجھے اپنے کان گرم ہوتے ہوئے محسوس ہوئے...... اگر وہ میرے سرخ کان دیکھ لیتا تو یقیناً اپنی زبان کو لگام دے لیتا...... مگر وہ تو اس وقت تحسین و ستائش کرنے والے اپنے حواریوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تقریر......'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا لیکن اس میں تحقیر کا سا انداز شامل تھا۔ ''ہمارے ہیرو صاحب ایک دل افروز تقریر فرمائیں گے۔ اب آپ لوگ دل تھام کر سنیں۔ ہمہ تن گوش ہو جائیں۔''

غالباً یہ لوگ اس قسم کے چھچھورے مذاق کے عادی تھے۔ اس کی یہ باتیں سن کر ہنستے ہنستے

لوٹ پوٹ ہونے لگے انہیں دیکھ کر یہ خیال کرنا محال تھا کہ...... چند لمحے پیشتر گوپی ناتھ کی موت کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔

''کیا تم اپنی تھوتھنی بند نہیں کر سکتے تاکہ میں کچھ کام کی باتیں کر لوں......'' میرے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ میں آگے کی طرف جھکا۔ اچاریہ بھانوے کے کندھے کو تھام کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔ ''یہ تم جامے سے باہر کیوں ہوئے جا رہے ہو؟''

میں نے تو صرف ایک ہلکا سا جھٹکا دیا مگر جوش اور غصے کے باعث کچھ زیادہ زور لگ گیا۔ اچاریہ بھانوے کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کے چہرے سے ناگواری اور غصے کی لہر ظاہر ہونے لگی۔ ''یہ...... یہ کیا مذاق ہے؟'' اچاریہ بھانوے تلا کر بولا۔ ''میں اس قسم کی وحشت اور مذاق کا عادی نہیں ہوں۔''

معاً میری نگاہ کرن سنگھ کی طرف اٹھ گئی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اچاریہ بھانوے کا میرے ہاتھوں یہ حشر دیکھ کر اسے خوشی ہو رہی ہے...... بات یہ تھی کہ اسے جو غرور تھا، زعم تھا اور ہر وقت شاید اپنی بڑائی ہانکتا رہتا تھا اس لیے کرن سنگھ اور دوسرے اس سے نالاں اور متنفر تھے۔ وہ اسے اس لیے برداشت کرتے تھے کہ انیل پرکاش اسے بلاتا رہتا تھا۔

''یہ بے ہودگی...... شریفوں کا شیوہ نہیں......'' اچاریہ بھانوے نے برہمی سے کہا۔ ''تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں ایک قلم کار ہوں...... قلم کی زبان سے بات کرتا ہوں مسٹر دیوا کمار......'' اس نے توقف کر کے سانسوں کے زیر و بم پر قابو پایا۔ ''دھینگا مشتی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ شاید تم نے کبھی میری کوئی کتاب نہیں پڑھی......؟''

''غلطی سے ایک پڑھی تھی۔'' میں نے ایک اور ہلکا سا ٹھوکا لگا کر اس کا کندھا چھوڑ دیا۔ ''وہ ایک مزاحیہ کتاب تھی۔''

''ایک مزاحیہ کتاب......'' وہ بری طرح چونکا۔ ''وہ، وہ کون سی کتاب تھی جسے تم مزاحیہ کہہ رہے ہو؟ نام بتاؤ؟''

''اس کتاب کا نام......؟'' میں نے اپنا سر کھجایا۔ ''کچھ عجیب اور واہیات سا نام تھا، لیٹو اور مر جاؤ...... شاید یہی نام تھا۔''

''تم نے یہ کتاب ہرگز نہیں پڑھی۔'' یہ سن کر اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ وہ بری طرح پھنکار رہا تھا۔

''یہ تم نے کیوں اور کیسے اندازہ کیا کہ یہ کتاب میں نے نہیں پڑھی؟'' میں نے انجان بن کر کہا۔ ''کیا یہ تمہاری کتاب کا نام نہیں ہے؟''

''وہ ایسے کہ یہ کتاب مزاحیہ نہیں تھی۔'' اس نے جواب دیا۔''میری دو مزاحیہ کتابیں ہیں۔ لیکن ان کے نام اور ہی ہیں۔''

''اچھا تو وہ کتاب مزاحیہ نہیں تھی؟'' میں نے کہا۔''یقین کرو میں نے یہی ایک کتاب پڑھی تھی، لیٹو اور مر جاؤ......''

''خوب......اچھا تو......'' وہ مسکرا دیا۔ اس کا رنگ کچھ نارمل سا ہو گیا۔''اچھا تو بتاؤ کہ اس ناول کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے......؟ اس کی زبان و بیان کی باریکی، نزاکت اور استعمارات کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟''

''کیا تم سچ مچ میری بے لاگ رائے جاننا چاہتے ہو؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔''سن سکو گے......؟''

''ہاں......ہاں......کیوں نہیں؟'' اس نے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا۔''ایک قلمکار کو اپنی کتاب کو پڑھنے والے کی رائے درکار ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ ان کی پسند اور ناپسند کے بارے میں اندازہ کر سکے۔ تم اپنی بے لاگ رائے دو......''

''تو سنو......'' میں کہنے لگا۔''یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے پڑھ کر ذہنی پراگندگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں کوک شاستر بہتر ہے اس لیے کہ اس میں اشارے کنائے میں بہت ساری باتیں کہہ دی گئی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ تم نے کوئی امریکی یا یورپی نمونہ فلم دیکھ کر اس سے متاثر ہو کر یہ کتاب لکھی ہے۔ تم نے اس میں ایک طوائف کی زندگی......اس کے کردار......اور اس کی عیاشی کو پیش کیا ہے۔ اس میں سیکس کے سوا کچھ بھی نہیں...... میں نے ایک سفر کے دوران اسے خریدنے کی غلطی کی تھی۔ دو تین سطریں پڑھنے کے بعد ہی بے زار ہو گیا تھا۔ جیسے جیسے زبردستی پڑھتا گیا اکتاہٹ بڑھتی ہی گئی۔

جہاں تک پلاٹ کا تعلق ہے وہ انتہائی پھس پھسا ہے بے جان اور کم زور......کردار انتہائی چھچھورے ہیں۔ وہ بیڈ روم میں جبر و زیادتی کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ میں نے اس ناول میں باریکی اور لطیف استعمارات کا شدید قحط پایا ہے۔ بہت کمی محسوس ہوئی۔ اس میں جزئیات کی بھی کمی ہے اور باقی جہاں تک اسلوب......''

''تم بکتے ہو......'' وہ میری تنقید کے دوران بری طرح جھنجلا گیا تھا۔''تم نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی کتاب پڑھی نہیں......تم کیا جانو ناول کیا ہوتا ہے......کہانی کیا ہوتی ہی......؟ استعمارات کس چڑیا کا نام ہے......؟''

''تم نے بے لاگ رائے طلب کی تھی وہ میں نے دے دی۔'' میں نے کہا۔''تنقید سننے کی

لیے دل اور حوصلہ چاہیئے۔ یہ ہر قلم کار کے بس کی بات نہیں ہوتی ہے۔ میں نے یہ کتاب چلتی ٹرین سے ندی میں پھینک دی تھی۔ یہ کہانی جو ایک چھپن برس کی جنس زدہ طوائف اور ایک نوجوان لڑکے کے گرد گھومتی ہے اس سے تم نے پڑھنے والوں کو کیا بتلانا چاہا ہے......لعنت ہے تم پر اور تمہارے اس ناول پر......اگر تم نے ایسی ناول لکھی تو ہو سکتا ہے کوئی نوجوان تمہیں شوٹ کر دے اگر تمہیں عورت کی عکاسی کا اتنا ہی ارمان ہے تو اپنے خاندان کی کسی عورت پر لکھو...... میں جب تک زندہ ہوں ایسا بے ہودہ ناول نہیں پڑھوں گا۔''

''امید ہے تم زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہو گے؟'' وہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولا۔ اس کا چہرہ چقندر کی طرح ہو گیا۔ یہ تھی اس نام نہاد اور عظیم مصنف کی پیش گوئی......اس میں اس کا نہیں اس کی ذات اور ذہنیت کا قصور تھا۔ دراصل اس قماش کے قلم کار تنقید کے پتھر برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ بس انہیں تو ایسی تنقید درکار ہوتی ہے جس میں ان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے جائیں۔ میں نے اس کے ناول کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ حقیقت پر مبنی تھے۔

میں نے جو اس ناول کی دھجیاں اڑا دی تھیں اس نے کمرے میں ایک گہرا سکوت طاری کر دیا تھا۔ حاضرین میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو میری رائے سے اختلاف کرتا اور اس قلم کار کی حمایت میں بولتا اور ناول کی خوبیاں گنواتا۔ اس سکوت میں بیرونی کمرے میں بجنے والے اس ریکارڈ کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی جو میں پہلے آتے ہی سن چکا تھا۔

''تم سے وہ محبت کی جو محبت سے کہیں ارفع اور عظیم ہے......محبت کرنے اور محبت کے سوا...... اور کسی خیال نے میرے ذہن کو آلودہ نہیں کیا......''

اچاریہ بھانوے کے ساتھ زبانی جمع خرچ کے وقت میں نے انیل پرکاش کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھ سے بری طرح الجھا ہوا تھا مجھے توقع نہیں تھی کہ اچاریہ بھانوے اپنی شامت کو دعوت دے گا۔ اس لیے بھی انیل پرکاش خاموش تھا کہ یہ قلم کار مجھ پر حاوی ہو جائے گا لیکن اس کے برعکس ہوا تھا۔ میں نے اس قلم کار کو بھری محفل میں ننگا کر کے رکھ دیا تھا......میرے دل میں قلم کاروں کی جو عزت تھی اور احترام تھا وہ قلم کاروں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نہیں ہوتا ہے۔ بھری محفل میں اچاریہ بھانوے کے پرخچے میں نے اڑائے تھے۔ اس بات نے انیل پرکاش کو میرے خلاف برانگیختہ کر دیا تھا۔ اس نے جام کو بالائی سمت سے پکڑ کر اس زور سے بھینچا کہ جام ٹوٹ گیا اور اس کی کرچیاں انیل پرکاش کی ہتھیلی کو زخمی کر گئیں۔ گلاس کا نچلا حصہ دھب سے قالین پر گرا۔ انیل پرکاش کا چہرہ انتہائی کشیدہ ہو رہا تھا۔ پھر جیسے کسی قدر حیرت سے دیکھتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ کھول دیا۔ خون آلود ہاتھ سے کرچیاں نیچے قالین پر گریں۔ اس لمحے اس کے چہرے پر

کر خنگی سی تھی۔

انیل پرکاش نے ہتھیلی کھول کر دو گہرے گھاؤ دیکھے۔ خون کا ایک بڑا سا قطرہ نیچے گرا۔ قالین پر ایک بڑا سا دھبہ پڑ گیا۔ ''میں......'' اس نے کہا۔ ''یہ سب کچھ سمجھنے سے قاصر ہوں......شاید میں اپنی کمزوریوں سے لاعلم ہوں۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ زخمی ہاتھ پر رومال لپیٹنے کے بعد......اس نے ایک اور جام بنایا۔ جب وہ جام لیے واپس آیا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اچھا......مسٹر انیل پرکاش......'' میں نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا۔ ''آپ نے مجھے جو قیمتی وقت دیا اس کا بہت بہت شکریہ......''

''مسٹر دیوا کمار......یہ سب بھول جاؤ۔'' انیل پرکاش یہ کہہ کر میرے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا۔ ''تم نے بھی آخر وقت دیا۔''

کمرے میں موجود لوگوں نے مجھ پر سے توجہ ہٹا لی۔ پھر وہ گفتگو میں مصروف ہو گئے تھے۔ ان کا موضوع بحث کوئی ناپسندیدہ شخص تھا۔ ''میں پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔'' میں بیرونی دروازے پر پہنچ کر بولا۔ ''مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ اچاریہ بھانوے کے ساتھ میری جھڑپ ہو گئی......کسی کا مہمان بن کر اس کے دوستوں کے ساتھ الجھنا اور چھیڑ چھاڑ مجھے خود پسند نہیں......''

''تم نے اسے خوب ہی رگیدا ہے۔'' انیل پرکاش مسکرا دیا۔ ''شاید اس میں اس حرام زادے کے لیے کوئی بہتری ہو......اب ہر ایک سے یہی کہتا رہتا ہے کہ اس نے ایک ماسٹر پیس ناول لکھا ہے۔ وہ میاں مٹھو بنتا رہتا ہے۔ اسے شرم نہیں آتی۔''

''تو کیا تم اس ناول کو ماسٹر پیس تصور نہیں کرتے ہو؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''جب کہ اس ناول کی بڑی شہرت ہے۔''

''بدبو کو......کوئی بھی سلیم الطبع شخص خوشبو نہیں کہہ سکتا؟'' اس نے قدرے تامل کے بعد کہا۔ ''ہمارا گروہ کچھ تعریف کے قابل نہیں......میں اسے ناول ہی نہیں مانتا......اس میں کوئی کہانی نہیں......صرف بیڈ سین بھرے ہیں......''

''میں تمہیں اس گروہ میں شامل نہیں سمجھتا مسٹر انیل پرکاش......!'' میں نے کہا۔ ''اسے تم چاپلوسی نہ سمجھنا۔ میں تمہارے دوستوں کی تعریف نہیں کر سکتا۔''

''لعنت ہو ان پر......یہ میرے دوست نہیں ہیں۔'' انیل پرکاش ہونٹ چبا کر بولا۔ ''میں بھی ان کی طرح الجھا ہوا ہوں اور......اور حقیقت یہ ہے کہ میں اب گوپی ناتھ کے بغیر چل نہ سکوں گا......وہ میری آتما تھا......''

میں کچھ بے چین سا ہو گیا۔ ''میں جانتا ہوں کہ گوپی ناتھ کی غیر موجودگی میں تمہارے لیے گانا

مشکل ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مگر اس کا علاج ممکن ہے اور تم اس قدر مایوس اور دل برداشتہ کیوں ہو رہے ہو جب کہ......''

''یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو......شاید کسی وقت تمہیں بتا سکوں......گوپی ناتھ میرا دوست تھا......ان کی طرح نہیں......'' اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ ''کچھ بھی ہو چند ماہ پہلے تک وہ میرا بہترین دوست تھا۔''

''چند ماہ پہلے تک......؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔ مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

''جانے دو......انٹرویو ختم ہو چکا ہے۔'' اس نے الوداعی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ ''میں تمہیں مزید وقت دینے سے قاصر ہوں۔''

اس سے رخصت ہو کر ایلیویٹر کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یہ شخص......انیل پرکاش اپنے موجودہ ہم نشینوں سے یقیناً مختلف اور بہتر ہے لیکن اس نے گوپی ناتھ کے متعلق جو بھی ابھی کہا۔

☆......☆......☆

میں انیل پرکاش کے ہاں سے اپنے فلیٹ پر آیا۔ نہانے دھونے، شیو اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد میں نے تازہ دم ہونے کے لیے کافی بنائی......گرم گرم کافی پیتے ہوئے بہت سے امور کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں تازہ دم ہو چکا تھا۔

خاصی دیر تک غور و خوض کرنے کے بعد بالآخر میرے خیالات ان تین بدمعاشوں پر مرکوز ہو گئے جو میرے درپے آزار ہوئے تھے اور ناکام ہو گئے تھے۔ آخر ان لوگوں نے مجھے لوح جہاں پر حرف مکرر سمجھ کر کیوں مٹانے کی کوشش کی تھی؟ اور انہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ......میں فلاں وقت پر اس مقام سے گزروں گا۔ جہاں انہوں نے مجھے گھیرا تھا......ان کا مقصد تو سمجھ میں نہیں آیا......البتہ دوسرے سوال کے جواب میں کہا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے وہ بالی وڈ سے ہی میرا تعاقب کرتے چلے آ رہے ہوں۔ یعنی جگدیپ کے دفتر سے......وہ میرا سایہ بنے رہے ہوں۔ چوپڑہ بہت کم اس ایک شہر میں رہتا تھا لیکن ایک اتفاقی موت کی تفتیش کرتے ہوئے اس کی اس میں مداخلت کا کیا جواز تھا تو اس نے ڈاکٹر مکرجی سے میری ملاقات کے امکان کو مدنظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کو خبردار کیا ہو......؟ مگر یہ امکان بہت خفیف اور ناقابل فہم تھا کیونکہ وہ جگدیپ کے ہاں سے میرے تعاقب میں ہوتے تو مجھ سے چھپے نہ رہ سکتے تھے۔ اگر انہوں نے کہیں سے بھی میرا تعاقب کیا ہوتا تو میری نظروں میں آئے بغیر مجھ سے پہلے کیسے پہنچتے......میں ان کے تعاقب کو محسوس کر لیتا۔

تو کیا ڈاکٹر مکرجی نے......؟ میں نے ذہن کو ٹٹولا۔ اور ان واقعات کو یاد کیا جو ڈاکٹر مکرجی کے

ہاں پیش آئے تھے۔ان واقعات کے اعادے کے ساتھ ہی مجھے وہ لڑکی یاد آئی اس نے کس حالت میں اپنا معائنہ کروایا تھا۔ میں اس کا نام یاد کرنے لگا۔اس کا نام ایک معروف بنگالی اداکارہ کا تھا، ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا۔اس کا نام یاد آ گیا...... مس سشمیتا...... مجھے اس لڑکی سے ملاقات کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھالی۔

سشمیتا نام کی ایک نہیں چالیس خواتین تھیں۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے ماہم کے پتے پر ایک مس سشمیتا کا نام نظر آیا۔ میں نے اس کا پتا اور فون نمبر نوٹ کیا۔ پہلے تو یہ سوچا کہ کیوں نہ میں فون کر کے تصدیق کرلوں۔ پھر کچھ سوچ کر فون کیے بغیر چل دیا۔

وہ ماہم کے علاقے میں دو ہزار گز کی ایک کوٹھی کے پورشن میں کرائے پر رہ رہی تھی۔ اس کوٹھی میں ایک اور دو کمروں کے کئی پورشن تھے جو مالک نے کرائے پر اٹھار کھے تھے۔ ایک طرح سے یہ ہوٹل معلوم ہوتا تھا۔ میں نے ایک عورت سے اس کا نمبر معلوم کرلیا تھا جو کسی پورشن میں رہتی تھی۔ اس کے اپارٹمنٹ کا نمبر 16 تھا۔ دروازے پر دستک دینے کے بعد زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اندر سے چاپیں سنائی دیں۔ وہ اونچی ایڑیوں کے سینڈل پہنے ہوئے تھی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھول کر میرے سامنے کھڑی تھی۔

''ہیلو...... مس سشمیتا دیوی......'' میں نے اپنی آواز میں شہد گھولتے ہوئے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ یہ وہی فتنہ تھی۔

''ہیلو......'' سشمیتا نے متبسم ہو کر کہا۔ ''تمہیں میں نے ڈاکٹر مکر جی کے دفتر میں دیکھا تھا اور تم اس کی اجازت کے بغیر اندر گھس آئے تھے۔'' پھر اس کا چہرہ گلابی ہو گیا۔ ''تم واحد مریض تھے جس نے مجھے اس حالت میں دیکھا تھا کہ......'' اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''میں گھس نہیں آیا تھا بلکہ دفتر استقبالیہ کی لڑکی نے جو کسی زندہ لاش کی مانند تھی اس نے کسی عورت کی بجائے مجھے اندر جانے کو کہا تھا۔'' میں نے وضاحت کی۔ ''مجھے کیا معلوم تھا کہ اندر ایک ایسی لڑکی ایسی حالت میں اپنا معائنہ کرا رہی ہے جو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ نہ یہ بات میرے علم میں تھی کہ اس ڈاکٹر کا طریقہ کار کیا ہے...... عجیب اور نرالا...... لیکن تمہیں ایک مخلصانہ مشورہ دوں۔ تم عالمی مقابلہ حسن میں اس سال ضرور حصہ لینا۔ میں یہ بات بڑے دعوے سے کہتا ہوں کہ تم ملکہ حسن منتخب ہو جاؤ گی......''

''کیا میں اتنی حسین ہوں کہ ملکہ حسن منتخب ہو جاؤں؟'' وہ میری بات سن کر خوش ہو گئی۔ ''تم کس بنا پر یہ بات کہہ رہے ہو......؟ عالمی مقابلہ حسن میں دنیا کی ساری حسین لڑکیاں آتی ہیں۔ ان میں امریکی اور یورپی دوشیزائیں بھی ہوتی ہیں۔ وہ ججوں کو خوش کرتی ہیں۔ وہ جج چونکہ مغرب کے

ہوتے ہیں اس لیے ان گوری چمڑی کی دوشیزاؤں کو منتخب کرتے ہیں۔''

''اس بنا پر کہ...... تم بہت حسین ہو۔ میں نے اتنی حسین لڑکی خواب میں بھی نہیں دیکھی......'' میں نے اس کی بڑی بڑی خوبصورت سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''چونکہ تم کسی بھی گوری چمڑی کی یورپی عورت سے کم نہیں ہو۔ تمہارا چندن سا بدن ہے...... اس عالمی مقابلہ حسن میں سانولی لڑکیاں بھی شریک ہوتی ہیں۔ وہاں جسم دیکھا جاتا ہے۔ میں ملکہ حسن منتخب ہونے والی دوشیزاؤں کا ناقدانہ جائزہ لیتا رہتا ہوں۔ اس بناء پر میرا اندازہ ہے کہ تمہارا جسم اس معیار پر ہر لحاظ سے پورا اترتا ہے...... تمہیں مایوس ہونے اور احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان گزشتہ دس برسوں میں ہماری کئی ہندوستانی لڑکیاں عالمی حسینہ منتخب ہو چکی ہیں...... رہی ججوں کو خوش کرنے والی بات...... آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پہلی شرط ہے...... اب تو نئی نسل کی لڑکیوں کے نزدیک دقیانوسی لڑکیوں کا نظریہ نہیں رہا ہے۔ محبت میں کتنی دور چلی جاتی ہیں ججوں کو خوش کرنے سے کتنی عزت، شہرت اور دولت ملتی ہے۔ پھر فلمی دنیا کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ کتنی حسینائیں فلم انڈسٹری کی مقبول ترین ہیروئینیں ہیں...... تم ایک جذباتی لڑکی ہرگز ہرگز نہیں بننا۔ آخر عزت تو ایک دن شوہر کی ملکیت بن جاتی ہے۔''

''میری سہیلیاں اور آئینہ بھی یہی کہتا ہے۔'' وہ مسکرادی۔ ''تمہارے اس مخلصانہ مشورے کا شکریہ...... ارے ہاں کیسے آنا ہوا؟''

''تمہاری سہیلیاں اور آئینہ غلط نہیں کہتا ہے...... اور نہ ہی میں غلط کہہ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں تم سے ایک سوال پوچھنے آیا ہوں......؟''

''سوال...... کیسا سوال......؟'' اس کے حسین چہرے پر استعجاب ابھر آیا۔ ''وہ کیسا سوال ہے جو تمہیں میرے دروازے تک لے آیا ہے؟''

''اگر تم مجھے اندر آنے کی اجازت دو تو میں عرض کروں۔'' میں نے کہا۔ ''دروازے پر کھڑے ہو کر سوال و جواب مناسب نہ ہوگا۔''

''اوہ...... آئی ایم ساری......'' وہ خجل سی ہو کر بولی۔ ''ہاں آ جاؤ...... پلیز! اندر آ جاؤ...... دراصل باتیں کچھ ایسی چھڑ گئی تھیں کہ مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں رہا...... اور ہاں تم میری اس بات کو مائنڈ نہ کرنا پلیز......''

اس نے مجھے اندر آنے کا راستہ دیا۔ میں اندر داخل ہوا تو اس نے دروازہ بند کیا۔ پھر میں اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہ ریشمی میکسی میں تھی۔ اس تنگ میکسی میں اس کا بھڑکیلا بدن شعلے کی طرح آنچ دے رہا تھا۔ ''کیا۔ پینا پسند کرو گے؟ تم کون ہو؟ تم نے بتایا نہیں؟'' وہ شوخی سے

بولی۔ ''مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے بہت ہی مفید مشورہ دیا۔ اس لیے تمہارے آنے سے مجھے بڑی خوشی ہوئی...... میں تمہاری کیا خاطر کروں......؟ جوس یا کولڈ ڈرنک......؟''

''میرے خیال میں کوئی سا بھی جوس بہتر رہے گا۔'' میں نے کہا۔ ''تم جو بھی پلا دو...... جوس نہ ہو تو چائے یا کافی بھی چل سکتی ہے۔''

''تم ملک شیک پی لو...... میرے پاس بہت ہی مزے دار ملک شیک ہے۔'' وہ بولی۔ ''فریج میں رکھا ہوا ہے دیر نہیں لگے گی۔''

وہ کچن میں رکھے فریج سے ایک بڑا کانچ کا جگ اور دو گلاس ٹرے میں رکھ کر لے آئی۔ جگ ملک شیک سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ وہ اسے گلاسوں میں انڈیلنے لگی۔ اس کے جسم کے نشیب و فراز کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنے فرض کا خیال آ گیا۔ میری آمد کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ...... اس کی متحرک، پھڑکتی، سانس لیتی...... مدوجزر کی طرح اٹھتی گرتی اور دل کش ہیجان خیزی سے نظروں کو سرفراز کرتا رہوں۔ وہ بڑی ماڈرن اور آزاد خیال معلوم ہوتی تھی جو اس نے مجھے اعتماد سے اندر لا کر بٹھا لیا تھا۔

''مس سشمیتا......'' میں نے گہرے سکوت کو توڑتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہارا ڈاکٹر مکرجی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تم بتاؤ گی؟''

''اس کے متعلق میرا خیال......؟'' اس نے اپنا ہاتھ روک کر میری طرف دیکھا۔ ''تم مس سشمیتا نہیں سشمی کہو، مجھے یہ نام بہت پسند ہے...... میری سہیلیاں دوست مجھے سشمی کہتے ہیں۔ تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔ تم کون ہو؟''

''میرا نام دیوا کمار ہے اور میں ایک پرائیوٹ جاسوس ہوں۔'' میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس جا کر اپنی شناخت کرائی۔ اسے میں نے اپنا لائسنس اور شناختی کارڈ دکھایا۔ اس نے ان پر ایک نظر ڈالی ہاتھ میں لے کر نہیں دیکھا۔

''بہت خوب......'' سشمیتا متاثر ہو کر بولی۔ ''اس لیے تم نے میرا پتا چلا لیا۔ جبکہ ڈاکٹر کے پاس میرا پتا اور فون نمبر ہے یقیناً وہ کسی کو نہیں دیا جاتا ہے...... میں دل میں حیران تھی کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ تمہیں میری وہ حالت......''

''شکریہ......'' اس نے ملک شیک سے بھرا گلاس میری طرف بڑھایا تو میں نے گلاس لے کر کہا۔ ''شکر ہے تمہیں یاد ہے ہماری پہلی ملاقات...... میرا مطلب ہے جب ہم نے ڈاکٹر مکرجی کے آفس میں ایک دوسرے کو دیکھا تھا......''

''ہاں......'' وہ منظر یاد کر کے جیسے سرخ سی ہو گئی۔ ''میں دوسرے کمرے میں کپڑے پہنے جا رہی تھی کہ تم اچانک اندر آ گئے تھے۔''

''تم چاہو تو مجھے ایک بے تکلف دوست کی طرح صرف دیوا کہہ سکتی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''میں بھی تمہیں سشمی کہہ کر بلاؤں گا۔ یہ نام بھی تمہاری طرح خوبصورت ہے۔ ہاں...... جب تم دوسرے کمرے میں لباس پہننے جا رہی تھیں تو اس کمرے میں ڈاکٹر دو ایک منٹ کے لیے بے دھڑک گھس آیا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ وہ تمہاری اس حالت سے فائدہ اٹھانے یا پھر اس نے اندر آ کر کوئی ناشائستہ حرکت تو نہیں کی تھی......؟''

''نہیں......'' سشمیتا نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔ ''اس نے ناشائستہ حرکت تو درکنار میری طرف دیکھا تک نہیں...... اس نے فون کیا تھا۔''

''اوہ...... تو یہ بات تھی...... بہت خوب۔'' میں نے کہا۔ ''اس نے تمہارے سامنے فون کیا تھا؟ اس کمرے میں بھی فون تھا کیا......؟''

''نہیں...... میرے سامنے نہیں......'' سشمیتا نے جواب دیا۔ ''اس وقت میں اسکرین کے پیچھے لباس پہن رہی تھی۔ وہاں ٹیلی فون بھی تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ...... وہ بھول ہی گیا تھا کہ تم اسکرین کے پیچھے کھڑی کپڑے پہن رہی ہو۔'' میں نے کہا۔ ''کیا تم اسے نظر نہیں آئی تھیں۔''

''خیال تو یہی ہے......'' اس نے سر ہلا دیا۔ ''کیونکہ اسکرین کے پیچھے وہ مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ میری موجودگی کے بارے میں شاید اس لیے بھی بھول گیا ہو گا کہ ادھر ایک واش روم بھی تھا۔ اسے یہ خیال آیا ہو گا کہ میں کپڑے لے کر واش روم میں پہن رہی ہوں۔''

''تم نے کپڑے پہنتے وقت فون کال تو سنی ہو گی؟'' میں نے سوال کیا۔ ''تمہیں کچھ یاد ہے کہ یہ فون کال کیسی تھی؟''

''پتا نہیں دیوا......'' سشمیتا ذہن پر زور دیتی ہوئی یاد کرنے لگی۔ ''اس نے کسی کو فون کیا تھا...... اور کہا تھا کہ ایک شخص...... کیا نام ہے اس کا...... یاد نہیں آ رہا...... اس نے کہا تھا کہ ایک شخص گوپی ناتھ کے متعلق معلوم کرنے آیا ہے۔ دیکھو بھلا سا نام تھا...... ہاں یاد آیا...... اس نے کہا تھا کہ دیوا کمار...... گوپی ناتھ کے متعلق...... اوہ...... یہ تو تمہارا نام ہے...... تو وہ فون پر تمہارا نام لے رہا تھا......'' اتنا کہہ کر سشمی خاموش ہو گئی۔

''بھگوان نے تمہیں جیسا حسن، گداز بدن اور شباب دیا ہے ویسا ہی غضب کا حافظہ بھی دیا ہے۔ کیا اس نے میرے سوا کسی اور کا نام بھی لیا تھا؟''

''نہیں...... بات نہیں بنتی۔ تم تو اس کے پاس تھے۔'' سشمیتا بولی۔ ''تم نے......؟ اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔

''بات بن گئی ہے ڈیئر!'' میں نے کہا۔ ''کیا بات بن گئی ہے اسے تم نہ سمجھ سکو گی۔ تم نے میری بہت بڑی مشکل حل کردی۔ شکریہ......''

میں اپنے قیاس پر دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا کہ......میں نے یہاں آ کر کوئی غلطی نہیں کی۔ میری محنت اکارت نہیں گئی......اب یہ بات صاف ہوگئی تھی کہ وہ تین بدمعاش اس راستے پر میری پیشوائی کے لیے کیسے موجود تھے......اور وہ چونکہ چوپڑہ کے گرگے تھے اس لیے ظاہر ہے کہ چوپڑہ ہی کو اطلاع دی ہوگی۔ اس نتیجے پر پہنچ کر میں الجھ سا گیا۔

''کیا میں تمہارا ٹیلی فون استعمال کرسکتا ہوں؟'' میں نے پوچھا۔ ''میں کسی وجہ سے اپنے موبائل سے رابطہ کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ اجازت ہے۔''

''ہاں......اجازت ہے۔'' وہ دل کش انداز سے مسکرائی۔ ''وہ سامنے فون موجود ہے۔ جتنی کالیں کرنی ہیں کرسکتے ہو۔''

میں نے ڈاکٹر مکر جی کے فون نمبر ڈائل کیے۔ کافی دیر تک گھنٹی بجتی رہی مگر دوسری طرف سے کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا تھا۔ میں نے فون رکھنے سے پہلے ایک بار اور نمبر ڈائل کیے پھر میں نے ریسیور رکھتے ہوئے اس سے کہا۔ ''وہ اب نہیں ہے......''

''کون......؟'' سشمیتا ملک شیک کا ایک گھونٹ لے کر جو حلق میں اتار رہی تھی اس نے گلاس خالی کرکے پوچھا۔ ''کون نہیں ہے......؟''

''ڈاکٹر مکر جی......'' میں نے جواب دیا۔ ''اس کے کلینک کے دو نمبر ہیں......دونوں نمبروں سے فون نہیں اٹھایا جارہا ہے۔''

''ہاں نہیں ہوگا......'' سشمیتا نے سر ہلا دیا۔ ''اس نے مجھے بتایا تھا کہ الیکشن ختم ہونے تک وہ اپنا شفاخانہ بند رکھے گا۔''

آج ہفتہ تھا اور الیکشن منگل کو تھے۔ گویا وہ سوموار کو بھی نہیں مل سکے گا۔ تب تک انتظار کرنا ہوگا۔ مجھے اس کا گھر نہیں معلوم تھا۔ پھر مجھے ایک خیال آیا تو میں نے پوچھا۔ ''سشمی! کیا تم نے اس سے پوچھا تھا کہ ان دنوں میں وہ کہاں مل سکے گا؟''

سشمیتا نے نفی میں سر ہلا دیا......اس کے گہرے سیاہ بادلوں جیسے بالوں میں شعلہ رنگ لہریں ٹوٹ ٹوٹ گئیں۔ پھر مجھے ایک صحافی دوست یاد آیا تو میں نے اسے فون کیا۔ اس اخباری دوست سے بڑی امید تھی لیکن اس نے بھی مایوس کردیا۔ اس کا کہنا تھا کہ کوئی سیاسی آدمی ہوتا تو اس کا پتہ چل جاتا۔ میں کوئی اور حل سوچ رہا تھا کہ میں نے سشمیتا کو بہت قریب اور اس کے بدن کی خوشبو کو محسوس کیا۔

''آخر تم اس کے لیے اس قدر فکرمند اور پریشان کیوں ہورہے ہو؟'' سشمیتا نے رسیلی آواز میں دریافت کیا۔ ''کیا تم بیمار ہو......؟''

''ہرگز نہیں......'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''بہرحال اب میں ڈاکٹر مکر جی کے پاس نہیں جاؤں گی نہ ایسا کوئی ارادہ ہے۔'' وہ بولی۔

''وہ کس لیے......؟'' میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''اس کی بڑی تعریف سنی ہے کہ وہ بہت اچھا معالج ہے۔''

''خاک اچھا ہے......'' سشمیتا کا منہ بن گیا۔ ''وہ کوئی اچھا آدمی نہیں لگا......میں نے اپنی زندگی میں ایسا کوئی ڈاکٹر نہیں دیکھا۔ میں نے کئی لیڈی ڈاکٹروں سے اپنا معائنہ کروایا۔ مرد ڈاکٹروں کو بھی دکھایا......مگر کسی نے بھی اس طرح کپڑے نہیں اتروائے......ادھر ادھر کی ہانکنے لگا۔ میں نے اس کی بات اس لیے مان لی تھی کہ وہ بوڑھا ہے اور شاید ایکس رے......وغیرہ لے۔''

''دراصل وہ تمہیں دیکھ کر بہک گیا تھا۔ اس کے جذبات بھڑک اٹھے ہوں گے۔'' میں نے ان ڈائریکٹ تعریف کی۔ ''اس میں اس غریب کا کیا قصور......''

''سچ......'' وہ ایک دم خوش ہوگئی۔ پھر وہ سنجیدہ ہوکر بولی۔ ''مجھ میں یہ خرابی ہے کہ میں جذباتی ہوں اور سیدھی سادھی لڑکی ہوں۔''

''آخر تم کیا ہو؟'' میں نے ارادتاً اس سے سوال کیا۔ ''تم نے کبھی اپنے بارے میں سوچا اپنی ذات کا تجزیہ کیا......؟''

''میں بے حد جذباتی ہوں اور جذبات کی رو میں جلد بہہ جاتی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میری یہ بہت بڑی کمزوری ہے جس پر قابو نہ پاسکی۔''

میرے دل کے کسی کونے میں کھد بد ہونے لگی۔ میں نے حسین اور ان جانے سپنوں کے تانے بنتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔''

''دیوا...... یہ بات ایک لڑکی کو زیب نہیں دیتی ہے۔'' وہ بولی۔ ''مجھ میں ہر قسم کے جذبات کی فراوانی ہے۔ میں کیا کروں......؟''

دل میں لڈو پھوٹتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں مے نوشی عام ہوگئی ہے۔ نئی نسل کے لڑکے لڑکیوں میں سگریٹ نوشی کی طرح فیشن بن چکی ہے۔ بیشتر گھروں میں وہسکی اور بیئر عام مشروبات کی طرح ہوتی ہے۔ وہ کچن سے وہسکی اور سوڈا اور دوسرے گلاس لے آئی اور اس نے کھانے کی میز پر رکھ دیئے تو میں پیگ بنانے لگا۔''

''یہی وجہ تھی کہ میں ڈاکٹر مکر جی کے پاس گئی تھی۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''لیکن وہ میری کوئی

رہنمائی، مدد اور علاج نہ کر سکا...... اس نے میرے اس مرض کے بارے میں جان کر کہا تھا کہ تم مریضہ ہو اور میرا طریقہ جدا ہے۔ تمہیں حجاب نہیں کرنا ہوگا۔ میں ایک بوڑھا شخص ہوں۔"

"شکر کرو کہ وہ بوڑھا تھا اور اس نے کوئی نازیبا حرکت نہیں کی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "اس کی نیت صاف تھی ورنہ وہ کسی حیلے بہانے کوئی نہ کوئی حرکت کر بیٹھتا۔ ویسے یہ مرض لاکھوں عورتوں میں دو ایک عورتوں کو ہوتا ہے۔ مردوں میں زیادہ ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے اعصاب ہر عورت پر ہر وقت سوار رہتے ہیں۔ ویسے میں بھی تمہاری طرح کا مریض ہوں۔ لیکن میں اپنے آپ کو صحت مند سمجھتا ہوں...... میں شاید تمہاری کچھ مدد کر سکوں...... ویسے تم آئندہ کسی لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کرنا۔ شاید تمہاری کمزوری دور ہو جائے۔"

آدھی رات کے قریب میں سشمیتا عرف سشمی کے گھر سے واپس ہوا۔

☆......☆......☆

میں نے ایک اخبار خریدا۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے یہ روح فرسا خبر پڑھنے لگا۔ شہ سرخیاں تھیں۔ پہلی سرخی یہ تھی۔ "نغمہ بار آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ لاثانی گیت گانے والے نے خودکشی کر لی۔"

اس خبر کو پڑھتے ہی دماغ پر شراب اور سشمیتا کے شباب کا جو نشہ تھا وہ ایک دم سے ہرن ہو گیا تھا۔ سشمیتا نے مجھے روکنے کی بہت کوشش کی۔ انیل پرکاش کی موت کے بجائے جگ دیپ کی موت کی خبر ہوتی تو میرے لیے حیران کن نہ ہوتی اور میرے ذہن سے سشمیتا کے ساتھ گزرے نشاط انگیز لمحات محو نہ ہوتے۔ میرے ہونٹوں اور نس نس میں ایسی مٹھاس اور ایسی میٹھی سنسنی بھری ہوئی تھی کہ میں سرور و کیف میں ڈوبا رہتا۔

میں نے سگریٹ سلگا لیا۔ پھر لمبا سا کش لگاتے ہوئے سوچا...... کتنی عجیب بات ہے کہ انیل پرکاش نے خودکشی کر لی۔ بے شک وہ کل شام تک بہت زیادہ پی رہا تھا۔ نشے کے عالم میں گلاس کو ہاتھ میں لے کر پیس کر رکھ دیا تھا۔ اور پھر اس نے مجھے رخصت کرتے وقت عجیب سی باتیں بھی کی تھیں لیکن اس کے باوجود اس کے انداز و اطوار سے یہ بات ہرگز ظاہر نہ ہوتی تھی کہ وہ خودکشی کا مرتکب ہونے والا ہے۔ خودکشی کرنے کی بہت ساری باتیں ہوتی ہیں لیکن ایک ایسی بات بھی اس میں نہ تھی۔

واقعی یہ نہ صرف حیرت کی بلکہ عجیب اور ناقابل فہم سی بات تھی کہ میں اس کے عزیز ترین دوست گوپی چند کی اتفاقیہ موت...... خودکشی یا قتل کی تفتیش کر رہا تھا...... اور اب یہ خبر ظاہر کر رہی تھی کہ اس نے خودکشی کر لی......

یہی کچھ سوچتے ہوئے میں نے پہلے صفحے پر چھپی ہوئی خبر کی تفصیلات پڑھنی شروع کیں......

خبر کے مطابق اس کی لاش کو پہلی مرتبہ جگدیپ نے اس کے سوٹ میں پایا۔ وہاں جانے سے پہلے اس نے انیل پرکاش کو فون کر کے میرے ساتھ ملاقات اور گفتگو کا حال جاننا چاہتا تھا۔ مگر انیل پرکاش نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی کسی ریسیور کو اٹھایا تھا۔ جگ دیپ پریشان ہو کر اس کے سوٹ پر گیا تھا۔ دروازہ اندر سے مقفل تھا۔ جگ دیپ نے دروازے پر دستک دی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ پھر جگدیپ نے ہوٹل کے منیجر سے دروازہ کھلوایا۔ جب یہ دونوں اندر گئے تو انیل پرکاش اپنے بستر پر پڑا تھا۔ قریبی میز پر اس کی اور گوپی ناتھ کی تصویر پڑی تھی۔ انیل پرکاش کا سینہ ایک گولی سے چھدا ہوا تھا اور دوسری گولی اس کے دل میں اتری ہوئی تھی۔ یہ گولیاں اعشاریہ تین دو کے ریوالور کی تھیں اور ریوالور کا لائسنس گوپی ناتھ کے نام پر تھا۔

ریوالور...... انیل پرکاش کے مسہری سے لٹکتی ہوئی ایک ٹانگ سے دور فرش پر تھا۔ ایک پولیس افسر کی تحقیقات کے مطابق موت اس حرکت سے ایک گھنٹہ اور آدھا گھنٹہ کے درمیان ہوئی تھی۔ جب لاش پائی گئی اور اس نے خودکشی سے پہلے کوئی تحریر نہیں چھوڑی تھی جو کہ ایک عجیب سی بات تھی۔ ورنہ خودکشی کرنے والی بڑی ہستیاں تحریر ضرور چھوڑتی تھیں۔

جو حالات مجھے پیش آئے تھے ان کے پیش نظر یہ خیال کرنا کہ انیل پرکاش کو قتل کیا گیا تھا خارج از بحث تھا۔ قتل کا کوئی مقصد بھی واضح نہ تھا مزید براں اس کے سب دوست اس کی موت سے زیادہ اس کی زندگی سے فائدہ مند ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ انیل پرکاش کی حیات ان کے لیے سونے کی کان کے مترادف تھی۔ ان حالات میں یہی قیاس کیا جا سکتا تھا کہ اس نے خودکشی کی ہے۔ ضروری نہیں کہ دل میں گولی لگتے ہی انسان مر جائے...... ایسے کیس دیکھے گئے ہیں جن میں دل پر گولی کا زخم ہے اور مرنے والا دور تک بھاگتا چلا گیا ہو۔ درد کی شدت اور نزع کے عالم میں بھی انسان کے ہاتھوں میں ریوالور اچھل کر چند گز دور تک جا سکتا ہے۔ بہر حال ایک سیدھا سادا کیس تھا۔

یوں گمان ہوتا تھا جیسے زندہ رہنے کی فطری خواہش دم آخر انیل پرکاش پر غالب آ گئی تھی...... اور ہاتھوں میں لغزش پیدا ہونے کے سبب وہ دل کا نشانہ نہ لے سکا مگر دوسری گولی چلاتے وقت اس کا ہاتھ استوار رہا۔

پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف جاتے وقت مجھے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ...... ہندوستان ایک خوب آواز سے محروم ہو چکا ہے...... وہ خوب صورت بھی تو تھا اس کی پوجا کی جاتی تھی۔ واقعی ایک عظیم ناقابل تلافی نقصان تھا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ رام دیال ابھی پولیس ہیڈ کوارٹر میں ہی موجود تھا۔ خاص اور سنگین نوعیت کا کوئی حادثہ اچانک اور غیر متوقع پیش آ جائے تو اسے دیر تک وہیں رہنا پڑتا ہے اور

یہ حادثہ تو خاص الخاص نوعیت کا تھا۔ کہرام سا مچا ہوا تھا۔ فون کی گھنٹیاں اس طرح چیخ رہی تھیں جیسے کوئی عورت اغوا اور بے حرمتی سے بچنے کے لیے چیختی ہے۔ اخباری نمائندے اور پریس فوٹو گرافروں نے ہیڈ کوارٹر پر یلغار کی ہوئی تھی۔ میرے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا۔ اس میں جگدیپ کا ایک بیان بھی تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا۔ وہ بہت افسردہ حالت میں ہے۔ اس نے کہا تھا کہ انیل پرکاش......

اس سے یہ بات متعدد بار کہہ چکا تھا کہ جب وہ مر جائے تو اس کی چتا نہ جلائی جائے۔ اس کی سمادھی بنادی جائے۔ قبر جیسے مسلمانوں کی ہوتی ہے...... خبر کے مطابق انیل پرکاش اپنے دوست گوپی ناتھ کی حادثاتی موت سے بہت متاثر ہوا تھا جو صرف دو دن پہلے اتفاقی حادثے میں مرا تھا۔ خودکشی سے کچھ دیر پہلے انیل پرکاش کے چند دوست اس کے پاس موجود تھے۔ ان میں چند ایک کا نام درج تھا۔ ان میں میرا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ میں اس خبر کو راستے میں دوبار پڑھ چکا تھا۔

پولیس ہیڈ کوارٹر میں ایک طوفان آیا ہوا تھا البتہ رام دیال اپنے کمرے میں تنہا تھا اور بجھا ہوا سگار حسب معمول چبا رہا تھا۔ اس کے لبوں میں لٹک رہا تھا...... تھکے تھکے انداز سے فون پر بات ختم کرنے کے بعد اس نے ریسیور رکھا اور سگار چبایا۔

اس نے مجھے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''ویوا! بیٹھ جاؤ۔''

''ابھی ابھی میں نے انیل پرکاش کی خودکشی کی خبر پڑھی تو سیدھا ادھر آ گیا۔'' میں نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اس کیس میں تمہارا نام بھی موجود ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''کیا چکر چلایا ہوا تھا تم نے......''

''میں نے......؟'' میں نے اسے منجمد نظروں سے گھورا۔ ''یہ تمہارا خیال ہے...... میں نے کوئی چکر وکر نہیں چلایا......''

''اب تک تین کالیں موصول ہو چکی ہے جن میں تمہاری شکایت کی گئی ہے کہ تم اسے پریشان کرتے رہے ہو۔'' وہ تیز لہجے میں بولا۔ ''آخر تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟ تمہاری حرکتیں قابل اعتراض رہی ہیں......''

''زیادہ گرمی دکھانے کی ضرورت نہیں رام دیال!'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''میں نے اسے بالکل پریشان نہیں کیا...... کیا تم مجھ سے واقف نہیں ہو کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں...... ان کالوں کے بارے میں بتاؤ......''

''جب تم انیل پرکاش سے ملنے گئے تھے تو یہ لوگ وہاں موجود تھے۔'' وہ بتانے لگا۔ ''تمہاری

روانگی کے بعد انیل پرکاش نے یہ کہہ کر محفل برخاست کر دی تھی کہ وہ تنہائی چاہتا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ تم نے اسے اپنی گفتگو سے پریشان کیا۔''

''یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کس کس کی کال تھی۔'' میں نے کہا۔ ''جن لوگوں نے تم سے میری شکایت کی ہے ان میں اچاریہ بھانوے بھی تھا۔''

''ہاں...... ایک کال اس کی بھی تھی۔'' رام دیال نے اپنی گردن ہلا دی۔ ''اس نے سب سے زیادہ شکایت کی ہے تمہارے خلاف......''

''اوہ...... وہ...... حرام زادہ......'' پھر میں نے اسے ناقابل اشاعت گالی دی۔ وہ سن لیتا تو اس کی کھوپڑی گھوم جاتی۔

رام دیال نے چونک کر اپنی بھوری نگاہیں مجھ پر مرکوز کر دیں۔ پھر اس نے حیرت اور آہستگی سے پوچھا۔ ''ویوا...... ممکن ہے اس نفرت کرنے کی تمہارے پاس کوئی معقول وجہ ہو...... تم جانتے ہو وہ ایک مشہور قلم کار ہے۔''

''ہونہہ...... تم اسے قلم کار کہتے ہو...... وہ تو اس اکھڑ، بے حس او بے جان زہریلی کھاد کی طرح ہے جو پھولوں کے پودے چاٹ جاتی ہے۔'' میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''حیرت ہے پولیس نے اس کے خلاف ناول...... لیٹو اور مر جاؤ...... پر پابندی نہیں لگائی۔ اس کی کتاب ضبط نہیں کی اور نہ ہی اسے اندر کیا...... وہ ایک طوائف زادہ ہے۔''

''زیادہ عقل مند بننے کی کوشش نہ کرو۔'' رام دیال نے تکرار کے انداز میں کہا۔ ''اس کے علاوہ دو اور فون کالوں میں بھی تمہیں وحشی اور بدمزاج کہا گیا ہے...... ایک تو کرن سنگھ تھا۔ دوسرا ایک شاعر اس کا نام آکاش ملہوترا......''

''یہ دونوں بھی نرے گاؤدی اور احمق ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے ان گدھوں کی بات کا یقین کر لیا۔ یہ سالے، کمینے اور......''

''ایسا لگتا ہے کہ اس پورے شہر میں عقل کا ٹھیکہ صرف تمہارے پاس ہے اور تم عقل کل اور......''

فون کی گھنٹی نے اسے فقرہ مکمل کرنے نہیں دیا۔ وہ تو فون پر بات کرنے لگ گیا اور میں اپنے خیالوں میں کھو گیا۔

اچاریہ بھانوے اور اس جیسی شہرت کے مالک لوگوں کی یہ شکایت میرے لیے پریشان کن تھی کہ میں انیل پرکاش کے لیے پریشانی کا باعث بنا ہوں۔ میری اس ملاقات سے وہ ہراساں سا ہو گیا تھا اور اس نے میرے جاتے ہی نجی محفل برخاست کر دی تھی۔ اگر بے بنیاد اور بے سروپا تھی

اور میری ذات پر محض الزام تھا...... مگر اچاریہ بھانوے جیسے شخص کے منہ سے یہ باتیں سن کر لوگ اور خصوصاً انیل پرکاش کے مداح میرے خلاف بھڑک سکتے تھے...... اور دوسری طرف کرن سنگھ بھی الزام لگا رہا تھا۔ اس لیے بھی کہ میں نے بھری محفل میں ان دونوں کی طبیعت صاف کر دی تھی۔ اچاریہ بھانوے بھی اس لیے بھرا ہوا تھا کہ میں نے اس کے ناول ...... لیٹو اور مر جاؤ...... کی بھری محفل میں دھجیاں اڑا دی تھیں۔ مجھے اس سے کوئی بغض نہیں تھا...... عناد نہیں تھا۔ میں اس ناول کی کیسے تعریف کر سکتا تھا۔ اس ناول میں دس باب تھے۔ چھپن برس کی طوائف اور ایک اٹھارہ برس کے لڑکے کے ساتھ بولڈ بیڈ سین ان دس بابوں میں بہت ہی تفصیل سے بیان کیا گیا تھا۔ کوئی کہانی نہیں تھی اور پھر ہر لحاظ سے ناول کم زور تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے کسی نو آموز قلم کار نے تحریر کیا...... چند ایک نقادوں نے بھی یہی تنقید کی تھی۔

مگر یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ...... دونوں الزام تراشی کے فن میں یکتا تھے۔ جھوٹی بات کو سچ ثابت کرنے میں اچاریہ بھانوے کا جواب نہیں تھا۔ سوموار کے دن وہ چھٹی کرتا تھا۔ باقی چھ دن ہزاروں، لاکھوں ناظرین ٹیلی ویژن پر اس کا پروگرام شہ سرخی بڑے ذوق و شوق سے دیکھا اور سنا کرتے تھے۔ یہ ایک پست ذہنیت کا شخص تھا۔ وہ زیادہ تر ایسی لڑکیوں اور عورتوں سے انٹرویو کرتا تھا جو اغوا...... جبر و زیادتی ...... اور بے حرمتی کا شکار بن جاتی تھیں اور پھر ان لڑکیوں کی داستان غم جو محبت کے نام پر فریب کھا کر اپنا سب کچھ کھو دیتی تھیں...... اگر گہرائی میں جا کر ان کی باتوں کا تجزیہ کیا جائے تو یہ لڑکیاں اور عورتیں ان حالات کا جو شکار ہوتی تھیں وہ خود اس کی ذمے دار ہوتی تھیں۔ ٹی وی پر معصوم اور ستی ساوتری بن کر آتی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ اور فن کاروں، قلم کاروں اور حالات حاضرہ پر پروگرام پیش کرتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ اس پروگرام میں وہ میرے بخئے ادھیڑ کر رکھ دے۔

ایک لمحے کے لیے مجھے خیال آیا کہ انیل پرکاش کے کمرے میں جو لوگ جمع تھے وہ جگدیپ ایجنسی سے وابستہ تھے۔ اگر وہ ایک ہو کر میرے خلاف محاذ بنا لیں تو میرا کیا حشر ہو......؟ ان کے پاس پبلسٹی اور تشہیر کے تمام ذرائع موجود تھے۔ پریس کے علاوہ جگدیپ کے پاس ابلاغ کی اپنی ایجنسی بھی تھی۔ اس ایجنسی نے اچاریہ بھانوے کے گھٹیا انتہائی فحش اور لغو ناول...... لیٹو اور مر جاؤ...... کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ ان کی اپنی ایجنسی ...... جگدیپ ٹیلنٹ ایجنسی ...... میرا تیا پانچہ کرنے والی تھی۔ اس میں کئی نئے اور وہ فنکار بھی تھے جو شو بزنس کے افق پر برسوں سے جگمگا رہے تھے۔

''اچھا اب کیا چاہتے ہو......؟'' رام دیال ریسیور کریڈل پر پٹختے ہوئے بولا۔ ''دیکھ نہیں

رہے ہو اس وقت میں بڑا مصروف ہوں۔''

''میں صرف یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ...... انیل پرکاش کی خودکشی میں کوئی غیر معمولی بات محسوس ہوئی ہے تو بتا دو؟'' میں نے کہا۔

''ابھی تک ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی ہے۔'' رام دیال نے جواب دیا۔ ''اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر زخم تھا جو مہلک تھا......''

''کیا اس نے اپنے لباس پر گولی چلائی تھی؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''تفتیشی افسر نے اس کے بارے میں کچھ بتایا کیا......؟''

''نہیں......'' رام دیال نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''سینہ ننگا تھا۔ پہلی گولی ٹھیک نشانے پر نہ لگی اور دوسری......'' اس نے توقف کر کے سگار کو چباتے ہوئے دوسری طرف کر کے چبایا۔ ''یہ باتیں اخبار میں ہیں...... تمہاری نظروں سے گزر چکی ہوں گی......؟''

''ہاں...... مگر اخبار میں سینہ ننگا کرنے والی خبر نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے دائیں ہاتھ پر بارود کے ذرات اور مہلک زخم کا بھی ذکر کیا ہے...... لیکن جب میں وہاں تھا تو اس نے اپنا ہاتھ زخمی کر لیا تھا۔'' میں نے اسے مختصر طور پر ہاتھ زخمی ہونے کا واقعہ سنایا۔

''چھوڑو بھی ان باتوں کو......'' رام دیال نے قدرے بیزاری سے کہا۔ ''خودکشی پر تلا ہوا شخص ہاتھ کے زخم کی کیا پروا کرنے لگا...... علاوہ بریں وہ نشے میں دھت بھی ہو رہا تھا...... جو مرنے کی تمنا رکھتا ہو...... وہ ہر بات سے بے پروا ہو جاتا ہے۔''

''کیا...... یہ امکان تو نہیں کہ...... اسے گولی مارنے سے پہلے بے ہوش کیا گیا ہو......؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''امکان تو ہے......'' رام دیال نے حسب عادت بجھا ہوا سگار دوسرے جبڑے میں منتقل کیا۔ ''مگر واقعتاً ایسا نہیں ہوا...... میں نے کہا ہے کہ اس معاملے کو ٹھپ کر دو۔ خودکشی کا واقعہ الم ناک بھی ہے اور تم اسے قتل کی واردات بنانے چلے ہو؟''

میں بتا چکا ہوں کہ رام دیال میرا مخلص دوست تھا۔ وہ اس بات پر پریشان تھا کہ...... انیل پرکاش کی خودکشی سے قبل میں اسے برانگیختہ کر آیا تھا۔ کم از کم اسے یہی رپورٹیں ملی تھیں جو میرے خیال سے غلط راستے پر ڈالنے والی تھیں۔ تفتیش کرنے والوں کو......

''رام دیال...... تمہیں یاد ہوگا جب میں فائرنگ کے واقعے کے بعد آیا تھا تو میں نے تم سے چوپڑہ کا ذکر کیا تھا؟''

''ہاں...... مجھے یاد ہے......'' اس نے اکتاہٹ سے کہا۔ ''تم نے چوپڑہ کے بارے میں

خاصی دیر تک مجھ سے بات کی تھی...... کہنا کیا ہے......؟"

"ذرا یہ چیک کرنا کہ...... گوپی ناتھ اور انیل پرکاش کے کیسوں میں چوپڑہ کا کوئی گرگا ملوث تو نہیں ہے......؟"

"تمہاری تسلی کے لیے میں یہ بھی چیک کرلوں گا۔" رام دیال نے منہ بنایا۔ "اب تم جاسکتے ہو۔ گھر جاکر آرام کرو اور سو جاؤ......"

"رام دیال......" میں نے کہا۔ "میں تم سے ایک اور تعاون چاہتا ہوں...... گوپی ناتھ اور انیل پرکاش...... دونوں کی انگلیوں کے نشانات مجرموں کے ریکارڈ سے چیک کرنا۔ اگر تمہارے ریکارڈ میں نہ ہو تو سی آئی اے کی فائلوں سے پڑتال کروالینا۔"

مجھے توقع تھی کہ وہ پھٹ پڑے گا...... مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس نے میری بات تحمل سے سنی۔ چند لمحوں تک سوچنے کے بعد بولا۔ "دیوا...... کیا تمہارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ہے۔ سراغ ہے جو میرے لیے بھی مفید ثابت ہوسکتا ہے۔"

"ابھی تک تو کوئی نہیں......" میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "مگر ایک عجیب بات ہے کہ گوپی ناتھ کی بہن مجھ سے اپنے بھائی کی موت کی تحقیقات کروانے آئی...... اور اس تفتیش کے لیے مجھے ڈاکٹر مکر جی کے پاس جانا پڑا۔ میرے متعلق معلوم ہوتے ہی ڈاکٹر مکر جی نے کسی کو فون کیا......"

پھر میں نے اسے سشمیتا سے اپنی ملاقات کا احوال سنایا۔ "جب میں وہاں سے نکل کر گیا تو مجھے قتل کی کرنے کی کوشش کی گئی...... اور بھاگنے والے شخص کے بارے میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ چوپڑہ کا گرگا تھا۔ ایک بات اور...... آج صبح ہی میری خدمات حاصل کی گئیں۔ اسی رات کو انیل پرکاش نے خودکشی کرلی۔" میں نے توقف کرکے شانے اچکائے۔ "میں ابھی تک کسی کلی نتیجے پر نہیں پہنچا...... مگر مجھے یہ سب باتیں معمول کے مطابق نہیں لگیں...... میں اندھیرے میں ہوں اور ہاتھ پیر مار رہا ہوں...... انیل پرکاش کی خودکشی معمہ بن گئی ہے......"

(جاری ہے)

"بہتر...... میرے دوست دیوا کمار...... تمہارا حکم سر آنکھوں پر......" اس نے ایک طویل سانس لی۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے تاثرات تھے۔ چوں کہ وہ ایک ذمے دار اور فرض شناس افسر تھا اس لیے ہمیشہ محتاط رہتا تھا۔ وہ جو بھی قدم اٹھاتا تھا بہت سوچ سمجھ کر...... پھر وہ سنجیدگی سے کہنے لگا۔ "میں تمہیں انیل پرکاش اور گوپی چند کے نشانات کسی وقت بھی چیک کروادوں گا...... لیکن اس

فن میں میری ایک شرط ہے جو تمہیں پوری کرنی ہوگی...... بولو منظور ہے۔"

"تمہاری ایک نہیں دس شرائط منظور ہیں۔" میں نے کہا۔ "میں نے بھی تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کیا۔ اس شرط پر بھی عمل کروں گا۔"

"میری شرط سمجھو...... یا تاکید سمجھو......" رام دیال بولا...... "یہ باتیں تم اپنے تک محدود رکھنا...... یہ راز ہی رہے۔ کیوں کہ تم جانتے ہو کہ بہت سارے لوگ جن میں پولیس افسران بھی ہیں وہ تم سے کتنی خار کھاتے ہیں۔ جلتے ہیں۔ اس لیے کہ تم نے جو جو کارنامے انجام دیئے انہوں نے پولیس کے محکمے کی نا اہلی ثابت کردی...... میں نہیں چاہتا کہ کوئی فساد اور ہنگامہ کھڑا ہو جائے۔ جو کام خاموشی سے ہوتے ہیں وہ زیادہ بہتر ہوتے ہیں اور پھر تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوں گے۔"

"شکریہ دوست......!" میں نے کہا۔ "میں تمہاری باتیں ذہن میں رکھوں گا۔ یوں بھی میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گا...... میرا خیال ہے کہ تم نے یہ دیکھا اور محسوس کرلیا ہوگا کہ میں نے تمہیں اب تک شکایت کا موقع نہیں دیا۔"

پھر میں اس سے ہاتھ ملا کر وہاں سے چلا آیا۔ کچھ دیر بعد میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں تھا جو ایک اپارٹمنٹ کے مانند تھا۔ میں اس کمرے کی کھڑکی میں کھڑا باہر کی طرف جھانک رہا تھا۔ وہاں سے کنٹری کلب اور چلتے پھرتے لوگ صاف دکھائی دیتے۔ گلیاں بھی نظر آرہی تھیں جو عمارتوں کے عقب میں تھیں۔ ان گلیوں سے جو جوڑے گزر رہے تھے وہ سناٹے اور ویرانی سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ روشن کمرے جن کی کھڑکیوں پر پردے قدرے ہٹے ہوئے تھے۔ بیڈرومز بھی تھے۔ چوں کہ رات کا وقت تھا اور خاصی رات بیت گئی تھی۔ اس لیے ایسے ایسے مناظر نظر آرہے تھے نگاہ ہٹانے کو دل نہیں کرتا تھا۔ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ میں نے ان کمروں میں جھانکنے سے گریز کیا۔ یہ معیوب سی بات تھی۔ میں اندھیرے میں کھڑا تھا۔ یوں بھی یہ ایک طرح کا اپارٹمنٹ تھا۔ اس میں لیونگ روم کے علاوہ کچن، واش روم اور خواب گاہ بھی تھی۔

میں نے شغل کے طور پر شیشے کے ایک چھوٹے سے تالاب میں مچھلیاں بھی پال رکھی تھیں۔ مچھلیوں کو چارہ ڈالنے کے بعد جب میں کھڑکی کے پردے ٹھیک کرنے بڑھا تو دیوار گیر گھڑی میں رات کے بارہ بج رہے تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس گلی میں چھ سات جوان دو حسین لڑکیوں کو اپنے نرغے میں لے کر ایک گلی میں لے گئے تھے۔ وہ بدمعاش چاقوؤں اور پستولوں سے مسلح تھے۔ ان لڑکیوں کے منہ پر ٹیپ چپکائے ہوئے تھے۔ وہ ان لڑکیوں کو لے کر ایک چبوترے کی طرف بڑھے۔ وہ دونوں نہ صرف بے حد دہشت زدہ تھیں بلکہ لرزہ براندام بھی...... وہ بہت بے بس تھیں۔ پھر ان کے ساتھ احتجاجی طور پر دست درازی اور من مانی ہونے لگی۔ پھر ان کو بے لباس

کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ پھر میں نے ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں کی۔ میں ساتویں منزل پر تھا۔تنہا ان لڑکیوں کی مدد کے لیے جانا حماقت تھی۔ میں نے اپنا ریوالور نکالا اور اس کی نال پر سائی لینسر نصب کیا۔ پھر اس بدمعاش کے پیر کا نشانہ لیا جس نے ایک لڑکی کو چبوترے پر بٹھا کر اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ وہ ایک چیخ مار کر اس طرح سے اچھلا جیسے اسے گیارہ ہزار واٹ کا بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ پھر میں نے اس بدمعاش کے پیر میں بھی گولی ماری جو دوسری لڑکی کو آغوش میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر دو تین اور بدمعاشوں کو نشانہ بنایا۔ ان کے ہتھیار چھوٹ کر فرش پر گر پڑے تھے۔ میں نے پے در پے فائر کر کے انہیں اس بری طرح متوحش اور ہراساں کیا کہ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا افتاد ہے۔ اور پھر میں نے انہیں زخمی کر دیا تھا۔ وہ بری طرح چیختے کراہتے ہوئے لڑکیوں کو چھوڑ کر بھاگے۔ اگر میں نے ریوالور میں سائی لینسر نصیب نہ کیا ہوتا تو فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھتی۔ پھر لوگ کھڑکیوں سے جھانکنے لگتے۔ ان دونوں لڑکیوں نے جلدی سے اپنے بال اور کپڑے درست کئے۔ اگر میں اتفاق سے اس وقت کھڑکی میں کھڑا ہوا نہ ہوتا تو یہ لڑکیاں ان بدمعاشوں کے ہتھیاروں کے زور پر اپنی عزت گنوا چکی ہوتیں۔ یہ کوئی نئی بات اور نیا واقعہ نہیں تھا۔ اس شہر میں ہر دس منٹ میں ایک لڑکی کی آبروریزی ہوتی تھی۔ اس میں عورتوں کا بھی بہت زیادہ دوش تھا۔ کیوں کہ وہ اپنی آزادی لباس اور فیشن سے فائدہ اٹھاتی تھیں۔ جسم کی نمائش کرتی تھیں۔ اجنبی مردوں سے دوستی اور محبت کرتی تھیں۔ ان کی بے راہ روی انہیں لے ڈوبتی تھی۔ اس کے علاوہ معصوم اور غریب اور بے سہارا لڑکیاں بھی حالات کے تحت زیادتی کا نشانہ بن جاتی تھیں۔ ان لڑکیوں نے اپنے حلیے درست کئے۔ معلوم نہیں اتنی حسین اور جوان لڑکیاں بے خوف راتوں کو تفریح کے لیے کیوں نکلی تھیں۔ انہیں جو سبق ملا تھا وہ اسے نہیں بھول سکتی تھیں۔ بدمعاش، بدمعاش ہی ہوتے ہیں۔ ان بدمعاشوں نے جہاں ان لڑکیوں کو دبوچا تھا وہاں ان سے خوب دست درازی اور من مانیاں کی تھیں ان کا حشر نشر کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے لپکتی ہوئی ایک بغلی گلی میں گھس کر نظروں سے اوجھل ہو گئیں ۔بدمعاشوں کا اسلحہ فرش پر بکھرا پڑا تھا۔

میں تھوڑی دیر تک کھڑکی میں یوں ہی کھڑا رہا۔ پھر وہاں سے ہٹ کر ریوالور کو لوڈ کیا اور پھر اسے وہیں رکھ دیا جہاں سے اٹھایا تھا۔ پھر میں سونے کے لیے بستر پر دراز ہو گیا۔ پھر دن بھر کی مصروفیت کا خیال آیا۔ گوپی ناتھ کی گڑیا معصوم بہن رتنا...... جگدیپ اور ڈاکٹر مکر جی...... اور گل اندام اور شوخ شمیتا عرف شمی جو بڑی دل فراز اور کافرہ تھی...... بدمعاشوں کا محلّہ...... پھر انیل پرکاش سے ملاقات...... اس کے دوستوں کی جھڑپ' وہ بھی کتنے عجیب لوگ تھے...... پرشمی لچکتی، تھرکتی اور بل

کھاتی میرے تصور آ کر کہنے لگی...... دیوا کمار......! آئی لو یو...... اوئی...... مجھے کب نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا خبر نہ ہو سکی۔ دوسرا دن اتوار تھا۔ صبح سویرے فون کی گھنٹی نے مجھے گہری نیند سے بیدار کر دیا میں بہ وقت تمام اٹھا۔ کیوں کہ نیند کا غلبہ بڑا شدید تھا۔ پھر ریسور اٹھالیا۔ یہ ہندوستان ٹائمز ممبئی کے ایک افسانہ نگار کا فون تھا۔ یہ اخبار اعتدال پسند تھا۔ اس کی خبروں میں یہ بات بہت اچھی تھی کہ اس میں بلاوجہ سنسنی خیزی اور چونکا دینے والی بات نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی نمک مرچ لگایا جاتا تھا۔ وہ صدارتی امیدوار چندر سنگھ کا حامی اور مرید تھا...... اس کا نظریہ بھی بے کم وکاست بیان کر دیتا تھا۔ اس فسانہ نگار کا نام راج پال تھا۔

میں نے اسے ناشتے کی میز پر مدعو کر لیا...... اس نے ناشتے کے دوران جو انکشافات کئے وہ میں نے دوسرے دن کے تمام اخبارات میں چھپوا دیے۔ دراصل انیل پرکاش کی کوئی آواز نہیں تھی۔ اصل آواز گوپی ناتھ کی تھی۔ اس نے قتل گوپی ناتھ کا اس لیے کیا تھا کہ بھانڈا پھوٹنے والا تھا۔ پھر اس نے خودکشی کر لی تھی۔ جب لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے انیل پرکاش کی سمادھی میں سے اس کی لاش نکال لی اور اس کی بے حرمتی کی...... وصیت کے مطابق انیل پرکاش کی لاش دس دن کے لیے دفن کیا ہوا تھا۔ اس طرح یہ کہانی ختم ہو گئی۔

☆......☆......☆

ترلوک چند میرا دیرینہ دوست تھا اور ایک ملاح تھا۔ اس کے پاس ایک لانچ تھی جو اس کے باپ سے ورثہ میں ملی تھی۔ اس کے مالی حالات قدرے بہتر نہ تھے۔ میں چوں کہ ممبئی کی مشینی زندگی سے اکتا چکا تھا اس لیے میں نے سوچا کہ اس سے ملوں۔ اس کے ساتھ رہوں۔ ہاتھ بٹاؤں۔ پھر اس کی مالی مدد بھی کروں۔ میں اپنی اس زندگی سے اکتا چکا تھا۔ اس لیے میں چاہتا تھا کہ اس میں کچھ عرصہ کے لیے تبدیلی تو ہو۔ پھر اس تبدیلی نے ایک انتہائی سنسنی خیز واقعہ کو جنم دیا۔ آپ بھی یہ دل چسپ اور سنسنی خیز کہانی سن لیں۔ یہ دیکھیں کہ دنیا میں کیسے کیسے واقعات پیش آتے ہیں۔

میں کوئی دس دن سے اس کی لانچ پر تھا۔ ایک طرح سے سمندر کی سیر بھی ہو جاتی تھی اور مال برداری میں اس کا ہاتھ بٹاتا رہتا تھا۔ ہم دونوں کے بیچ شانتا آ گئی۔ ترلوک نے ابتدا سے ہی شانتا کو پسند نہیں کیا تھا۔ حالاں کہ شانتا ایسی گئی گزری بھی نہیں تھی کہ کوئی مرد اسے نظر انداز کر دے اور اس کی طرف بالکل بھی متوجہ نہ ہو۔ لوگ اسے دیکھ کر سرد آہیں بھرتے تھے۔

یہ امر واقعی انتہائی تعجب خیز تھا کہ شانتا کے حسن جہاں سوز اور اس کے جسمانی نشیب وفراز سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ یہ ایک طرح سے عجیب اور ناقابل فہم بات تھی...... نہ وہ اس کی گھنیری،

ریشمی اور سیاہ بالوں کا اسیر ہوا تھا...... اس کے سرخ رس بھرے ہونٹوں میں کشش محسوس کی تھی۔ دیکھا جائے تو ایک طرح سے یہ نہ صرف حسن و شباب کی توہین تھی اور اسے بنانے والے کی داد نہ دینا اور سراسر بدذوقی تھی۔ وہ اس سے ملنے روزانہ شاندار قسم کی نئی نیٹ گاڑی میں آتی تھی وہ اس میں دل چسپی رکھتی تھی۔ اس کی جو محبوبہ تھی وہ اس کی لانچ تھی۔ اسے اپنی لانچ سے بے حد پیار تھا۔

مجھے بھی اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ...... ترلوک کیا پسند کرتا ہے اور کیا نہیں...... شانتا کی دوستی ایسی تھی کہ جیسے وہ صرف میری ہے۔ میں نے یہ بات ترلوک پر ظاہر کر دی تھی۔ ہم دونوں جس اسکول میں زیرِ تعلیم تھے اس میں لڑکیاں بھی پڑھتی تھیں۔ ہم میٹرک میں تھے۔ میٹرک میں جوانی آ جاتی ہے۔ لڑکیاں بھی نوجوان اور سیانی تھیں۔ فلموں کے اثر کے باعث بڑا زوردار عشق چلتا تھا۔ صرف اشارے بازی ہی نہیں پرچہ بازی بھی ہوتی تھی۔ ترلوک ہم جماعتوں میں سب سے قد آور، وجیہہ اور خوب صورت تھا۔ لیکن بے حد شرمیلا...... دو ایک استانیوں اور ہم جماعت لڑکیوں نے خود ہی پیش قدمی کی تو وہ گھبرا کر اور شرما کر بھاگ آیا تھا۔ لڑکوں نے اس کا نام ساوتری رکھ دیا تھا۔

ترلوک نے ایک مرہٹی عورت سے شادی کی تھی۔ وہ بہت ہی کالی تھی لیکن اس کی رنگت روغنی تھی۔ چہرے کے نقش و نگار میں بڑی قدرت اور تیکھا پن تھا اور نمک تھا جو دل میں اتر جاتا تھا۔ آنکھیں بھی بڑی متوالی تھیں۔ قد بھی اس کا ترلوک کے برابر تھا۔ اس قد نے اس کے جسم کی کشش میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ اسے صرف اپنی بیوی، بچوں اور لانچ سے بہت ہی دل چسپی اور محبت تھی۔ بیوی سے والہانہ محبت کا ثبوت اس کے چھ عدد بچے تھے۔

وہ کہتا تھا کہ...... یار دیوا......! یہ شانتا زہریلی ناگن ہے۔ کہیں کسی دن یہ مصیبتوں کا باعث نہ بن جائے۔ یہ ڈس نہ لے۔ وہ اپنی بیوی کی بیماری کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ اس کی بیماری کافی عرصے سے تھی اور پیچیدہ بھی تھی اس کا علاج کروا رہا تھا۔ افاقہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ بچوں کی غذا، لباس اور بیوی کے علاج کے لیے اس مال بردار اور ماہی گیر لانچ سے خوب کماتا تو تھا لیکن مہنگائی کا بھوت ہڑپ کر جاتا تھا۔ اس پس منظر کے ساتھ ہی شانتا کی دسترس سے اتنی دور تھی کہ جتنا چاند...... غالباً اس بات سے وہ شانتا سے چڑتا تھا اور شکایتوں کی جڑ تھا۔ اگر وہ آسودہ حال ہوتا اور اس کی بیوی بیمار نہیں رہتی ہوتی تو پھر وہ شاید شانتا کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ اسے شاید فتح کر لیتا۔

اصل بات یہ تھی کہ میں بھی شانتا کا ذہن پڑھ چکا تھا۔ میں جان چکا تھا کہ شانتا کیوں اور کس لیے روزانہ مجھ سے ملنے آتی ہے۔ وہ ایک طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ میں نے شانتا کے بارے

میں ترلوک کو اعتماد میں لیا تھا نہ اس کی ضرورت تھی۔ بس میں تماشا دیکھ رہا تھا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ شانتا کی کہانی کو انجام تک پہنچاؤں۔ اس سے ذرا تفریح رہے گی اور یہ جو سپاٹ سی زندگی ہے اس میں ذرا حسن اور رنگینی پیدا ہو جائے۔ یہ شانتا جو ہمیں بے وقوف سمجھ رہی تھی تو خود بہت بڑی احمق تھی۔

میں اس کی غیر محسوس انداز سے مالی اعانت کر رہا تھا۔ اس کی بیوی کرینہ کو ترلوک کی عدم موجودی میں کچھ رقم دے آتا تھا اور بچوں کے لیے کچھ لے جاتا تھا۔ ایک دن وہ مجھ پر بہت بری طرح برس پڑا تھا۔

"دیوا یار......! تو میری عادت اپنی مالی اور احسانات سے خراب نہ کر...... تو کچھ دنوں کے لیے میرا ہاتھ بٹانے آیا ہے۔ جب تو جاسوسی کرنے چلا جائے گا اور ادھر کا رخ نہیں کرے گا تب میں کیا کروں گا۔ تو مجھے ناکارہ بنا رہا ہے۔"

"سنو دوست......!" میں نے اسے جواب دیا۔ "تو میری دوستی کو کسی اور تناظر سے نہ دیکھ...... کرینہ میری بھابھی ہے اور بچے میرے بھتیجے اور بھتیجیاں ہیں۔ میں جو کروں گا وہ کرتا رہوں گا...... تو اپنی چونچ بند رکھا کر......"

شانتا جب بھی آتی تو اس بات کا خیال رکھتی تھی کہ ترلوک موجود نہ ہو اور وہ آزادانہ طور پر مل سکے۔ اس کا یہ خیال تھا کہ میں بہت بے وقوف ہوں اور وہ مجھے آسانی سے شیشے میں اتار سکتی ہے...... ترلوک کے رویے اور سرد مہری سے وہ میری طرف راغب ہوئی تھی۔ جب وہ کیبن میں آتی تو میرے ہونٹ اس کے ہونٹوں کی مٹھاس سے بند ہو جاتے تھے۔ اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر میں حد سے تجاوز کر جاؤں بھی تو اسے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ کیوں کہ وہ اپنے منصوبے کے لیے ایک گھڑی کیا دو ایک راتیں بھی گزارنے کے لیے تیار تھی۔ وہ ایک شاطر، فاحشہ اور بدچلن تھی۔ اس کے نزدیک آبرو کا کوئی تصور نہ تھا مگر میں نے ابھی اس سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ ایسی کوئی جلدی بھی نہ تھی۔ کیوں کہ یہ شکار ہاتھ سے نکل جائے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بچ کے بھی کہاں سکتا تھا۔ میں نے غیر محسوس انداز سے ایسا گھیرا تنگ کیا ہوا تھا کہ وہ پھنس کر رہ گئی تھی۔

ایک دفعہ ترلوک نے ہم دونوں کو کیبن میں محبت بھرے جذباتی انداز میں دیکھ لیا۔ میں اس کے چہرے پر جھکا ہوا اس کے کان میں محبت بھرے الفاظ کا رس ڈال رہا تھا اور اس نے بڑی محبت سے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا اور جواب بھی اسی انداز سے دے رہی تھی۔ دیکھنے والے کو ایسا لگتا تھا کہ ہم دونوں کسی فلم کے محبت بھرے سین کی عکس بندی کرا رہے ہیں۔

ترلوک جلد واپس آ گیا تھا۔ اس کے آنے کا پتا نہ چلا تھا اور نہ ہی آہٹ ہوئی تھی۔ ہم

دونوں دنیا و مافیہا سے بے نیاز کیف و سرور کی دنیا میں بڑے بے سرو سامانی کے عالم میں بھٹک رہے تھے۔ اس لیے اس کی موجودگی محسوس نہ ہوئی تھی۔

''دیوا کمار......!'' ترلوک نے کیبن سے باہر کھڑے ہو کر کہا۔ ''تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ باہر آؤ......''

شانتا اور ہم دونوں الگ ہو گئے۔ شانتا نے بال اور لباس درست کیا۔ پھر وہ میرا بوسہ لے کر کیبن سے تیزی سے باہر نکل گئی۔

''تم تباہی کے راستے پر جا رہے ہو دیوا......؟'' وہ ریلنگ کے پاس کھڑا رسیاں لپیٹتا ہوا بولا۔ ''یہ عورت اچھی نہیں ہے...... یہ تم کیسے سراغ رساں ہو؟ تمہیں اچھے برے کی تمیز نہیں۔ میں نے اسے ایک نظر میں پہچان لیا...... وہ کیسی عورت ہے؟''

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''چوں کہ بہت حسین، جوان اور بے حد دل کش بھی ہے صفت میں دل بہلانے سے کیا ہے۔''

''سنو...... وہ کسی بری نیت سے آ رہی ہے اور اس کے ارادے اچھے نہیں لگتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''تم نے بھی اندازہ کیا ہوگا۔ کیوں کہ تم جاسوس ہو۔ وہ تمہیں اپنے جال میں پھانس رہی ہے۔ صرف چھ دنوں میں تم سے اتنے قریب ہو گئی ہے جیسے چھ برسوں سے تم سے مل رہی ہے۔ تم نے اس بات پر غور کیا ہے۔ کیا اس نے تمہیں دوستی اور آمد کا مقصد بتایا بھی ہے؟''

''ترلوک......!'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''تم بے فکر رہو۔ وہ ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتی...... اس کے ارادے کیا ہیں کیا نہیں ہیں وہ کسی دن آشکارا ہو جائیں گے...... جلد ہی بلی تھیلے سے باہر آنے والی ہے۔ جب کوئی غرض ہوتی ہے تو مرد کیا...... عورت بھی جھولی میں آ گرتی ہے...... میں اس سے وقت گزارنے کے دل بہلا رہا ہوں۔ وہ دو ایک دن میں اگلنے والی ہے۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ مجھے پوری طرح اپنی مٹھی میں کر لے۔''

''دیکھو دوست......!'' ترلوک نے کہا۔ ''میں یہ نہیں چاہتا کہ تم اور میں ایک دوسرے سے بدظن ہو جائیں دوستی میں فرق آ جائے۔''

''دوستی میں فرق آنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔ ''ایسی ہزار لڑکیاں تم پر قربان کر سکتا ہوں۔''

چوں کہ میں نے ترلوک کو نہیں بتایا تھا کہ اس لڑکی کا ذہن پڑھ چکا ہوں۔ اس لیے وہ اس انداز سے سوچ رہا تھا۔ ویسے اس کی بات کافی حد تک درست تھی۔ ایک ہفتہ قبل اس نے گودی پر آنا جانا شروع کیا تھا۔ پہلے دن اس نے ہماری لانچ پر آ کر یہ دریافت کیا تھا کہ...... کیا یہ لانچ

کرائے پر بھی مل سکتی ہے؟ ترلوک آمادہ ہوا تو اس نے آمد و رفت شروع کر دی تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ترلوک کو اس کا آنا اور مجھ سے گھل مل کر بات کرنا سخت ناگوار لگ رہا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ اس سے تلخ کلامی کرتا۔ میری آنکھوں میں شانتا کا سراپا نقش تھا۔ وہ جب بھی آتی میں اسے دیکھنے لگتا۔ اسے بندرگاہ کے چکنی لکڑی کے تختوں پر بچ بچ کر قدم رکھتے ہوئے اطراف میں پھیلے کاٹھ کباڑ سے خود کو بچاتے ہوئے اس کی پروقار چال کو دیکھتا...... جب وہ ساڑی میں آتی تو اسے ہاتھوں سے پکڑ کر اتنا اوپر اٹھا لیتا کہ اس کی سڈول مرمریں اور گوری پنڈلیاں دھوپ میں تلوار کی مانند چمکنے لگتیں۔ پھر میرے کانوں اور فضا میں تیز تیز سیٹیاں گونجنے لگتیں تھیں جو اسے اس حالت میں دیکھ کر لانچوں کا کام کرنے والے ملاحوں کے ہونٹوں سے بے اختیار آہ نکل جاتی تھیں۔ میں وہ لمحہ کبھی نہیں بھول سکتا جب اس کی اور میری نگاہیں چار ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے خود سپردگی کے انداز سے بھی دیکھا تھا۔ اس کے اس بھرے سرخ گداز ہونٹوں پر جو خفیف سی دل کش مسکراہٹ ابھری تھی وہ آج اب بھی میرے دل و دماغ پر نقش تھی۔ اس نے میری جانب پیش قدمی کی تھی۔

میں نے آگے جھک آ کر ڈوری کا ڈبا اٹھا لیا اور اسے گود میں رکھ کر موٹی موٹی رسیوں میں گرہ دینے لگا۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

''ترلوک......! ہم آپس میں بچپن سے دوست ہیں...... اس طرح ہم ایک دوسرے کے شریک کار بھی ہیں...... دوستی اور ایک دوسرے سے جو محبت ہے اس ناتے اس وقت تک اس لانچ پر میرا اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا ہے میں جب تک یہاں آتا رہوں گا۔ یوں سمجھو کہ ہم دونوں برابر کے حصے دار ہیں...... چنانچہ میں نے یہ حق استعمال کرتے ہوئے دعوت دی کہ وہ ہمیں بھی ساتھ لے جا سکتی ہے بلکہ لے جانا ہوگا۔ کیونکہ ہم یہ لانچ بغیر زر ضمانت کے صرف تمہیں کرائے پر نہیں دے سکتے اور تم اس کی زر ضمانت جمع نہیں کرا سکتی ہو...... یہ کوئی کار نہیں ہے۔ لانچ ہے...... وہ اس بات پر آمادہ ہے کہ ہم بھی ٹرپ پر چل سکیں...... کیوں کہ لاکھوں کی زر ضمانت جمع کرانے سے قاصر ہے۔''

''لانچ پر عورتوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' ترلوک نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ ''وہ کیوں اور کس لیے کس کے ساتھ جانا چاہتی ہے؟ کیا دوسرے مرد نہیں ہیں جو لانچ کا کرایہ طے کرتا۔ مجھے تو دال میں کالا معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہتا ہوں کہ اس سے ہوشیار رہو۔ کیا تمہارے کان پر جوں نہیں رینگتی ہے۔ اور تم اسے دل دے بیٹھے۔ اس سے زوردار معاشقہ چل پڑا ہے...... وہ تم پر مہربان ہو کر تمہیں الو بنانا چاہتی ہے...... دیوا......! کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے......؟''

''ایسا کرو...... تم اس ٹرپ پر نہ جاؤ...... بھابھی بچوں کا خیال رکھو۔'' میں نے بدستور رسیوں میں کانٹے باندھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے جانے سے حرج ہوگا۔ تمہاری عدم موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تمام معاملات سے میں خود ہی نمٹ لوں گا۔''

اس کا ناہموار چہرہ اچانک افسردہ ہوگیا۔ پھر اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے گئے۔ پھر وہ کرب ناک لہجے میں بولا۔

''یہ بات میرے تصور سے کہیں بھیانک ہے کہ تم اپنے دوست ترلوک سے اس انداز سے بھی بات کرو گے......؟''

''ترلوک......! تم خواہ مخواہ جذباتی ہو رہے ہو...... دوست......! یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تمہیں نظر انداز کردوں اور ساتھ نہ لے جاؤں...... میں نے یہ بات اس لیے کہی کہ تم شانتا کو برداشت نہیں کر رہے ہو......؟ وہ تمہیں زہر لگتی ہے۔ اس کا وجود کسی ناگن کی طرح محسوس ہوتا ہے۔ تم ساتھ چلو گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔''

میری بات سن کر اس کی آنکھوں میں جو وحشت تھی وہ کم ہوگئی۔ اس نے ایک سرد آہ بھرتے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں تمہارے ساتھ جانے پر تیار ہوں...... کیوں کہ کرینہ کے آپریشن کے لیے مجھے شدید رقم کی ضرورت ہے...... میں تم سے قرض یا مالی مدد لینا نہیں چاہتا...... کیوں کہ اس سے میری انا مجروح ہوگی۔ میں جانتا ہوں کہ تم بہت مخلص اور ہمدرد ہو۔ ماضی میں تم میرے بہت کام آئے تھے۔ تم نے میرے پتا جی کے بیماری کے سمے معالجے کے اخراجات برداشت کئے تھے۔ میں وہ تمہارا احسان اتار نہ سکا۔ آج میں اس بوجھ سے دبا ہوا ہوں۔ تم مجھ پر مزید بوجھ نہ ڈالو۔ اب میں برداشت نہیں کرسکوں گا...... اس کے علاوہ مجھے بچوں کی ضروریات کا خیال بھی رکھنا ہے۔''

''تمہارے بچے لانچ پر آتے ہیں تو اسے کھیل کا میدان بنا لیتے ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''وہ جتنے پیارے ہیں اتنے ہی شریر بھی...... لیکن یار بچپن میں تم شریر نہ تھے۔ آج صبح مجھے انجن روم میں پلاسٹک کا ایک آبی پستول ملا ہے...... اس کے علاوہ وہاں تیل کا ایک ڈبا الٹا پڑا ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی دن تمہارے شریر بچے لانچ کو ڈبو کر ہی دم لیں گے...... پھر نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری...... پھر کسی لانچ یا جہاز پر ملاح کی ملازمت کرلینا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں......''

''آہ...... مگر کیا کیا جائے......؟'' ترلوک نے اپنے ہاتھوں کو جنبش دی۔ ''وہ بچے ہیں۔ انہیں لانچ میں کھیلنا بہت پسند ہے۔''

''ضرور کھیلیں...... مگر اس لانچ پر نہیں ترلوک......!'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''تم انہیں لانچ

سے دور رکھو تو یہ تمہارے اور تمہاری لانچ کے لیے بہتر ہے...... اگر انہوں نے آئندہ یہاں کھیلنے کی کوشش کی تو میں انہیں سختی سے منع کردوں گا۔ تم اس بات کو پسند کرو یا نہ کرو...... اس لیے تمہاری یہ لانچ تمہارا ذریعہ معاش ہے۔ اسے نقصان پہنچنے کی صورت میں کیا کرو گے؟''

''میں نے تو اس پہلو پر سوچا نہیں تھا۔'' اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ وہ یہاں کھیلنے کے لیے آئیں تو ان کی پٹائی کردینا...... مگر تم نے اس پہلو پر غور کیا ہے کہ ایک نہایت حسین، نوجوان اور پرکشش لڑکی جس کی عمر اٹھارہ انیس برس کی ہے تم میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم اس لانچ کے مالک نہیں ہو۔ میرے دوست ہو...... بعض اوقات سر تا پاؤں مچھلی کی بو میں بسے ہوتے ہو۔ پھر بھی وہ ہم آغوش ہو جاتی ہے۔ آخر وہ تم میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے......؟ تم سراغ رساں ہو یا کاٹھ کے الو جو اتنی سی بات نہیں سمجھ رہے ہو؟''

میں نے وہیل ہاؤس کے شیشے میں اپنا عکس دیکھا...... میں کوئی بدصورت نہ تھا۔ خوب صورت اور وجیہہ بھی تھا۔ میں نے جواب دیا۔

''وہ جو مجھ میں اتنی دل چسپی لے رہی ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ...... میں بہت خوب صورت، وجیہہ ہوں۔ دراز قد ہوں۔ تم جانتے ہو کہ دراز قد مرد عورتوں کی بہت بڑی کمزوری ہوتے ہیں۔ کیا میں عورتوں کے آئیڈیل مرد کی طرح نہیں ہوں...... دوسری وجہ دو ایک دن میں معلوم ہو جائے گی...... شاید آج رات معلوم ہو جائے۔ اس نے مجھے آج رات اپنے فلیٹ پر بلایا ہے...... وہ شاید مجھے کسی معاملے میں اعتماد میں لے...... کوئی بات ہے ضرور اس لیے اس نے بلایا ہے۔''

''وہ تم پر مہربان ہو کر اور فیاضی کا مظاہرہ کرکے اپنے جال میں پھانسنا چاہتی ہے۔'' ترلوک نے کہا۔ ''ہوشیار رہنا دوست!''

میں نے اس کے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی تو اس وقت رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ دروازہ اس نے کھولا تھا۔ وہ شب خوابی کے نامناسب لباس میں تھی۔ اس نے ہلکا اور نفیس سا میک اپ کیا ہوا تھا۔ حسن کی کرشمہ سازیاں واضح تھیں۔ اس نے مجھے کس لیے بلایا تھا میں جانتا تھا لیکن میں کیوں اور کس لیے ترلوک کو بتاتا۔ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ میں ٹیلی پیتھی کا ماہر بھی ہوں۔ اور شانتا بھی نہیں جانتی تھی کہ میں سراغ رساں ہوں۔ کیوں کہ وہ دبئی میں دو برس رہ کر آئی تھی۔ اسے آئے ہوئے صرف دو ہفتے ہوئے تھے۔ وہ ایک گروہ کی سرگرم کارکن تھی۔ وہ ایک منصوبے کے تحت آئی ہوئی تھی۔

میں اندر داخل ہوا تو اس نے دروازہ بند کرکے بڑی گرم جوشی اور جذباتی انداز سے اس طرح استقبال کیا کہ ہم دونوں آزادی کا لبادہ اوڑھے جوانی کے جنگل میں بھٹکنے لگے۔ وہ مہربان

اتنی جلدی ہو جائے گی مجھے اندازہ نہ تھا۔اس نے جس فیاضی کا مظاہرہ کیا تھا اس نے دل خوش کر دیا تھا۔ یہ تین بیڈ روم کا فلیٹ تھا۔ میں نے اس کے ذہن سے معلوم کر لیا تھا کہ خفیہ کیمرے کہاں نصب ہیں۔ ہمارے بولڈ بیڈ سین کی عکس بندی کی جا رہی ہے۔ یہ سب مجھے بلیک میل کرنے اور جال میں پھانسنے کے لیے تھا۔ہم دونوں کے سوا فلیٹ میں کوئی نہ تھا۔ یہ خود کار کیمرے تھے جو وڈیو فلم بنا رہے تھے۔ ان کیمروں کی آنکھیں اس کمرے میں تھیں۔ جب ہم دونوں غلاظت کے دلدل سے باہر آئے تو مے نوشی کا دور شروع ہوا۔ میں نے موقع پا کر اس کے جام میں بے ہوشی کی دوا ملا دی۔ جب وہ بے ہوش ہوگئی تو میں اس کمرے میں گیا جہاں دو کیمرے تھے وہ فلم سے مناظر کی عکس بندی کر رہے تھے۔ دو وڈیو کیسٹ تھے۔ پھر میں نے ان کی فلمیں ناکارہ کر دیں پھر کمرے میں آ گیا۔ جس وقت وہ ہوش میں آئی تھی میں سوتا بن کر گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس نے مجھے جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ پھر اس نے کہا۔

"میرے خیال میں اب کام کی باتیں ہو جانا چاہیے...... اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے یا نہیں...... آئی لو یو......"

"ساری رات جو جو باتیں ہوئی ہیں کیا تمہیں اس سے اندازہ نہیں ہوا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "آئی لو یو......"

"تمہیں اس بات کا کیسے اور کیوں کر احساس ہوا کہ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں؟" وہ محبت بھری آنکھوں سے میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

"جو عورت اپنا تن من سونپ دے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ محبت کرتی ہے۔" میں نے اس کے بالوں کو سہلایا۔ "آئی لو یو......"

"آئی لو یو......!" اس نے پھر تکرار کی اور پھر بڑے محبت بھرے انداز سے میرا ہاتھ اپنے نرم و نازک اور گداز اور تپش دیتے ہوئے ہاتھ میں تھام لیا۔ اس کی پشت پر بوسہ ثبت کر کے بولی۔ "جانی......! اب جب کہ ہم دونوں کے درمیان کوئی فاصلہ اور حجاب نہیں رہا اور اٹوٹ محبت کا رشتہ قائم ہو گیا اور یہ آخری سانس تک قائم رہے گا۔ اب میں تمہاری ہو چکی ہوں اور ہماری ہر رات اس طرح سے گزرے گی جس طرح آج کی رات گزری ہے میں تمہیں بتا دوں کہ کیا چاہتی ہوں...... میں نے ترلوک سے بات کی ہے کہ میں لانچ سے مدراس جانا چاہتی ہوں...... میرے پاس بہت سارے اہم کاغذات ہیں۔ میں انہیں ہوائی جہاز اور ریل گاڑی یا کوچ یا بس سے لے جانا نہیں چاہتی ہوں۔ کیوں کہ میرے دشمن میرے تعاقب میں لگ جائیں گے اور وہ کاغذات چھین لیں گے...... میں نے اسے آج صبح تمہاری غیر موجودگی میں بیس ہزار کی رقم کرائے کی صورت میں

دے دی ہے...... بیس ہزار کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ آج شام ہماری روانگی ہوگی۔"

"کیا تمہارے دشمن تمہارا تعاقب نہیں کریں گے......؟" میں نے کہا۔ "وہ کسی بھی لانچ سے تمہارے تعاقب میں آ سکتے ہیں؟"

"ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی ہے کہ ایک ایسی لانچ جو ماہی گیری اور مال برداری کی ہے اس میں میں سفر کر سکتی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "دراصل تمہاری محبت اور امتحان کا ثبوت چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لانچ مدراس نہیں بلکہ دبئی جائے گی۔ اس بات کا ترلوک کو پتا نہیں ہے۔ اسے پہلے بتا دیتے تو وہ شاید تیار نہ ہوتا۔"

"اسے پتا چل جائے گا کہ ہم دبئی کی طرف جا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "پھر وہ ایک طوفان اور ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔ کیوں کہ یہ لانچ اس کی اپنی ہے۔ میں تو اس کا دوست اور ملازم ہوں۔ اور پھر یہ بات اسے دھوکا دینے کے مترادف ہوگی۔"

"میں اسے مزید ایک لاکھ کی رقم دوں گی لانچ کی روانگی کے بعد......" وہ بولی۔ "رقم اس کا منہ بند کر دے گی۔ تم کیا کہتے ہو؟"

"ہاں...... ایک لاکھ کی رقم سے وہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔" میں نے کہا۔ "لیکن تم اس تعاون کی صورت میں مجھے کیا دو گی؟ مجھے کیا ملے گا؟"

"میں...... میں تمہیں اپنی محبت دوں گی اور اپنے آپ کو ساری زندگی کے لیے تمہارے سپرد کر دوں گی۔" وہ دل کش انداز سے مسکرائی۔ "ہم دونوں ہنی مون منائیں گے لانچ پر اور دبئی میں بھی...... میں تمہیں بھی پچاس ہزار روپے دوں گی۔"

"سچ......!" میں خوش ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تم ہر لحاظ سے ایک فیاض عورت ہو...... آئی لو یو میری جان!"

"آئی لو یو ٹو......!" اس نے تکرار کی۔ "دبئی میں میرا اپنا فلیٹ اور کاروبار بھی ہے۔ میں ایک اور کاروبار میں کویتی شیخ کی پارٹنر بھی ہوں۔ میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ صرف ایک جیون ساتھی کی کمی تھی وہ تم نے پوری کر دی۔ تم کتنے اچھے ہو۔"

"ویسے تم بھی دولت سے کم نہیں ہو...... کشش کے خزانوں سے مالا مال ہو......" میں نے اس کے چہرے اور سراپا پر ایک ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "دبئی میں بڑے بڑے شیخ موجود ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ بڑے حسن پرست اور شباب کے قدر دان ہوتے ہیں۔ تم جیسی دوشیزاؤں کی انہیں تلاش رہتی ہے۔ وہ ایک ایک رات کے لاکھوں دیتے ہیں۔"

"ہاں......" اس نے اثبات میں اپنا خوش نما سر ہلا دیا۔ "یہ سچ ہے...... مجھے کئی شیخوں نے

راتیں کالی کرنے کے لیے کہا۔ لیکن میں نے انکار کردیا۔ اگر میں ان کی بات مان لیتی تو میرے پاس لاکھوں کی رقم موجود ہوتی...... کروڑ پتی ہوتی۔''

''وہ کس لیے......؟'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''تم نے سنہرے مواقع کیوں ضائع کروادیئے۔ زندگی میں سنہرے مواقع بار بار نہیں ملتے ہیں۔ اور پھر تمہاری زندگی کا یہ سب سے خوب صورت وقت ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو کیش کروالینا چاہیے تھا۔ تم نے بہت بڑی غلطی اور حماقت کی شاہانہ......! ہندوستان اور پاکستان کی اداکارائیں، جوان اور حسین گلوکارائیں...... رقاصائیں ثقافتی شو کے بہانے وہاں جاکر بے پناہ دولت دامن میں سمیٹ کر لاتی ہیں...... تم ایک اداکارہ نہیں ہو...... اس کے باوجود تمہاری اتنی مانگ اور قدر تھی تو تم نے بہتی گنگا میں ہاتھ کیوں نہیں دھویا...... اس کے برعکس تم نے اپنا سب کچھ اور محبت ایک معمولی شخص کی نذر کردی...... میں ایک عام سا آدمی...... میرے پاس محبت کی دولت کے سوا کچھ بھی تو نہیں ہے...... میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا...... تم نے پھر بھی مجھ پر فیاضی کی۔''

''اس لیے کہ...... میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔'' وہ میرے سینے کے بالوں میں اپنی مخروطی انگلیاں پھیرتی ہوئی بولی۔ ''میں ایک عورت ہوں...... عورت صرف دولت نہیں چاہتی ہے...... اسے محبت اور ایک مخلص اور بے غرض جیون ساتھی کی تلاش ہوتی ہے۔ جب تمہارے پاس بھی لانچ پر آئی تھی اور تم سے نظریں چار ہوئیں تو دل بڑے زور سے دھڑکا تھا...... میرے دل نے کہا...... شاہانہ یہ تمہارے خوابوں کا راج کمار ہے...... یہ وہی ہے جس کی تمہیں تلاش ہے...... اسے تم ہر قیمت پر...... پہلی فرصت میں حاصل کرلو...... اس لیے میں نے دوسری ملاقات میں ہی تمہاری طرف پیش قدمی کی۔ محبت کا اظہار کیا اور تمہارے ہونٹوں پر مہر محبت ثبت کردی...... تم میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد ہو۔ اس لیے میں نے اپنا سب کچھ تمہاری نذر کردیا...... اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ تم سے دبئی میں شادی کرکے گھر بسالوں گی۔ آئی لو یو...... تم مجھے اپنا بنالو گے نا میری جان......''

''کیوں نہیں...... کیوں نہیں......'' میں نے اس کے ریشمی بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہ اس خوشی میں جشن منالیا جائے؟''

میں ایک زبردست جشن مناکر اور ناشتا کرکے اس کے ہاں سے نکلا...... میں راستے میں سوچ رہا تھا کہ عورت ایک طرف تو کتنی خوب صورت اور نیک سیرت ہوتی ہے...... دوسری طرف وہ ایک مکار اور فریبی بھی ہوتی ہے......

شام کے دھندلکے میں سمندر کا پانی سفید جھاگ کے ساتھ ساحل سے ٹکرا رہا تھا ایک بڑی

لمبی سی کار گودی پر لانچ کے سامنے آکر رکی۔ جب میں نے اسے دیکھا تو وہ گاڑی سے باہر آچکی تھی۔ اس نے جوکالے رنگ کا بلاؤز پہن رکھا تھا اس کی آستین نہیں تھیں۔ اس کا گلا آگے اور پیچھے سے اتنا کھلا ہوا تھا کہ مختصر سا ہونے پر اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہی تھا۔ اور پھر اس نے جو سفید ساڑی پہن رکھی تھی وہ ناف سے نیچے بندھی ہوئی تھی۔ اس کے سفید دانت موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چرمی دستی بیگ تھا۔ پھر وہ کیبن میں آگئی۔ اس سفری بیگ میں کاغذات تھے شاید۔ وہ بہت بھاری تھا۔

کیبن میں ایک کونے میں اس نے سفری بیگ رکھ دیا۔ پھر وہ میرے پاس آئی۔ پھر اس کے لبوں نے میرے ہونٹوں کو حرارت پہنچائی جو نشاط انگیز تھی۔ اس نے رات کی یاد تازہ کردی تھی۔ پھر اس نے میری گردن میں اپنے عریاں مرمریں بازو حمائل کرکے پوچھا۔ ''مجھے دیر تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں......'' میں نے جواب دیا۔ ''ہماری روانگی میں بہت دیر ہے۔ جب اندھیرا ہوگا تب چلیں گے۔ ابھی تو ترلوک بھی نہیں آیا ہے...... میں تمہارا بیگ الماری میں رکھ دیتا ہوں۔ اس کا یہاں رکھے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔''

وہ کیبن سے باہر چلی گئی۔ جب میں اس کا بیگ الماری میں رکھ کر کیبن سے باہر آیا تو وہ ایک بینچ پر بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔ اس لباس میں جو نا مناسب سا تھا بدن ابلا پڑ رہا تھا۔ اس کی صراحی دار گردن نے میرے دل میں کھلبلی مچادی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور میرے پاس آکر رسیلی آواز میں بولی۔

''ایسا لگتا ہے کہ تم اپنے دوست سے لڑ پڑے ہو میری خاطر...... اس لیے وہ نظر نہیں آرہا ہے......؟ کہاں ہے وہ......؟''

''وہ اب شاید ناراض نہ ہوگا'' میں نے جواب دیا۔ ''تم سے معاملہ طے ہوجانے کے بعد اسے تلخی وغیرہ بھول جانا چاہیے۔ چوں کہ روانگی رات دیر سے ہوگی اس لیے وہ گھر گیا ہوگا۔ اس کے اجازت کے بغیر ہم سفر پر جانے سے رہے۔''

''میری جان......'' اس نے شیریں آواز میں مخاطب کیا تو میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ پھر کہنے لگی۔ ''ہم چار پانچ روز کے لیے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ ہمارے درمیان خوش گوار تعلقات قائم رہیں...... اور پھر اسے یہ بھی بتانا ہے کہ ہم مدراس نہیں دبئی جا رہے ہیں۔ میرے لیے بہت اہم ہے کہ میں ترلوک کے لیے کسی تنازعے کا باعث نہ بنوں...... میں تم سے ایک بات کی اجازت چاہتی ہوں...... اگر میں اس کا موڈ درست

کرنے اور درست بنانے کے لیے چوم لوں تو کوئی حرج نہیں......؟''

''نہیں......کوئی حرج نہیں......'' میں نے کہا۔ ''وہ میرا دوست ہے......لیکن وہ بہت ہی پرانے خیالات کا آدمی ہے۔ وہ اپنی بیوی کے سوا کسی اور عورت کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا ہے......کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری پیش قدمی سے وہ بدک جائے۔ لینے کے دینے پڑ جائیں...... بات وہی ہوگی کہ پوری روٹی کے چکر میں آدھی سے بھی گئے۔ وہ اور ہی قماش کا آدمی ہے۔''

''کیا ایک دوشیزہ اور شادی شدہ عورت جو چار بچوں کی ماں ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔'' شانتا کہنے لگی۔ ''اب اس کی بیوی میں حسن اور شباب خاک ہوگا۔ چار بچوں کو جن کر اس کی جوانی اور جسم بھی ڈھل گیا ہوگا......اور پھر وہ عورت بقول تمہارے...... بڑے عرصے سے پیچیدہ بیماری میں مبتلا ہے۔ وہ اس کے قریب بھی نہیں جاتا ہوگا۔''

''لیکن اس کی بیوی میں آج اب بھی بہت کشش ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اگر تم اس کے سامنے بے نیام تلوار کی طرح بھی جاؤ تو اس پر کوئی اثر نہ ہوگا......کیوں وہ اپنی بیوی کرینہ کو بہت چاہتا ہے۔ اس لیے وہ ہرجائی پن نہیں کرے گا۔''

''اس کا ناراض ہو جانا......اس کی بیوی اور بچوں کے حق میں اور اس کے لیے بھی اچھا ہے نہ ہوگا......اس لیے ایسا کرتے ہیں کہ ابھی ہم پھول مٹھائی اور اس کے بچوں کے لیے چاکلیٹ خرید کر اس کے گھر چلتے ہیں......تمہارا کیا خیال ہے؟''

''خیال تو بہت اچھا اور تم بہت اچھی ہو۔'' میں نے یہ کہا تو وہ سرخ ہوگئی۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اور قریب کر کے اس کا سرخ رخسار چوم لیا۔ ''مجھے اندازہ نہ تھا کہ حسین عورت بھی ایسا ذہن رکھتی ہے۔ تمہاری تجویز پر عمل کرنے میں دیر نہ کرنی چاہیے۔''

اس کے گھر میں چل کر میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاؤں گی کہ اب اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔''

''ونڈر فل......!'' میں نے کہا۔

شانتا نے باتوں سے یہ تاثر دیا تھا کہ......اس کا دل بہت صاف ہے اور اس سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں......لیکن میں نے خاموشی سے سن لیا۔ اگر اس کے علم میں یہ بات آ جاتی اور میں اسے بتا دیتا کہ میں نے تمہارا ذہن پڑھ لیا اور منصوبہ جان لیا ہے تو وہ شاید سر پر پیر رکھ کر بھاگ جاتی یا پھر حد درجہ خائف اور سراسیمہ ہو کر سمندر میں چھلانگ لگا دیتی......کوئی ایک گھنٹے بعد ہم لانچ سے باہر آئے۔ پھر ہم وہاں سے مارکیٹ آئے۔ اس نے ترلوک کی بیوی کے لیے ایک ساڑی اور زیر جامے خریدے......اس کے بچوں کے لیے کھلونے، ٹافیاں اور چاکلیٹ......وہ

اسٹور میں خریداری کر رہی تھی۔ میں باہر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ایک ہاکر عورت سے شام کا اخبار یونگ نیوز ٹائم خریدا۔ میں نے پھولوں کے گلدستے کو اخبار میں لپیٹتے ہوئے اس کی ایک خبر پر سرسری نظر ڈالی۔ پولیس ایک ایسے شخص کی تلاش میں تھی جس نے ایک ہفتہ قبل ایک غیر ملکی بینک پر ڈاکا ڈالا تھا۔ اس ایک تنہا شخص نے بڑا زبردست کارنامہ انجام دیا تھا۔ اس نے جو ڈاکہ مارا وہ غیر ملکی کرنسی ڈالر اور پونڈ اور یورپی کرنسی یورو......جن کی مالیت دس کروڑ ڈالر تھی......ہندوستانی کرنسی تین کروڑ چالیس لاکھ......دس تولے سونے کی سلاخیں جن کی مالیت سات کروڑ کی تھیں وہ لے گیا۔ اس نے کیشیئر کو ہلاک اور بینک کے اسٹاف کی ایک عورت کو شدید زخمی کر دیا......اور اس کے علاوہ اس کی گاڑی نے ایک راہ گیر کو کچل دیا......دو پولیس کے اہلکار بھی زخمی ہوگئے۔ اخبار میں اس کی تصویر بھی شائع ہوئی تھی۔ جواب پھولوں میں چھپ گئی تھی۔ اس کے نقوش کلہاڑی کے پھل کی طرح تیکھے اور ہونٹ تیز دھار بلیڈ کی طرح تیکھے تھے۔ اس کی آنکھیں خون آشام کی طرح چمکیلی اور سفاک تھیں۔

ہندوستان کے کسی شہر میں کسی بینک میں ڈکیتی کی اتنی بڑی واردات آج تک نہیں ہوئی تھی۔ اتنی بڑی واردات ایک تنہا شخص کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔ اس عظیم اور دلیرانہ واردات کی جتنی تعریف کی جائے کم تھی۔ بینک نے ڈکیت کے بارے میں اطلاع گرفتاری میں مدد دینے یا اسے گرفتار کرنے پر ایک کروڑ کا انعام دینے کا اعلان کیا ہوا تھا۔ پولیس بڑی سرگرمی سے اسے تلاش کر رہی تھی۔ شہر کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی۔ ایئرپورٹ اور ریلوے اسٹیشنوں اور بسوں اور کوچز کے اڈوں پر پولیس تعینات کر دی گئی تھی۔ مسافروں کے سامان کی تلاشی بھی لی جا رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ بینک میری خدمات حاصل کرے گی لیکن پولیس ہیڈ کوارٹر میں کچھ اعلیٰ افسران ایسے تھے کہ میں انہیں سخت ناپسند تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں ملزم کو گرفتار کر کے دکھاؤں اور کامیابی کا سہرا میرے سر بندھ جائے۔ پولیس نے اپنی اہلیت کارکردگی سے بینک سے کہہ دیا تھا کہ میری خدمات حاصل نہ کی جائیں......میری خدمات حاصل کی جائیں تو میں دو دن میں ملزم کو پکڑ کر پیش کر دیتا۔ میری دلی خواہش تھی کہ یہ کیس مجھے مل جائے۔ میں اس لیے بھی یہ کیس لینا چاہتا تھا کہ ترلوک کو ایک کروڑ کی رقم مل جائے تاکہ وہ ایک جدید ماہی گیری کی لانچ خرید کر اپنا اور بیوی بچوں کا مستقبل بنائے۔ لیکن پولیس کے افسر نے میری آرزو پوری ہونے نہیں دی۔

ترلوک کی بیوی اور بچوں نے شانتا کا شاندار استقبال کیا تھا۔ کرینہ اور بچے تحائف دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ کرینہ......شانتا کے خلوص سے بھی بہت متاثر ہوئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کی طبیعت بھی بحال ہوگئی تھی اور وہ پھول سونگھتے ہوئے مسکرا رہی بھی رہی تھی۔ یہاں تک کہ

ترلوک پر بھی شانتا کی موجودگی کا خوش گوار اثر مرتب ہوا تھا۔ وہ ایک گھنٹے کے بعد خاطر مدارت کے لیے مشروبات، چکن بروسٹ اور سینڈوچز بھی لے آیا تھا۔ جب ہم وہاں سے اٹھے تو رات بھیگ چکی تھی۔ ترلوک ہمیں رخصت کرنے دروازے تک آیا تھا اور پھر وہ شانتا سے خوش دلی سے مخاطب ہوا۔

''تمہارے تحائف اور غریب خانے پر قدم رنجہ فرمانے کا بہت بہت شکریہ...... یہ ملاقات یادگار رہے گی۔ میری بیوی بچے بہت خوش ہوئے اور بہل گئے...... بہت عرصے کے بعد میں نے کرینہ کے چہرے پر مسکراہٹ کی سرخی دیکھی۔ مگر ماہی گیر لانچ پر کسی عورت کے لیے اچھی جگہ نہیں ہوتی...... میں پہلے اسے مال برداری کے لیے استعمال کرتا تھا اس لیے اس میں کیبن اور بستر کا انتظام بھی کیا تھا...... آخر تمہارا ایسی لانچ سے مدراس جانا اتنا ضروری کیوں ہے؟''

''ایک تو مجھے یہ سفر بہت پسند ہے اور میں تمہارے دوست کے قریب رہنا چاہتی ہوں۔'' شانتا نے جواب دیا۔ ''مجھے ہمیشہ سے بحری سفر سے عشق رہا ہے۔ یہ میری کمزوری بھی ہے۔ راستے میں مچھلیوں کا شکار میرے لیے دلچسپی کا باعث بنا رہے گا۔''

ترلوک نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا تو وہ اس کی نگاہوں کی تاب نہ لاسکی۔ اس نے نظریں جھکالیں۔ ترلوک اس کی بات سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس کے بشرے سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ دال میں کالا محسوس کر رہا ہے۔ وہ واپسی کے لیے گھوم گئی۔

''ترلوک......! ہم نے چار بجے روانگی کا پروگرام بنایا ہے۔ ابھی رات کے دو بجے ہیں۔ دو گھنٹے باقی ہیں روانگی میں......''

لانچ کی طرف آتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ...... ترلوک ابھی تک شانتا کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے ذہنی طور پر شانتا کو قبول نہیں کیا تھا۔ مگر جب ہم لانچ کے قریب پہنچے تو میں اس خیال سے خوش تھا کہ شانتا اور میں کیبن میں رات گزاریں گے۔

شانتا بھی یہی تاثر دے رہی تھی کہ ہم دونوں صبح سے پہلے کیبن سے باہر نہیں آئیں گے۔ رات کے آخری پہر تک جاگتے اور محبت بھری باتیں کرتے رہیں گے۔ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ میں اس کا ذہن پڑھ کر اس کا منصوبہ جان چکا ہوں۔ ایک بہت بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ طوفان آنے والا ہے۔ ترلوک اس سے بے خبر ہے۔ اس کا بے خبر رہنا ہی بہتر ہے۔ اس مصیبت کو اور طوفان کو برداشت کرنے سے بہت فائدہ تھا۔ اگر میں اس سے کہتا تو وہ اس کے لیے تیار نہ ہوتا۔ مجھے اور شانتا کو لانچ پر سوار ہونے نہیں دیتا۔

روانگی کے وقت دھند بہت گہری تھی۔ روانگی کا یہ وقت کسی وجہ سے شانتا نے مقرر کیا تھا اور

یہ بات ترلوک کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ گولڈن گیٹ برج ہماری لانچ کے اوپر ایک بڑی تیر کمان کی طرح معلق تھا۔ اس کہر آلود صبح میں اس کی روشنیاں جھل مل...... جھل مل کر رہی تھیں۔ اس منظر نے ایک عجیب سا ساماں باندھ دیا تھا۔

جب ہم کھلے سمندر میں ساحل سے بہت دور پہنچے تو کہر ہلکی ہو چکی تھی۔ اب میں ترلوک کو دیکھ سکتا تھا اور وہ ہمیں...... اندھیرے میں میں نے شانتا کو بہت تنگ کیا تھا۔ اب اس لیے تنگ نہیں کر سکتا تھا کہ ترلوک دیکھ لیتا۔ اس کا منہ اور بن جاتا۔ لیکن وہ ہماری طرف سے بے نیاز تھا۔ ریلنگ کے قریب بیٹھا کانٹوں میں چارہ پھنسا رہا تھا۔ وہ شکار کی تیاری کر رہا تھا۔

شانتا جو کیبن میں کسی وجہ سے گئی تھی وہ باہر آئی۔ پھر کچن میں گھس گئی۔ تھوڑی دیر بعد کچن سے باہر آئی۔ وہ لانچ کے ہچکولوں کی وجہ سے سنبھل سنبھل کر قدم اٹھا رہی تھی۔ اس نے جو ٹرے اٹھا رکھی تھی اس میں تین دخانی مگ رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے اس نے ایک ترلوک کو دیا...... ترلوک نے ناگواری سے مگ کو لے لیا، لیکن اس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ اس نے دوسرا مگ مجھے دیا تھا۔ اس مگ میں کافی تھی۔ وہ کافی اس لیے لائی تھی کہ تھکن اتاری جائے۔ ویسے میں نے اسے نیم جان کر کے رکھ دیا تھا۔

ہم تینوں خاموشی سے کافی پینے لگے۔ فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ اس لیے کافی مزا دے رہی تھی۔ وہ کافی پینے کے بعد میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''میں عرشے پر جانا چاہتی ہوں...... کوئی حرج تو نہیں......؟'' وہ ساڑھی کا پلو کمر میں اڑسنے لگی۔

''ابھی مت جاؤ......'' میں نے اس کی کمر کے گرد اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس وقت ترلوک سمندر کی لہروں کو دیکھے جا رہا تھا۔

''کیوں نہیں جاؤں......؟'' اس نے میرا ہاتھ کمر سے ہٹا کر ترلوک کی طرف دیکھا۔ ''کیا میں کوئی بچی ہوں جو جا نہیں سکتی......؟''

''نہیں...... یہ بات نہیں ہے۔'' اس نے چہرے سے بالوں کو ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''مگر میں بہت محتاط رہوں گی۔ تم بے فکر رہو......'' میں اسے روکنا چاہتا تھا وہ رکی نہیں...... میں اس کے ساتھ اس لیے نہیں گیا کہ ترلوک سمجھتا کہ میں اس کے ساتھ عرشہ پر مستی کرنے جا رہا ہوں...... میں نے شیشے سے اسے عرشے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ مکمل طور پر کہر کی آغوش میں تھی اب اس کا ریشم جیسا گداز اور پرشباب بدن ایک ہیولے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ میں اس وقت وہیل چلانے میں مصروف تھا۔ اگر ترلوک نے وہیل سنبھالا ہوا ہوتا تو شاید میں ترلوک کی پروا کیے بغیر اس کے ساتھ عرشہ پر چلا جاتا۔ مگر اس وقت وہیل سیٹ کرنا تھا تاکہ لانچ آپ ہی آپ کھلے سمندر میں

تیزی سے چلتی رہے۔ ویسے میلوں تک کوئی جہاز نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو اس کی روشنیاں نظر آتیں۔ میرا خیال تھا کہ دس پندرہ منٹ میں وہیل سیٹ کرلوں گا۔ میں جلد سیٹ کرنا چاہتا تھا تا کہ کاک پٹ سے باہر جا کر ترلوک کی مدد کروں گا جو کانٹوں میں چارہ پھنسا رہا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ اس نے شانتا کو عرشے پر جاتا دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہیل ہاؤس کا دروازہ کھلا تو میں نے چونک کر دیکھا...... میں ترلوک کا چہرہ دیکھ کر بری طرح چونک پڑا۔ یقین نہ آیا۔ اس وقت میں نے اس کا ذہن نہیں پڑھا۔ کیوں کہ اس کی آنکھوں میں کوئی اجنبی سی کیفیت تھی جسے میں فوری طور پر سمجھنے سے قاصر تھا...... میں نے بھنوئیں اٹھائیں۔ اس سے پہلے کہ میں اس کا ذہن پڑھتا دیکھا کہ اس کے پیچھے شانتا تھی...... مگر وہ بھی قدرے مختلف سی نظر آرہی تھی۔ میں پھر سابقہ انداز میں چونکا۔ کیوں کہ اس کے عقب میں ایک شخص اور تھا۔ جس کے بائیں ہاتھ میں خاصا لمبا اور خوف ناک قسم کا ریوالور تھا...... یہ عام قسم کا ریوالور نہ تھا اور ہر کسی کے پاس نہیں ہوتا تھا اور ہندوستان میں دو ایک بڑے شہروں میں دستیاب تھا۔ لیکن اسے زیادہ تر خطرناک اور سفاک قسم کے بدمعاش رکھتے تھے۔ اگر یہ ریوالور ایک عام آدمی دیکھ لے تو اس کی روح فنا ہو جائے۔ یہ بہت قیمتی بھی تھا۔ ہر کوئی خرید بھی نہیں سکتا تھا۔

ریوالور کی نال ترلوک کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اس شخص کے نقوش کلہاڑی کی طرح تیکھے تھے...... اور ہونٹ تیز دھار بلیڈ کی طرح باریک تھے...... اس کی آنکھیں خون خوار کتوں کی طرح تھیں۔ سیاہ تھیں، ان میں ایک خوفناک چمک تھی۔

"سیٹھی......؟ میرے ہونٹوں سے ایک سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔ اس نے شاید سنی نہیں۔ سنی تھی تو انجان بنا رہا۔

"تم پہیے پر نظر رکھو عقل مند آدمی......!" اور ہیرو بننے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ میں تمہیں جہنم رسید کردوں گا۔"

"مجھے اپنی زندگی بہت عزیز ہے سیٹھی......؟" میں نے کہا۔ "تمہارے ہر حکم کی بلا چوں و چرا تعمیل کروں گا۔ تم بے فکر رہو......" اس نے ترلوک کو بڑی بے دردی سے دیوار کی طرف دھکیل دیا۔ مجھے اس وقت اپنا ریوالور یاد آیا۔ اگر میں اسے رکھتا تو اس کی خبر لیتا...... اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ کئی تدبیریں تھیں۔ میں نے سیٹھی کا ذہن پڑھ لیا تھا۔ ڈر اور خوف کی بات نہیں تھی۔ اب بھی وہ ہمارا محتاج اور ہمارے رحم و کرم پر تھا۔ مجھے ایسی کوئی جلدی نہیں تھی کہ کسی تدبیر پر عمل کروں۔

اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں تھی کہ...... شانتا سیٹھی کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہی

تھی۔ وہ اس سے بالکل لگ کر کھڑی تھی۔ اس نے سیٹھی کے دائیں بازو کو اس طرح تھام رکھا تھا جیسے میرے بازو کو تھام رکھا تھا۔ یہ جو واقعہ پیش آرہا تھا میں اس کا منتظر تھا۔ اس لیے بھی کہ ہر واقعہ ڈرامے اور کہانی کا اختتام کلائمکس پر ہوتا ہے۔ اس کا کلائمکس آنے میں دیر تھا۔

"سیٹھی...... کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لانچ کا راستہ ابھی اور اسی وقت تبدیل کیا جائے......؟" میں نے کہا۔

"ہاں...... ہاں......" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن تمہیں میرا نام......؟ اخبار میں پڑھا ہوگا......؟" تصویر بھی دیکھی ہوگی...... میں اکیلا تھا ورنہ خفیہ کیمرا اور وڈیو فلم بھی نکال لے آتا...... لیکن یہ بتاؤ یہ تم نے کیسے اندازہ لگایا کہ میں تمہیں راستہ بدلنے کا حکم دوں گا...... کیا شانتا نے تم سے پہلے کہا ہوا تھا کہ ہم کہاں جائیں گے؟"

"ہاں شانتا نے کہا تھا...... لیکن اس نے کہا تھا کہ ہم ہنی مون مناتے ہوئے دبئی جائیں گے...... تم مدراس جا کر کرو گے کیا۔ تمہارے پاس جو دولت ہے...... جو تم لے جا رہے ہو اس کا صحیح مصرف دبئی میں ہے...... اس لیے میں نے اندازہ سے کہا تھا کہ کیا راستہ تبدیل کیا جائے...... میں راستہ تبدیل کر رہا ہوں۔ تم نہ کہتے بھی تو میں راستہ تبدیل کرتا۔ کیوں کہ شانتا مجھے دبئی لے جا رہی تھی۔ اس نے دبئی جا کر شادی کرنے کا پروگرام بھی بنایا ہے۔ تم اچانک آگئے اور سارا کام ختم کردیا۔ مزا کرکرا ہوگیا۔"

مجھے افسوس ہے کہ ہنی مون منانے کی حسرت تمہارے دل میں رہ گئی......" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔ "شانتا جیسی حسین لڑکی تم نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی...... اب تم سمندر میں کسی مچھلی کے ساتھ ہنی مون منانا......"

"سیٹھی...... تم نے وہ گانا سنا ہے...... دو دلوں کا نام ہے ہنی مون...... کل سے ہم ہنی مون منا رہے ہیں...... کل ماڈرن فلیٹ کے اپارٹمنٹ میں بغیر شادی کے اور غیر قانونی سہاگ رات تھی...... آج لانچ پر یہ دو مرتبہ مجھے بڑے والہانہ اور خود سپردگی سے خوش کر چکی ہے۔ میں نے دل کی تمام حسرتیں پوری کرلی ہیں۔ اب دل میں ہنی مون کا کوئی ارمان نہیں رہا ہے۔"

"اپنی بکواس بند کرو......" سیٹھی دہاڑا۔ شانتا کا چہرہ لمحے کے لیے زرد پڑ گیا تھا۔ وہ کچھ بولی تو نہیں لیکن اس نے مجھے گھورا اور اس کے چہرے کی زردی غصے میں بدل گئی۔ سیٹھی مجھے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔ "تم راستہ تبدیل کرو...... میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں کہ تم نے جو ہنی مون منایا وہ کیا تھا......؟ کیا تھا......؟ سمندر میں ہنی مون بھی منائیں گے کیا؟"

میں نے ترلوک کی طرف دیکھتے ہوئے راستے میں تبدیلی کی۔ ترلوک کی آنکھوں میں دبے

ہوئے غصے کے ساتھ ساتھ میرے لیے رحم کے جذبات بھی موج زن تھے اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ تاہم مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سینے میں خنجر اتار دیا ہو۔ ”تم ٹھیک ہی کہتے تھے ترلوک......“ مجھے یہ الفاظ کہنے کے لیے کافی جدو جہد کرنا پڑی تھی۔ میں ایسے الفاظ کہنا چاہتا تھا کہ ترلوک کا غصہ سرد ہو اور اسے دلا سا ہو۔ ”یہ حسینہ ہماری دوستی کی آڑ میں سیٹھی کو فرار ہونے میں مدد کرنا چاہتی ہے......“

میں نے جو شانتا کو فاحشہ کہا تھا اس نے شانتا کو بری طرح تپا دیا تھا۔ اس نے سیٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”سیٹھی......! میں اس سے صرف تمہارے کہنے پر بوسوں پر ٹرخانا چاہتی تھی......لیکن اس سؤر نے مجھے کھلونا بنا کر کھیلا...... میں اس لیے بھی اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی رہی کہ ہمیں یہاں سے فرار ہونا تھا۔ اس نے مجھے ایک وحشی کی طرح بھن بھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ میری ہڈیاں اب بھی درد کر رہی ہیں۔ میں نے یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے برداشت کیا......ورنہ میں اسے کب کا شوٹ کر چکی ہوتی سیٹھی !......اس سور کو بخشنا نہیں......“

شانتا کی بات سن کر سیٹھی نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے دو بھینسے آپس میں ٹکرا گئے ہوں۔ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اس آدمی کی آواز بھی اس قدر بھونڈی اور بے ہنگم اور اس کی طرح بدصورت ہوگی۔

”تمہیں اندازہ ہو گیا کہ میری محبوبہ شانتا......کیسی صلاحیتوں کی مالک ہے۔“ سیٹھی نے کہا۔ ”وہ جتنی خوب صورت ہے اتنی ہی ذہین بھی ہے......اور اس نے کس خوب صورتی سے تمہیں بے وقوف بنایا۔ بلکہ الو بنا دیا......شانتا نے کبھی شیخوں کو گھاس نہیں ڈالی۔ تم نے شاید یہ نہیں سوچا کہ ایک بے مثال حسین عورت تم بھی کیوں اور کس لیے مرمٹی ہے۔ تم نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی......لنگور دکھائی دیتے ہو۔ تم نے شانتا کو جبر و زیادتی سے نشانہ بنایا۔ کھلونا بنایا......شانتا تم جیسے لنگوروں پر تھوکتی بھی نہیں ہے......خچر کی اولاد......“

سیٹھی کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ میں شانتا کو کھلونا بنا کر جی بھر کے کھیل چکا ہوں۔

میں نے یہ تاثر دیا کہ میں اس توہین پر غصے سے دیوانہ ہو گیا ہوں۔ میں نے سیٹھی پر اس طرح سے چھلانگ لگائی جیسے انجام سے بے پروا ہو گیا ہوں۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور ہونے کے باوجود مجھے موت کا کوئی خوف نہیں ہے......مگر ترلوک برقی سرعت سے راستے میں حائل ہو گیا۔ اس نے مجھے اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا تھا۔ سیٹھی نے فوراً ہی آگے بڑھ کر میرے سینے سے نال لگا دی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ میں بے خوفی سے اس پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔

”یہ تم کیا حماقت کر رہے ہو۔“ ترلوک نے مجھے بری طرح جھن جھوڑ دیا۔ ”اس قسم کی حرکتوں سے ہمیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔“

”دیکھو......تمہارا دوست کتنا سمجھدار اور دور اندیش ہے۔“ سیٹھی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”بہتر ہے کہ تم اس کا مشورہ گرہ میں باندھ لو۔ احمق آدمی......ہمیں ہر قیمت پر دبئ پہنچنا ہے۔ اس لیے ہم یہ پاپڑ بیل رہے ہیں۔“

شانتا! تم نے مجھے دھوکا دیا...... مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی......؟‘ میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ میں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ اندر ہی اندر جوالا مکھی کی طرح کھول رہا ہوں۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ میں اس سے بڑا اداکار ہوں۔

شانتا کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی اور اس نے مجھے فاتحانہ نظروں سے دیکھا اور طنزیہ لہجے میں بولی۔

”دراصل...... مجھے ایک ایسی لانچ کی ضرورت تھی جو تیز رفتار ہو اور اس میں دو سے زیادہ آدمی نہ ہوں...... میں نے دیکھا کہ تم دونوں احمق قسم کے ہو۔ اور ہماری مشکل اس لانچ سے حاصل ہو سکتی ہے گودی پر پتا چلا تھا کہ تمہاری لانچ سب سے زیادہ تیز رفتار ہے......پھر میں نے گودی پر ایک آدمی سے تم دونوں کے بارے میں معلوم کیا تھا۔ اس شخص نے بتایا تھا کہ تم چھڑے آدمی ہو......ترلوک بال بچے دار ہے۔ میں نے اس لیے تم پر ڈورے ڈالے۔ چوں کہ تم تجرد کی زندگی گزار رہے تھے اس لیے آسانی سے پھنس سکتے تھے اور میرا جادو تم پر چل گیا۔ تم نے میری خاطر اپنے دوست سے ناراضگی بھی لی۔ میں نے تمہیں ایسا الو بنایا کہ تم ساری زندگی یاد کرو گے......؟سؤر......؟“

لیکن میں گھاٹے میں کہاں رہا......؟“ میں مسکرا دیا۔ ”میں نے تم سے خوب فائدہ اٹھایا۔ مفت میں جی بہلایا۔ جب کہ تم دبئ میں جب اپنا منہ کالا اور راتیں کالی کرتی ہو تو اتنی رقم لیتی ہو کہ کوئی دوسرا اس کا اندازہ نہیں کر سکتا...... یہ سیٹھی جو تمہارا یار غار اور دلال ہے وہ تمہارے لیے گاہک تلاش کرتا ہے۔ اس نے تمہاری بے حجاب تصویروں کی البم بنا رکھی ہے جو مال دار گاہکوں کو دکھا کر انہیں پھانستا اور دولت کماتا ہے کیا تم ایک طوائف نہیں ہو؟“

”یہ...... یہ بات تمہیں کس نے بتائی......؟“ شانتا بھونچکی ہو گئی۔ ”یہ جھوٹ ہے۔ تم اندھیرے میں تیر چلا رہے ہو۔“

”تم نے اور کس نے......؟“ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”تمہارے فرشتے بتانے سے رہے......تم نے بتایا تھا کہ میں نے دبئ میں شیخوں سے اتنی دولت کما چکی ہوں کہ عیش سے زندگی

گزاریں گے۔ ہم میاں بیوی بن کر رہیں گے۔''

''یہ جھوٹ ہے...... یہ جھوٹ ہے......'' وہ تکرار کے انداز میں چیخ پڑی۔ ''تم مجھے سیٹھی سے بدظن کر رہے ہو۔''

''لیکن یہ بات اس کے علم میں آئی کیسے......؟'' سیٹھی نے کہا۔ ''تم نے یقیناً اسے بتایا۔ یہ غلط بات نہیں ہے۔''

''میں بتاتا ہوں......'' میں نے کہا۔ ''شراب کے نشے میں دھت اس نے مجھے تمہارے بارے میں بہت ساری باتیں بتائی تھیں۔''

''میرے بارے میں......؟'' سیٹھی اچھل پڑا۔ ''اس نے کیا کیا باتیں بتائیں مجھے بتاؤ۔ تم میرے بارے میں کیا جان چکے ہو۔''

''اس نے بتایا کہ تم غنڈہ، بدمعاش اور خودغرض شخص ہو۔'' میں اس کا ذہن پڑھتے ہوئے کہنے لگا۔

''دولت کے بھوکے......تم نے دولت کے حصول کے لئے اپنی دو جوان بہنوں کو شیخوں کے ہاتھوں بیچ دیا......پھر تم ہندوستان سے لڑکیاں لا کر یہ دھندا کرنے لگے......پھر تم نے دبئی میں ہی شانتا کو پھانسا۔ اسے دھوکا دے کر ایسی تصویریں بنائیں کہ بلیک میل کر سکو......تم زیر زمین دنیا کے آدمی ہو اور تم نے چھ قتل کیے......جن میں دوستوں کی دو بیویاں بھی ہیں۔ تم نے تیرہ برس کی دو لڑکیوں کی آبروریزی کی اور انہیں قتل کر دیا کہ کہیں وہ تمہارے بارے میں نہ بتا دیں۔ اس کے علاوہ تم نے دو تین ڈکیتیاں بھی کیں۔ شانتا نے اپنے بارے میں یہ بتایا کہ وہ دو عورتوں کو قتل کر چکی ہے۔ وہ ایک داشتہ کی اولاد ہے۔ اور بھی اس نے بہت کچھ بتایا تھا۔ میرے خیال میں اتنا ہی کافی ہے کہ تم بھی ناجائز اولاد ہو......''

دونوں بھونچکے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ سیٹھی کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ اس نے تیزی سے کہا۔ ''اس وقت ان باتوں کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اس موضوع پر تم سے کسی اور وقت بات ہو گی......لیکن میں یہ بتا دوں کہ سب جھوٹ ہے۔ تمہارا قیاس ہے۔ شانتا شراب کے نشے میں دھت ہو کر بھی خود کو قابو میں رکھتی ہے۔ یہ تمہاری اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔''

میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا لیکن وہ دونوں اندر ہی اندر تلملا رہے تھے۔ ترلوک نے شانتا سے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''یہ کب اور کس وقت لانچ میں سوار ہوا تھا؟ مجھے اور میرے دوست کو پتا ہی نہیں چلا۔ پتا چلا تو میں تم دونوں کو اتار دیتا۔''

''جب میں شام کے وقت گاڑی میں آئی تھی اس وقت سیٹھی گاڑی میں چھپا ہوا تھا۔ میں تمہارے دوست کو تمہارے گھر لے آئی تا کہ یہ لانچ کی روانگی کے وقت تک چھپا رہے۔ اس طرح تم دونوں کو لانچ سے ہٹانے میں کامیاب رہی تھی۔ سیٹھی کے لیے اتنا موقع کامیاب تھا۔ اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں تھی۔ تم دونوں آسانی سے بے وقوف بن گئے۔''

''تم بہت ہی خطرناک آدمی ہو سیٹھی......!'' ترلوک نے اسے نفرت بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔ ''تم نے دو آدمیوں کو قتل کیا اور ایک عورت کو گولی مار دی...... پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم مجھے اور میرے دوست کو بھی قتل کر دو۔ لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا بلکہ تمہارے جرائم کی فہرست میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ کوئی قانون کی زد سے کبھی نہیں بچ سکا۔ تمہیں ان جرائم کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ یہی حال اس حرافہ عورت کا بھی ہو گا جو تمہاری مدد کر رہی ہے۔''

''ترلوک......'' یہ تم بھینس کے آگے بین کیوں بجا رہے ہو؟'' میں نے اسے ٹوکا۔ سیٹھی کی نگاہیں تیزی سے بدلتی جا رہی تھیں۔

''میں یہ بات کہنے پر اس لیے مجبور ہوں کہ اس خبیث شخص نے ہماری بے مثال دوستی کو دشمنی میں تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی......'' وہ بے خوفی سے بولا۔ ''اس حرافہ نے تمہیں میرے خلاف ورغلایا بھی۔ میں اس بات کو ہرگز ہرگز نہیں بھول سکتا۔''

''شانتا کے بارے میں...... کوئی بھی اس قسم کی بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتا طوطے......'' سیٹھی نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں نے کون سی غلط بات کہہ دی...... کیا یہ حرافہ نہیں ہے......؟ فاحشہ اور بدچلن نہیں ہے......؟ طوائف نہیں ہے......؟ کیا بردہ فروشی نہیں کرتے ہو......؟ اس کی کالی راتوں کی کمائی نہیں کھاتے ہو...... یہ اب تک جانے کتنے مردوں سے میلی ہو چکی ہے۔ میرے دوست کو بھی گندا کر دیا...... کیا ایک عورت جو......'' اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ کیوں کہ نفرت، غصے اور ہیجان سے ترلوک کے سینے میں سانسیں پھول رہی تھیں۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

ترلوک نے سیٹھی کی سخت تنبیہ کے باوجود جو کہنا تھا اس نے صاف طور پر کہہ دیا تھا۔ اسے موت کا کوئی ڈر اور خوف نہیں رہا تھا۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ سیٹھی ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ لہٰذا جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو......ترلوک نے جیسے جلتی پر تیل ڈال دیا تھا۔ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ سیٹھی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر...... سیٹھی کے چہرے پر درندگی ابھر آئی اور اس کی سؤر جیسی آنکھوں میں سفاکی جھلکنے لگی۔ اس کے تیور خطرناک ہونے لگے۔ وہ تنہا ہی نبرد آزما ہونے

کے لیے پر تولنے لگا۔ اس نے اپنی مٹھیاں اور دانت بھی بھینچ لیے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

ترلوک نے غیر محسوس انداز سے اشارہ کیا تھا...... میں نے اس کے اشارے کو سمجھتے ہوئے نہایت تیزی سے لانچ کا پہیہ گھما دیا۔ سیٹھی بھی ڈگ مگایا۔ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ دوسری طرف سے ترلوک اس پر کسی عقاب کی طرح جھپٹا۔ اس وقت شانتا کے ہاتھ میں جو کافی کا مگ تھا وہ اس نے ترلوک کے سر پر دے مارا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

میں سیدھا سیٹھی پر آیا تھا۔ وہ غافل نہ تھا۔ وہ ایک چھٹا ہوا بدمعاش اور قاتل تھا۔ خطرناک بھی تھا۔ زیر زمین کا تھا اس نے ایک جانب پھرتی سے ہو کر پوری قوت سے ریوالور والا ہاتھ اٹھایا ریوالور کی نال میری بائیں آنکھ سے ٹکرائی اور فوراً ہی خون سے بھر گئی۔ پھر اس نے مجھے سنبھلنے کی مہلت نہیں دی۔ اس نے میری ٹانگ پر ٹھوکر لگائی تو میں دیوار سے جو کیبن کی تھی گھٹنا پکڑ کر ٹکرایا تو پھر اٹھ نہ سکا۔ اس کے پیر میں بڑی طاقت اور جان تھی۔ وہ کوئی عام قسم کا بدمعاش نہ تھا۔ اس نے بینک میں تنہا ڈکیتی کی دلیرانہ واردات کی تھی۔ وہ کیسا جرم پیشہ تھا اس کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔

ترلوک کو حملہ کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا کہ...... سیٹھی نے اس کے پیٹ میں ٹھوکر مار کر اسے دوبارہ لڑھک جانے پر مجبور کیا۔ سیٹھی پر جیسے جنون سوار ہو گیا تھا۔ ترلوک کے قریب پہنچ کر سیٹھی نے ایک گھٹنا فرش پر ٹکا دیا اور اس کے جھریوں سے بھرے چہرے پر دونوں ہاتھوں سے تھپڑ لگائے۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ اور پھر اس نے ترلوک کی پسلیوں میں ایک بھرپور ٹھوکر لگائی۔ پھر اسے کونے میں اچھال دیا۔ ترلوک کو اس نے جیسے فٹ بال بنا دیا تھا۔ وہ سیٹھی کے خلاف کچھ نہ کر سکا۔

میں فرش پر پڑا یہ سب کچھ بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت مجھے اپنا ریوالور بہت یاد آیا تھا۔ اگر ریوالور ہوتا تو اس وقت واقعہ ہی کچھ اور ہوتا...... بہر حال جو نہیں ہونا تھا وہ ہو رہا تھا۔ سنگ دلانہ مار پیٹ کی وجہ سے سیٹھی خود بھی بری طرح ہانپ گیا تھا۔ وہ اور شیر ہو رہا تھا۔ پسینے میں شرابور بھی ہو گیا تھا۔ تاہم اس نے ریوالور کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ اس لیے اس کا مقابلہ ایک سے نہیں دو آدمیوں سے تھا۔ وہ کسی بھی وقت اس پر بھاری پڑ سکتے تھے۔ وہ ہمیں کوئی موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔

شانتا نے کیبن کے دروازے سے ٹیک لگا کر اپنے لیے ایک سگریٹ سلگائی۔ پھر جلتی ہوئی دیا سلائی میری طرف اچھال دی۔ سیٹھی کیبن کے وسط میں ٹانگیں پھیلائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کے ریوالور کا رخ اب میری جانب تھا۔ وہ تڑختے لہجے میں بولا۔

''اب اگر تم دونوں نے ایسی حرکت کی تو تمہیں سمندر میں پھینک دوں گا...... گولی مار کر...... سمندر کی مچھلیاں بہت بھوکی ہو رہی ہوں گی۔ انہیں یوں بھی انسانی گوشت ایک لذیذ ڈش کی طرح مزے دیتا ہے۔ بڑا ذائقہ دار ہوتا ہے۔''

میں نے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسے یہ تاثر دے رہا تھا کہ میں بہت ڈر گیا ہوں...... وہ مجھ سے قریب نہ تھا۔ اتنی دور تھا کہ میں جست لگاتا تو اس پر جا تا نہیں تھا۔ چند منٹ پہلے میں اپنے آپ کو کام میں لا سکتا تھا۔ مگر اب اس کے ہاتھ میں ریوالور کے باعث میں مجبور ہو گیا تھا۔ جب میں نے ٹھیک سے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو درد کی ایک لہر ٹانگ میں اٹھی تھی۔ میں ٹانگ پکڑ کر رہ گیا۔ یہ سب دکھاوا تھا۔ ایسی چوٹ کا میں عادی تھا۔ لیکن اسے بے وقوف بنانے اور اپنے آپ کو کم زور ثابت کرنے کے لیے اداکاری کی ضرورت تھی۔ ایسے لوگ جو اپنے آپ کو عقلمند سمجھتے ہیں وہ پہلے بے وقوف بنتے ہیں۔ وقت ایسا تھا کہ صبر اور تحمل سے کام لینا تھا۔ بہادری دکھانے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔

شانتا نے سگریٹ کا ایک لمبا سا کش لے کر دھواں میری طرف پھونکا۔ وہ مجھے فاتحانہ نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ حالاں کہ اس وقت میں ان کے رحم و کرم پر تھا لیکن ان کے ذہن سے معلوم کر چکا تھا کہ وہ دبئی تک پہنچنے تک میرا اور ترلوک کا قصہ ختم نہیں کریں گے۔ دبئی بہت دور تھا۔ کئی دنوں کا سفر تھا۔ سفر کے دوران ایسا کوئی موقع مل سکتا تھا کہ ان دونوں کو زیر کر لوں۔ کسی صورت میں ریوالور کا حصول تھا۔ ریوالور اس وقت ہاتھ لگ سکتا تھا کہ سیٹھی کو قابو میں کر لوں۔ سیٹھی یہ بات بھی جانتا تھا کہ ریوالور کی اہمیت کیا ہے......؟ ایک طرح سے جان کی طرح عزیز ہے۔ اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

لانچ میں ایک اندازے اور موٹے موٹے حساب کے مطابق ایک ارب کے لگ بھگ رقم تھی۔ ایک طرح سے یہ ایک خزانہ تھا۔ سیٹھی نے بہت اونچا ہاتھ مارا تھا۔ اس کے ارادے کیا تھے شانتا اس سے بے خبر تھی۔ اگر میں اسے بتاتا تو وہ میری بات کا یقین نہ کرتی۔ سیٹھی نے اسے چھ ماہ سے داشتہ بنا کر رکھا ہوا تھا۔ دبئی کے قریب وہ ہم تینوں کو موت کے گھاٹ اتار کر دولت لے جانا چاہتا تھا۔ شانتا ایک ایسا دسترخوان تھی جس سے وہ سیر ہو چکا تھا۔ اب اسے شانتا میں کوئی کشش نظر نہ آتی تھی۔

دولت ہو تو شانتا سے کہیں حسین لڑکیاں مل سکتی تھیں۔ دولت ہو تو کیا چیز نہیں مل سکتی ہے۔ سیٹھی نے شانتا کو مہرہ بنایا تھا۔ وہ شانتا کی مدد کے بغیر فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ دبئی میں اس کی ایک اور محبوبہ تھی۔ وہ ڈکیتی کی واردات کرنے کے بعد سیدھا وہاں پہنچا تھا۔ وہ ایک

فلیٹ میں رہتی تھی۔ اس نے یہ سات دن اور راتیں اس کے ساتھ گزاری تھیں۔ جب وہ وہاں سے آ رہا تھا اس نے اپنی محبوبہ کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا تھا۔ شانتا اس فریب اور خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ سیٹھی صرف اس کا ہے اور اس دولت میں اس کا نصف حصہ ہے۔ وہ بھی ایک جرم پیشہ تھی۔ قاتل تھی۔ قانون کو مطلب تھی۔

شانتا دولت سے کم نہیں تھا۔ وہ کشش کے خزانے سے بھر پور تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے یہ سوچا تھا کہ وہ اس راستے پر کیوں چل پڑی۔ وہ ایک اچھی عورت، اچھی بیوی اور ماں بھی بن سکتی تھی۔ بے رحم حالات اور خوابوں نے اسے ان جانے راستے پر ڈال دیا تھا۔ میں یہ بات جانتا تھا کہ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ کیوں نہ ہو تھوڑی بہت لگاوٹ کی باتیں کر لی جائیں۔

"میری جان شانتا......!" میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "ایک بوسہ نہ سہی ایک سگریٹ تو پلا دو۔ میرے پاس آؤ۔"

"نہ......نہ......" فوراً ہی سیٹھی نے چیخ کر کہا۔ "اس کے پاس نہ جانا۔ ورنہ یہ تمہیں دبوچ کر دست درازی شروع کر دے گا۔"

"سیٹھی یار......!" میں نے قدرے بے تکلفی سے کہا۔ "مجھے دست درازی کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ میں اس کے ساتھ بہت اچھا وقت گزار چکا ہوں۔ اس نے مجھ سے محبت کے عہد و پیمان کیے۔ میں اس کی مہربانی اور فیاضی کو کبھی بھلا نہیں سکتا۔ نہ وہ شیخ اسے بھلا سکے ہوں گے جن پر اس نے اپنے آپ کو نچھاور کر دیا۔ اس نے مجھے ایسا اسیر بنا لیا ہے کہ میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔ لیکن یار سیٹھی......! تم اس غریب کو موت کی نیند کیوں سلا دینا چاہتے ہو؟"

"یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو......؟" سیٹھی بگڑ کر برہمی سے بولا۔ وہ دل میں بھونچکا تھا کہ اس بات کی مجھے کیوں کر اور کیسے خبر ہوئی۔ "میں کیوں اسے موت کی نیند سلاؤں گا؟ یہ میری محبوبہ ہے۔ محبت ہے۔ ہم دونوں شادی کرنے والے ہیں۔"

"سیٹھی......مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے ہو۔" شانتا بولی۔ "وہ میری زندگی ہے۔ میری آتما ہے۔ میری جان ہے......اسے کیا ضرورت پڑی کہ مجھے موت کی نیند سلا دے۔ وہ میرے بغیر ایک دن نہیں رہ سکتا ہے۔"

"میں بتاتا ہوں کہ وہ تمہیں کیوں اور کس لیے موت کی نیند سلانا چاہتا ہے......" میں نے سیٹھی کی طرف پہلے دیکھا پھر شانتا کی طرف جس کے چہرے پر میرے لیے نفرت کی سرخی تھی۔

"وہ تم سے چھ ماہ سے محبت کے نام پر فریب دے رہا ہے اس نے تمہیں بہت بری طرح پامال کیا اور روندا......اسی طرح شیخوں نے......اس نے تمہارے سودے کر کے بہت مال کمایا......اس نے

بینک میں ڈکیتی کی، ایک ارب کا مال اس کے ہاتھ لگا ہے۔ اسے اس بات کا بھی ذرا اور خوف ہے کہ کہیں تم نصف حصہ نہ طلب کر لو......نہ دینے کی صورت میں تم اسے پھنسا نہ دو......اور پھر اس کے ماضی اور جرائم سے خوب واقف ہو چکی ہو اور تمہارے پاس اس کے خلاف ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔ تم کسی بھی وقت مار آستین ثابت ہو سکتی ہو۔ کیوں نہ زہریلی ناگن کا سر کچل دیا جائے۔ اور پھر مال میں سے نصف حصہ بھی نہ دینا پڑے گا۔"

سیٹھی اس طرح سے اچھلا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ بجلی کی ننگی تار کو چھو لیا ہو اسے یقین نہیں آیا کہ ایک ایسا راز جو اس کے سینے میں دفن ہے اس کی مجھے خبر کیسے ہو گئی......؟ میں نے جو باتیں کہی تھیں ان میں ایک بات بھی غلط نہ تھی......اس کے چہرے پر بارہ بجنے لگے تھے اس کا بس چلتا تو وہ مجھے گولی سے اڑا دیتا۔ چوں کہ اسے مال و دولت سمیت دبئی پہنچنا تھا اور اتنی بڑی لانچ سمندر سے گزار کر لے جانا مذاق نہیں تھا۔ اس کے بس کی بات بھی نہ تھی۔

"تم......؟ تم......؟" شانتا بولی۔ "تم مجھے سیٹھی سے بدظن کر رہے ہو تا کہ میں تمہارا ساتھ دوں اور تم سارا مال ہڑپ کر لو......تم ہم دونوں کو آپس میں لڑا رہے ہو۔ سیٹھی کو میں جتنا جانتی ہوں تم یا کوئی اور بھی نہیں جانتا ہے۔ میں تمہاری باتوں میں نہیں آنے کی......میرا سیٹھی......میرا محبوب اور میرا ساتھی ہرگز ایسا نہیں ہے۔ تم اپنی چونچ بند رکھو۔"

"شاباش شانتا......!" سیٹھی نے اس کے قریب ہو کر اسے اپنی آغوش میں لے کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "تم نے اسے جو جواب دیا اس نے اس کی طبیعت صاف کر دی ہو گی۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میں تمہیں ہلاک کر دوں......میں ان دونوں کو بھی سمندر برد نہیں کروں گا۔ اس شرط پر کہ یہ ہمیں دبئی پہنچا دیں۔ میں انہیں انعام بھی دوں گا۔ دو لاکھ روپے نقد۔"

میں نے اس کی بات کا جواب دینے سے پہلے ترلوک کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ مسخ نظر آ رہا تھا۔ پھر میں نے شانتا پر نظر ڈالی جو سیٹھی کی آغوش میں بڑی جذباتی ہو رہی تھی۔ ترلوک کا خیال یہ تھا کہ اگر میں اس کی بات مان لیتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ ترلوک اسے دل میں گالیاں بک رہا تھا۔ مجھے سیٹھی جلا رہا تھا شانتا کو پیار کر کے......

"شانتا......!" میں نے کہا۔ "تم اس کی باتوں میں نہ آنا ورنہ بے موت ماری جاؤ گی......اس نے تمہیں مہرہ بنا کر اپنا مقصد پورا کر لیا۔ اس سے فوراً یہ پوچھو کہ مس کلاڈیا کون ہے جو اس کے فلیٹ میں رہ رہی ہے۔"

"یہ کلاڈیا کون ہے......؟" شانتا نے اس کے بازوؤں میں کسمسائی اور پوچھا۔ "کیا وہ تمہارے فلیٹ میں رہ رہی ہے؟"

سیٹھی ...... میں یہ کیا سن رہی ہوں ......؟'' کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟'' شانتا اتنا کہہ کر اس کے بازوؤں کی گرفت سے نکل آئی۔

سیٹھی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کا دل و دماغ بری طرح چکرا گیا تھا اور اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ...... میں کلاڈیا کے بارے میں کیسے اور کیوں کر جانتا ہوں۔ میں نے جو کہا تھا وہ بالکل سچ تھا۔ اس نے اس بات کو شانتا سے بھی راز رکھا تھا۔ میرے انکشافات اس پر بجلی گرا رہے تھے۔ وہ جلد ہی سنبھل گیا۔

''شانتا......! یہ سور...... گپیں ہانک رہا ہے۔ اندھیرے میں تیر چلا رہا ہے۔'' سیٹھی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں کسی نہ کسی طرح میرے خلاف کر کے اپنا الو سیدھا کر لے۔ ہمارے پاس جو دولت ہے اس پر قبضہ کر لے۔ ہمیں سمندر میں پھینک دے۔ اس کی شاطرانہ باتوں میں نہ آؤ۔ اس کی ایک نہ سنو......''

''شانتا میری جان......! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کلاڈیا کون ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کلاڈیا کا پورا نام...... کلاڈیا کارمن ہے۔ یہ فرانسیسی رقاصہ ہے۔ پیرس کے ایک نائٹ کلب میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی تھی...... دو ماہ سے وہ دبئی میں گولڈن نائٹ کلب اور نجی محفلوں میں اپنے آزادانہ فن کا مظاہرہ کر کے شیخوں سے خوب دولت لوٹ رہی ہے۔ سیٹھی نے اسے اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔ بیس دن پہلے سیٹھی نے تمہیں یہ کہہ کر ممبئی روانہ کر دیا تھا کہ میں آ کر ڈکیتی کی ایسی زبردست واردات کروں گا کہ ساری دنیا اور پولیس دنگ رہ جائے گی۔ میرا یہ عظیم کارنامہ عقل حیران کر دے گا لوگ عش عش کر اٹھیں گے...... پھر تم ہندوستان آ گئیں۔ ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے کر رہنے لگیں۔ کیا یہ غلط ہے؟''

''نہیں......'' شانتا نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ ''یہ بات غلط نہیں ہے۔ لیکن یہ بات میں نے تمہیں تو نہیں بتائی تھی۔ مگر تم......؟''

''میری جان......! میرے دل کی ملکہ......! راحت جان...... بس تم خاموشی سے میری بات سنتی جاؤ۔'' میں نے درمیان میں تیزی سے کہا۔ ''اگر مگر کے سوال مت کرو...... کلاڈیا کارمن جس فلیٹ میں رہ رہی تھی وہ ایک لگژری ہوٹل کا تھا۔ ایک سوٹ سے کہیں آراستہ...... لیکن اس کا کرایہ ہوش ربا تھا۔ سیٹھی کا جو فلیٹ ہے وہ بھی وی آئی پی ہے۔ کسی شاہی محل کی طرح ہے۔ یہ ایک ہندوستانی بزنس مین ہری ناتھ کشن کا ہے۔ اس کی بیوی جو ایک عام قسم کی عورت ہے اس سے سیٹھی نے تعلقات استوار کر لیے۔ میاں بیوی افغانستان گئے تاکہ ہیروئن یورپ لے جائیں۔ اس کی چابی سیٹھی کو دے گئے۔ میاں بیوی منشیات لے جاتے ہوئے لندن ایئرپورٹ پر دھر لیے گئے۔

انہیں سات برس کی سزا ہوگئی۔ گو کہ کلاڈیا کارمن کی اتنی آمدنی تھی کہ وہ اس کا کرایہ ادا کر سکتی تھی۔ سیٹھی نے اسے اپنے فلیٹ پر رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ اسے یہ فلیٹ بہت پسند آیا۔ سیٹھی نے پیش کش کی کہ ایک شرط پر رہائش مفت میں اختیار کر سکتی ہے کہ بیوی اور محبوبہ کی طرح رہے۔ پھر ان کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا۔ اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں ہے۔''

''تم ایک بہترین کہانی نویس بن سکتے ہو......؟'' سیٹھی اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولا۔ ''تمہارے اندازے۔'' قیاسات اور کہانیاں بہت دل چسپ اور حیرت انگیز اور سنسنی خیز ہیں۔ فرصت میں سنیں گے۔ ذرا اپنے دوست کی خبر لو......''

''آخر تم نے بحری راستے سے فرار ہونے کا منصوبہ کیوں بنایا؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔ دراصل میں اسے باتوں میں لگانا چاہتا تھا۔ میں نے لانچ کا پہیہ دوبارہ سنبھال لیا۔ میری باتوں اور انکشافات نے اس کا خون خشک کر دیا تھا۔

''اس لیے کہ یہ واحد اور آسان راستہ ہے۔'' سیٹھی نے جواب دیا۔ ''پولیس والوں کا خیال اس طرف بھولے سے بھی نہیں آ سکتا۔ ان میں اتنی عقل کہاں ہوتی ہے۔ تم نے دیکھا اور سنا ہوگا کہ پولیس جب کسی اصل مجرم کو پکڑنے میں ناکام ہو جاتی ہے تو وہ کسی بھی بے گناہ کو پکڑ کر اپنی اہلیت اور کارکردگی ثابت کرتی ہے۔ انہوں نے چاروں طرف کے راستوں کی ناکہ بندی کر دی ہے۔ مگر انہیں ماہی گیروں کی لانچوں کا کوئی خیال نہیں آیا اور نہ آ سکتا ہے۔''

''سیٹھی......! واقعی تم بہت ذہین اور باصلاحیت ہو۔'' میں نے کہا۔ ''تم نے جو تنہا اتنی بڑی دلیرانہ ڈکیتی کی واردات کی ہے میں اب اور اس وقت دل میں عش عش کر رہا ہوں۔ اس کارنامے کی داد نہ دینا بدذوقی ہے۔''

وہ خوش ہوگیا تھا۔ لیکن اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی میں اس کا کوئی جواب سننا چاہتا تھا۔ پھر میں اس سے اور شانتا سے پوری طرح بے نیاز اور بے پروا ہو کر شیشے کے پار سمندر کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ شانتا اور سیٹھی کی سرگوشیاں ترلوک بھی سن رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے بشرے سے ایسا لگ رہا تھا کہ ان سرگوشیوں نے اس کے جسم میں تھرتھری پیدا کر دی ہے۔ اس کے ذہن میں کیا تھا اس وقت میرے ذہن میں منتقل ہوگیا۔ وہ اپنی بیوی اور بچوں کی طرف سے پریشان تھا۔ یہ خیال رہ رہ کر اسے کسی زہریلے سانپ کی طرح ڈس رہا تھا کہ اگر اسے کچھ ہوگیا تو ان کا کیا ہوگا؟ وہ میرے پاس یا قریب ہوتا تو میں اسے دلاسا دیتا۔ تاہم میں بہت مطمئن اور پرسکون تھا۔ مجھے وقت کا انتظار تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ لمحہ اور وقت ضرور آئے گا جس کا میں منتظر ہوں۔ صبر اور انتظار کی بات تھی۔ شرط صبر کی تھی۔

وہ دونوں میرے عقب میں تھے۔ چوں کہ اب ان دونوں کو اس بات کا اندیشہ نہیں رہا تھا کہ میں اور ترلوک اس پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ اس نے اپنی دانست میں ایسا سبق دے دیا تھا کہ ہمارے ہوش ٹھکانے آ گئے تھے۔ وہ اس بات سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ شیشے میں ان کی حرکتیں صاف نظر آ رہی تھیں جس سے وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ جذبات کی رو میں بہہ رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنی کامیابی کا جشن منا رہے ہیں۔ بہک اور چہک رہے تھے۔ ان کا بس چلتا تو وہ کیبن میں جا کر حد سے تجاوز بھی کر جاتے۔ میری موجودگی نے انہیں باز رکھا ہوا تھا۔

میرے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی تھی۔ کیوں کہ ترلوک شدید زخمی تھا۔ ان دونوں نے اس کی خبر گیری نہیں کی تھی۔ میں اس لیے بھی ترلوک کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا کہ اس حالت میں بھی سیٹھی کا ریوالور ہاتھ آزاد تھا۔ وہ مجھ سے غافل نہیں ہوا تھا۔ اسے ترلوک کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ کیوں کہ ترلوک قابل رحم حالت میں پڑا ہوا تھا۔

میں نے لانچ کی رفتار تیز کر دی تو سمندر کی لہروں پر وہ ڈولنے لگی۔ شانتا نے اس کے بازوؤں سے نکل کر اپنا حلیہ درست کیا۔ سیٹھی نے اس کا لباس اور بال بے ترتیب کر دیئے۔ چند لمحوں کے بعد وہ دونوں میرے پاس آ گئے۔ کھڑے ہو گئے۔

''کیا تم پھر گڑبڑ کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟'' سیٹھی نے مجھے مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے تیز و تند لہجے میں پوچھا۔

''اس میں اتنی عقل کہاں ہے......؟'' شانتا نے میرے ہاتھ سے وھیل لیتے ہوئے مجھے ایک دھکا دے کر ہٹا دیا۔ ''تم نے دیکھا نہیں یہ کتنی سادگی سے میری بچھائے ہوئے جال میں آ پھنسا تھا۔ یہ جو بکواس کر رہا تھا کہ اس پر میں مہربان ہوئی ہوں یہ فضول ہے۔ میں نے اسے صرف وہ ایک مرتبہ من مانی کرنے دی تھی اور اسے شادی کا چارہ ڈالا تھا۔''

میں شانتا کی بات سن کر دل میں ہنس پڑا تھا۔ میں نے سوچا کہ ان کے سامنے ثبوت پیش کروں۔ میں کچھ باتیں بتاتا تو شانتا اس ثبوت کو کسی قیمت پر جھٹلا نہیں پاتی اور سیٹھی بھی میری بات اور اس ٹھوس ثبوت کو تسلیم کر لیتا۔ پھر شاید شانتا اس بات کو برداشت نہ کرتی اور سیٹھی سے کسی بہانے سے ریوالور لے کر مجھے اور ترلوک کو نشانہ بنا دیتی۔ وہ سیٹھی کو ہر طرح سے بے وقوف بنا رہی تھی۔ دراصل اس کے ذہن نے میری باتوں سے نتیجہ اخذ کرک یاس لمحے ایک منصوبہ بنا لیا تھا۔ اسے میری بہت ساری باتوں کا یقین آ گیا تھا۔ اس میں اس نے سچائی تسلیم کر لی تھی۔ اس نے میری ان باتوں کو اس لیے جھٹلایا تھا کہ کہیں اس سے بدک نہ جائے۔ وہ ایک ایسے موقعے کی تلاش میں تھی کہ سیٹھی کو قابو میں کر لے اور اس کا ریوالور مل جائے سارا کھیل اس ایک ریوالور کا تھا۔ وہ

سب سے پہلے سیٹھی کو جہنم رسید کرنا چاہتی تھی۔

''شانتا!......میری جان......!'' سیٹھی نے کہا۔ ''کیا میں بچہ ہوں......؟ یہ سؤر ہم دونوں میں نفاق اور پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس کی جھولی میں نہیں گری ہو۔ مجھے تم پر بھروسا ہے۔ اس کی بات کی کوئی پروا نہ کرو......ہمیں دبئی پہنچنا ہے۔ بس میں اتنا چاہتا ہوں کہ یہ دونوں حرام زادے فلمی ہیرو بننے کی کوشش نہ کریں۔''

''کیا اب میں اپنے دوست کے پاس جا سکتا ہوں؟'' میں نے سیٹھی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''اس کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔''

سیٹھی نے اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔ ''لیکن دیکھو......اس بہانے کوئی شرارت نہ کرنا۔ شرافت سے رہنا، جاؤ......''

ترلوک نے خود پر قابو پا کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے اٹھنے میں مدد دی۔ پھر اس کے چہرے سے خون صاف کیا۔ پھر اس کے سینے پر پٹی باندھی۔ اور پھر اسے نسبتاً آرام سے لٹا دیا۔ اس کا تنفس مدھم اور بھاری تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس کی دو ایک پسلیاں ٹوٹ چکی ہوں گی۔ اس وقت سیٹھی کسی عقاب کی طرح چوکنا تھا اور اس نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی توجہ مجھ پر سے نہیں ہٹائی تھی۔ شانتا جو وھیل سنبھالے ہوئے تھی وہ بھی ہماری طرف وقفے وقفے سے دیکھے جا رہی تھی۔

ہم دونوں دوبارہ وھیل ہاؤس کی طرف آئے میں نے شانتا کی طرف دیکھے بغیر وھیل اس کے ہاتھ سے لے لی۔ شانتا قریب ہی کھڑی لہک رہی تھی۔ آتش فشاں کی طرح دہک رہی تھی۔

میرے ذہن میں فوراً ایک خیال کوندا بن کر لپکا۔ میں تین چار برس پہلے ترلوک کی لانچ پر دو ایک مرتبہ آیا تھا اور ہم مچھلی پکڑنے سمندر تک کے حدود سے باہر بھی گئے تھے۔ راستے میں لانچ میں خرابی پیدا ہوئی تھی تو ترلوک نے بتایا تھا کہ اسے کیوں کر درست کیا جاتا ہے۔ میں نے تھرونل میں اپنی مہارت کے تجربے کو آزمانے کے لیے اس میں تھوڑی بہت تبدیلی کی۔ ایسی گڑبڑ کی جس کی وجہ سے انجن ہلکی سی گڑگڑاہٹ سے خاموش ہو گیا۔ اور لانچ کو ایک شدید جھٹکا لگا۔

''یہ کیا ہو گیا......؟'' سیٹھی نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا اور پھر اس نے شانتا کی طرف دیکھا۔ ''کیا اس نے کوئی گڑبڑ کی ہے......؟''

''نہیں......'' میرے بجائے شانتا نے اسے بیزاری کے لہجے میں جواب دیا۔ ''کوئی خرابی ہو گئی ہے۔ کیا خرابی؟ یہی بتا سکے گا......''

''انجیکٹر میں ایئر لاک ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''شاید اکثر ایسا اس وجہ سے ہو جاتا ہے

جب لانچ کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔اس کی رفتار درمیانہ رکھنا ہوتی ہے۔تمہاری محبوبہ نے اس کی رفتار بہت تیز کردی تھی۔اس وجہ سے ایسا ہوا۔"

"اسے ٹھیک کرنے میں کتنا وقت درکار ہوگا؟" سیٹھی نے پوچھا۔"تم نے وھیل شانتا کو کیوں دی تھی اسے منع کرنا تھا؟"

"زیادہ سے زیادہ آٹھ دس منٹ لگیں گے۔" میں نے جواب دیا۔"تم بے فکر رہو۔پریشانی کی بات نہیں۔میں ٹھیک کرلوں گا۔" شانتا نے تو خود سے آکر وھیل سنبھال لی تھی۔کیا تم نے نہیں دیکھا تھا کہ اس نے مجھے زوردار دھکا دے کر ہٹایا تھا۔میں اسے روکتا اور منع کرتا تو تمہیں غصہ آجاتا۔اس لیے میں خاموش ہوگیا تھا۔جب کہ لانچ چلانا عورت کے بس کی بات نہیں۔"

"جو ہونا تھا وہ ہوگیا......چلو......دیکھو......کیا خرابی ہوگئی ہے اور اسے کیسے دور کی جاسکتی ہے جلدی کرو۔"

اس نے ریوالور سے مجھے انجن روم تک کور کئے رکھا۔وہ زینہ تنگ دیکھ کر رک گیا۔وہ انجن روم میں نہیں اترا۔کیوں کہ تیل اور کیمیکل کی بو پھیلی ہوئی تھی۔اور پھر اس کا خیال تھا کہ کہیں وہ انجن روم میں جاکر کسی جال میں نہ پھنس جائے۔اس نے شانتا کو آواز دے کر بلایا۔جب وہ آئی تو اس نے کہا۔"تم اس کے ساتھ انجن روم میں اتر جاؤ......نظر رکھنا کہ یہ کوئی گڑبڑ نہ کرے......میں وھیل ہاؤس کے پاس ہوں تاکہ اس کے دوست پر نظر رکھوں۔"

شانتا نے اندر جھانک کر دیکھا۔پھر وہ قدرے ہچکچائی۔"ایسا کرو۔ریوالور مجھے دے دو تاکہ میں اسے کوئی ایسی ویسی حرکت کرنے نہ دوں......اس سؤر کا کوئی بھروسہ نہیں......کوئی چال چل سکتا ہے۔بازی پلٹ نہ جائے۔"

"ریوالور کو میں اپنے پاس ہی رکھوں گا تاکہ اس کے ساتھی کو ہیرو بننے نہ دوں۔" سیٹھی نے کہا۔"تم گھبراؤ نہیں۔اگر اس نے دست درازی اور غیر شائستہ حرکت کی تو تم مجھے آواز دے دینا۔میں آکر اس کی کھوپڑی میں سوراخ کردوں گا۔"

پھر وہ تیزی سے وھیل ہاؤس کی طرف لپک گیا کہ کہیں ترلوک اس کی غیر موجودگی سے کوئی قدم نہ اٹھائے۔

میں زینے سے انجن روم میں اتر گیا۔فرش پر قدم رکھ کر میں نے پلٹ کر دیکھا۔وہ ساڑھی میں ملبوس تھی۔جب وہ اترنے لگی تو اس کا پیر ساڑی کے نال میں آگیا۔وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی وہ گرنے لگی۔میں نے اپنے بازو پھیلادیے۔وہ ان کے حصار میں آگئی۔میں نے اسے سنبھلنے اور بازوؤں سے نکلنے نہیں دیا۔اس کے چہرے پر جھک گیا۔

میرا خیال تھا کہ اس کا نازک بدن کسمائے گا۔وہ تعرض کرے گی۔نفرت اور حقارت سے پیش آئے گی۔لیکن اس نے اپنے آپ کو میرے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔اس نے میری حرکت پر سیٹھی کو پکارا نہیں۔وہ جذباتی ہوگئی۔خود سپردگی اور والہانہ پن سے پیش آئی تو مجھے بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی۔اس کا ذہن ایک منصوبہ تھا۔وہ دودھاری تلوار کی طرح تھی۔ہم دونوں بہت دور چلے گئے۔ہم دونوں کی واپسی ہوئی تو اس نے اپنا حلیہ فوراً درست کیا۔

"میری جان......!" اس نے پیار بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔"تم میرے رویئے اور باتوں کا کچھ خیال نہ کرنا۔میں تم سے محبت کرتی ہوں۔تم نے سیٹھی کی جو اصلیت بتائی۔میں اس سے بھی واقف ہوں۔تم میری کروگے نا......آئی لو یو......"

وہ ایک مکار عورت تھی۔اس کے لہجے سے ریاکاری اور منافقت ٹپک رہی تھی۔اس نے مجھے اپنے جال میں پھانسنے کیل یے اپنے آپ کو میرے حوالے کردیا تھا۔وہ جتنی حسین تھی اتنی خطرناک بھی۔میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"شانتا! تم اوپر جاؤ۔معمولی سی خرابی ہے۔میں ٹھیک کرکے دو تین منٹ میں آتا ہوں۔کہیں اسے ہم دونوں پر شک نہ ہوجائے۔" میں نے اسے دانستہ اوپر بھیج دیا تھا۔پھر سیٹھی،شانتا کو وہاں کھڑا کرکے آگیا تھا۔وہ جھک کر اندر جھانکنے لگا۔میں بظاہر انجن میں مصروف تھا۔درحقیقت مجھے کسی اور چیز کی تلاش تھی تاکہ میں اس سے فائدہ اٹھاسکوں اور اس خبیث پر قابو پاسکوں۔دلدل میں ڈوبتے ہوئے کو تنکا بھی مل جائے تو وہ پرامید ہوجاتا ہے۔میں بھی جیسے تنکا تلاش کررہا تھا۔

آخرکار مجھے اس دلدل میں تنکا مل گیا۔مجھے جلد ہی مطلوبہ چیز مل گئی تھی۔اسے دیکھتے ہی میری آنکھیں چمک اٹھیں۔میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔میں نے اپنے بشرے سے خوشی کا اظہار ہونے نہیں دیا۔ورنہ سیٹھی فوراً ہی مشکوک ہوجاتا اور تہہ میں پہنچ جاتا۔وہ چیز زرد پلاسٹک کا ایک چمک دار پستول تھا۔وہ انجمن روم کے ایک کونے میں پڑا ہوا تھا۔یہ وہی پستول تھا جو ترلوک کا ایک بچہ انجن روم میں کھیلتے ہوئے بھول گیا تھا۔میں دو ایک دن پہلے اس کی موجودگی میں بہت برہم تھا اور میں نے ترلوک سے کہا تھا کہ وہ اب آئندہ بچوں کو کھلونے لانے اور لانچ میں کھیلنے نہ دے۔

یہ پستول......سیٹھی کے ریوالور سے کہیں خطرناک اور کارآمد تھا۔میں جانتا تھا کہ اس سے کیا کام لیا جاسکتا ہے۔مجھے اس بچے پر بہت پیار آیا جو یہ پستول بیکار سمجھ کر پھینک گیا تھا۔یوں تو اس کی قیمت دس روپے بھی نہ تھی لیکن اس وقت یہ ہزاروں سے بڑھ کر تھی۔ایک طرح سے یہ فرشتہ تھا۔اب میری اور ترلوک کی جان کو کسی قسم کا خوف اور خطرہ نہیں رہا تھا۔میں اسے الٹ پلٹ کردیکھ رہا تھا۔سیٹھی جو اوپر والے زینے پر کھڑا ہوا تھا اس نے بڑے سخت لہجے میں للکارا۔

”یہ تم اتنی دیر سے انجن روم میں کیا کر رہے ہو؟ دس بارہ منٹ ہو رہے ہیں۔تم نے کہا تھا کہ چھ سات منٹ کا کام ہے۔“

”میں بیٹریاں چیک کر رہا ہوں۔“میں نے چیخ کر جواب دیا۔”اب صرف دو تین منٹ کا کام باقی رہ گیا ہے ابھی آرہا ہوں۔“میں نے جلدی جلدی ایک بیٹری سیل کا ڈھکنا کھولا۔اس آبی پستول کو اس سیل کے دہانے میں داخل کر کے لیور کھینچا تو بیٹری میں موجود تیزاب بھر گیا۔اب یہ گویا کھلونا پستول پانی کے بجائے تیزاب سے بھر گیا تھا۔میں نے بیٹری کا ڈھکنا بند کیا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔سیڑھیاں چڑھتے وقت میں نے وہ پستول جیب میں رکھ لیا تو وہ باہر نکل آیا۔میں نے اسے پھر سے روکنے کی کوشش کی تو سیٹھی کی نگاہ پڑ گئی۔اس نے اپنا خوف ناک قسم کا ریوالور مجھ پر تان لیا۔میں نے جوں ہی اوپر قدم رکھا اس نے ریوالور کی نال میری پیشانی سے لگا دی۔

”یہ تم نے اپنی جیب میں کیا چھپایا ہے......؟“وہ کسی زہریلے سانپ کی طرح پھنکارا۔وہ بہت ہی مشکوک ہو رہا تھا۔کیا تم اس کی بات کر رہے ہو......؟“میں نے جیب سے آبی پستول نکال کر اسے دکھایا۔”یہ ایک کھلونا پستول ہے۔اسے اچھی طرح سے دیکھ لو......اصلی پستول نہیں ہے۔پلاسٹک کا اور دس روپے کا بھی نہیں ہے۔“

سیٹھی نے میرے ہاتھ سے پستول کو نہیں لیا۔اس پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔”یہ تم کیوں لے کر آئے ہو؟“اس نے پوچھا۔”یہ مجھے نیچے پڑا ہوا مل گیا تھا۔“میں نے اسے بتایا۔”یہ ترلوک کے ایک بچے کا ہے۔میں نے سوچا......شاید وہ......اسے ڈھونڈنے میں کوئی دشواری نہ ہو اس لیے میں نے اسے لے لیا۔اسے دے دوں گا تو وہ بہت خوش ہو جائے گا۔“

”لیکن کیا تمہیں اس بات کی توقع ہے کہ تم یہ پستول ترلوک کے بچے کو پہنچا دو گے؟“سیٹھی نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

”کیوں نہیں۔“میں نے جواب دیا۔”میں اسے کیبن میں رکھ چھوڑوں گا۔جب ہم واپس ہوں گے تب اسے دے دوں گا۔“

”میں نے فیصلہ کیا ہے کہ......تمہیں اور ترلوک کو جہنم میں پہنچا دوں......میں نے اٹل ارادہ کر لیا ہے......“اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔”لاؤ یہ پستول مجھے دے دو۔اس لیے کہ یہ ارمان دل میں رہ جائے گا۔“

”جب تم ہمیں جہنم میں پہنچانا چاہتے ہو تو یہ پستول ہمارے پاس ہی رہنے دو۔“میں نے کہا۔”اسے لے کر کیا کرو گے؟ سیٹھی؟“

”میں نہیں چاہتا کہ جب تم جہنم میں پہنچو تو اس میں پانی بھر کر جہنم کی آگ بجھانے کی

کوشش کرو۔“وہ رعونت سے بولا۔

”سیٹھی......آخر تم کیوں ہم دونوں کو جہنم میں پہنچانا چاہتے ہو۔“میں نے انجان بن کر خوف ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

”اس لیے کہ تم دونوں کے لیے اس سے اچھی جگہ کوئی اور نہیں ہے۔“وہ بولا۔”میں شانتا کو تمہارے ساتھ روانہ کر دوں گا۔تم نے اس کے ساتھ میرا دل بہلایا۔وہ تم پر بھی مہربان رہی ہے۔وہ بڑی فیاض عورت ہے۔تمہیں جہنم میں ہر وقت خوش رکھنے کی کوشش کرے گی......اس کی مثال ایک کتیا کی سی ہے۔“

”سنو سیٹھی......“میں نے قدرے عاجزی سے کہا۔”جہنم، جہنم ہوتا ہے۔ابھی تو میں جوان ہوں۔ترلوک بال بچے والا ہے ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔آخر ہمارا کیا دوش ہے؟ ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔جو تم ہم دونوں کے بارے میں فیصلہ کر چکے ہو......جہنم میں دھکیلنے کا......ہمیں واپس جانے دینا۔ہم تو تمہارا بال تک بیکا نہیں کر سکتے۔پلیز! سیٹھی......!“

”بات یہ ہے کہ تم میرے بارے میں جو جانتے ہو اس نے مجھے دنگ کر دیا ہے۔“وہ بولا۔

”تم میرے اور میرے ارادوں کے بارے میں کیسے جانتے ہو......؟ شانتا کے بارے میں بھی......؟ تم بہت خطرناک ہو۔تم مار آستین ہو۔تمہارا زندہ رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے اس لیے میں نے شانتا اور تم دونوں کو جہنم ارسال کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔میں نے اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کرنا۔“

اس نے اپنی بتیسی کی نمائش کی۔وہ بہت مسرور نظر آ رہا تھا۔لیکن اس کے باوجود وہ بہت محتاط تھا۔خود کو پوری طرح محفوظ سمجھ رہا تھا۔میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔نہ ہی میں اسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں اس کے اور شانتا کے بارے میں کس طرح اور کیسے جانتا ہوں؟ میں نے اس کا ذہن پڑھ لیا تھا۔وہ واقعی ہمیں موت کی نیند سلا دینا چاہتا تھا۔

میں پلاسٹک کے آبی پستول کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا تو اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ ابھر آئی۔اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔”اگر یہ حقیقی پستول ہوتا تو تم کیا کرتے......؟ کیا تم اسے استعمال کرنے کی جرأت کر سکتے تھے......؟“

اسے اپنے آپ پر بڑا زعم تھا۔اس میں رعونت بھری تھی۔

میں نے وہ کھلونا پستول اٹھایا۔پھر اس کے چہرے سے ایک فٹ کے فاصلے پر ہاتھ روک لیا تھا۔اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔پھر میں نے ہونقوں کی طرح اسے مخاطب کیا۔”اگر میرے پاس نقلی پستول یا ریوالور ہوتا تو میں تمہاری طرف اس طرح چل کر آتا۔“میں نے توقف

کرکے گہرا سانس لیا۔ ''اور اس طرح تمہاری دونوں آنکھوں کے درمیان کا نشانہ لے کر فائر کردیتا...... لیکن یہ ایک کھلونا ہے۔ میرے دل میں حسرت رہ گئی ہے کہ میں تمہیں نشانہ بنا سکوں......''

اس نے دوبارہ ایک زوردار، بھونڈا اور بے ہنگم قہقہہ لگایا۔ ''یقیناً یہ ایک اچھا مذاق ہے۔ مجھے پسند......'' مگر دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے ایک دل دوز چیخ نکلی۔ میں نے بائیں ہاتھ میں دبے ہوئے کھلونا پستول کا لیور اچانک کھینچ لیا تھا۔ صرف ایک فٹ کے فاصلے سے تیزاب کی دھار اس کی دونوں آنکھوں پر پڑی تھی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا تو میں نے دائیں ہاتھ سے اس کا ریوالور جھپٹ لیا۔ اب اس کے دونوں ہاتھ آنکھوں پر تھے وہ تکلیف کی شدت سے دہرا ہوگیا تھا۔ اس کی چیخوں سے فضا تھرا رہی تھی۔ اور سمندر کی لہروں کے شور میں دب رہی تھی۔

شانتا اس کی چیخیں سن کر تیزی سے ادھر آئی تھی۔ میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کا حسین چہرہ اس ناگہانی صورتحال سے اچانک سفید پڑ گیا تھا۔ وہ وھیل ہاؤس کی دیوار سے چپک گئی تھی۔ لانچ اپنی منزل کا تعین کیے بغیر چل رہی تھی۔ اب ہم واپس ہو رہے تھے ممبئی کا ساحل زیادہ دور نہیں تھا۔ میں ہاتھ میں ریوالور لیے شانتا کی طرف مڑا۔

''میری جان......!'' شانتا ہذیانی انداز میں چیخی۔ ''میرا اور تمہارا تعلق ٹوٹا نہیں ہے جانی...... ہمارے پاس بہت بڑی رقم اور سونا بھی ہے...... ایک ارب سے زیادہ رقم...... اس رقم سے ہم دبئی میں عیش کی زندگی گزار سکتے ہیں۔''

''کیوں نہیں میری جان...... ہم یقیناً ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس وقت جب تم اپنے کیے کی سزا بھگت کر تیس برس کی سزا کاٹ کر آؤ گی...... مگر اس وقت تک تمہارا حلیہ کیا ہو چکا ہوگا؟ اس وقت تمہیں پتا چلے گا کہ تم نے جو جرائم کیے وہ نہیں کرنے چاہئیں تھے۔''

''نہیں...... نہیں...... ایسا مت کہو پیارے...... ہمارے پاس کافی وقت اور دولت ہے۔ کیوں نہ فائدہ اٹھائیں......''

''بالکل نہیں شانتا!...... ترلوک کو بھی امداد کی فوری ضرورت ہے۔ ہم واپس ممبئی شہر جا رہے ہیں......'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ پھر وھیل ہاؤس میں داخل ہو کر وھیل کو سنبھال لیا۔ ''اب سارا کھیل ختم...... میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہوں۔ میں کسی مجرم کی اعانت کرنا جرم سمجھتا ہوں۔ تم فیصلہ کرو۔ تمہیں کیا کرنا ہے؟ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم اپنے آپ کو قانون کے حوالے کردو۔ تمہارے لیے یہ زیادہ بہتر ہے۔''

شانتا نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ کافی دیر تک عرشے پر بت بنی کھڑی رہی۔ ساحل کو دیکھتی رہی۔ جو قریب ہوتا جا رہا تھا۔ کہر اب غائب ہو چکی تھی۔ ساحل سورج کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ پتھریلا ساحل اب زیادہ دور نہیں رہا تھا۔ اس نے شیشے میں جھانک کر مجھ پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ میرے چہرے کے سپاٹ پن اور سختی کا انداز لگایا۔ پھر اس نے اس راہ کو اپنا لیا جس کے سوا اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ میں نے اسے روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لیے کہ وہ قانون کے ہتھے چڑھتی تو جیل میں قانون کے محافظ اس کے ساتھ راتیں رنگین کرتے...... ہندوستانی جیلوں میں ایسا حسین، جوان اور مجرم عورتوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اس نے ایک دم سے لانچ سے چھلانگ لگا دی۔ وہ نہایت بھونڈے انداز میں گری تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ کیوں کہ مجھے اس کا انجام معلوم تھا۔ اس نے اپنے لیے درست راستے کا انتخاب کیا تھا۔ اب ممبئی کی پولیس اس سے باز پرس نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا بے مثال حسن اور ابلتا شباب کس کے لیے تکلیف کا باعث بن سکتا تا۔ گویا اس نے اپنے لیے تباہی کا دروازہ کھول کر باقی تمام دروازے بند کر دیئے تھے۔ اس نے زندگی میں پہلی اور آخری بار ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔

☆......☆......☆

میں نے اس کارنامے کا سہرا ترلوک کے سر باندھ دیا تھا۔ اس نے اپنے محلے میں ایک بہت بڑا اسپر اسٹور کھول لیا۔ اس نے مجھے انعامی رقم میں سے رقم دینا چاہی تھی۔ لیکن دوستی کا وہ نعم البدل نہیں تھا۔ میں نے انکار کر دیا قبول کرنے سے۔ سیٹھی کو عدالت نے سزائے موت سنائی اور پھر اسے ایک دن پھانسی دے دی گئی۔ یوں یہ کہانی ختم ہوئی۔

The End